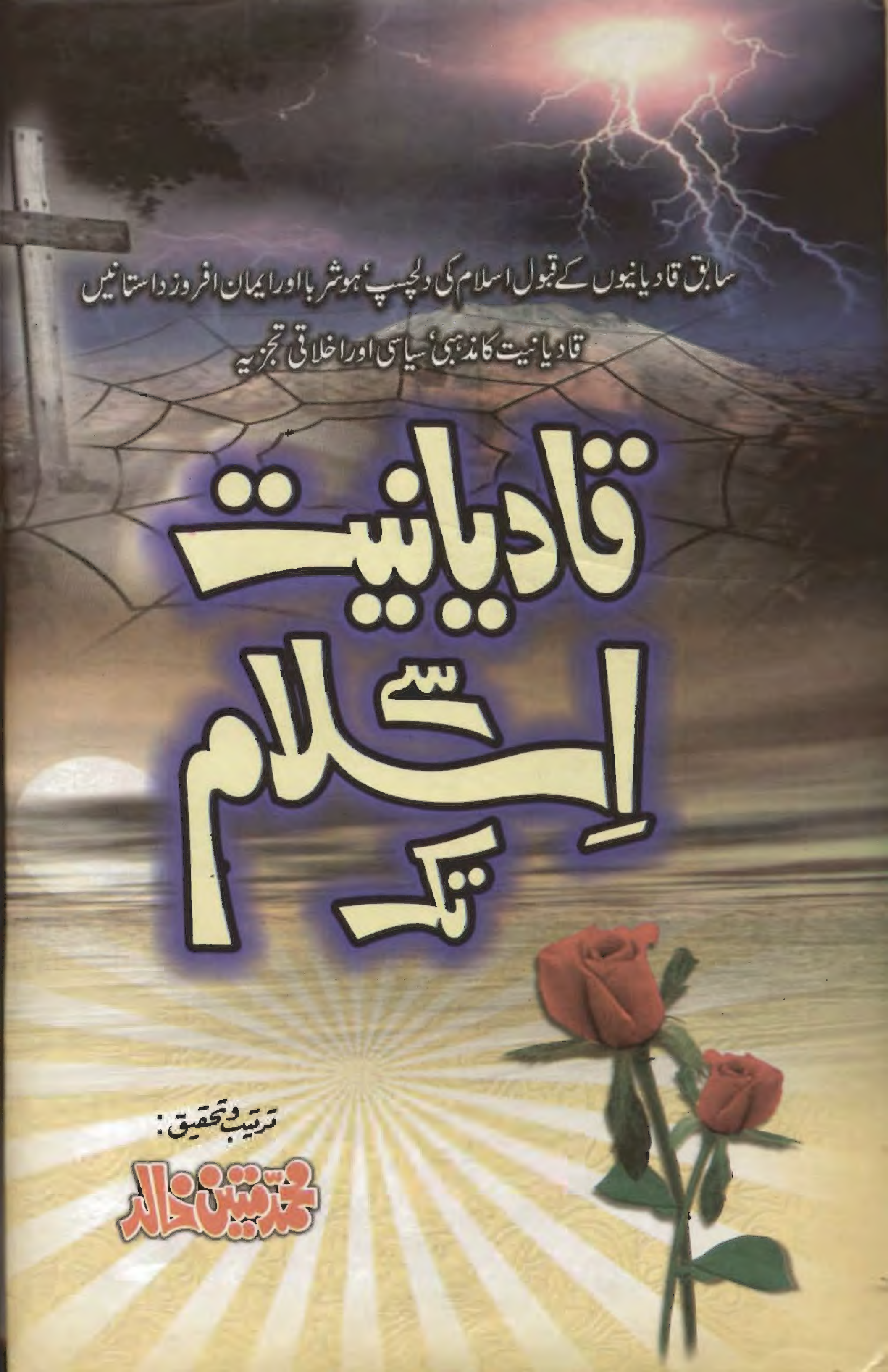

سابق قادیانیوں کے قبول اسلام کی دلچسپ‘ ہوشربا اور ایمان افروز داستانیں

قادیانیت کا مذہبی‘ سیاسی اور اخلاقی تجزیہ

قادیانیت سے اسلام تک

ترتیب و تحقیق:

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قادیانیت سے اسلام تک

جب کھل گئی بطالت پھر اس کو چھوڑ دینا
نیکوں کی ہے یہ سیرت، راہ ہدیٰ یہی ہے

◆

در پے دنیا، دیں ہم رفت، آں ہم رفت وایں ہم رفت
(دنیا کے درپے ہوا، دین بھی ہاتھ سے گیا، وہ بھی گئی، یہ بھی گیا)

◆

گر شب پرہ چشم روز نہ بیند
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

(اگر چمگادڑ کو دن کے وقت نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔ سورج تو روشنی پھیلانے کا ذریعہ بنا ہوا ہے جو آنکھیں موند لے اور نہ کھولنے کی قسم کھا لے، اسے کون دکھا سکتا ہے۔)

◆

باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے۔

◆

ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا

◆

سابق قادیانیوں کے قبول اسلام کی دلچسپ، ہوشربا اور ایمان افروز داستانیں

قادیانیت کا مذہبی، سیاسی اور اخلاقی تجزیہ

قادیانیت سے اسلام تک

ترتیب و تحقیق:

محمد متین خالد

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332-7232336
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله
١٤٠٤

فہرست

✸	انتساب		9
✸	لیجیے! آئینہ حاضر ہے!	جناب حافظ شفیق الرحمٰن	11
✸	انمول بیدی	جناب پروفیسر محمد ظفر عادل	15
✸	پہچان	جناب مسکین فیض الرحمان	19
✸	سارے راز بے نقاب	حضرت مولانا اللہ وسایا	26
✸	حی علی الفلاح	محمد متین خالد	28
☐	من الظلمات الی النور	مولانا لال حسین اخترؒ	35
☐	دام ہمرنگ زمین سے رہائی	زیڈ اے سلہری	48
☐	رُوداد قفس	مرزا محمد سلیم اختر	59
☐	حق گوئی	بشیر احمد مصری	82
☐	ڈھول کا پول	ملک محمد جعفر خان	93

☐ جھوٹ آخر جھوٹ ہے! سیف الحق، جرمنی 119
☐ یہ ہے قادیانیت! م۔ب خالد 139
☐ حقائق تک رسائی شفیق مرزا 143
☐ جب قادیانیت کی حقیقت منکشف ہوئی مرزا محمد حسین 187
☐ میں قادیانیت سے تائب کیسے ہوا؟ احمد نواز خاں، بریگیڈیئر ریٹائرڈ 196
☐ بھٹکا ہوا آہو حرم آشنا ہوتا ہے! رب نواز، ایئر کموڈور ریٹائرڈ 200
☐ شرار بولہبی سے چراغ مصطفوی ﷺ تک فضل احمد، میجر جنرل ریٹائرڈ 207
☐ زنجیریں پگھلتی ہیں! حسن محمود عودہ، فلسطین 209
☐ میں نے مرزائیت کیوں چھوڑی؟ احمد ہاریادی، انڈونیشیا 216
☐ قبول اسلام کی ایمان پرور سرگزشت ڈاکٹر عبداللہ خان اختر جتوئی 225
☐ قادیانیت، حقائق نامہ محمد صالح نور 240
☐ قادیانیت سے واپسی ڈاکٹر حافظ فدا الرحمٰن 251
☐ گمراہی سے ہدایت تک پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل 255
☐ جب قدرت نے راہنمائی فرمائی رشید احمد خالد 265
☐ میں مسلمان کیوں ہوا؟ محمد اللہ وسایا ڈیروی 267
☐ نیا سفر عزیز احمد 275
☐ کلیجہ تھام لو پہلے، سنو پھر داستاں میری رفیق احمد باجوہ 285
☐ الوداع قادیانیت! محترمہ بشریٰ باجوہ 294

☐ باطل سے حق کی طرف مولانا عبدالکریم مباہلہ 296
☐ میں ایک احمدی تھا پروفیسر منور ملک 345
☐ کفر کے اندھیاروں سے اسلام کی نورانی بہاروں تک شیخ راحیل احمد 356
☐ اسلام کی پناہ میں محمد مالک 368
☐ قفس قادیانیت سے آقا ﷺ کے قدموں تک عرفان محمود برق 371
☐ راہی منزل مراد پاتا ہے! مظفر احمد مظفر 385
☐ سراب کا سحر ٹوٹتا ہے! عبداللہ رینول 392
☐ قادیانیت سے فرار عثمان بیری 396
☐ ندامت کے آنسو رانا محمد رفیق 399
☐ مرزا قادیانی کے ایک “عقیدت مند” کی بغاوت سید راشد علی 404
☐ مرزا قادیانی اپنے جلیل القدر “مرید” کی نظر میں مولانا تاج محمدؒ 411

◆……◆

انتساب

ان دوستوں کے نام

جو بدقسمتی سے "قادیانیت" کو اسلام سمجھ کر اس کے دام فریب میں آگئے اور اب اسلام قبول کر کے حضور خاتم النّبیین حضرت محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن شفاعت میں پناہ لینا چاہتے ہیں!

راستے ہی میں اندھیروں نے انہیں لوٹ لیا
چاندنی بانٹنے نکلے تھے جو رخساروں کی

لیجیے! آئینہ حاضر ہے!

محمد متین خالد پاکستان کے علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں ایک معتبر حوالہ اور موقر استعارے کا نام ہے۔ سامراجی اور نامراجی قوتوں کے گماشتوں اور قادیانیت کے خرمن باطل کے لیے، متین خالد شعلہ جوالہ اور برق بے اماں کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ادبی حلقہ میں استعمار دشمن مجاہد کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس کی قلمی ترکتازیوں کا ہدف استعمار اور سامراج کے وہ ”نقاب پوش گماشتے“ ہیں جو دین کے نام پر دین کے قلعے اور عقائد کی فصیلوں پر شب خون مارنا چاہتے ہیں۔ متین خالد نے استعمار کے ان پٹھوؤں اور ٹوڈی بچوں کو جو قادیانیت کے لبادے اور ”احمدیت“ کے مقدس پیرہن میں ڈیڑھ اینٹ کی ”مسجد ضرار“ بنانے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے پھر رہے تھے، اپنے ”قلم کٹہرے“ میں لاکھڑا کر کے اس بے باکی سے بے نقاب کیا ہے کہ ان بھگوڑوں کے لیے ”اب جائے ماندن ہے نہ پائے رفتن۔“

ہمارے ہاں ادب اور صحافت پر سکہ بند قسم کے ادیبوں اور صحافیوں کا ناجائز قبضہ ہے۔ ان ناجائز قابضین نے اپنے چہروں پر ترقی پسندی اور روشن خیالی کے ماسک چڑھا رکھے ہیں۔ ترقی پسندی اور روشن خیالی کی آڑ میں، روسی، امریکی اور برطانوی سفارت خانوں کے راتب پر پلنے والے یہ قلم کار اور کالم کار، ہر اس خشک و تر تحریر کو ادب عالیہ کا شاہکار قرار دیتے ہیں، جس میں شکمی اور جنسی بھوک کو تحریک دینے والا ”مواد“ موجود ہو۔ ماضی میں یہ ”فنکار“ کمیونسٹ مینی فیسٹو کے تحت ترقی پسندی کا اور اب ”نیو ورلڈ آرڈر“ کی تابعداری میں روشن خیالی کا ناد پھونک رہے ہیں۔ ایسی تحریروں اور محرروں کی حلقہ ستائش باہمی کا رکن ہونے کی وجہ سے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے خوب خوب تشہیر کی جاتی ہے، یوں ٹھکر موتی، ذرے ہمالہ، گنگا کا گدلا جل آب زمزم کی منزہ لہر بنا کر پیش کیا جاتا ہے...... اس قسم کی اشتہا انگیز اور اشتعال انگیز تحریروں کو ”ادب برائے زندگی“ کی نمائندہ تحریریں قرار دیا جاتا ہے...... اس کے برعکس جب کوئی قلم کار دین کی حرمت اور عقائد کی ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے قلم کو تیغ اور قرطاس کو ڈھال بنا کر زندگی کے میدان میں دین کے باغیوں کو للکارتا اور فکری محاذ پر پچھاڑنے کی کوشش کرتا ہے تو ان کی یہ فاختائیں ”بوئے خوں آتی ہے اس فرد کے افسانوں سے“ کی دھائی دیتے ہوئے منظر عام پر آ جاتی ہیں تا کہ ایک سچے قلم کار کی کردار کشی کی جا سکے...... یہ ایک الگ بحث ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق کے پرچم کی سربلندی کے

لیے، اپنے فکر ونظر کی رعنائیوں، قلب وجگر کی توانائیوں اور دست وبازو کی سرمائیوں کو وقف کر دینے والے متین خالد جیسے مجاہد قلم کار، صلے کی تمنا اور ستائش کی پروا سے بے نیاز ہو کر فکری ونظری مورچوں پر ستیزہ کار ہوتے ہیں۔ انھیں اپنی فکری اور فنی کاوشوں کے لیے کسی وائٹ ہاؤسیئے یا لینن گراڈیئے ادب کے نقاد سے "سند امتیاز" لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ

فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

عصر حاضر میں "فتنہ قادیانیت" عالم اسلام کی شہ رگ پر سرطان کے پھوڑے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پھوڑے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے جس قسم کی تیز دھار نشتریت کی ضرورت ہے، وہ متین خالد کی تحریروں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ متین خالد کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ اس نے مزاحمتی ادب تخلیق کرنے کے باوجود نعرے بازی اور کھوکھلی خطابتی جملہ سازی سے مکمل اعراض اور اجتناب کیا ہے۔ **"قادیانیت ہماری نظر میں" اور "ثبوت حاضر ہیں" سے لے کر "قادیانیت سے اسلام تک"** جو "کتب مینار" تحقیق وتدوین کے اس قلب نے تعمیر کیا ہے، بلاشبہ وہ قابل داد بھی ہے اور لائق دید بھی...... ان تمام کتابوں کے ایک ایک جملے میں "شبلی مکتبہ فکر" کی سخت گیریت، عقلیت، استدلال اور منطقیت اس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس طرح نافہ آہو میں "مشک اذفر" اور فضائے حدود حرم میں "تقدس" ہوتا ہے۔

اس قسم کا شاہکار لٹریچر مادی منفعتوں اور شخصی شہرتوں کے خریدار بیوپاری کبھی تخلیق نہیں کر سکتے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ روٹی کے گول ٹکڑے میں عالمی گلوب کے مسائل دیکھنے والے "جمشید" یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ روٹی سے ماورا بھی کچھ صداقتیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے، جو ادب صرف روٹی کے لیے تخلیق ہو گا، وہ صرف ذہنی بدہضمی پیدا کرے گا اور جو ادب عقیدے کی کوکھ سے جنم لے گا، اس کی ایک ایک سطر فاران کی چوٹیوں کی طرح منور ہو گی۔ ایسا ادب فنا فی الشکم قسم کے ادیب تخلیق کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کے گرد منڈلانے والا ادب روٹی کی عمر طبعی کی طرح ناپائیدار ہو گا جبکہ ایک سچے عقیدے کی پائیدار اور لازوال اقدار کا محافظ اور پیش کار ادب لازوال، پائیدار اور سدا بہار ہو گا۔

متین خالد کی کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ یہ تحریریں بلاشبہ ایک ایسے شخص کے نوک قلم سے پھوٹی ہیں جو سراپا فنا فی الرسول ﷺ ہے۔

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے!

متین خالد کو عالمی طاقتوں کے سفارت خانوں کی غلام گردشوں میں ڈالروں کی تاتاری، اس پر روشن خیالی کا رقص کرنے والے کہنہ مشق ادیبوں اور فنکاروں کی داد و تحسین کی ضرورت نہیں کہ وہ جن موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، قلم کی حرکت سے قبل ہی نوائے سروش ان کی فکر کے ہم رکاب ہوتی ہے۔ ان پر

قلم اٹھاتے ہی تائید ربانی کے ساتھ بے تار کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔

قادیانیت کے حوالے سے متین خالد کی "ڈسکوریز" اہل علم اور باخبر حلقوں سے ڈھکی چھپی نہیں۔ انھوں نے تحقیق اور انکشافی سطح پر انتہائی دیدہ ریزی سے کام کیا ہے اور پڑھنے والوں اور سچ کے متلاشیوں کے لیے سنجیدہ مباحث کے دروازے کھولے ہیں۔ تعصب کی ہر آلائش سے دامن بچاتے ہوئے انھوں نے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ قادیانیت کے ڈھول کا پول کھولنے کے لیے انھوں نے اپنے قلم کو صرف قصاب کا چھرا بنا کر اس جسد بے روح کی چیر پھاڑ نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنے قلم کو جراح کا نشتر بنایا ہے، جہاں زخم لگانا ناگزیر تھا، وہاں زخم لگانے اور گندہ مواد نکال باہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور جہاں مرہم اور پھاہا رکھنا ضروری تھا، وہاں سامان اندمال فراہم کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ مریض کے نہیں بلکہ مرض اور اس کو پیدا کرنے والے جراثیم کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں اور قادیانیت کے مہلک روگ کا شکار "جذامیوں" کو ناقابل علاج تصور نہیں کرتے بلکہ اتمام حجت کے لیے، ان کو معالجے کی تمام سہولتیں بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان کا تحقیق کردہ تمام لٹریچر اسی دردمندی کا عکاس وغماز ہے کہ ان کی تحریر اور تحقیق کو پڑھ کر، اگر ایک بھی قادیانی راہ ہدایت پر آ جاتا ہے تو ان کی زندگی بھر کی کاوش رنگ لے آئے گی۔ ان کا اسلوب دعوتی ہے، اس لیے جارحانہ نہیں۔ وہ ناصح مشفق کے انداز میں اپنے مخاطب قادیانیوں کو انتہائی رس بھرے اور پیار بھرے انداز میں سمجھاتے ہیں۔

یہ کتاب، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ کوئی معمولی کتاب نہیں، یہ قادیانیت کے حوالے سے "حقائق نامہ" ہے۔ یہ "حقائق نامہ" قادیانیوں کی کسی حزب مخالف نے مرتب نہیں کیا۔ یہ تو "محرمان راز ہائے درون میخانہ" کی سرگزشت ہے، کسی "چراغ رہگزر" کا تبصرہ نہیں۔ "قادیانیت سے اسلام تک" میں متین خالد نے قادیانیت کے ان خفی وجلی گوشوں کو "قادیانیوں" کے سامنے دعوت فکر دینے کے لیے بے نقاب کیا ہے جو کسی اینٹی قادیانی کی بات کو اس لیے نہیں سنتے کہ یہ تو ہیں ہی ہمارے خون کے پیاسے...... لیکن اس کتاب کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ ان کے خون کے کسی پیاسے کے تیز دھار قلم کا شہکار نہیں بلکہ یہ خود ان کے اپنے گھر کے بھیدی ہیں، جنھوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک طویل حصہ قادیانیت کی تبلیغ اور ترویج میں بسر کیا اور جب تعصب، عقیدت اور تقلید کی سیاہ پٹی ان کی آنکھوں سے اتری تو قادیانیت کی حقیقت، ان کے سامنے بے نقاب ہو گئی۔ قادیانیت کا اصل اور مکروہ چہرہ جب انھیں دکھائی دے گیا تو ان حقیقت پسند اور حق کے متلاشی سچے انسانوں نے اس دام ہمرنگ زمین کا مزید صید بننا گوارا نہ کیا۔

"قادیانیت سے اسلام تک" جیسی شہکار کتاب کی تخلیق اور تالیف کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے متین خالد کو اپنے دلوں کی تپش اور شبوں کا گداز، آہ نیم شبی اور نالہ صبح گاہی، اس کار خیر کی

انجام دہی کے لیے وقف کرنا پڑا۔ ایسی نادر و نایاب کتابیں پل بھر میں مرتب نہیں ہو جایا کرتیں۔ اس کے لیے بلا کی سنجیدگی اور فکر کی ضرورت ہوتی ہے...... غبار آلود اور گرد گزیدہ جرائد و رسائل کے کرم خوردہ صفحات میں ادھر ادھر اور جہاں تہاں بکھرے ہوئے مواد کو ڈھونڈنے کے لیے یقیناً کھوجی نگاہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان منتشر اور بکھرے ہوئے حقائق کو یکجا کر کے کتاب لڑی میں پرونا، یقیناً جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کے لیے فاضل مولف کو نہ جانے کتنی لائبریریوں کے دروازوں پر دستک دینا پڑی، کتنی کتابوں کے اوراق کھنگالنا پڑے اور کتنے جرائد و رسائل کے صفحات الٹنا پڑے...... نیز یہ کہ خشک و تر اور رطب و یابس مواد کی بجائے مستند اور وقیع شخصیات کے رشحات فکر کا انتخاب کرنا بھی تو کسی طرح پل صراط عبور کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ متین خالد لائق صد تحسین ہیں کہ وہ بحر ظلمات سے ایسے لولوئے لالہ چن کر لانے میں کامیاب ہوئے جن کی ضیاء گستری، آفتاب طرازی اور ماہتاب سازی، قادیانی عقائد کے دجل و فریب کی پراسرار اور تاریک گلیوں میں سر پھوڑنے والے، سچ کے متلاشیوں کو حقیقت کا آئینہ اور روشنی دکھا رہے ہیں۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

قادیانی ضلالت کے تاریک طوفانوں میں ہچکولے کھاتے سفینوں کے لیے یہ کتاب منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں وہ بھولے بھالے ”قادیانی“ جو کھوکھلے دلائل کے طوفان اٹھائے صحراؤں میں گم کردہ راہ ہو چکے ہیں، یہ کتاب، یہ حقائق نامہ، ان کے لیے ”قندیل رہبانی“ کی حیثیت رکھتا ہے...... کیوں؟ اس لیے کہ اس کتاب میں موجودہ مواد اور مضامین کا تانا بانا خانہ ساز روایات کی کھڈی پر تیار نہیں کیا گیا...... نہ ہی یہ کوئی افسانوی داستان ہے جسے زور قلم اور رنگینی بیاں سے شگفتہ و شاداب بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ ہی اس میں تخیل کی کرشمہ سازی سے محیر العقول اور لذیذ کہانیاں آپ کی ضیافت طبع کے لیے پیش کی گئی ہیں...... یہ تو آئینہ ہے، اور اگر کوئی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر برا منا جاتا ہے تو اس کی عقل پر بجز ماتم کرنے کے اور کیا، کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی آئینے میں اپنے چہرے کے خدوخال دیکھ کر اپنے نین نقش کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے اور گرد و غبار کو اپنی پیشانی سے صاف کر لیتا ہے تو یہی تقاضائے انسانیت اور مقتضائے عقل ہے...... لیجیے! آئینہ حاضر ہے!

حافظ شفیق الرحمٰن
کالم نگار ”روزنامہ دن“ لاہور

* * *

انمول بھیدی

قادیانیت بلا مبالغہ امت مسلمہ کی فکری وحدت اور دینی حمیت و غیرت کے خلاف ایک ایسی گھناؤنی اور مکروہ سازش ہے، جس کا مقصد امت محمدیہؐ کے انتہائی متفقہ اور مسلم عقیدہ ''ختم نبوت'' کا خاتمہ کر کے قرآن و سنت میں ترمیم و اضافہ اور دین اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات کا دروازہ کھولنا ہے۔ مزید برآں نظریہ جہاد کو متروک اور دور جدید میں ناقابل عمل ثابت کرنا ہے تاکہ مسلمانوں کی دینی غیرت، حریت فکر اور جذبہ آزادی کو ختم کر کے انھیں یہود و نصاریٰ کے دام ہمرنگ زمیں میں پھنسایا جا سکے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں اس سازش کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سازش مسلمانوں کے مغلوبیت کے دور میں حکمران قوتوں نے (جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کا تاریخی تجربہ رکھتے ہیں) نہایت منظم انداز میں کی اور اس کی کامیابی کے لیے مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں، معاشرتی مجبوریوں، معاشی پسماندگی اور سیاسی ابتری کا بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔ اس سلسلے میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کی طاقت کا جس انداز میں استعمال کیا، اس سے ان کی اسلام دشمنی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

یہی سازش اگر مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے دور میں کی گئی ہوتی تو شاید اسے ایک لمحہ پنپنے کا موقع نہ ملتا کیونکہ مسلمانوں نے بعض فروعی مسائل میں نزاع و اختلاف کے باوجود کبھی بھی فخر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت پر انگشت نمائی برداشت نہیں کی اور عقیدہ ''ختم نبوت'' پوری ملت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی بھی اختلافی نہیں رہا لیکن یہ سازش یہود و نصاریٰ کے ذہن کی پیداوار تھی اور برطانوی اقتدار نے اپنی سامراجی طاقت کی چھتری کے نیچے اس سازش کو پورا تحفظ فراہم کیا، پروان چڑھایا اور اب یہ بات کوئی متعصبانہ جملہ نہیں رہا، نہ ہی اسے مخالفت برائے مخالفت کا نام دیا جا سکتا ہے بلکہ یہ ایک بھرپور تاریخی حقیقت ہے کہ ''قادیانیت کا شجر خبیثہ امت مسلمہ کی وحدت کو پاش پاش کرنے اور ان کے جذبہ حریت کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان میں انگریزوں نے کاشت کیا'' اور اپنی ساری انتظامی مشینری اور سامراجی طاقت کو اس کے تحفظ و پرداخت پر لگا دیا۔ قادیانیت قبول کرنے والوں پر اعلیٰ تعلیم اور انتظامی عہدوں کے تمام دروازے کھول دیے گئے۔ حکومتی ذرائع نشر و اشاعت کو اس سازش کی کامیابی کے لیے بے دریغ استعمال کیا گیا لیکن یہ عقیدۂ ختم نبوت کا اعجاز ہے کہ امت مسلمہ کے عمومی مزاج نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کی تحریک قادیانیت کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا اور تمام تر جابرانہ کوششیں اور پرکشش کاوشیں، ان کے ایمان کو متزلزل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

قیام پاکستان کا بنیادی مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان اپنے دین سے والہانہ لگاؤ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئے، جہاں وہ اپنے انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی فیصلے بھی اللہ کے دین کے مطابق کر سکیں۔ اس مقدس و پاکیزہ جذبے کی تکمیل کے لیے ایک طویل و پرآشوب تحریک کے بعد مسلمانان پاک و ہند کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک ایسی خودمختار ریاست کے طور پر ابھرا، جسے اسلام کی عملی تجربہ گاہ بننا تھا۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان میں اسلام کا کھرا سکہ جاری و ساری کر دیا جاتا اور بلا تاخیر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست کے ڈھانچے میں ڈھال دیا جاتا لیکن انگریز دور کی بھرتی کی ہوئی ملٹری اور سول بیورو کریسی (جن میں بہت بڑی تعداد قادیانیوں کی تھی) اور سیاست دانوں میں قادیانی گماشتوں کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بن جائے کیونکہ اسلامی ریاست میں ان کی حیثیت مرتد کی ہوتی اور وہ واجب القتل قرار پاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے سرپرست یہود و نصاریٰ و ہنود بھی ایک اسلامی ریاست کو اپنے سامراجی عزائم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایسے ایسے بحرانوں کے طوفان کھڑے کیے کہ نفاذ اسلام تو ایک طرف، پاکستان کا استحکام بھی مشکوک دکھائی دینے لگا اور یہی سازشی بالآخر پاکستان کو دولخت کرانے میں کامیاب ہو گئے اور اب بھی قادیانی اور ان کے سرپرست، پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی ہر جدوجہد اور کوشش کو سبوتاژ کر دینا چاہتے ہیں۔

قادیانیوں کی سیاسی تخریب کاریوں اور مذہبی فریب کاریوں کا پردہ ہر دور میں امت کے علماء حق نے چاک کیا اور امت کو ان کی عیارانہ چالوں اور مکارانہ رویہ سے آگاہ کرتے رہے۔ قادیانیوں کی وحدت اسلام کے خاتمہ کی سازش ہو یا استحکام پاکستان کے خلاف مہم، امت کے مجاہد نوجوان ہمیشہ ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل میں ہمالیہ بن کر کھڑے ہو گئے۔ اس سازشی ٹولہ کے پاکستان دشمن عزائم کے سامنے بند باندھنے کے ساتھ ساتھ علمی محاذ پر جس طرح قادیانیوں کا تعاقب نوجوان اہل علم نے کیا، وہ بذات خود عقیدۂ ختم نبوت کا ایک معجزہ ہے۔ انہی نوجوانوں میں ایک نوجوان، محمد متین خالد بھی ہیں جنھیں خداوند کریم نے اپنے نبی ختم الرسل کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے چن لیا ہے۔ تحفظ ختم نبوت کے مقدس جذبے نے ان کے قلم میں دریاؤں کی سی روانی اور تلوار کی کاٹ پیدا کر دی ہے۔ وہ نہایت سنجیدگی، پوری ذمہ داری اور انتہائی تفکر کے بعد ایسے حیرت انگیز اور ہوشربا انکشافات کرتے ہیں کہ قاری کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کی نگاہوں سے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں اور قادیانیت کا اصل چہرہ اس کے سامنے آ جاتا ہے جس کے بعد اس کے دل میں قادیانیت کے خلاف نفرت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ متین خالد کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کبھی بھی پڑھنے والے کو جذباتی انداز میں اپیل نہیں کرتے بلکہ ناقابل تردید علمی دلائل اور قادیانیوں کی امہات کتب سے ایسے ایسے ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا دانشور بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' اس کا بین ثبوت ہے۔ اس کتاب میں محمد متین خالد کی چشم بصیرت نے خوردبین کے بغیر قادیانیت شناسی کا حق ادا کر دیا۔ اس کتاب میں قادیانیوں کے عقائد و افکار اور تعلیمات و عزائم کو ان کی اپنی مستند کتب، ان کے اپنے اخبارات و جرائد اور ان کے اپنے قائدین اور دیگر کے بیانات کی روشنی میں بیان کیا ہے اور اپنی بات کو ناقابل تردید بنانے کے لیے قادیانیوں کی ہر تحریر کی عکسی اور دستاویزی شہادتیں پیش کی ہیں۔ تحقیق و جستجو کرنے والوں اور قادیانیت کے بارے میں معلومات کے خواہاں اہل فکر و دانش کے لیے، یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ یہ محققانہ کتاب جہاں متین خالد کی بے پناہ تحقیق و جستجو، عمیق مطالعہ، انتہائی غور و فکر، شبانہ روز محنت اور خداداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، وہاں اس کا ایک ایک صفحہ کہہ رہا ہے:

ہوتا ہے جن میں نام رسول خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا
سرکار دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کر دیا

میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے بعد قادیانیوں کی بھیانک تصویر واضح کرنے کے لیے کسی محدب عدسہ کی ضرورت نہیں اور کتاب کے صرف ایک ماہ میں دو ایڈیشن نکل جانا میری بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ محمد متین خالد اگر اسی کتاب پر اکتفا کرتے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اخروی نجات کے لیے کافی تھا مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کو عشق مصطفیٰ بھلا کہاں چین سے بیٹھنے دیتا ہے اور پھر یہاں تو۔

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اور پھر یہ نوجوان ایک اور وادی میں جا نکلا۔ اب اس کی تحقیق کا میدان مختلف تھا۔ اب اس نے کتابیں نہیں کھنگالیں بلکہ دروازے کھٹکھٹائے۔ اب یہ علماء کی محافل میں فیض یاب ہونے نہیں بلکہ ملک کے دور دراز علاقوں میں گرد چھاننے نکل پڑا۔ اب یہ ان لوگوں کا متلاشی تھا، جو عرصہ دراز قادیانیت کی تاریخ اور پُرفریب راہوں پر بھٹکنے کے بعد حق و صداقت کی فطری اور حقیقی جستجو لیے اسلام کی دہلیز تک پہنچے اور روشنی و نور کی بستی میں داخل ہو گئے۔ متین خالد ایسے بہت سے افراد سے ملے، ان کے انٹرویو کیے، ان سے ان کے سابقہ مذہب کے بارے میں طویل گفتگو کی۔ انھیں وہ حالات و واقعات بیان کرنے پر راضی کیا، جن سے گزر کر وہ آئے تھے۔ یہ تمام باتیں نہایت صبر آزما اور مشقت طلب تھیں مگر عشق نے یہ تمام مراحل دنوں میں طے کروا دیے۔ اب ان کی ایک اور کتاب ''قادیانیت سے اسلام تک'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کی روداد ہے، جو قادیانی تھے اور اب مسلمان ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ ''گھر کے یہ بھیدی'' کس قدر قیمتی اور انمول ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد، میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ

لوگ "دراصل ہمارے ایمان کے محافظ ہیں" قادیانی کفرستان کی اندرونی غلاظت کو جس طرح ان لوگوں نے آشکارا کیا ہے، وہ ان کے سوا کوئی کر نہیں سکتا اور "ہوا جب ان کا سارا گند آشکارا" تو کوئی باشعور انسان ایسا نہیں جو دیکھ کر گند کھا سکے۔

یہاں میں یہ بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، وہ شاید ان لوگوں کی عظمت کردار کو نہ سمجھ سکیں جنھوں نے اپنے مذہب قادیانیت کو ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ مذہب ترک کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں اور نہ یہ، لباس بدلنا، گھر بدلنا، ملک بدلنا جیسا کوئی عمل ہے بلکہ ترک مذہب کرنے والا کبھی اپنے ماحول سے بغاوت کرتا ہے، کبھی اسے اپنے والدین چھوڑنا پڑتے ہیں، کبھی وہ اپنے دوستوں کو دشمنوں میں بدلتے دیکھتا ہے۔ کبھی عزیز و اقارب کی موجودگی میں تنہائی کا عذاب برداشت کرتا ہے، کبھی اسے ایمان کی خاطر اپنے مفادات کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی اس کی اپنی اولاد بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے اور کبھی زندگی سے محرومی کی سزا بھی ملتی ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ انتہائی اخلاص و محبت کے ساتھ اسلام قبول کرتا، اپنا سب کچھ چھوڑ کر پرُخار وادیوں میں عزیمت کی منزلیں طے کرتا ہوا آبلہ پا اسلام کی وادی امن میں پہنچتا ہے تو یہاں کچھ منافق صفت لوگ اس پر شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے ہر عمل کو ایک مخصوص زاویے سے جانچتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ بات ان متلاشیان حق کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے مگر قابل ستائش اور مبارک باد کے مستحق ہیں یہ اہل عزیمت، جو ہر پریشانی و مصیبت کا نہایت خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت قدم قدم پر ان کی مدد فرماتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ایمان کے لیے کسی نسلی شہادت کے محتاج نہیں بلکہ پورا معاشرہ، اللہ اور اس کے فرشتے ان کے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔

یہ کتاب انہی لوگوں کے ایمان کی داستان ہے۔ ایمان افروز داستان۔ لیجیے اب آپ یہ داستان پڑھیے اور قصر قادیانیت کے ان گوشوں سے بھی آگاہ ہو جایئے جو کسی کتاب میں محفوظ نہیں اور اس مجاہد کی درازی عمر کی دعا کیجیے، جو عشق نبی میں غرق قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اٹھاتا چلا جا رہا ہے۔ نہیں معلوم کہ اب اس کا قلم کہاں جا کر ٹھہرے گا۔ میری دعا ہے اللہ اسے بھی سلامت رکھے اور اس کے قلم کو بھی!

پروفیسر محمد ظفر عادل
گورنمنٹ کالج باغبانپورہ، لاہور

* * *

پہچان

دنیا میں کئی اقسام کے غلام ہوتے ہیں۔ کوئی اپنا غلام، کوئی کسی دوسرے کا غلام، کوئی ذہنی، فکری، اقتصادی اور نظریاتی غلام اور کوئی جسمانی غلام، کوئی اپنے جذبات، احساسات اور خواہشات کا غلام، کوئی کسی دوسرے کے جذبوں اور خواہشوں کا غلام، کوئی کسی پتھر، جانور اور اجرام فلکی کا غلام، کوئی اللہ تعالیٰ کا غلام، کوئی کسی انسان کا غلام اور کوئی اللہ کے ان بندوں کا غلام جو اسے اللہ کی جانب راستہ دکھانے پر معمور ہوتے ہیں۔ جب سے کائنات ارضی قائم ہوئی ہے، غلامی بھی موجود ہے اور غلام بھی موجود ہیں۔ غلام کیا ہوتا ہے؟ مالک کا حکم ماننے والا، اس کی فرمانبرداری کرنے والا، اس کے اشاروں پر چلنے والا، اس کی رضا اور خوشی کے مطابق کام کرنے والا۔ غلام ہونے کے تین تقاضے ہوتے ہیں، سب سے پہلا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے مالک کی پہچان ہو، وہ اپنے مالک کو مالک کی حیثیت سے پہچانے۔ دوسرا تقاضا کہ وہ اپنے مالک کے احکام کو جانتا، سمجھتا اور اس پر عمل کرنے والا ہو اور تیسرے یہ کہ وہ اپنے مالک کا ادب اور تعظیم کرے، اس کی اطاعت اور اتباع کرے اور پورے احترام و محبت سے مالک اور اس کے متعلقین ولواحقین سے مالک کی مرضی اور خوشی کے مطابق سلوک کرے۔

آج ہم دو غلاموں کی بات کر رہے ہیں ایک انسان جو کہ اللہ تعالیٰ کا غلام ہے، اس کے رسول خاتم الانبیاء ﷺ اور ختم المرسلین ﷺ کا اور اللہ کے ان بندوں کا غلام، جو کہ ہر آن، ہر لمحے، اسے اللہ کی طرف جانے والے راستے پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں، اس کی راہنمائی کرتے ہیں، اس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، اللہ کے یہ نیک بندے، اللہ اور اس کے محبوب پاک کی پارٹی کے لوگ اور ورکر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی انسان کی طرح اللہ کو اپنا الٰہ، اپنا مالک، اپنا رب، اپنا پالنے والا، دینے والا، مقصود، معبود اور مسجود سمجھتے ہیں۔ اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں، اس کی بندگی کرتے ہیں، اپنے آپ کو صرف اور صرف اسی کا بندہ اور مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس کے فرمان کی بجا آوری کرتے ہیں، اس کے فرمودات اور احکامات کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو فرائض تفویض کیے ہوتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں اور ان کے جو حقوق متعین کیے ہوتے ہیں، ان کے حدود کی پاسداری کرتے ہیں، اللہ کے سب رسولوں، نبیوں، پیغمبروں کو اللہ کے فرمان کے مطابق برحق سمجھتے ہیں اور مخلوقات

الٰہی میں، ان کو سب سے برتر اور بزرگ سمجھتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کو اپنے رب عزوجل کا آخری نبی، رسول اور پیغمبر اور اپنا آقا و مالک سمجھتے ہیں، قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور سرور ثقلین آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام آخری بار وحی لے کر نازل ہوئے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور مسلمانوں کے لیے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ آخری کتاب قرآن حکیم پر عمل، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور آئمہ عظام اور فقہائے امت کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ضروری ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، امت میں سب سے افضل، تابعین اور تبع تابعین اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگ اور ان کی اتباع کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اولیاء اللہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے امتی اور غلام ہوتے ہیں، یہ غلام وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق **اشداء علی الکفار** اور **رحماء بینھم** پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کے اخلاق حسنہ، ان کے اطوار پاکیزہ، ان کا کردار صاف، ان کا کلام پاک، ان کی گفتگو شائستہ، ان کی تحریر شستہ اور ان کے کلام ایسے، کہ انھیں دیکھ کر اللہ کی یاد آ جائے، ان کا چال چلن نیک اور معاملات راستبازی کا نمونہ، یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور نظام مصطفیٰ قائم کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ صرف اور صرف شریعت ہی کو انسان کے لیے دنیا میں امن وسکون، اطمینان اور راحت کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے قانون کو انسان کے لیے باعث رنج وغم اور خوف والم سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ، غلاموں کا وہ گروہ ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کے غلام ہوتے ہیں اور اس کے فرمان کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سید المرسلین اور خاتم النبیین سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں، طاغوتی استحصالی قوتوں اور منافقین کے خلاف غلبہ حق کی خاطر غیر مصالحانہ انقلابی جنگ، فیصلہ کن مرحلہ تک جاری رکھتے ہیں اور ایک ایسے پُرامن اور صالح معاشرے کے قیام کی جدوجہد میں مصروف عمل ہوتے ہیں کہ جس کی بنیاد، وحدت نسل انسانی اور شرف وتکریم انسانیت کے تصور پر قائم ہو، ایک ایسا معاشرہ کہ جس میں محدود گروہی عصبیتیں معدوم ہوں اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی قدر سے ایسی غیر مشروط، لامحدود اور مخلصانہ دائمی وفاداری اور جذبہ غلامی ہو کہ شرک فی النبوۃ کا کوئی ہلکا سا شائبہ بھی باقی نہ ہو۔

دوسری قسم کے غلام وہ ہوتے ہیں جو کہ ذہنی، فکری، نظریاتی اقتصادی اور جسمانی طور پر ان لوگوں کے غلام ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے قانون اور پیغمبروں کی شریعت کے برعکس دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں کا نفاذ کرتے ہیں، یہ لوگ دین و مذہب سے بیزار ہوتے ہیں، خوف و

غم اور جہالت کا شکار ہوتے ہیں، یہ استبداد کے ایجنٹ ہوتے ہیں، ان کی بادشاہت بے رحم اور امارت ظالم ہوتی ہے۔ ان کے خونخوار پنجوں نے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں کی گردنیں دبوچی ہوتی ہیں، ان کی زندگی کا مقصد نفس پرستی ہوتا ہے، یہ ابوالہوس ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں ان کے پیروکاروں اور مریدوں کے بچوں اور خواتین کی عزت و ناموس کا پیرہن چاک اور دامن عصمت تار تار ہوتا ہے، نسل انسانی اس طبقے کی وجہ سے گرفتار بلا و عذاب ہوتی ہے، ان کی ذہنیت غاصبانہ اور عقیدت غلامانہ ہوتی ہے، نوع انسان کا جسم اور عقل ان کے پنجوں میں گرفتار ہوتی ہے۔ اس طبقے کے بادشاہ اور رؤساء اپنی استحصالی اور استبدادی کارروائیوں میں کبھی تو جھوٹے خداؤں کا روپ دھارتے ہیں اور کبھی جھوٹی نبوت اور مجددیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لوگ پہلے پہل ان کی دل لبھانے والی باتوں میں آ کر ان لوگوں کو عالم سمجھتے ہیں اور پھر ولی اور آخرکار گرفتار عقیدت ہو کر ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ان کے سامنے ”مامور من اللہ“ کے طور پر پیش کرتے ہیں، مکر و فریب کی چالوں اور خطیبانہ دجل و فریب سے ان کو ذہنی غلامی میں جکڑ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو مافوق البشر شمار کرواتے ہیں، بے سروپا پیشین گوئیاں کرتے ہیں، اور جب کوئی پیشین گوئی پوری نہیں ہوتی تو اس کی کئی طرح تاویلات کر کے اپنے غلاموں کے اذہان کو مطمئن کرنے کی سعی کرتے ہیں، یہ سخت ظالم ہوتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ ان سے کسی معاملہ میں اختلاف کرتے ہیں، یا ان کی مرضی کے خلاف بات کرتے ہیں، تو یہ ان کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں، قتل و خونریزی ان کی عادت اور کمزوروں کا استحصال ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ وہ خود کو خدا کا رشتہ دار اور اہل خانہ کہتے ہیں، اپنے خاندان کو اہل بیت اور بیویوں کو امہات المومنین کہلواتے ہیں، ان کے وفادار نوکر اور غلام، بمثل صحابہ ہوتے ہیں، یہ نبوت و رسالت کی خود ساختہ تاویل کر کے اس کے اجارہ دار بن جاتے ہیں، ان کے وفادار علماء ضمیر فروش ہوتے ہیں اور احکام الٰہی کی غلط تفسیر کرتے ہیں۔ یہ ان پڑھ اور سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنے کے لیے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ان کے مافوق الفطرت کرشمے اور کرامات سناتے ہیں، سادہ اور جاہل لوگ سنے سنائے قصوں اور انسانوں پر ایمان لاتے ہیں، خاص کر خواتین تعویذ اور گنڈوں کے ذریعے ان ظالموں کا شکار ہوتی ہیں کیونکہ یہ صنف، اوہام اور خرافات پر جلد یقین کر لیتی ہے۔

انسانوں کو انسانوں کا غلام بنانے والے یہ دجال اور فرعونانِ وقت، انسانوں کو اللہ کی محبت سے دور کرتے ہیں، اللہ کا خوف ان کے قلوب سے دور کر کے ان میں اپنا خوف پیدا کرتے ہیں، یہ خود کو سب سے بڑا وسیلہ قرار دیتے ہیں اور معاشی تعطل میں گرفتار عوام کا معاشرتی اور اقتصادی قتل کرتے ہیں، ان کو سودی کاروبار میں جکڑ کر اپنا معاشی غلام بناتے ہیں، یہ خود بھی اپنے بڑے ساہوکاروں کے زرخرید غلام ہوتے ہیں، انھیں کا کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں، اپنے آقاؤں کی حکومت قائم کرتے ہیں، اپنے خاص خاص لوگوں اور رشتہ داروں کو حکومت میں بڑے بڑے مناصب پر فائز کرا کے اپنے مطلب کے کام نکلواتے ہیں،

ان منصب داروں اور حاکموں کے ذریعے معاشی تعطل میں گرفتار بیروزگار نوجوانوں کو اپنا شکار بناتے ہیں، پہلے مرید بناتے ہیں پھر آہستہ آہستہ فدائین پھر اتحی، بعد میں بندہ بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ لہو ولہب کے دلدادہ افراد کے لیے انھوں نے اپنی خودساختہ جنتوں میں حور و غلمان کا بندوبست کیا ہوتا ہے کہ جہاں پر خوبصورت لڑکیوں اور لڑکوں کے ذریعے یہ ان کے بند بند کو کس لیتے ہیں، یہ خوبصورت لڑکے اور لڑکیاں بھی ان کے پیروکاروں اور فدائین کی اولاد ہوتے ہیں، جن کے لیے وعدہ ہوتا ہے کہ جس کسی نے جنتی لڑکیاں اور لڑکے اس خاص جہاد کے لیے مہیا کیے ہوں، ان کو جنت میں اتنا بڑا مقام ملے گا۔

ان کے سوچے سمجھے منصوبوں کو سمجھنے والے کم لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دام تزویر کا شکار بہت زیادہ، ان سارے حالات میں جکڑنے کا لازمی نتیجہ انحطاط فکر ہوتا ہے، اہل دانش اور صاحبان علم و فکر بھی الا ماشاء اللہ، جو معاشی تعطل میں مبتلا ہوتے ہیں، انحطاط فکر کا شکار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبروں اور رسولوں کے مقابلے میں اپنا نظام حیات اور طرز حکومت قائم کرنے والے یہ لوگ ایک خاص منصوبے کے تحت مہذب دنیا کے لیے سیاسی، معاشی اور تمدنی نظام پر انتہائی خاموشی سے حملہ آور ہو کر اسے ابتر کر دیتے ہیں، تا کہ لوگ مایوس ہو کر امن و عافیت کے لیے صرف ان کی طرف دیکھیں، ان کا کوئی سہارا نہ رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھول جائیں، غریب اور مفلوک الحال طبقات مصیبتوں اور محرومیوں میں گھر جائیں، ان کی زندگی ان کے لیے لعنت اور عذاب بن جائے، وہ تہذیب و تمدن سے متنفر اور دین و مذہب سے بے زار ہو جائیں اور کشمکش حیات سے فرار حاصل کرنے کے لیے اپنی جبینوں کو ان استحصالی قوتوں کی چوکھٹ پر جھکا دیں۔

دوسری طرف اونچے طبقات کے افراد کو یہ عیش و عشرت اور مختلف جسمانی اور ذہنی عیاشیوں کا اس درجہ گرویدہ بنا دیتے ہیں کہ وہ اس دلدل سے نکلنا بھی چاہیں تو نہ نکل سکیں۔

ذہن و فکر کو مختل کرنے کے منصوبوں کا شکار ہونے والے بڑے بڑے مفکرین اور دانشوروں کو اپنے دام تزویر میں لانے کی، ان کی بات تو سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن یہ بڑے بڑے سائنسدان، دانشور، مفکرین، صحافی اور اہل علم و فن حضرات ان دجالوں کا شکار کیسے ہو گئے؟ ان بڑے بڑے ناموں کو دیکھ کر لوگوں کی اکثریت فریب کھا جاتی ہے، کیونکہ وہ باریک بینی سے ان کے منصوبوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

غلام تو فقط غلام ہوتے ہیں، انھوں نے تو فقط اپنے آقاؤں کی سٹرٹیجی اور پلاننگ کو آگے بڑھانے اور قائم کرنے کی ڈیوٹی کرنی ہوتی ہے۔ ان کے چارٹر کے پیچھے بڑے بڑے اذہان اور حکومتیں ہوتی ہیں۔ جن کا ہر ایک کام بہت بڑی سوچ اور منصوبے کے تحت ہوتا ہے۔ اہل علم و دانش اور صاحبان فکر و نظر کو متاثر کرنے کے لیے ان خاص ایجنٹوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، جو پہلے سے علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں متعارف ہوتے ہیں، ان شخصیتوں کو پہلے ان کی شخصیت کے بارے میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ نابغہ

عصر ہیں۔ مباحثوں اور مناظروں کا خاص انعقاد کر کے اپنے ہی دیگر مخصوص ایجنٹ دانشوروں، مفکروں اور علماء سے ان کو جتوایا جاتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کی پوری حکومتی مشینری اور میڈیا ان کے پیچھے ہوتا ہے جس کے ذریعے ان کی جیت کی کہانیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو پہلے پہل بہت بڑے عالم اور مبلغ کے طور پر اور بعد میں مجدد، مسیح موعود، رسول اور نبی بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے مختلف طبقات فکر ونظر میں اپنے فلسفہ حیات کو داخل کر کے نظریاتی وفکری تسلط قائم کیا جاتا ہے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ فراعین کے مختلف ادوار میں اس قسم کے کئی ایک فلسفی، دانشور، عالم، محقق، مورخ، مشائخ، مجدد، مسیح موعود اور پیغمبر مختلف روپ میں عوام الناس کو دھوکا دینے کے لیے بنائے گئے، جنھوں نے اللہ کی پارٹی کے علماء و مشائخین حق، مجددوں اور رسولوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن جھوٹ ہمیشہ جھوٹ اور سچ ہمیشہ سچ ثابت ہوا اور حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہا۔

اس قسم کے جھوٹے مدعیان کے لیے ان کے آقاؤں نے مختلف ادوار میں جن فلسفوں کا رواج ڈالا، ان میں مشہور فلسفے، دنیا اور انسان کی حقیقت کا انکار، مراقبہ اور کشف کو ادراک حقیقت کا واحد ذریعہ سمجھنا، حقیقت تک پہنچنے کے لیے علم وعقل سے نہیں بلکہ وجدان کے ذریعے پہنچنا، فنا فی اللہ کے مختلف مہمل نظریات، تزکیہ نفس کے غیر اسلامی طریقے اور کئی ایک دوسرے مشاغل شامل تھے۔ ان فلسفوں کے زد میں نہ صرف مختلف ادیان الٰہی آئے بلکہ بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسری اور تیسری صدی ہجری میں متحرک اسلامی تہذیب وتمدن پر بھی اس کی زد پڑی اور مسلمانوں کی جہد مسلسل کی روح بھی متاثر ہوئی، شریعت وطریقت کے جھگڑے اور مسالک فکر کا مستقل فرقوں میں تبدیل ہو جانا بھی انھیں فلسفوں کا شاخسانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی شریعت کے مقابلے میں مختلف ادوار میں دجالین وقت اور طاغوتی طاقتیں اپنے ایجنٹوں اور غلاموں کے ذریعے اپنا نظریہ حیات اور فلسفہ زندگی پیش کرتی رہیں لیکن انگریز سامراج نے اپنے ایک انتہائی خاندانی نمک خوار، اولوالعزم، جانباز اور وفادار غلام کے ذریعے برصغیر پاک وہند میں 1800 صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں جس فلسفہ کو رائج کیا، اور اس کے ذریعے مسلمانوں کے سب سے بڑے ہتھیار ”جہاد“ کو کند کیا، وہ منصوبہ سازی کا ایک اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ انگریزوں کی تاریخ اپنے وفاداروں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن ملکہ وکٹوریہ کا یہ ہیرو، ان کا قابل فخر غلام، انگریز کی تاریخی منصوبہ سازی کا سب سے درخشندہ اور تاباں ستارہ ہے۔ اسلام دشمن انگریز محققین، مورخین، دانشور اور علماء کو جتنا فخر اپنی ملکہ وکٹوریہ کے اس شاہکار کی تخلیق پر ہے، وہ درجہ نہ ان کے کسی بادشاہ اور ملکہ کو حاصل تھا اور نہ ہو گا۔

ہر قوم کے اپنے ہیرو ہوتے ہیں، وہ ہیرو مخالف قوم کے بدترین دشمن ہوتے ہیں۔ ایک قوم اپنے جس دشمن سے جتنی زیادہ نفرت کرتی ہے، اسی دشمن سے اس کی قوم اسی درجہ محبت کرتی ہے۔ کسی قوم،

ملت یا ملک کے آئین کو پامال کرنے والا اس کا بدترین غدار اور قابل گردن زدنی ہوتا ہے لیکن وہی شخص، دشمن ملک کا سب سے بڑا خیر خواہ اور دوست ہوتا ہے۔ ہم غلاموں کا ذکر کر رہے تھے، ایک غلام، اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور اس کے محبوب پاکؐ کا، دین اسلام کا پاسبان، دین کا رکھوالا، شریعت اور شعائر اسلامی کا حفاظت کرنے والا، فلسفہ توحید کے لیے سر کٹانے والا، ناموس رسالتؐ پر مر مٹنے والا، ختم نبوت کا تحفظ کرنے والا، آئین پاکستان اور دستور اسلامی کی پاسداری کرنے والا، ملک وملت کے خلاف اٹھنے والے ہر بحران پر تڑپنے والا، مجاہد، غازی اور شہادت کی موت مرنے کی تمنا رکھنے والا، مسلمانوں کی آنکھ کا تارا، مومنوں کے دلوں کا سرور، علمائے حق اور مشائخ ملت کے قلوب کی ٹھنڈک، مسلم بھائی اور بہنوں کا پیارا پیارا بھائی، مسلم ماؤں کا بیٹا، بوڑھے جوانوں اور بچوں کا ہیرو، ملک کا ہیرو اور ملت اسلامیہ کا ہیرو، یہ اللہ کے غلاموں کا سرخیل اور سالار لشکر ہے۔

دوسرا غلام انگریز سامراج اور ملکہ وکٹوریہ کا غلام، اس کا پروردہ، اس کا لگایا ہوا پودا، اس کے گلدستے کا پھول، ان کی تاریخ کا درخشندہ ستارہ، طاغوت کا رکھوالا، سامراجی حکومت کا وفادار سپاہی اور محافظ، برطانوی حکومت کو سہارا اور قائم کرنے والا، جہاد کو حرام قرار دینے والا، انگریز قوم کا ہیرو، ان کا غلام، اس کی اولاد ان کی غلام، تاحیات غلام، وہ مسلمانوں کے دشمن ہندوؤں کا بھی سب سے معتمد ہتھیار، آئین پاکستان کو نہ ماننے والا، آئین کو پامال کرنے والا، بانی پاکستان کو کافر کہنے والا، اور پاکستان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے والا۔

چند لوگ، اللہ کے پیارے لوگ، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی وقتی طور پر انگریزی حکومت کے عظیم شاطر اور ہیرو کی باتوں سے متاثر ہو کر یا اپنے حالات سے مجبور ہو کر سواد اعظم اور امت کی راہ سے گمراہ ہو کر کافر ہو گئے تھے، ان کے حواس مختل اور دماغ بے کار ہو گئے تھے، وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو گئے تھے، لہٰذا طاغوت کی چال کا شکار ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقہ میں انھیں دوبارہ سیدھے راستے پر لگا دیا ہے، ہم دعا گو ہیں کہ ہمارے وہ بھائی جو ہم سے بچھڑ گئے تھے، دوبارہ ہم سے آن ملے۔

ان گمراہوں کی، جنھیں اللہ تعالیٰ دوبارہ صراط مستقیم پر لے آیا ہے، داستان سنیے گا کہ انھوں نے اپنے دور گمراہی میں انگریز سامراج کے غلاموں کو کس رنگ اور کس حال میں دیکھا؟ ان کی اصل حقیقت کیا تھی؟ اور ان کو انگریز سامراج نے کس روپ میں مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے پیش کیا؟ یہ لوگ جو ان کے ہمسایہ بنے، جنھوں نے ان کے ساتھ سفر وحضر کے لمحات گزارے اور وہ کہ جنھوں نے ان کے ساتھ لین دین کیا، یہی وہ لوگ ہیں جو اصل ”حقیقت“ آپ کے سامنے بیان کر سکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا، جو کہ عام مسلمانوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، یہ سب گھر کے لوگ ہیں اور گھر کا بھیدی ہی سب بھیدوں کا واقف حال ہوتا ہے۔

میں دو غلاموں کا ذکر کر رہا تھا، آپ بخوبی سمجھ گئے کہ انگریز سامراج کا سب سے وفادار اور ان کا بہترین غلام کہ جس کی بہترین غلامی پر وہ فخر کر سکتے تھے اور ان کی اولاد اس وقت بھی انگریزوں، امریکیوں، ہندوؤں اور یہودی صیہونیوں کی سب سے قابل فخر اور قابل اعتماد غلام ہے اور جن کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر تل ابیب میں قائم ہے اور دنیا کے سب کافر ملکوں میں وہ یہودیوں کی طرح حد درجہ مراعات یافتہ ہیں، بلکہ پاکستان میں بھی باوجود آئین پاکستان کو پامال کرنے کے، وہ ربوہ کے مالک ہیں جیسا کہ ہندوستان میں قادیان کے، میری مراد انگریز کا سب سے بڑا غلام، آپ نے پہچانا ہوگا، مرزا غلام قادیانی ہے۔

اور دوسرا غلام، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاکؐ اور ان کے غلاموں کا غلام ہے، وہ غلام آپ نے پہچانا ہوگا، محمد متین خالد ہے۔ محترم متین خالد، تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے امت مسلمہ کا درخشندہ ستارہ ہے، اللہ تعالیٰ جل مجدہ بحرمت سید الانام، سرور ثقلین، تاجدار کائنات، باعث تخلیق ہر دوسرا، اس ستارے کو ماہ تاباں بنا دے۔ (آمین ثم آمین)

طالب دعا' ناکارہ خلائق
مسکین فیض الرحمان عفی عنہ
مرکزی امیر تحریک' منہاج القرآن
(یکم رمضان المبارک 19-1418ھ بمطابق 31 دسمبر 1997ء)

* * *

سارے راز بے نقاب

قادیانیوں کے خلاف قلمی جہاد میں معروف نوجوانوں میں برادر عزیز جناب محمد متین خالد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انھوں نے اپنی شبانہ روز محنت و بے پناہ ریاضت، دردمندانہ غور وفکر، عمیق مطالعہ، محققانہ صلاحیتوں اور تحفظ ختم نبوت کے خداداد جذبے کی بدولت ایسی محققانہ کتابوں کی تصنیف و ترتیب کی کہ بڑے بڑے محقق و دانشور حضرات ردقادیانیت کے موضوع پر ان کی تحقیقی کاوشوں کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ میرے خیال میں قادیانیت کے پرفریب دعاوی سے آگاہی کے لیے اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے، اس کتاب میں انھوں نے قادیانیوں کے ایک ایک کفر کو ان کی اپنی مستند کتب سے چن چن کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ہر کفر کو عکسی دستاویزی شہادتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کی اس کتاب سے بلامبالغہ قادیانیوں کے تمام عقائد وعزائم اور مرزا غلام احمد قادیانی کا سازشی کردار روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ یہ کتاب تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں کے لیے ایک بہترین ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہے۔

جناب متین خالد قادیانیت کے بہترین نبض شناس ہیں۔ ان کے عقائد وعلم الکلام سے پوری طرح آگاہ اور ان کے طریقہ واردات کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انھوں نے یہ ضروری سمجھا کہ قادیانیوں کے کفریہ عقائد سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی غلاظتوں، ان کے قائدین کی اندرونی بدکرداری، پرفریب ومکارانہ رویے کا راز بھی فاش کیا جائے۔ ان کی تازہ کاوش ''قادیانیت سے اسلام تک'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے انٹرویو، مضامین اور گفتگو شامل ہے جو پہلے قادیانی تھے بلکہ ان میں سے کئی حضرات، قادیانی تنظیم میں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز تھے۔ مگر ان کی صالح فطرت قادیانی معاشرے کے بدبودار وقابل نفرت ماحول سے نباہ نہ کر سکی۔ ان کی حق پسند طبیعت نے زہر ہلاہل کو قند کہنے سے انکار کر دیا اور یہ اسلام کی آغوش میں آ گئے۔ گھر کے یہ بھیدی، قادیانی قصر غلاظت میں کھیلے جانے والے حیا سوز ڈرامے کے چشم دید گواہ بھی ہیں اور ان میں سے کئی اس کے عملی کردار بھی رہے ہیں۔ مذہب کے نام پر جو مقدس فریب، انسانوں کو دیے جاتے رہے، یہ لوگ ان کے ہر پہلو سے مکمل طور پر آگاہ ہیں۔ ان کے مشاہدات، تجربات اور آپ بیتی کو مدون کرنا وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی۔ خدا بھلا

کرے متین خالد کا کہ انھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ کتاب معرض وجود میں آ گئی، جسے دیکھ کر میں بے حد خوشی و انبساط محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے اس گوناگوں خوبیوں کے مالک نوجوان پر فخر ہے جس کی مسلسل سنگ باری نے قلعہ قادیانیت میں اتنی دراڑیں ڈال دی ہیں کہ اب وہ زمین بوس ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی تازہ کاوش جہاں بہت سے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کرے گی، وہاں یہ بعض نام نہاد دانشوروں کی چشم کشائی کے لیے کافی ہوگی، جو اب بھی قادیانیوں سے حسن ظن رکھتے ہیں کیونکہ یہ لنکا، گھر کے بھیدیوں نے ڈھائی ہے۔ اس کتاب کو آپ، متین خالد کی پہلی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' کا دوسرا حصہ بھی کہہ سکتے ہیں، پہلے حصے میں قادیانیوں کے عقیدہ و فکر اور دوسرے میں عملی غلاظتوں، پُراسرار وارداتوں اور پُرفریب مکارانہ چالوں کو آشکارا کیا گیا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان کی یہ تازہ کتاب بھی علمی حلقوں میں زبردست پذیرائی حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت نصیب فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا

(مولانا) اللہ وسایا

ایڈیٹر، ہفت روزہ ''ختم نبوت'' انٹرنیشنل (کراچی)

دفتر مرکزیہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان

* * *

حی علی الفلاح

ایمان کی دولت انسان کی سب سے قیمتی متاع ہے اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ یہ دولت صرف انہی خوش نصیبوں کو بخشی جاتی ہے جن کی نگاہیں روشن اور ضمیر پاک ہوں، جن کے دل اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبات سے لبریز ہوں، جو حق کو پہچانتے اور اخلاص کے ساتھ اسکی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ کسی شخص کو ایمان کی انمول دولت نصیب ہو جائے اور یہ بہت ہی بدبختی ہے کہ کوئی انسان اس نور سے محروم ہو جائے۔ دراصل جو شخص اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے "لامحدود اور غیر مشروط" محبت رکھتا ہو، وہ "احسن تقویم" کی بلندیوں پر فائز ہو جاتا ہے، اس کے ایمان کی کھیتی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی ہے...... اس کے برعکس جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنا رشتہ توڑ کر کسی "اور" سے جوڑتا ہے تو وہ بلاشبہ "اسفل السافلین" کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے اور اس کے ایمان کی کھیتی خزاں رسیدہ ہو جاتی ہے...... یہی وجہ ہے کہ دست قدرت کے بے مثل اور بے مثال شاہکار حضور نبی کریم ﷺ سے "لامحدود اور غیر مشروط محبت" نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کے مرتبہ پر فائز کر دیا اور آپ ﷺ کی توہین پر ابوجہل کو ابدی لعنتوں کا مستحق بنا دیا...... قادیانیت، اسلام سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ اس مذہب کی بنیاد ایک سوچی سمجھی اور بھیانک سازش کے تحت اسلام اور حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین پر رکھی گئی تاکہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے "نبی" سے کمزور ہو جائے۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ، قادیانیوں کے شان رسالتؐ میں کفریہ، گستاخانہ اور توہین آمیز رویہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ بانی تحریک (مرزا غلام احمد قادیانی) نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں (ختم نبوت) سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی)، مسلمانوں

> کی قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے، یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں، جتنے سکھ، ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں میں پوجا نہیں کرتے......" "کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اچھی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں (قادیانی گروپ، لاہوری گروپ) کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی؟ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا۔ جب ایک نئی نبوت...... بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت...... کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے۔"

قادیانیوں کے کفریہ عقائد کی بنا پر پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ نے قادیانی جماعت کے دونوں گروپوں کے سربراہوں پر 13 روز کی جرح کے بعد انھیں متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

1993ء میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلہ میں قادیانیوں کی شان رسالتؐ میں گستاخیوں کو نقل کرنے کے بعد اپنے متفقہ فیصلہ میں لکھا:

> جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے، مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے:
>
> "ہر مسلمان کے لیے جس کا ایمان پختہ ہو، لازم ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے بچوں، خاندان، والدین اور دنیا کی ہر محبوب ترین شے سے بڑھ کر پیار کرے۔" (صحیح بخاری کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان)
>
> کیا ایسی صورت میں کوئی کسی مسلمان کو مورد الزام ٹھہرا سکتا ہے اگر وہ ایسا توہین آمیز مواد جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تخلیق کیا ہے سننے، پڑھنے یا دیکھنے کے

> بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے؟...... انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر اسلام (کلمہ طیبہ، اذان، قرآنی آیات وغیرہ) کا اعلانیہ اظہار کرنے یا انھیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں ایک اور ''رشدی'' تخلیق کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان، مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ مزید برآں اگر گلیوں یا جائے عام پر جلوس نکالنے یا جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ خانہ جنگی کی اجازت دینے کے برابر ہے۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں، حقیقتاً ماضی میں بارہا ایسا ہو چکا ہے اور بھاری جانی ومالی نقصان کے بعد اس پر قابو پایا گیا۔ ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادیانی سرعام کسی پلے کارڈ، بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے، یا اسے دیوار یا نمائشی دروازہ یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انھیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیاء کرام کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے، جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز امن عامہ کو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں جان ومال کا نقصان ہو سکتا ہے۔''

(S.C.M.R August 1993)

نومبر 1997ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' کے شروع میں دنیا کے تمام قادیانیوں کو چیلنج کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ:

> ''یہ کتاب اپنے اندر قادیانی مذہب کے بانی، آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی، اس کے بیٹوں، اس کے نام نہاد خلفا اور دیگر قادیانیوں کی مستند تصانیف اور اخبارات و رسائل کی قابل اعتراض اور کفریہ عبارتوں کی عکسی نقول لیے ہوئے ہے۔ قادیانی جرائم کے یہ ثبوت اتنے واضح ہیں کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں ان عکسی دستاویزات کی صداقت کو چیلنج کرنا کسی بھی قادیانی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ ہم اس کتاب میں درج تمام حوالوں اور عکسی نقول کی صداقت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد سمیت دنیا کے تمام قادیانیوں (بشمول لاہوری گروپ) کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں موجود، کوئی بھی

> عکس غیر حقیقی ہو، یا ایک بھی حوالہ من گھڑت پایا جائے، تو ہم اس کے لیے ہر قسم کی سزا پانے کے لیے تیار ہیں! بصورت دیگر انھیں ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر آخرت کی فکر کرتے ہوئے اسلام کی آغوش میں آ جانا چاہیے۔ ہے کسی قادیانی میں جرأت جو ہمارے اس چیلنج کو قبول کرے؟“

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور احمد سمیت دنیا کے کسی قادیانی نے اس کتاب میں موجود اپنی ان کفریہ تحریروں میں سے کسی ایک کو بھی چیلنج نہیں کیا۔ گویا انھیں اس کا اعتراف ہے۔ لیکن مجھے یہ بیان کرتے ہوئے بے حد خوشی و مسرت ہو رہی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کئی قادیانی حضرات قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام کی آغوش میں آ رہے ہیں۔ میں اس پر اپنے رب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب تیار کی گئی تھی، وہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اس محاذ پر کام کرنے کی مزید توفیق بخشے۔ آمین۔

مایہ ناز مفسر قرآن ابن کثیرؒ نے فالقی السحرۃ سجدین (پس سجدے میں گرے جادوگر) (الشعراء 46) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرعون کے جادوگر جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ دیکھ کر سجدے میں گر گئے اور سجدے سے اس وقت سر اٹھایا جب جنت، دوزخ اور عذاب و ثواب دیکھ لیا۔ ان جادوگروں نے موت کو بخوشی اختیار کرنے کا اعلان کیا کیونکہ جب جنت اور دوزخ کا مشاہدہ ہو جائے تو دنیا کی ہر سزا اس کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب کرتے ہوئے ان سے یہ دریافت کیا کہ وہ اپنا معجزہ پہلے ظاہر فرمائیں گے یا ہم اپنی رسیوں کو پہلے ڈالیں؟ لہٰذا اس ”ادب“ کی وجہ سے انھیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی، لیکن چونکہ جادوگر ایک پیغمبر کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے تو اس بے ادبی پر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے۔

یہاں بھی قادیانیوں کی شان رسالتؐ میں مسلسل توہین اور اس پر اصرار کی وجہ سے، سزا کے طور پر ان سے ایمان اور ہدایت کا نور چھین لیا گیا اور انھیں ”ازلی لعنتوں“ کا مستحق بنا دیا گیا...... لیکن بعض سعید روحوں کے مالک جنھیں قادیانیت کی اصل حقیقت کا علم نہ تھا اور وہ ایک سازش کے تحت قادیانیت کے چنگل میں پھنس گئے، قادیانیت کی کفریہ عبارات پر پریشان رہتے، اپنے ماحول کو ایک اسلامی معاشرہ سے بالکل برعکس پاتے، اپنے ضمیر کی عدالت سے فیصلہ کرتے، حق کی تلاش میں دن رات تڑپتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، گڑگڑاتے اور روتے، شان کریمی نے آنکھوں سے بہنے والے ندامت کے ان ”آنسوؤں“ کو ”موتیوں“ میں بدل کر چن لیا اور ان کے دلوں کا تزکیہ کر کے نور ایمان سے ان کی دھڑکنوں کا مرکز و محور بدل دیا۔

زیر نظر کتاب ایسے ہی خوش بخت اور فرخندہ اقبال لوگوں کی ایمان افروز داستانوں سے مزین ہے جو قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر شاہراہ ایمان پر گامزن ہوئے۔ یہ حضرات اپنے ماحول میں جن کیفیتوں سے دوچار ہوئے، اسے انھوں نے حساس دل کے ساتھ قلم بند کیا۔ یہ ”تحریریں“ دراصل قادیانیت کی اصل ”تصویریں“ ہیں جو ان کے بیدار دل اور روشن آنکھوں نے قرطاس پر اتاری ہیں۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے خصوصاً قادیانیوں سے میری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب کی عینک اتار کر اپنے سابقہ بھائیوں کی ان تحریروں کو ضرور پڑھیں...... غور وفکر کریں...... اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے اپنی ہدایت کی دعا مانگیں...... اس کے عفو وکرم کا سمندر غیر محدود ہے۔ ان شاء اللہ اس کی رحمت آپ کو اپنی آغوش میں لے لے گی، بشرطیکہ آپ، اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں...... طلب اگر صادق ہو تو انسان منزل پر پہنچ ہی جاتا ہے!

مجھے اس کتاب کے بارے میں قارئین کی آراء اور مفید مشوروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد متین خالد

* * *

قادیانیت سے اسلام تک

جو شخص سچائی کی حفاظت کی خاطر قدم نہیں اُٹھاتا، وہ سچائی کا انکار کرتا ہے۔

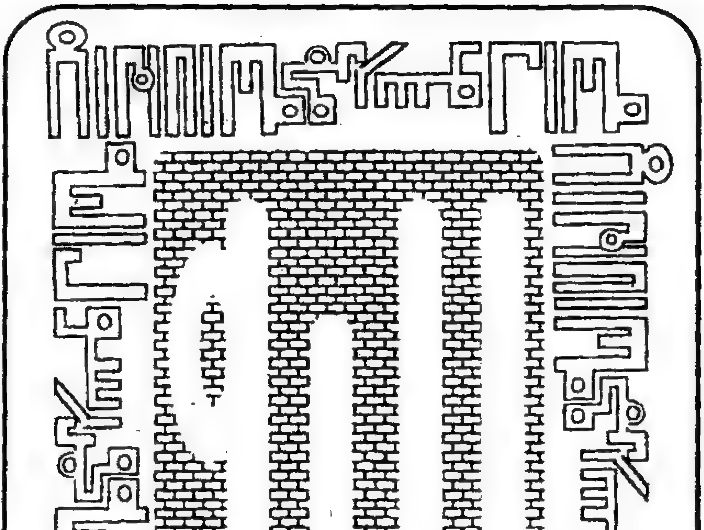

مولانا لال حسین اخترؒ

من الظلمات الی النور

مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ کا وجود قادیانیت کے لیے تازیانہ خداوندی تھا۔ آپ نے نصف صدی خدمت اسلام اور تحفظ ختم نبوت ﷺ کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ اندرون و بیرون ملک آپ کی خدمات جلیلہ کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ان گرانقدر خدمات میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، قطب الارشاد مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی دعائیں، سرپرستی اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی رفاقت کا بہت بڑا دخل ہے۔ ان خدمات کو اس سے بڑھ کر اور کیا خراج پیش کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک مناظرہ میں مولانا لال حسین اخترؒ کو نہ صرف اپنا نمائندہ بنایا، بلکہ ان کی فتح و شکست کو اپنی فتح و شکست قرار دیا۔ مولانا لال حسین اخترؒ اور آپ کے گرامی قدر رفقاء مرحومین کا صدقہ جاریہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ہے۔ جب تک اس جماعت کے خدام و رضا کار دنیا کے کسی بھی حصہ میں منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کریں گے، ان حضرات کی مقدس ارواح کو برابر ثواب و تسکین حاصل ہوتی رہے گی۔ مولانا لال حسین اخترؒ پہلے قادیانی تھے، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مولانا کے اس قبول اسلام کی دلچسپ اور قادیانیت شکن کہانی ان کی زبانی سنئے!

بے شمار حمد و ثنا اس خالق حقیقی کے لیے جس نے تمام جہانوں کو نیست سے ہست کیا۔ لاکھ لاکھ ستائش اس ذات باری کے لیے جس نے جنس خاکی کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی تکمیل پر احسن تقویم کی الہامی مہر توثیق ثبت کی۔ ہزارہا درود اس مقدس وجود کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ جن کی متبرک بعثت نے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک کفر و شرک کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو توحید کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کیا اور ساری دنیا میں ایک نور کا عالم پیدا کر دیا اور جن کی پاک و مقدس نظر نے جہالت، وحشت اور فسق و فجور کی ان تمام آلائشوں کو، جو عوارض کی صورت اختیار کیے ہوئے اشرف المخلوقات کو چمٹی ہوئی تھیں، نہ صرف دور کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے ان کا قلع قمع کر دیا۔ یہ ہادی کامل، یہ راہبر حقیقی، یہ ناصح اکبر، یہ شافع محشر وہ ہستی ہے، جس پر "بعد از خدا بزرگ توئی

قصہ مختصر" کا قول اطلاق پذیر ہوتا ہے۔ جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ گڈریوں کو شہنشاہ بنانے والے، گمراہان عالم کو راہ راست دکھانے والے، گناہ گار انسانوں کو پاک کر کے خدائے قدوس کی بارگاہ معلیٰ تک پہنچانے والے حضور ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس قدموں کے طفیل ایک عاصی بندہ، ایک گناہ گار انسان، جو آٹھ سال تک تاریکی کے گڑھے اور ضلالت کے اندھیرے غار میں ٹکریں مارتا رہا، آج ایک پرنور عالم اور روشنی کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

میری مذہبی زندگی کا آغاز تحریک خلافت کا مرہون منت ہے۔ میں اورینٹل کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ انھیں ایام میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ علمائے کرام نے نص قرآنی کی رو سے حکومت کی درسگاہوں کے بائیکاٹ کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اس لیے میں نے اس فتویٰ کی تکمیل میں کالج کو خیر باد کہا اور اپنے وطن مالوف دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور کو چل دیا۔ مجھے اپنی بے مائیگی اور پست ہمتی کا پورا پورا احساس تھا۔ میری ناقابلیت بھی میرے علم میں تھی لیکن ایک خواہش تھی جو دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ ایک آرزو تھی جو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ ایک ارمان تھا کہ جس نے معمورۂ دل کو زیروزبر کر رکھا تھا۔ حسرت تھی تو یہی، تمنا تھی تو یہی کہ جس طرح ہو، اپنے دین کی، ہاں پیارے اسلام کی، خدمت کروں۔ عقل نے لاکھ سمجھایا، دوستوں اور رشتہ داروں نے قید و بند کا خوف دلایا لیکن میں نے کسی کی ایک نہ مانی اور کسی شاعر کے مشہور و معروف شعر ؎

دل اب تو عشق کے دریا میں ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

کا ورد کرتے ہوئے خلافت کمیٹی میں اپنا نام درج کروا دیا۔ آٹھ نو ماہ ضلع گورداسپور میں خلافت کمیٹی بٹالہ کے زیر ہدایات آنریری کام کرتا رہا۔ سارے ضلع کا دورہ کیا اور پورے زور سے خلافت کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ کی۔ میری سرگرمی اور جمہور کی بیداری نے حکام کی طبع انتقام گیر کو مشتعل کر دیا۔ آخر مجھ پر گورداسپور میں حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کا الزام عائد کر کے میری تین تقریروں کی بنا پر مقدمہ چلا دیا گیا۔ عدالت نے چند سرسری پیشیوں کے بعد مجھے ایک سال قید کا حکم سنایا۔ ایک سال اور بیس دن کی طویل مدت گورداسپور جیل میں گزاری۔ رہائی سے کچھ عرصہ پہلے جیل میں ہی مجھے اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ سوامی شردھانند اور آریہ سماج نے فتنۂ ارتداد کا علم بلند کر دیا ہے اور شدھی کی تحریک بڑے زور شور سے جاری کی گئی ہے۔ جیل سے رہا ہوتے ہی گرد و پیش کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے آریہ سماج اور شدھی کی تحریک کے مقابلہ پر تبلیغ اسلام کا کام کرنا چاہیے۔ انھیں ایام میں مجھے لاہوری مرزائیوں کے چند مبلغ ملے۔ انھوں نے میرے سامنے اپنی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو

نہایت ہی مبالغہ سے بیان کیا اور مرزا صاحب آنجہانی کی خدمات اسلامی کے بڑھ چڑھ کر افسانے سنائے اور کہا کہ ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ مرزا صاحب مدعی نبوت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہے، انھوں نے مرزا صاحب کے متعلق جھوٹ بولا ہے اور بہتان طرازی و افتراء پردازی سے کام لیا ہے۔ اپنے اس بیان کو درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب کی ابتدائی کتابوں سے چند حوالے بھی پڑھ کر سنائے جن میں مرزا صاحب نے مدعی نبوت کو کافر، دجال اور دائرہ اسلام سے خارج لکھا ہے۔ چونکہ مرزائی مذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے برابر تھا، اس لیے میں تبلیغ اسلام کے نام پر ان کے دام تزویر میں پھنس گیا اور مرزا صاحب کی مجددیت و مہدویت کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ بیعت کرنے کے بعد انجمن کے تبلیغی کالج میں داخل ہوا۔ سنسکرت پڑھی اور ویدوں وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ مدت معینہ میں کورس ختم کرنے کے بعد بحیثیت ایک کامیاب مبلغ کے مجھے تبلیغ و اشاعت کے کام پر لگا دیا گیا۔ اس دوران، میں نہ صرف مبلغ اور مناظر ہی کے فرائض سرانجام دیتا رہا بلکہ سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن، ایڈیٹر اخبار ”پیغام صلح“ اور ”محصل“ وغیرہ کے ذمہ دارانہ عہدوں پر بھی فائز رہا اور آٹھ سال تک پوری جانفشانی و سرگرمی کے ساتھ مرزائی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔

1931ء کے وسط میں، میں نے یکے بعد دیگرے متعدد خواب دیکھے جن میں مرزا قادیانی کی نہایت گھناؤنی شکل دکھائی دی اور اسے بری حالت میں دیکھا۔ میں یہ خواب مرزائیوں سے بیان نہ کر سکتا تھا کیونکہ اگر انھیں یہ خواب سنائے جاتے تو مجھے کہتے کہ یہ شیطانی خواب ہیں۔ نہ ہی کسی مسلمان کو یہ خواب بتا سکتا تھا کیونکہ اگر انھیں یہ خواب سنائے جاتے تو وہ کہتے کہ مرزا غلام احمد اپنے تمام دعاوی میں جھوٹا ہے۔ مرزائیت سے توبہ کر لیجیے۔ میری حالت یہ تھی ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

خواب

اگرچہ پہلے بھی مرزا غلام احمد کے بعض ”الہامات“ اور اس کی چند ”پیشگوئیاں“ میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھیں، لیکن حسن عقیدت اور غلو محبت کی طاقتیں ان خیالات کو فوراً دبا دیتی تھیں اور دل کو تسلی دے دیتا تھا کہ مرزا نبی تو نہیں کہ جس کے تمام ارشادات صحیح ہوں۔

ان خوابوں کی کثرت سے متاثر ہو کر میں نے غور و فکر کیا کہ گو ہماری خوابوں پر دین کا مدار نہیں اور نہ ہی یہ حجت شرعی ہیں لیکن ان سے صداقت کی طرف راہنمائی تو ہو سکتی ہے۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی محبت اور عداوت دونوں کو بالائے طاق رکھ کر اور ان سے صرف نظر کرتے ہوئے مرزائیت کے صدق و کذب کو تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔

خدائے واحد وقدوس کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے یہ اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد کی محبت اور عداوت کو چھوڑ کر اور خالی الذہن ہو کر مرزا کی اپنی مشہور تصنیفات اور قادیانی و لاہوری ہر دو فریق کی چیدہ چیدہ کتابوں کو جو مرزا کے دعاوی کی تائید میں لکھی گئی تھیں، چھ ماہ کے عرصہ میں نظر غائر سے بطور ایک محقق پڑھا اور علماء اسلام کی تردید مرزائیت کے سلسلہ میں چند کتابیں مطالعہ کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا زیادہ میں نے مطالعہ کیا، اتنا ہی مرزائیت کا کذب مجھ پر واضح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ مرزا قادیانی اپنے دعویٰ الہام، مجددیت، مسیحیت، نبوت وغیرہ میں مفتری تھا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے ہماری دنیا میں واپس تشریف لائیں گے ۔

تیرے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی
ہوا علم الیقین عین الیقین حق الیقین ساقی

اب میرے لیے ایک نہایت مشکل کا سامنا تھا۔ ایک طرف ملازمت تھی۔ جماعت مرزائیہ کے ارکان اور افراد جماعت سے آٹھ سال کے دیرینہ اور خوشگوار تعلقات تھے۔ بحیثیت ایک کامیاب مبلغ و مناظر جماعت میں رسوخ حاصل تھا۔ لیکن جب دوسری طرف مرزا غلام احمد کے عقائد قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے بالکل الٹ دیکھتا تھا، ان کے الہامات اور پیشگوئیوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں اور قیامت کے دن ان عقائد باطلہ کی باز پرس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا تو میں لرزہ براندام ہو جاتا تھا۔ ایک طرف حق تھا اور دوسری طرف باطل، ایک طرف تاریکی تھی اور دوسری طرف مشعل نور۔ ایک طرف معقول تنخواہ کی ملازمت اور آٹھ سال کے دوستانہ تعلقات تھے اور دوسری طرف دولت ایمان لیکن ساتھ دنیوی مشکلات اور مصائب کا سامنا۔ آخر میں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ چاہے ہزارہا تکالیف اٹھانی پڑیں، انھیں بخوشی برداشت کروں گا کیونکہ حق کے اختیار کرنے والوں کو ہمیشہ تکالیف و مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔

صداقت کے لیے گر جان جاتی ہے تو جانے دو
مصیبت پر مصیبت سر پہ آتی ہے تو آنے دو

چنانچہ میں اشکبار آنکھوں اور کفر وارتداد سے پشیمان اور لرزتے ہوئے دل سے اپنے رحیم وکریم خداوند قدوس کے حضور کفر مرزائیت سے تائب ہو گیا۔ توبہ کے بعد دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی ۔

عصیان ما و رحمت پروردگار ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

میرے غفور ورحیم مالک!

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

الحمد لله الذی هدنا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدنا الله.

(الاعراف: 43)

اللہ تعالیٰ کا لا انتہا احسان و شکر ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز راہ راست پانے والے نہ تھے۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشآء.**

یارب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

میں نے یکم جنوری 1932ء کو "احمدیہ انجمن" لاہور کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا جو 26 جنوری کو منظور کر لیا گیا۔

ترک مرزائیت کا اعلان

1932ء کے ابتداء میں انگریز اور ڈوگرہ حکومت کے خلاف تحریک کشمیر انتہائی عروج تک پہنچ چکی تھی۔ مجلس احرار اسلام کے ایک درجن سے زائد مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ مجلس کے تمام راہنما اور چالیس ہزار سرفروش رضا کار جیل خانوں میں محبوس تھے۔ برطانوی حکومت نے عام اجتماعات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ حالات کچھ سازگار ہوئے اور پابندیاں ختم ہوئیں تو احباب کی طرف سے ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا۔ قد آدم اشتہار شائع کیے گئے کہ "7 مئی 1932ء بعد نماز عشاء باغ بیرون موچی دروازہ لاہور جلسہ عام منعقد ہوگا جس میں مولانا لال حسین اختر، جن کی تعلیم پر مرزائیوں نے پچاس ہزار سے زائد روپیہ خرچ کیا تھا، اور وہ جماعت مرزائیہ لاہوریہ کے مشہور مبلغ مناظر تھے، ترک مرزائیت کا اعلان کریں گے اور ترک مرزائیت کے وجوہ اور ناقابل تردید دلائل بیان کریں گے۔ ان کی تقریر کے بعد مرزائیوں کے نمائندہ کو سوال و جواب کے لیے وقت دیا جائے گا۔"

اندرون شہر اور بیرون شہر منادی کی گئی۔ بعد نماز عشاء کم از کم تیس ہزار کے مجمع میں، میں نے "ترک مرزائیت" کے موضوع پر تین گھنٹے تقریر کی۔ سٹیج کے بالمقابل مرزائی مبلغین و مناظرین کے لیے میز اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ میری تقریر کے بعد صاحب صدر نے اعلان کیا کہ حسب وعدہ مرزائی صاحبان کو مولانا لال حسین صاحب اختر کی تقریر پر سوال و جواب کے لیے وقت دیا جاتا ہے تا کہ حاضرین، مرزائیت

کے صدق و کذب کا اندازہ لگا سکیں۔ لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کے مبلغ و مناظر موجود تھے لیکن کسی کو ہمت و جرأت نہ ہوئی کہ وہ میرے مقابلہ میں آ سکیں۔ صاحب صدر کی دعا کے بعد اجلاس برخواست ہوا۔

لالچ اور قاتلانہ حملے

اس عظیم الشان جلسے اور مرزائیت کی شکست کی روداد اخبارات میں شائع ہوئی تو ملک کے طول و عرض سے مجھے تقریر کے لیے دعوتوں کا لگاتار سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف شہروں اور قصبات میں میری بیسیوں تقریریں اور مرزائیوں سے پانچ چھ نہایت کامیاب مناظرے ہوئے۔ ان ایام میں اونچی مسجد اندرون بھاٹی دروازہ لاہور کے بالمقابل میرا قیام تھا۔ میری تقریروں اور مناظروں کی کامیابی سے متاثر ہو کر مرزائیوں کے ایک وفد نے مجھ سے میرے مکان پر ملاقات کی اور مجھے کہا کہ آپ نے اپنی تحقیق کی بناء پر ''احمدیت'' ترک کر دی ہے۔ آپ کے موجودہ عقائد کے متعلق ہم آپ سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ آپ کی تقریریں اور مناظرے ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ سوائے تقریروں اور مناظروں کے، آپ کی مالی آمدن کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ جماعت احمدیہ آپ کو پندرہ ہزار روپے کی پیشکش کرتی ہے۔ آپ ہم سے یہ رقم لے لیں۔ اس سے جنرل مرچنٹ یا کپڑے کا کاروبار شروع کر لیں اور ہمیں اشٹام لکھ دیں کہ میں پندرہ سال تک احمدیت کے خلاف نہ کوئی تقریر کروں گا اور نہ ہی کوئی تحریر یا بیان شائع کروں گا۔ اگر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کروں تو جماعت احمدیہ کو تیس ہزار روپیہ ہرجانہ ادا کروں گا۔ یہ بھی کہا کہ احمدیت کی تردید کوئی ایسا فرض نہیں جس کے بغیر آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ حنفیوں، اہل حدیثوں اور شیعوں میں ہزاروں علماء ایسے ہیں جو احمدیت کی تردید نہیں کرتے۔ اگر وہ تردید احمدیت کے بغیر مسلمان رہ سکتے ہیں تو آپ بھی مسلمان رہ سکتے ہیں۔ میں نے جواباً کہا کہ آپ صاحبان کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ مجھے لالچ کے فتنے میں پھانسنے کی جرأت کریں۔ میں ان علماء کرام کے طریق کار کا ذمہ دار نہیں جو تردید مرزائیت سے اجتناب کرتے ہیں۔ میرے لیے تو استیصال مرزائیت کی جدوجہد فرض عین ہے کیونکہ میں نے مدت مدید تک اس کی نشر و اشاعت کی ہے۔ مجھے تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا لالچ مجھے تردید مرزائیت سے منحرف نہیں کر سکتا۔ قریباً ایک گھنٹے کی گفتگو کے بعد مجھ سے مایوس ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے کہہ گئے کہ آپ نے ہمارے متعلق نہایت خطرناک طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ تباہ کن ہو گا۔

میں نے ان کے اس جارحانہ چیلنج کی پرواہ نہ کی۔ حسب سابق اپنے تبلیغی سفروں، تقریروں اور مناظروں میں منہمک رہا۔ مرزائیوں نے اپنی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق یکے بعد دیگرے ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور کے مناظرہ میں اور بیلوں ڈلہوزی کے جلسے کے ایام میں مجھ پر دو بار قاتلانہ حملے کیے۔ ڈیرہ بابا نانک کے حملہ میں مجھے زخم آیا۔ ایک مرزائی نے صاف الفاظ میں مجھے کہا کہ یاد رکھو ہم تمہیں قتل کرا دیں

گے۔ خواہ ہمارا پچاس ہزار روپیہ خرچ ہو۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میرا عقیدہ ہے کہ شہادت سے بہتر کوئی موت نہیں۔ قبر کی رات کبھی گھر میں نہیں آ سکتی۔

بعد نماز عشاء بیلوں ڈلہوزی کی مسجد میں تردید مرزائیت پر میری تقریر ہو رہی تھی۔ ایک مرزائی جس نے کمبل اوڑھا ہوا تھا، ممبر کے نزدیک آیا۔ ایک مسلمان نے اسے پکڑ لیا۔ مرزائی نے کمبل میں چھرا چھپا رکھا تھا۔ سب انسپکٹر پولیس جلسہ میں موجود تھا۔ اس نے اسی وقت مرزائی کو گرفتار کر کے چھرا اپنے قبضہ میں لے لیا اور اسے تھانے کی حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرے دن علاقہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیا۔

مجسٹریٹ نے ملزم سے چھ ماہ کے لیے نیک چلنی کی ضمانت لے لی۔ لاہور کے اخبارات میں مجھ پر ڈیرہ بابا نانک کے حملہ کی خبر شائع ہوئی۔ حضرت مولانا ظفر علی خانؒ نے ''زمیندار'' میں ایک شذرہ سپرد قلم فرمایا۔

مجلس احرار اسلام کے زعماء کو مجھ پر مرزائیوں کے حملہ کا علم ہوا تو قائد احرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے ناظم دفتر سے فرمایا کہ مرزائیوں کی جارحیت کا جواب دینے کے لیے جلسہ کا انتظام کیجیے۔ چنانچہ کثیر التعداد پوسٹر چسپاں کیے گئے۔ اخبارات میں اعلان ہوا۔ شہر کے ہر قصبے میں منادی ہوئی کہ باغ بیرون دہلی دروازہ بعد نماز عشاء زیر صدارت چودھری افضل حق صاحب عظیم الشان جلسہ منعقد ہوگا۔ جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرزائیوں کی جارحیت کے چیلنج کا جواب دیں گے۔

بعد نماز عشاء چالیس ہزار سے زائد مجمع میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے مجھے سٹیج پر کھڑا کر کے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارے اس نوجوان نومسلم عالم نے مناظروں میں مرزائیوں کو ذلیل ترین شکستیں دی ہیں۔ مرزائی ان کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو ڈیرہ بابا نانک اور ڈلہوزی میں ان پر قاتلانہ حملے کیے گئے۔ میں مرزائیوں سے نہیں، ان کے خلیفہ مرزا محمود سے کہتا ہوں کہ اگر تم یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہو تو میں تمھیں چیلنج دیتا ہوں کہ مرد میدان بنو۔ اب لال حسین اختر پر حملہ کراؤ پھر احرار کے فداکاروں کی یورش اور قربانیوں کا اندازہ لگانا۔ ایک کی جگہ ایک ہزار سے انتقام لیا جائے گا۔ ہم خون کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ ہماری تاریخ تمھارے سامنے ہے۔ ہم محلاتی سازشوں کے قائل نہیں۔ ہم میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہیں۔ ہمیں جو عمل کرنا ہوتا ہے، اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا کی تقریر کیا تھی، شجاعت و ایثار اور حقائق کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ بار بار نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے تھے۔ فرمایا ہم وہی احرار ہیں، جن کے 2 درجن سے زائد رضاکار، اسلام اور مسلمانوں کی عزت بچانے کے لیے سینوں پر ڈوگرہ حکومت کی گولیاں کھا کر شہید ہوئے ہیں اور چالیس ہزار نے قید و بند کی مصیبتیں بخوشی برداشت کیں۔

خواب

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک چٹیل میدان میں ہزاروں لوگ حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ میں بھی ان میں موجود ہوں۔ ان کے چاروں طرف لوہے کے بلند و بالا ستون ہیں اور ان پر زمین سے لے کر قد آدم تک خاردار تار لپٹا ہوا ہے۔ تار کے اس حلقے سے باہر نکلنے کا کوئی دروازہ یا راستہ نہیں۔ ہزاروں اشخاص کو اس میں قید کر دیا گیا ہے۔ ان میں چند میری شناسا صورتیں بھی ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ ہمیں اس مصیبت میں گرفتار کیوں کیا گیا ہے؟ انھوں نے مجھے جواباً کہا کہ ہمیں احمدیت کی وجہ سے مخالفین نے یہاں بند کر دیا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ”مسیح موعود“ پلنگ پر سوئے ہوئے ہیں۔ انھیں ہماری خبر نہیں کہ وہ ہماری رہائی کے لیے کوشش کر سکیں۔ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی اوزار نہیں کہ جس سے خاردار تار کو کاٹ کر باہر نکلنے کا راستہ بنایا جا سکے۔ میں نے خاردار تار کے چاروں طرف گھومنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ سے زمین کی سطح کے قریب کا تار ڈھیلا ہے۔ میں زمین پر بیٹھ گیا اور اس تار کو اپنے دائیں پاؤں سے نیچے دبایا تو وہ تار زمین کے ساتھ جا لگا۔ سر کے قریبی تار کو ذرا سا اوپر کو دھکا دیا تو دونوں تاروں میں اس قدر فاصلہ ہو گیا کہ میں تار سے باہر نکل آیا۔

مجھے کافی فاصلہ پر پلنگ نظر آیا جس پر مرزا غلام احمد قادیانی چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ میں نہایت ادب و احترام سے پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنے چہرہ سے چادر سرکائی تو اس کا منہ قریباً دو فٹ لمبا اور شکل خنزیر کی ہے۔ ایک آنکھ بالکل بے نور اور بند تھی۔ دوسری آنکھ ماش کے دانے کے برابر تھی۔ اس نے کہا میری بہت بری حالت ہے۔ اس کی آواز کے ساتھ شدید قسم کی بدبو پیدا ہوئی۔ اس کی شکل اور بدبو سے میں کانپ گیا اور میری نیند اچاٹ ہو گئی (اور میری نیند جاتی رہی اور میری آنکھ کھل گئی)

دوسرا خواب

ایک رات خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے قریباً دو سو گز آگے جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں۔ تانت (جس سے روئی دھنی جاتی ہے) کا ایک سرا اس کی کمر میں بندھا ہوا ہے اور دوسرا سرا میری گردن میں۔ ہمارا سفر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ دوران سفر راستہ پر دائیں طرف ایک نہایت وجیہ شخص نظر آئے۔ سفید رنگ، درمیانہ قد، روشن آنکھیں، سفید پگڑی، سفید لمبا کرتہ، سفید شلوار، مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ جہاں میرے آگے جانے والے مجھے لے جا رہے ہیں۔ کہنے لگے جانتے ہو یہ کون ہے؟ اور تمھیں کہاں لے جا رہا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں اور مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔

فرمانے لگے یہ غلام احمد قادیانی ہے۔ خود جہنم کو جا رہا ہے اور تمھیں بھی وہیں لیے جا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو جان بوجھ کر جہنم میں جائے اور دوسروں کو بھی جہنم میں لے جائے۔

انھوں نے کہا کہ مسیلمہ کذاب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے عمداً جہنم کا راستہ اختیار نہ کیا تھا؟ میں ان کی اس دلیل کا جواب نہ دے سکا تو فرمانے لگے غور سے سامنے دیکھو۔ میں نے سامنے نگاہ کی تو مجھے دور حد نگاہ پر زمین سے آسمان تک سرخی دکھائی دی۔ انھوں نے پوچھا جانتے ہو، یہ سرخ رنگ کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ کہنے لگے یہی تو جہنم کے شعلے ہیں۔ میں حسب سابق چل رہا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ قدم اٹھائے جا رہے تھے۔ وہ غائب ہو گئے۔ میں بدستور اس شخص (غلام احمد قادیانی) کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ ہم سرخی (جہنم کے شعلوں) کے قریب ہو رہے تھے۔ اب تو مجھے حرارت بھی محسوس ہونے لگی۔ وہ وجیہ شخصیت پھر نمودار ہوئی۔ انھوں نے تانت پر ضرب لگائی۔ تانت ٹوٹ گئی اور میں نیند سے بیدار ہو گیا۔

مرزا صاحب کے عقائد باطلہ

اسلام اور مرزا صاحب قادیانی کے عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے معجون مرکب عقائد کی تائید کے لیے خواہشات نفسانی سے ایسے خلاف شریعت الہام گھڑ لیے تھے جنھیں اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ انھیں خلاف قرآن و حدیث الہامات کے صدقے میں محدثیت، مجددیت، مہدویت، مسیحیت، محمدیت، کرشنیت، جے سنگھیت، ظلیت، بروزیت، نبوت وغیرہ کے دعاوی کر بیٹھے۔ اس پر بھی بس نہ کی اور صبر نہ آیا تو غضب یہ ڈھا دیا کہ خدا کا بیٹا بنے۔ مسئلہ ارتقاء کے ماتحت ترقی کی تو خود خدا ہونے کا اعلان کر کے نئے زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تخلیق بنی نوع انسان کا دعویٰ کر دیا۔ آخری میدان یہ مارا کہ اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کی مثال اللہ تعالیٰ سے دی اور لکھ دیا۔

فرزند دلبند گرامی ارجمند مظهر الاول والاخر مظهر الحق والعلاء کان اللّٰه نزل من السماء یعنی میرا پیدا ہونے والا بیٹا گرامی ارجمند ہوگا، اوّل و آخر کا مظہر ہوگا اور وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہو گا۔ گویا خدا آسمان سے اترے گا۔

مرزا صاحب کے اسی قسم کے عقائد باطلہ تھے جن کی بنا پر علمائے اسلام نے مرزا پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس وقت ہم اپنی طرف سے ان اقوال پر زیادہ جرح اور تنقید نہیں کرنا چاہتے بلکہ مرزا صاحب کے دعاوی اور عقائد انھیں کے الفاظ میں ناظرین تک پہنچا دیتے ہیں۔ مرزا صاحب اپنی نسبت لکھتے ہیں:

(1) ”میں محدث ہوں۔“ (”حمامتہ البشریٰ“ صفحہ 79)

ان الفاظ میں مجددیت کا دعویٰ کیا ہے:۔

(2) رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدد ایں دین و راہنما باشد

(ترجمہ) "مجھے غیب سے خوشخبری ملی کہ میں وہ مرد ہوں کہ اس دین کا مجدد اور راہنما ہوں۔"
("درِ ثمین" فارسی صفحہ 122)

اپنی مہدویت کا اعلان کرتے ہیں:

(3) "میں مہدی ہوں۔" ("معیار الاخیار" صفحہ 11)

آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق اپنے آپ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(4) "اور اس آنے والے کا نام جو احمدؐ رکھا گیا ہے، وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمدؐ جلالی نام ہے اور احمدؐ جمالی۔ اور احمدؐ اور عیسیٰؑ اپنے جمالی معنوں کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشگوئی مجرد احمد، جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے، بھیجا گیا۔"
("ازالہ اوہام" صفحہ 673)

اگرچہ اس عبارت میں مرزا صاحب نے لکھ دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں۔ ان الفاظ کے لکھنے سے صرف یہ مقصد نظر آتا ہے کہ اگر ابتداء میں ہی صاف طور پر لکھ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احمد نہیں تو عامۃ المسلمین متنفر ہو جائیں گے۔ لیکن آیت کا مصداق اپنے آپ کو قرار دیا ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ سورۂ صف حضرت سیدنا و مولانا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے نہ تھی بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے لیے تھی۔

"تریاق القلوب" میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

(5) منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(ترجمہ) "میں مسیح زمان ہوں۔ میں کلیم خدا یعنی موسیٰ ہوں۔ میں محمدؐ ہوں۔ میں احمد مجتبیٰ ہوں۔" ("تریاق القلوب" صفحہ 3)

دوسری جگہ اس کی مزید تشریح کرتے ہیں:

(6) "خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف

منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحاق ہوں۔ میں اسمٰعیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمدؐ اور احمدؐ ہوں۔" (حاشیہ "حقیقت الوحی" صفحہ 72)

اپنی اسی کتاب میں پھر لکھا ہے:

(7) "دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ "براہین احمدیہ" میں خدا نے فرمایا ہے کہ میں آدمؑ ہوں، میں نوحؑ ہوں، میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں، میں اسمٰعیلؑ ہوں، میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰؑ بن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، یعنی بروزی طور پر، جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دیے اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایا۔ یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایوں میں۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ ظہور ہو۔" (تتمہ "حقیقت الوحی" صفحہ 84-85)

اپنی مجددیت اور مہدویت کی شان کو دوبالا کرنے کے لیے یوں گویا ہوئے ہیں:

(8) میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

("براہین احمدیہ" حصہ پنجم و "درثمین" صفحہ 100)

ناظرین کرام! حوالہ جات بالا سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مرزا صاحب نے کس دیدہ دلیری سے تمام انبیاء علیہم السلام کے نام اپنی طرف منسوب کیے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ہر نبی کی شان مجھ میں پائی جاتی ہے۔ گویا تمام انبیاء کے مقابل پر اپنے آپ کو پیش کیا ہے کہ فرداً فرداً ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کمال عطا کیے گئے تھے، مجموعی طور پر وہ سارے کے سارے کمالات مجھ (مرزا) کو دیے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کھلے الفاظ میں اعلان کرتے ہیں:

(9) آدم نیز احمد مختار
در برم جامہ ہمہ ابرار
آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بتمام

("درثمین" فارسی، صفحہ 163)

(ترجمہ) "میں آدم ہوں، نیز احمد مختار ہوں۔ میں تمام نیکوں کے لباس میں ہوں۔ خدا نے جو

پیالے ہر نبی کو دیے ہیں، ان تمام پیالوں کا مجموعہ مجھے دے دیا ہے۔"

لاہوری احمدیو! خدا کے لیے انصاف سے جواب دو کہ کیا مرزا صاحب کے ان اشعار کا یہ مفہوم نہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا مجموعہ کہہ رہے ہیں؟ اور اپنے آپ کو کسی نبی سے درجہ میں کم نہیں سمجھتے۔ اسی ادعا نا روا کو اس شعر میں دہرایا ہے۔

(10) انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفان نہ کمترم ز کسے

("درثمین" فارسی، صفحہ 163)

(ترجمہ) "اگرچہ دنیا میں بہت سے نبی ہوئے ہیں، میں عرفان میں ان نبیوں میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔"

حیرت ہے کہ مرزا صاحب نے صرف اتنا ہی نہیں کہا کہ میں نبوت کی ایسی معجون ہوں جو تمام نبیوں کے کمالات سے مرکب ہوں بلکہ اس سے اوپر بھی ایک اور چھلانگ لگا کر دنیا کو اطلاع دی ہے کہ میں وہ تھیلا ہوں کہ جس میں تمام نبی بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

(11) زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

("درثمین" فارسی، صفحہ 165)

(ترجمہ) "میری آمد کی وجہ سے ہر نبی زندہ ہو گیا۔ ہر رسول میرے پیراہن میں چھپا ہوا ہے۔"

معاذ اللہ من ھذا الھفوات (اختر)

ایک جگہ اپنی بڑائی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

(12) "اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راست باز مقدس نبی گزر چکے ہیں، ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔" ("براہین احمدیہ" حصہ پنجم، صفحہ 90)

لاہوری مرزائیو! جب مرزا صاحب اپنے آپ کو تمام راست باز اور مقدس نبیوں کے کمالات کا مجموعہ یا عطر قرار دے رہے ہیں تو بتاؤ کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی کا مدعی ہونے میں کون سی کسر باقی رہ گئی ہے؟ جواب دیتے وقت سوچ لینا کہ تمہارے سامنے کون ہے۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کر

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

(13) روضہ آدم کہ تھا وہ ناکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

("درثمین" اردو، صفحہ 112)

معزز ناظرین! اس شعر میں مرزا صاحب کس بلند آہنگی سے اعلان کر رہے ہیں کہ تہذیب، شرافت، تمدن اور معاشرت انسانی کا جو باغ حضرت آدم علیہ السلام نے لگایا تھا، وہ اب تلک ادھورا اور نامکمل تھا۔ اب میرے آنے کی وجہ سے وہ انسانیت کا باغ پھولوں اور پھلوں سے بھر گیا ہے۔ یعنی میرے آنے سے دنیا کا کارخانہ مکمل ہوا ہے اور جب تک میں نہیں آیا تھا، دنیا نامکمل تھی۔ اگر میں پیدا نہ ہوتا تو یہ تمام جہان بھی عالم وجود میں نہ آتا۔ نہ چاند، سورج اور سیارے ہوتے، نہ زمین بنتی، نہ نسل انسانی کا نام و نشان ہوتا۔ نہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے، نہ قرآن مجید نازل ہوتا۔ غرضیکہ زمین و آسمان کا ہر ذرہ غلام احمد قادیانی کی وجہ سے ہی پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے اپنا الہام بیان کیا ہے:

(14) لولاک لما خلقت الافلاک.

(الہام مندرجہ "البشریٰ" جلد دوم، صفحہ 112)

(ترجمہ) اے مرزا! "اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔"

❀ ❀ ❀

زیڈ اے سلہری

دام ہمرنگ زمین سے رہائی

جناب زیڈ اے سلہری معروف بزرگ صحافی اور دانشور تھے۔ اسلام اور پاکستان کے ساتھ ان کی محبت والہانہ تھی۔ انھوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظمؒ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ انھوں نے قادیانیت کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ سن شعور کو پہنچنے پر قادیانیت کی حقیقت آشکارا ہوئی تو تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ دینی غیرت وحمیت کے پیش نظر مسلمان ہونے کے بعد اپنے والد کا جنازہ پڑھا نہ اپنی والدہ کا اور نہ اپنے بھائی کا، کیونکہ وہ قادیانی تھے۔ یہ اسلامی غیرت وحمیت کی بات ہے۔ وہ ایک عرصہ تک ڈیلی نیوز اور روزنامہ جنگ سے وابستہ رہے۔ ان کے مضامین آج بھی اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں انھوں نے قادیانی نفسیات کا جس باریک بینی سے تجزیہ اور محاکمہ کیا ہے' قادیانی مخالف تحریروں میں اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آیئے! جناب زیڈ اے سلہری کی یہ شاہکار اور یادگار تحریر پڑھتے ہیں۔

میں سیالکوٹ میں ایک نچلے متوسط گھرانے میں 6 جون 1913ء کو پیدا ہوا۔ سیالکوٹ میں جو سال میں نے گزارے، وہ کسی طور پر غیر معمولی نہ تھے۔ پھر میری ایک بہن کی شادی قرار ہونی پائی، تو میں نے لفظ قادیان سنا۔ معلوم ہوا کہ میرے والد سالانہ جلسے پر قادیان گئے تھے اور وہاں کسی صاحب سے میری بہن کی نسبت کر آئے ہیں۔ مجھے شادی کا اچھی طرح یاد نہیں، لیکن کچھ عرصے بعد میری بہن سیالکوٹ سے چلی گئیں۔ اس سے اگلا واقعہ یہ ہوا کہ ہم سب خود قادیان چلے آئے، ہوا یوں کہ والد صاحب غالباً حیدر آباد دکن جا رہے تھے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہم سیالکوٹ میں رہنے کی بجائے قادیان چلے جائیں، وہاں ہماری بہن بھی ہو گی، چنانچہ ہم قادیان چلے آئے اور میں وہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تیسری جماعت میں داخل ہو گیا۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ والد صاحب ''احمدی'' ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ انھوں نے میری والدہ کے خاندان کو بھی ''احمدیت'' سے منسلک کروا دیا ہے۔ میں نے قادیان ہی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کا مطلب ہے کہ میں قریباً آٹھ سال تک قادیان میں رہا۔ میرا یہ وقت کم و بیش نیم مدہوشی میں گزرا۔ مجھے

سوائے تعلیم اور کھیل کے کسی اور چیز سے دلچسپی نہ تھی۔

اب جو قادیان کی زندگی پر غور کرتا ہوں تو وہ عجب عالم بے خبری میں گزری معلوم ہوتی ہے۔ بیشک جیسے جیسے میری عمر بڑھتی گئی، مجھے محسوس ہوتا گیا کہ قادیان کوئی معمولی قصبہ یا گاؤں نہیں۔ وہاں بعض اوقات، سالانہ جلسے کے دنوں میں، جو دسمبر کی آخری تاریخوں میں منعقد ہوتا، خاص گہما گہمی ہوتی، باہر سے ہزاروں لوگ آتے، ہم لڑکے مہمانوں کی خدمت پر بھی مامور ہوتے، ان دو مشاغل تعلیم اور کھیل نے میرے ذہن میں کسی اور شوق و استغراق کے لیے جگہ نہیں چھوڑی۔ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ مذہبی ارکان بجالاتا، لیکن میں قادیانیت کے انوکھے مفہوم سے ناواقف رہا۔ میں نے اکثر خلیفہ محمود احمد کا خطبہ جمعہ سنا، ان کی باتوں سے مترشح ہوتا تھا کہ قادیانی کوئی خاص مخلوق ہیں۔ "ہم زندہ مسلمان ہیں، غیر احمدی مسلمان مردہ ہیں" ان کا خاص موضوع ہوتا اور کبھی قادیان سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو اس نعرے کی صدائے بازگشت سنائی دیتی اور میں دوسرے مسلمانوں کو دیکھتا کہ وہ کس اعتبار سے ہم سے پیچھے ہیں، لیکن جہاں مذہبی طور پر مجھ میں قادیانیت کے متعلق خاص تیقن نہ پیدا ہوا تھا، وہاں ادبی طور پر میرا ذوق پختہ ہو رہا تھا، مجھے انگریزی کے علاوہ اردو سے بہت شغف تھا...... اسی دوران مجھے علامہ اقبالؒ کے کلام سے شناسائی ہوئی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کلام اقبالؒ نے میری زندگی کی کایا کو پلٹ کر رکھ دیا۔ ان کے فلسفہ حیات کے جس نکتے نے مجھ پر خاص اور گہرا اثر کیا، وہ یہ تھا:

؎ زیادہ راحت منزل سے ہے نشاط رحیل

اس کے بعد میری نظروں میں منزل کی خاص وقعت نہیں رہی، لیکن یہ بعد کی پیش رفت ہے۔ قادیان میں طالب علمی کے زمانے میں اردو ادب اور کلام اقبالؒ کا مجھ پر ضرور اثر تھا کہ مجھے کچھ زبان کا چسکا پڑ گیا تھا۔ کسی بات کی تو ضرور اہمیت ہوتی ہے، لیکن طرز ادائیگی اور اسلوب بیان بھی کوئی چیز ہے، اب اس معیار پر، جو آہستہ آہستہ، باخاموشی اور غیر محسوس طور پر ادب کا مطالعہ مجھ میں استوار کر رہا تھا، قادیانی خطبات، تحریریں، شاعری، استدلال اور بحث و مباحثہ پورا اترتا نہ لگتا تھا۔ اس لیے قادیانی ماحول میرے اندر ایک ذہنی تحفظ اور قلبی رخنہ پیدا کر رہا تھا اور میں زندگی میں قادیانی موقف سے غیر جانبدار ہوتا چلا جا رہا تھا، لیکن یہ ایک ذوقی اور وجدانی راہ انحراف تھی، اس میں وہ فکری جذبہ بغاوت نہ تھا جو بعد ازاں عمر کی زیادہ ارتقائی منزل میں متولد ہوا۔

لیکن، کیا یہ ذوقی وجدانی راہ انحراف میرے تبدیلی عقیدہ کے لیے کافی تھی۔ آبائی مذہب چھوڑنا آسان نہیں۔ خصوصاً جب مجھے اپنے والد سے گہرا قلبی لگاؤ تھا تو پھر میرے خیالات اتنے بنیادی طور پر کیسے بدلے؟ یہاں یہ سوال اس لیے ضروری ہے کہ میں نے جوانی کے شروع میں ہی، بلکہ لڑکپن کے ایام میں ہی، قادیانیت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، یہ گتھی یوں سلجھ سکتی ہے کہ انسان قرآن کریم کے اس نکتے پر غور

کرے کہ رشد و ہدایت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، جسے چاہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو قلب سلیم لے کر آئے، اسے ہم سچائی کا رستہ دکھاتے ہیں، لیکن یہ قلب سلیم کون عطا کرتا ہے؟ یہ بھی اس کی دین ہے۔ بعد کے تجربات زندگی نے مجھے اس عقیدے پر پختہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے بغیر زندگی کی کسی جہت اور معاملے میں بھی ہدایت نہیں حاصل ہوتی۔ سب امور کتاب میں درج ہیں، اس لیے میں تجربے کی حد تک تو یہ کہتا ہوں کہ میں ذوقی و وجدانی طور پر ایک ایسے مقام فہم پر پہنچا، جو قادیانیت سے ابا کرتا تھا، لیکن حقیقت یہی ہے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قادیان میں آٹھ سال مستقل رہائش کے بعد میں لوح قلب کو اس سادہ صورت میں لے کر نکل آیا، جس حالت میں اسے لے کر، میں وہاں داخل ہوا تھا۔ تعلیم قادیان میں ضرور حاصل کی، لیکن قادیان کی روح سے غیر متاثر رہا۔

من و تو سے پیدا، من و تو سے پاک

لیکن، نقطہ انحراف تک پہنچنا ایک جز تھا اور جذباتی ورثے سے نجات حاصل کرنا بالکل جدا، اس کے لیے محسوس جدوجہد کی ضرورت پڑی۔ اس جدوجہد میں کئی اور عوامل شامل ہوئے، جن کا میں بعد میں ذکر کروں گا۔ یہ میری زندگی کا بہت صبر آزما دور تھا، ابھی میری عمر سترہ سال ہی کی تھی اور میرے دل و دماغ میں پختگی نہ آئی تھی کہ میں اپنے مذہبی عقیدت کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، میرے لیے اس کی بنیاد متزلزل ہو چکی تھی۔

یہ پانچ سال کی داستان ہے۔ ان سالوں میں میرے مذہبی خیالات کی نشوونما کے ساتھ ان کی تطہیر و تذکیر بھی ہوئی۔ جب تک میں سکول کے زمانے میں قادیان میں رہا، میں کسی اور دنیا کو نہ جانتا تھا۔ میرے لیے ذاتی طور پر قادیان کا ماحول پرسکون تھا۔ جیسا میں نے عرض کیا، مجھے تعلیم اور کھیل کے سوا کسی اور چیز سے غرض نہ تھی، لیکن کبھی کبھی میرے کان میں عجیب و غریب افواہیں پڑتیں۔ عبدالرحمٰن مصری کا قصہ سننے میں آیا، وہ غالباً مدرسہ احمدیہ کے پرنسپل تھے، انھیں نکال دیا گیا۔ اسی طرح فخر الدین کتب فروش اور مستری عبدالکریم کے نام سننے میں آئے۔ پس منظر میں کچھ جنسی سکینڈل منڈلاتے تھے۔ بعض وقت دیواروں پر فحش زبان میں پوسٹر چسپاں نظر آتے تھے۔ زیادہ تر خلیفہ بشیر الدین محمود کی ذات الزامات کا مرکز تھی، لیکن میں نے کبھی ان معاملات میں دلچسپی نہیں لی۔ سزائیں یقیناً سنگین ہوں گی، کیونکہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کئی لوگوں نے قادیانی فرقے کو چھوڑ کر لاہوری جماعت سے وابستگی اختیار کر لی ہے۔ ان لوگوں میں ان کے خلیفہ اوّل حکیم نور الدین کے لڑکے مولوی عبدالمنان بھی شامل ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ

بھی انہی حالات میں ربوہ سے علیحدہ ہوئے، جن حالات نے مولوی محمد علی کو 1914ء میں قادیان چھوڑ کر لاہور کی انجمن احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھنے پر مجبور کیا تھا، یعنی وہ بھی قادیانی فرقے کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد کے مقابل خلیفہ محمود احمد کے جانشین بننے کے دعویدار تھے اور کہتے ہیں کہ اس جماعت کے کافی لوگ ان کے حق میں تھے، بہرحال جو لوگ قادیان یا ربوہ چھوڑ کر لاہوری جماعت سے وابستہ ہوئے، ان کے محرکات ذاتی تھے، عقیدتاً وہ بھی مرزا غلام احمد کے دعاوی کو صحیح مانتے تھے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ قومی اسمبلی نے احمدیت کو خارج از اسلام قرار دینے کے ضمن میں قادیانی اور لاہوری فرقوں کے درمیان تخصیص کو ناقابل اعتنا قرار دینے میں بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔

لیکن، ان واقعات کا میرے تشکیل جذبات کے عمل میں کوئی دخل نہیں، جس چیز نے میری آنکھیں کھولیں، وہ بالکل مختلف ہے۔ پہلے تو جیسا میں نے کہا، میں وجدانی اور ذوقی لحاظ سے اپنے آپ کو قادیانی انداز استدلال سے غیر متاثر پاتا تھا۔ مجھے ان کی تحریر و تقریر میں کوئی جاذبیت اور کشش محسوس نہ ہوتی تھی، لیکن، چونکہ، میں ابھی بہت نوعمر تھا اور میں نے قادیانیت کے بنیادی دعاوی کو تجزیئے کی روشنی میں نہ دیکھا تھا، میں ایک قسم کی غیر مرئی غیر جانبداریت کے سوا اور کوئی طرز عمل اختیار نہ کر سکتا تھا۔ چونکہ، ہر طرف قادیانی ہی قادیانی تھے، میں ان کے طور طریق میں کوئی نمایاں پہلو نہ دیکھتا تھا، لیکن جب میں شملہ اور دہلی آیا، تو وہاں کی قادیانی جماعت مجھے ایک نئی اور ممتاز صورت میں نظر آئی۔ اس کا امتیاز یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان رہ کر بھی اس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائی ہوئی تھی۔

اب میں نے دیکھا کہ قادیانی نہ صرف مسلمانوں سے مذہبی و جماعتی طور پر الگ تھلگ تھے، بلکہ وہ سیاسی طور پر بھی مسلمانوں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے، ان کا انداز عمل کچھ ایسا تھا کہ گویا مسلمانوں اور دوسروں کے درمیان ان کی کوئی غیر جانبدارسی پوزیشن ہے۔ بالفاظ دیگر، ان کی حیثیت مسلمانوں کے جسد قومی کے ایک جزو لاینفک کی نہ تھی کہ ان کا مرنا اور جینا ان کے ساتھ مقدر ہو۔

قادیانی جماعت مسلمانوں کے بحران سے کوئی سروکار رکھتی معلوم نہ ہوتی تھی، بلکہ میں قادیانی زعما سے یہ سن کر ہکا بکا رہ جاتا تھا اور یہ الفاظ میں نے خود خلیفہ بشیر الدین محمود کی زبان سے بھی سنے کہ ''انگریز احمدیوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور ملازمتوں میں دوسرے مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں'' شاید اسی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے چوہدری ظفر اللہ خاں قادیانی کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بنایا تھا۔ ان کی تقرری پر خلیفہ صاحب نے کہا تھا۔ ''لوگ متعجب ہیں کہ ایک احمدی کو اس اعلیٰ عہدے کے لیے کیوں منتخب کیا گیا، آخر احمدیوں کو بھی تو ان کا حصہ ملنا ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ حصہ بخشی اکثریت کے بجائے اقلیت سے کیوں شروع نہیں ہوسکتی؟'' میں نے دیکھا قادیانی، حکومت کی ملازمتوں کو حاصل کرنے کی خاص کوشش کرتے تھے اور ظفر اللہ خاں کے زمانہ میں انھیں نوکریاں ملنے میں سہولتیں بھی

حاصل ہوگئیں تھیں، وہ سرکاری افسر ہونے کو اس سیاسی طاقت کے حصول سے تعبیر کرتے، جن کا ان کے ساتھ "الٰہی" وعدہ کیا گیا ہے۔ ظفر اللہ خاں قادیانی نے اپنی پوزیشن کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کئی نوجوانوں کو قادیانی بھی بنایا، جب کوئی پڑھا لکھا ان کے پاس سفارش کے لیے جاتا تو اس پر تبلیغ شروع کر دیتے، جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ حصول ملازمت کا طریقہ ہی یہ رہ گیا ہے، تو بعض تو جاتے ہی احمدیت میں اپنی دلچسپی کا اظہار شروع کر دیتے۔ شملہ میں ظفر اللہ قادیانی کی مشہور سرکاری کوٹھی ریٹریٹ میں ہوتی تھی اور امیدواران ملازمت کے لیے سنہری موقع مہیا کرتی، وہاں ظفر اللہ خاں جس نئے چہرے کو دیکھتے، اس پر مہربان ہو جاتے، ان باتوں سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ قادیانیوں کو برصغیر کی آزادی سے کوئی رغبت نہیں۔ اگر وہ مسلمانوں سے ہمدردی جتاتے ہیں، تو محض ان میں اپنا اثر و رسوخ پھیلانے کو، جدوجہد کشمیر میں حصہ لیا تو اس تحریک کی لیڈرشپ پر اجارہ داری جمانے کے لیے، لیکن اصلاً وہ ٹھیٹھ مسلم مفاد سے بے اعتنائی برتتے، اور اس بنیادی رجحان کا بھرم تحریک پاکستان کے دوران کھل گیا، وہ برصغیر کی آزادی کے تو قائل نہ تھے، لیکن مسلمانوں کے حق خودارادیت کے مخالف نکلے، چنانچہ انھوں نے، جہاں مسلمانوں کی جنگ آزادی سے پہلو تہی اختیار کی تھی، وہاں مسلم لیگ کی قیادت سے بھی قطعی تجارتی طرز عمل اختیار کیا۔ مرزا محمود احمد قادیانی خلیفہ نے قائداعظمؒ کو لکھا کہ "ان کی جماعت بہت اثر و رسوخ کی مالک ہے اور اس کی طاقت روز افزوں ترقی پر ہے۔ اگر مسلم لیگ اس کے تعاون کی خواہش مند ہے تو اس سے شرکت عمل کی شرطیں طے کرے، ورنہ وہ کانگرس کا ساتھ دے گی۔" اس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کو اپنا مفاد نہ سمجھتے تھے، تاوقتیکہ ان سے کوئی عہد معاہدہ نہ ہو جائے۔ میں نے مسلمانوں کے معاملات سے قادیانی غیر جانبداری کی ذہنیت کا مظاہرہ پاکستان بننے کے بعد بھی دیکھا۔

قادیانیوں کو میں نے شروع ہی سے مسلمانوں سے الگ پایا تھا۔ مثلاً قادیان کی زندگی میں ہمارا ان معدودے چند مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہ تھا، جو وہاں رہتے تھے۔ قادیان کا ایک بازار، بڑا بازار، کہلاتا تھا اور اس میں زیادہ تر ہندوؤں اور مسلمانوں کی دکانیں تھیں، جب میں اس بازار سے گزرتا تو کبھی کبھی ایک سبزی کی دکان پر کھڑا ہو جاتا، جس کے مالک کا لڑکا ہمارا ہم جماعت تھا، مجھے میری اس حرکت پر سرزنش کی گئی کہ میں کسی "غیر احمدی" سے سکول کے باہر کیوں تعلق رکھتا ہوں، پھر قادیانیوں کی مسلمانوں سے رشتہ داریاں بھی نہ ہوتیں، قادیانی مردوں کے لیے مسلمان لڑکیاں تو جائز تھیں، لیکن قادیانی لڑکی کا کسی مسلمان لڑکے سے رشتہ قطعی ناجائز تھا۔ جب کبھی خاندانی تعلقات کی بناء پر ایسا ہو جاتا، تو "مجرم" کا بائیکاٹ ہوتا، قادیانیوں کے لیے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا، وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ تک پڑھنے کے روادار نہ تھے، چنانچہ ظفر اللہ خاں نے قائداعظمؒ کا جنازہ نہیں پڑھا اور لاکھوں کے مجمع میں الگ بیٹھے رہے، جب چوہدری صاحب سے پوچھا گیا کہ وہ مسلمانوں کا نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھتے، تو انھوں

نے جواب دیا کہ جو ہمیں کافر کہیں، ان کا ہم جنازہ نہیں پڑھتے، اسی سانس میں انھوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ قائداعظمؒ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے دنوں میں (جب ظفر اللہ خاں وہاں ریلوے ممبر تھے) ان کے مداح تھے اور انھیں مسلمان سمجھتے تھے۔ (اگر اسے سچ مان لیا جائے) تو سوال اٹھتا ہے کہ پھر آپ نے قائداعظمؒ کا جنازہ کیوں نہ پڑھا؟ وہ آپ کو کافر بھی نہ کہتے تھے اور آپ کے محسن بھی تھے کہ ان کے علاوہ پاکستان میں کس کو جرأت ہو سکتی تھی کہ ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ بنا دے...... مسلمانوں سے الگ تشخص قائم کرنے کی دھن میں وہ اتنی دور گئے کہ اپنا ایک کیلنڈر بھی اختراع کر لیا، لیکن اس زمانے میں، میں قادیانی زندگی کی ان خصوصیات کی وجہ کو سمجھ نہ سکا تھا۔ اب قادیان سے باہر، وسیع تر میدان میں جب میں نے قادیانیوں کے مسلمانوں سے غیر جانبدارانہ بلکہ معاندانہ طرز عمل کو دیکھا، تو اس کی وجوہات پر غور کرنے پر مجبور ہوا۔ مسلمانوں میں فرقہ بازی نئی چیز نہیں، کئی فرقے ہیں، لیکن قادیانیوں کا باوا آدم نرالا ہے، ان کا الگ مذہبی وجود ہی نہ ہے بلکہ وہ اپنے منفرد سیاسی وجود پر بھی مصر ہیں۔

جب میں نے ان کے عقائد کا مطالعہ کیا تو بنیادی خرابی ان کے عقائد میں یہ نظر آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہیں، جبکہ نبوت تو لامحالہ ایک الگ امت کی متقاضی ہوتی ہے، اگر مرزا غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت کر کے مسلمانوں سے الگ امت کے بانی بن جاتے، تو لوگوں کو اختیار تھا کہ اس دعویٰ کو اپنے اپنے معتقدات کی روشنی میں پرکھ لیتے، مسلمانوں کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، جو خاتم النبیین ہیں اور جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر اپنی نعمت دین مکمل کر دی ہے، کسی اور رسول کی گنجائش نہ تھی، لیکن غیر مسلم جو چاہے، وطیرہ اختیار کرتے۔ ایران میں بہاء اللہ نے یہی طرز عمل اختیار کیا، لیکن قادیانیت کی جس خصوصیت نے مسلمانوں میں خلفشار پیدا کیا، وہ یہ تھی کہ اسے حقیقی اسلام کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، گو میں نے اس وقت مذہبی استدلال نہیں کیا، لیکن یہ امر مجھ پر بالکل صاف ہو گیا تھا کہ اگر مجھے مسلمانوں کے امور سے تعلق منظور ہے، تو میں قادیانی جماعت کا فرد نہیں رہ سکتا۔ مجھے ان سے آزاد پوزیشن اختیار کرنی پڑے گی، مجھے مداہنت سے طبعی نفرت ہے اور میں جب اس دوٹوک نتیجے پر پہنچا، تو میں نے اپنے گھر والوں اور دوستوں سے اس کا برملا ذکر کیا۔

اب قادیانیوں نے ایک صنعت کو بہت پروان چڑھایا ہوا ہے اور وہ ہے تاویل کی صنعت، ان کی تاویل تراشی پر علامہ اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

یہ اسی تاویل کا کرشمہ ہے کہ قادیانیوں نے حکومت انگلشیہ کو، نعوذ باللہ، حاکم برحق کا درجہ دیا، گویا کرشمہ انھوں نے تاویل کے ساتھ اصطلاح قرآنی کو مسخ کرنے سے حاصل کیا، یعنی بجائے اولوا الامر منکم کے صرف اولوا الامر کہا، کسے باشد، ان کی بلا سے، مسلمانوں پر جو چاہے حکومت کرے، صرف شرط یہ ہے کہ

قادیانی مقربین کی صف میں شامل ہوں، انگریزوں کو حاکم تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ جہاد کا منسوخ قرار دیا جانا، قادیانی مذہب کے لیے ناگزیر تھا، کیونکہ ایک طرف مسلمانوں کو انگریزوں کے اتباع کی تلقین کی جائے اور دوسری طرف وہ ان کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو جائیں تو خدمت سرکار کا اہتمام نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ بات سیدھی کہو۔ ادھر ان کی تاویل آمیز تفاسیر میں الجھاؤ ہی الجھاؤ تھا، موقع ملے تو بال کی کھال اتارنے سے دریغ نہیں کرتے اور منطق کام نہ آئے تو ''الہامی'' حوالے دیے جاتے ہیں، جس کا اس کے سوا اور کیا جواب دیا جاسکتا کہ ۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

لیکن، یہ بہت بعد کی باتیں ہیں۔ مرزا محمود احمد نے دعویٰ کیا کہ انھیں قرآن کریم کی تفسیر خوابوں میں سمجھائی گئی، اب انسان کسی عام نکتے پر تو بحث کر سکتا ہے، لیکن اس نکتے پر کیا اظہار رائے کرے، جو خوابوں کے ذریعے کسی کی طبیعت رسا پر وا اور منکشف ہوا ہو، ان کے خوابوں میں کسی اور کا کیسے گزر ہو سکتا تھا۔ مجھے عمر کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے محرکات اور مضمرات پر سوچ بچار کا موقع ملا اور میں اپنی تحقیق کے نتائج کسی مناسب جگہ پیش کروں گا، لیکن اس وقت بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس جماعت کا مقصد اولیٰ، امت مسلمہ کی وحدت و تنظیم کی جڑیں کاٹنا ہے، وہ مسلمانوں سے ایسی صورت میں وابستہ رہنے پر اصرار کر رہے تھے، جب ان کے جماعتی مفادات ان کے قطعی خلاف تھے، اوّل تو وہ برصغیر میں انگریزوں کے زوال کے تصور کو ہی ناممکن سمجھتے تھے، ان کی تمام تر سیاست کا تکیہ انگریزی تسلط کا مستقل قیام تھا، وہ اگر مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے تھے تو اس لیے کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق پر اپنا حق جما سکیں۔ آخر ظفر اللہ خاں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں مسلمان کہلانے کی بناء پر پہنچے، یہ امر انگریزوں اور قادیانیوں دونوں کو راس تھا، اس طرح انگریزوں کو وفادار نائب ملتے تھے اور قادیانیوں کو تقسیم انعامات میں خصوصی حصہ، دوسری طرف وہ کانگریس سے بھی رابطہ رکھتے تھے کہ داخلی طور پر انتقال اقتدار ہوا تو وہ بہت بڑی جماعت کی حیثیت سے اکثر صوبوں کے حاکم ہوں گے اور وہ یقیناً انگریزوں کی طرح ایسی جماعت کو استعمال کرنا چاہیں گے، جس کا ایمان ہی اولوا الامر کی اطاعت ہے، لیکن جب یہ سیاسی گومگو کی حالت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور افق پر جنگ کے آثار سے یہ ظاہر ہونا شروع ہو گیا کہ انگریز کو ہندوستان کے متعلق فیصلہ کرنا پڑے گا، تو قادیانی اصلیت اظہر من الشمس ہو گئی اور انھوں نے صاف طور پر برصغیر کی تقسیم کے خلاف اکھنڈ بھارت کے تصور کو ترجیح دی۔ بات یہ تھی کہ جب تک انگریز کا سایہ عاطف قائم تھا، ان کے لیے دوغلے پن کی گنجائش تھی، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد بھی ظاہر کر سکتے تھے اور ہندوؤں سے سیاسی لین دین بھی کر سکتے تھے، لیکن انگریز کے بعد کی صورت حالات میں انھیں دو میں سے ایک متبادل کا انتخاب کرنا لازمی ہو گیا، اکھنڈ بھارت میں ان کے پنپنے کے زیادہ امکانات ہیں یا پاکستان میں؟ اب انھیں صاف نظر آیا کہ ایک

خالص اسلامی مملکت میں ان کا گزارا نہیں ہوسکتا اور اس کے مقابل، اکھنڈ بھارت میں، جہاں کانگریس، سیکولر طرز حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، انھیں اپنی جمعیت کو مضبوط کرنے کا خاصا موقع ملے گا، پھر وہ تو ازلی وفادار ہیں، کانگریس انھیں مسلمانوں پر بہر حال ترجیح دے گی، جن کی سرشت میں غیر مسلمانوں کے خلاف بغاوت لکھی ہوئی ہے اور جن کی اکثریت تحریک پاکستان کی موید ہونے کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو گی۔ سو قادیانیوں نے اپنا پورا وزن برصغیر کی سیاست کے ترازو...... مسلم لیگ کے مخالف پلڑے میں ڈال دیا۔

بے شک یہ پیش رفت اس زمانے سے تعلق نہیں رکھتی، جب میں قادیانیوں کے متعلق سوچ رہا تھا، لیکن ان کی باتیں سن کر ان کا طرز عمل دیکھ کر میرے دل میں کوئی شک وشبہ نہ رہا تھا کہ بالآخر وہ کس طرف جائیں گے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ہم عموماً اپنے فہم کی تسکین دلیلوں اور لفظوں کے استعمال میں ڈھونڈتے ہیں، لیکن قرآن کریم مشاہدے پر زور دیتا ہے۔ پوچھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ کیسے اٹھیں گے؟ جواب ملا تو آپ پیدا کیسے ہوئے تھے؟ جو خالق ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ دوسری بار بھی اٹھا سکتا ہے۔ علم کا اصل منبع ہی مشاہدہ ہے اور میرے مشاہدے نے میرے اندر بدرجہ اتم یہ ایقان پیدا کر دیا کہ قادیانیوں کا مسلمانوں سے کوئی علاقہ نہیں اور میں اپنے لیے مسلمانوں کا راستہ انتخاب کر چکا تھا۔ قادیانیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پیروکار مرزا صاحب کی پیشگوئیوں پر بہت انحصار کرتے ہیں، بات بات پر ان کی پیشگوئیوں کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کے پورا ہونے کی تشہیر کرتے ہیں، ضمناً ان کی ایک پیشگوئی قطعی مسلمانوں کے حق میں نہ تھی۔ جب بنگال کے ہندو تقسیم بنگال، جو عین مسلمانوں کے فائدے میں تھی، کے خلاف تحریک چلا رہے تھے، تو مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ ”دلجوئی کی جائے گی“ اب جب 1911ء میں تقسیم کے فیصلے کو منسوخ کر دیا گیا تو حقیقتاً دلجوئی ہندوؤں کی ہوئی، قادیانی حضرات کہہ سکتے ہیں کہ اس سے غرض نہیں، پیشگوئی کس کے حق میں پوری ہوئی، انھیں تو اس کے اہتمام سے غرض ہے۔ قادیانی پیشگوئیوں کی صداقت کے اس قدر قائل ہیں کہ وہ انھیں بروئے کار لانے کی بھی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ایک پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت ثانی دمشق کے ایک کنارے پر ہوگی۔ چنانچہ ایک طرف تو قادیان میں منارۃ المسیح بنوایا گیا۔ رہی کسر مرزا محمود احمد صاحب نے پوری کر دی کہ جب وہ سفر یورپ پر جا رہے تھے یا آ رہے تھے، دمشق ٹھہرے اور وہاں کی مسجد کے منارے پر چڑھے، وہ خود تو ”مسیح موعود“ نہ تھے، ان کا دعویٰ صرف ”مصلح موعود“ ہونے کا تھا، لیکن جس حد تک وہ مرزا صاحب کے فرزند اور خلیفہ ہونے تک ان کی نمائندگی کر سکتے تھے، انھوں نے اس پیشگوئی کو اپنے باپ کی طرف سے پورا کر دیا۔ میرا پیشگوئیوں کے متعلق تفصیل بتانے کا مقصد یہ اتمام حجت ہے کہ قادیانی انھیں اپنے مستقبل کا دار و مدار سمجھتے ہیں، اب ایک اہم معاملے میں مرزا صاحب کی پیشگوئی سے بالکل الٹ نتیجہ پیدا ہوا۔ قادیان، جس کے متعلق ان کا ایک شعر ہے ؎

زمین قادیان اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

جس قدر قادیانیوں کو محبوب ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، قادیان کے متعلق مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ وہ اتنی ترقی کرے گا کہ اس کا ایک سرا دریائے بیاس تک جا لگے گا اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ کبھی لاہور ہوتا تھا، مطلب یہ ہے، اس وقت اس کی عظمت کے سامنے لاہور مات ہوگا۔ اب خدا کا کرنا کیا ہوا کہ تقسیم برصغیر سے قادیان غالباً متروکہ شہروں میں سب سے زیادہ متاثر و ماؤف ہوا کہ مشرقی پنجاب کے دوسرے شہر تو مسلمانوں کے نکل آنے پر ہندوؤں اور سکھوں نے آباد کر دیے، لیکن قادیان کی کوئی تجارتی یا دوسری اہمیت نہ تھی۔ اس کی اہمیت یہی تھی کہ وہ مرزائیوں کا مرکز ہے، جس تک ریلوے لائن بھی اس لیے بچھائی گئی کہ چوہدری ظفر اللہ خاں وائسرائے کی کونسل کے ریلوے ممبر تھے، ورنہ مسافروں کی آمد و رفت اس کے لیے کوئی جواز مہیا نہ کرتی تھی۔ اس لیے تقسیم پر قادیانی تو اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کہ جان کا خطرہ تھا، لیکن ہندوؤں سکھوں نے اسے آباد کرنے کے لائق نہ جانا اور میں نے سنا کہ اب وہاں ہمارے مکانوں میں گدھے بندھے ہیں، گویا قادیان کی صرف رونق ہی ضائع نہ ہوئی، وہ بالکل ویران ہو گیا۔ اس سے زیادہ پیشگوئی کے غلط ہونے کا اہتمام نہ ہو سکتا تھا، چونکہ میں 49ء سے لندن میں تھا اور مجھے تقسیم کے بعد، قادیان کی مکمل تباہی کے بارے میں قادیانیوں کے ردعمل کا علم نہ تھا، اس لیے جب 1950ء میں واپس آیا تو یہ معلوم کرنے کے لیے بہت متجسس تھا کہ اس المیے کا ان کے دلوں میں کیا اثر ہوا، لوگوں کے قدم تو اس پیشگوئی کی تعبیر معکوس سے ڈگمگا گئے ہوں گے، لیکن میری حیرانی کی انتہا نہ رہی، جب میں نے دیکھا کہ اس حادثے سے ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ یہ احساس کا فقدان تھا یا تاویلوں کی تاثیر، ان کے ایمانوں میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ایک کوشش کبھی نہیں ہوئی، اسلام میں کسی اور نبوت کے اجراء کے لیے دروازہ نہ کھولا گیا، یہ جسارت صرف ہندوستان میں انگریزوں کی علمداری میں ہوئی، قادیانیت، انگریزوں کی سنگینوں کے تلے پروان چڑھی۔ قادیانی نبوت سراسر دوراز کار تاویلات کی تصنیف ہے، کہیں مسیح علیہ السلام کی بعثت ثانیہ کا سہارا لیا گیا ہے، کہیں ضعیف حدیثوں پر انحصار کیا گیا ہے، کہیں پوچ استدلال پر، مثلاً یہ دلیل کہ انعامات خداوندی کبھی بند نہیں ہوتے، تو نبوت کا دروازہ کیسے بند ہو سکتا ہے، جسے ایک قادیانی شاعر نے گھڑی سے تشبیہ دی ہے ۔

کیا فائدہ رکھنے کا گھڑی جیب میں یارو
جب وقت کی پڑتال پہ پاتے ہو گھڑی بند

لیکن، جب اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنی نصیحت پوری کر دی تو آپ کو خاتم النبیین قرار دیا۔ اسلام نیا مذہب نہیں، یہ وہی پیغام ہے جو حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر وحی کیا گیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس پیغام کی تکمیل ہوئی

اور اس تکمیل اور اتمام نعمت کا خاصا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا، جب کہ توریت اور انجیل کے متعلق اس قسم کی ذمہ داری نہیں اٹھائی اور اسی وجہ سے ان میں تحریف ہوئی۔ ان صریح احکامات میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، چونکہ، اسلام میں یہ نکات بنیادی تھے، ان پر پوری امت کا اجماع ہوا اور اسلام میں چودہ سو سال تک کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، تاآنکہ قادیان سے مرزا غلام احمد نے اپنی صدا لگائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستانی ''نبوت'' کی اس لیے ضرورت پڑی کہ فی زمانہ مسلمانوں کی حالت بہت گر چکی تھی تو امت پر اس سے پہلے بھی بڑے بڑے بحران آئے، جب کسی ''نبوت'' کا بندوبست کیوں نہ ہوا؟ پھر قادیانیوں نے اوّل کام ہی یہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے کٹ گئے اور انھوں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تعمیر کی، پھر انھوں نے صرف مسلمانوں سے سروکار ہی نہ رکھا، بلکہ ان کے خلاف کام کیا۔

قادیانیوں نے اپنی ''نبوت'' کے جواز میں عجیب دلیلیں دی ہیں۔ ایک یہ کہ مرزا قادیانی کی ''نبوت'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام اور بلند ہوتا ہے کہ ان کے امتی بھی ''نبی'' بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ ایک دفاعی دلیل ہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، ورنہ اس سے صاف معلوم ہوتا کہ

ع چہ بے خبرز مقام محمد عربی است

اگر انھوں نے ایک طرف یہ کہا تو دوسری طرف ان سے اپنی حقانیت میں یہ بیان بھی سنا گیا کہ اگر چوہدری ظفر اللہ خاں جیسا لائق آدمی (یہ بات ان دنوں خاص طور پر کہی جاتی تھی، جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل کے رکن تھے) مرزا صاحب کو ''نبی'' مانتا ہے تو اس سے زیادہ ان کی ''صداقت'' کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے! انہی پوچ باتوں نے مجھے قادیانی موقف سے بیزار کیا، مجھے یقین ہو گیا کہ قادیانیوں نے سنجیدگی سے نبوت کے متعلق سوچا نہیں یا ان میں سنجیدہ فکر کی اہلیت ہی نہیں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر وہ اپنے عقیدے سے وابستہ ہیں تو دنیا میں لوگ طرح طرح کی بوالعجبیوں کی مانتے ہیں، انسانی ذہن ہر عقیدے کا جواز ڈھونڈ لیتا ہے، لیکن، بہر حال قادیانیت کو اسلام کے اس عالمگیر مقصد سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا کوئی درک نہیں جو ان الدین عند اللّٰہ الاسلام میں مضمر رکھا گیا ہے کہ اسلام کل انسانیت کے لیے ہے اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری نوع انسانی کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ وہ کسی خاص قوم کے لیے نہیں آئے، جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا مقصد بنی اسرائیل کے دین کی تجدید تھی، وہ خاتم النبیینؐ تھے، جس کا مطلب ہے اسلام دنیا کے قیام سے آخیر تک انسانیت کو راہ ہدایت دکھاتا رہے گا اور وہ اس کے سوا اور کوئی نجات اخروی کا ذریعہ نہ پائے گی۔ اس عظیم الشان مشن کا تقاضا تھا کہ قرآن کریم محفوظ رہا اور اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے، وہ چودہ سو سال بعد بھی حرف بحرف وہی ہے جو رسول اللہؐ زندگی میں تھا اور تاقیامت اسی طرح یہ تحریف سے محفوظ رہے گا اور دوسرے امت مسلمہ کا وجود ثابت و سالم رہے گا، کیونکہ اگر وہ منقسم، منفرق اور منتشر ہو گئے، تو اسلام کی قوت نفوذ ختم ہو

جائے گی۔ اسلام کی سرمدی تعلیم مسلمانوں کے ٹھوس جسد سیاست کی مقتضی تھی، وہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھے، اب تاریخ اس امر پر بھی شاہد ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ مسلمانوں پر ہر قسم کی فکری و جماعتی اور سیاسی آفتیں آئیں، ان کا قلب صحیح اور زندہ رہا۔ بے شک درجنوں فرقے پیدا ہوئے، مسلمانوں پر عروج کے ساتھ زوال آیا اور وہ اغیار کے دست نگر اور تابع بھی بنے، لیکن ان میں اپنی وحدت کا جذبہ کبھی سرد نہ پڑا اور صداقت یہی ہے کہ وہ ہر امتحان اور آزمائش کے بعد ابھرے

ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

وحدت کا ناقابل شکست اور زندہ احساس جو ہر زمانے میں مسلمانان عالم میں جاری ساری رہا، کارکن اعلیٰ اور عامل اعظم وہ گہرا تعلق ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے رہا، اور جو اسی طرح قائم رہ سکا کہ وہ خاتم النبیین تھے اور کوئی اور نبی یا پیغامبر مسلمانوں اور رسول اللہؐ کے درمیان حائل نہیں ہوا، یہ ناقابل تردید نفسیاتی حقیقت ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی تیسرا عامل کسی شخص یا ادارے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی درمیان حائل ہو جاتا تو یہ قلبی تعلق، جو مسلمانوں کو رسول اللہؐ سے محسوس ہوتا ہے اور جس پر ہر دوسرا تعلق قربان کیا جا سکتا ہے، قائم نہ رہ سکتا، جس کا مطلب ہے، امت کی وحدت معرض انتشار میں پڑ جاتی۔ اس حقیقت کے ثبوت میں خود قادیانیوں کے طرز عمل کی مثال دی جا سکتی ہے۔ کہنے کو تو وہ رسول اللہؐ سے بہت عشق ومحبت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن عملی صورت کیا ہے؟ ان کے گھروں میں ہر وقت مرزا صاحب کا ذکر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب سے ان کے پیرووں کے تعلق کے متعلق وہ خود ایک لطیفہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے متعلق مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ وہ ان کے متعلق بحث کے سلسلے میں کسی مسلمان سے لڑ پڑا، مرزا صاحب نے اسے کہا کہ تمہیں نہیں لڑنا چاہیے تھا، تو اس شخص نے جواب دیا کہ آپ تو اپنے آقا (یعنی رسول اللہؐ) کے بارے میں ہر ایک سے لڑتے ہیں، میں اپنے آقا (مرزا صاحب) کے بارے میں کیوں نہ لڑوں؟ اس قادیانی کے لیے "آقا" کا مفہوم بدل گیا، رسول اللہؐ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، رسول اللہؐ کے لیے خاتم النبیین کے مقام کا تعین محض ان کی عظمت کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کے ماتحت ہے کہ اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دین انسانیت بنا دیا گیا ہے اور اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہ صرف قرآن کریم ابد تک محفوظ رہے گا، بلکہ امت مسلمہ کا وجود سالم وثابت رہے گا اور جس کا سراسر انحصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کے تعلق پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تدابیر اتنی ہی غیر مبدل ہیں جیسے کائنات کا نظام۔ سورج مشرق سے چڑھے گا اور مغرب میں غروب ہوگا، زمین سورج کے گرد گردش کرتی رہے گی اور چاند زمین کے گرد چکر لگاتا رہے گا، دن رات کے تعاقب میں لگا رہے گا اور رات دن کے۔ جب مردہ شہر پر پانی برسے گا تو اس سے ہر قسم کی سبزیاں اُگیں گی، تا آنکہ یوم موعود آ جائے اور زمین اپنے رب کے نور سے منور ہو جائے۔

* * *

مرزا محمد سلیم اختر

رُودادِ قفس

قبل ازیں خاکسار نے قادیانیت سے علیحدگی کے متعلق ایک مختصر سا نوٹ "المنبر" میں لکھا تھا، جس پر میرے بعض دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں قدرے تفصیل کے ساتھ ان وجوہات پر روشنی ڈالوں جو میری قادیانیت سے علیحدگی کا باعث بنیں۔

ابتداءً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اپنا تعارف بھی کروا دوں۔ میں جماعت ربوہ کی طرف سے دس سال تک پاکستان کے مختلف شہروں میں بطور مبلغ کام کرتا رہا ہوں۔ 1970ء میں ربوہ جماعت سے علیحدگی کے بعد، میں جماعت لاہور کی طرف سے مختلف مقامات پر بطور مبلغ کام کرتا رہا۔ 1974ء میں لاہوری جماعت کی طرف سے جو وفد پاکستان نیشنل اسمبلی میں پیش ہوا، اس کا ایک ممبر میں بھی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہوری جماعت کا تمام کیس میرا ہی تیار کردہ ہے۔ نیشنل اسمبلی میں Spoksman کو حوالے فراہم کرنے پر بھی، میں ہی متعین تھا۔

میں نے ربوہ اور لاہور میں کیا دیکھا، یہ ایک دلچسپ اور دل گداز داستان ہے، جس کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ سردست میں چند واقعات کا نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کروں گا جو ہمیشہ میرے لیے معمہ بنے رہے اور میں ان دونوں جماعتوں کے متعلق کچھ سوچنے پر مجبور ہوا۔ میں اس بات کی توضیح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سطور کی تحریر سے میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں، میں نے ان دونوں جماعتوں میں شامل رہ کر، جو کچھ دیکھا، اسے من وعن پیش کر رہا ہوں۔ اللہ کرے کوئی سعید روح ان سطور کے مطالعہ کے بعد اس دام ہمرنگ زمین سے نکلنے کی کوشش کرے، جس میں وہ پوری "نیک نیتی" اور "اخلاص" سے پھنسی ہوئی ہے۔

ربوہ میں قادیانیوں کی ایک دینی درسگاہ ہے جس کا نام "جامعہ احمدیہ" ہے۔ دینی تعلیم کے حصول کی خاطر جب میں اس درسگاہ میں داخل ہوا تو جو نقشہ مجھے اس درسگاہ کے مبلغین کا بتایا گیا تھا، وہ اس سے بہت مختلف تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلبہ کی ایک خاصی تعداد "تبلیغ اسلام" کے جذبہ سے سرشار تھی مگر ان سادہ طبعوں کو میری طرح قطعاً معلوم نہ تھا کہ وہ ایک عیار شکاری کے چنگل میں پھنس چکے ہیں، جو اپنے

مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے انھیں استعمال کرے گا۔ جس طرح بیگار کیمپ میں کسی نو گرفتار کو بے دست و پا کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جامعہ احمدیہ میں بھی ہوتا ہے۔ طلباء کو بعض امتحانات کے لیے خلیفہ صاحب سے اجازت لینی پڑتی ہے اور خلیفہ صاحب کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی طالب علم پڑھ لکھ کر کار آمد وجود نہ بن جائے۔ اس لیے وہ اس راہ میں سد سکندری بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض طلباء نے خفیہ طور پر بعض امتحانات دیے تو ان سے باز پرس کی گئی، گویا علم حاصل کرنا بھی ایک جرم ہے۔ خلیفہ صاحب کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف ہماری دہلیز پر ہی جبہ سائی کرتے رہیں اور اپنی معیشت استوار کر کے معاشرہ میں باوقار زندگی گزارنے کے قابل نہ ہو سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی مبلغ کو خلیفہ صاحب کی طرف سے سزا ملتی ہے تو اسے معافی مانگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ کیونکہ جو علم کلام اس نے پڑھا ہوتا ہے، مارکیٹ میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ وفات مسیح ثابت کرنے پر ایک قادیانی جماعت ہی ہے جو ڈیڑھ سو روپیہ دیتی ہے۔ دوسرے لوگوں کو اس مسئلے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور اسے خود بھی اچھی طرح یہ احساس ہوتا ہے کہ عمر کا قیمتی حصہ تو میں یہاں تباہ کر چکا ہوں، اب جاؤں کہاں؟ اپنے معاشرہ سے مصاہرت و مناکحت کے رشتے وہ پہلے ہی توڑ چکا ہوتا ہے اور ان کی تکلیف و اذیت پر استہزا کرنا اس کا معمول بن چکا ہوتا ہے۔ ایک شخص کو نبی مان کر جس معاشرہ کے افراد کو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور ان کے پیچھے نماز اور جنازہ تک حرام سمجھتا ہے، ان کے ساتھ تعلق رکھنا، وہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے؟ ناچار سدھائے ہوئے پرندے یا جانور کی طرح واپس آنے کا سوچتا ہے اور جب یہ ”محبوب ہزار شیوہ“ بھی اسے منہ نہیں لگاتا تو اسے زمین و آسمان گھومتے نظر آتے ہیں۔ ناچار، وہ خلافت کی چوکھٹ پر سر ڈال دیتا ہے اور اس کا یہ معافی مانگنا خلیفہ صاحب کا معجزہ بن جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی روحانیت کے زور پر اس بے کس کے کس بل نکال دیے ہیں۔ ان مبلغین کو عمر بھر نان جویں کا محتاج رکھا جاتا ہے تاکہ یہ کہیں بھاگ نہ جائیں اور ان کی بے کسی سے فائدہ اٹھا کر ان کو سؤروں سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرف جانے کے قابل ہی نہیں ہوتے اور اگر خلیفہ صاحب انھیں آزاد بھی کر دیں تو وہ خلافت کی ڈگڈگی بجانے پر سدھائے ہوئے، پھر وہیں آ جاتے ہیں۔

اگر یہ لوگ دین دار ہوتے تو دین کی خاطر زندگی وقف کرنے والے ان میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوتے۔ مگر خلیفہ صاحب ان کو مزید رسوا کرنے کے لیے انھیں ایسے امیروں کی نگرانی میں دے دیتے ہیں جو خلیفہ کی تعلی کو تجلی سمجھ کر اس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسانے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ جس سے ان کی زندگی ایک مستقل عذاب بن جاتی ہے اور وہ ہر وقت یہ دوزخ میں پڑے رہتے ہیں۔ خلیفہ ربوہ کے نزدیک واقف زندگی کی وقعت ایک کوڑی کے برابر بھی نہیں۔ ہاں جو انھیں سینکڑوں ہزاروں روپے نذرانہ پیش کرے، خواہ رشوت لے کر ہی دے، وہ مخلصین کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

خلیفہ صاحب نے ''امور عامہ'' اور ''کار خاص'' دو شعبے قائم کیے ہوئے ہیں..... جو ہر صبح و مساء لوگوں کی ''بداعمالیوں'' کی رپورٹ انھیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ وہ نازی گسٹاپو ہے، جس سے ہر آدمی ہر وقت لرزہ براندام رہتا ہے، کہ ابھی میری رپورٹ ہوئی اور میں ''ثریا سے تحت الثریٰ'' میں گرا...... بیوی، خاوند کے خلاف اور بچے، باپ کے خلاف رپورٹیں کرتے رہتے ہیں تاکہ خلیفہ صاحب کے عتاب سے مامون رہیں۔ خلیفہ کے اس گسٹاپو نے تمام لوگوں کا ذہنی اور قلبی سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس گسٹاپو کے پاس ایک فنڈ ہوتا ہے جسے ربوہ کی دفتری زبان میں غ۔ م/ جی۔ ایم یعنی غیر معمولی فنڈ کہتے ہیں۔ اس میں سے لاکھوں روپے سیاسی و غیر سیاسی مخصوص ''مقاصد'' کے حصول کے لیے خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ اس فنڈ کو کوئی آڈیٹر چیک نہیں کر سکتا۔ ہزار ہا روپیہ گورنمنٹ کے دفاتر میں کام کرنے والوں کو بطور ''نذرانہ'' پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اگر ان کے خلاف گورنمنٹ کوئی کارروائی کر رہی ہو، تو وہ انھیں مطلع کر دیں۔

اس تعلق میں ایک واقعہ سماعت فرمائیے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ربوہ میں سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک آدمی متعین تھا۔ اس نے ربوہ والوں کے خلاف گورنمنٹ کو کوئی رپورٹ بھجوائی۔ چند دنوں بعد ربوائی تھانیدار عبدالعزیز بھانبڑی نے اپنے دفتر میں اسے چائے پر مدعو کیا اور اس کی اصل رپورٹ میز پر رکھ کر کہا کہ یہ رپورٹ آپ نے گورنمنٹ کو ارسال کی تھی۔ وہ ملازم آدمی تھا۔ ان سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ آئندہ اس نے ان کے خلاف رپورٹ بھجوانا ہی ترک کر دیا۔ اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ''تبلیغ اسلام'' کے نام پر حاصل کیا جانے والا چندہ کن ''کارہائے خیر'' میں صرف کیا جاتا ہے۔

صمدانی ٹربیونل میں چودھری امیر الدین نامی ایک قادیانی نے پیش ہو کر کہا کہ خلیفہ صاحب ہمارے فنڈز خرد برد کرتے ہیں۔ قادیانیوں کے وکیل اعجاز حسین بٹالوی نے اس سے سوال کیا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ خلیفہ صاحب آپ کے فنڈز خرد برد کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہم لوگ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لیے چندہ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس غرض کے لیے چندہ دیا جائے، وہ اسی جگہ پر خرچ ہونا چاہیے۔ مگر خلیفہ صاحب نے اس چندہ میں سے ہزاروں روپیہ آپ کو فیس دے دی ہے۔ کیا ہم نے آپ کو فیس دینے کے لیے چندہ دیا تھا۔ یہ خرد برد نہیں تو اور کیا ہے، اعجاز صاحب ایسے چپ ہوئے کہ پھر بول نہ سکے۔

ناگفتنی، گفتنی

مجھے جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میاں محمود صاحب کے ایک صاحبزادے نے، جو آج کل ''شعائر اللہ'' میں سے ہیں، ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا، جس پر شرعی حد واجب ہوتی ہے۔ اس نے خود تحریری طور پر اپنے جرم کا اعتراف بھی کیا اور اس کی رپورٹ ایک ''خالد احمدیت'' نے اپنے ریمارکس کے ساتھ خلیفہ صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ رپورٹ کنندہ کو خلیفہ صاحب

نے ایسی جھاڑ پلائی کہ اس کی آئندہ نسلیں بھی توبہ کر اٹھیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ معاملہ میرے بیٹے کا ہے، اس لیے میں اسے محکمہ قضا کے سپرد کرتا ہوں۔ محکمہ قضا والے ''خالد احمدیت'' کی درگت بنتے دیکھ چکے تھے۔ پھر وہ خلیفہ صاحب کے ملازم بھی تھے۔ خلیفہ صاحب کے ایک اشارے سے ان کی قضا آ جاتی تھی۔ انھوں نے ہمارے بعض اساتذہ کو محکمہ قضا میں بلوایا کہ وہ اس معاملہ کی شہادت دیں۔ کس کی جرأت تھی کہ شہادت دیتا اور محکمہ قضا کی کیا طاقت تھی کہ خلیفہ صاحب کے صاحبزادے کے خلاف فیصلہ کرتا۔ لہٰذا یہ معاملہ یونہی رفع دفع کر دیا گیا اور اس کا کچھ بھی فیصلہ نہ ہوا اور صاحبزادے صاحب اس ''کارِخیر'' کے بعد اپنے ''حضور'' ہی کی کار میں فراٹے بھرنے لگے۔

ہم یہ سمجھے تھے کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پر تماشا نہ ہوا

عقائد یا بازیچہ اطفال

1953ء میں جب قادیانی جارحیت اور منصوبہ سازیوں سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحریک شروع کی اور میاں محمود احمد صاحب منیر انکوائری کورٹ میں پیش ہوئے تو انھوں نے کمال بزدلی کے ساتھ اپنے پہلے عقائد سے رجوع کر لیا اور جس مرزا صاحب کو ماننا وہ جزوِ ایمان قرار دیا کرتے تھے، اس سے انکار کر دیا۔ اگر مرزا صاحب فی الواقع نبی ہیں تو ان کا ماننا جزوِ ایمان کیوں نہیں اور یہ جواب کس قدر لایعنی اور لغو ہے کہ نبی تو وہ ہیں مگر ان کا ماننا جزوِ ایمان نہیں۔

مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق بھی ایسا ہی رویہ اختیار کیا گیا کہ مرزا صاحب نبی تو ہیں مگر ان کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا نبی بھی ہوا ہے، جس کا منکر مومن ہو۔ مسئلہ جنازہ کے متعلق کہا گیا کہ اب ہمیں مرزا صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے، جس پر ہم غور کریں گے۔ خلیفہ صاحب نے پہلے تو یہ غلط بیانی کی کہ یہ خط ہمیں اب ملا ہے۔ یہی خط ایک دفعہ انھیں 1915ء میں بھی ملا تھا۔ پھر یہ خط مسلسل اڑتیس سال غائب رہا۔ پھر اچانک 1953ء میں دوبارہ دستیاب ہو گیا اور اس کے بعد آج تک غائب ہے اور انشاء اللہ غائب ہی رہے گا۔

یہ بات بالکل صاف ہے کہ اگر مرزا صاحب کو آپ نبی مانتے ہیں تو نبی کا حکم اس کے پیروکار بلا چون و چرا مانتے ہیں۔ وہ اس کے حکم پر نصف صدی سے زائد عرصہ تک غور نہیں کرتے رہتے کہ نبی کے اس حکم کو مانیں یا نہ مانیں۔ کیا دنیا میں کسی نبی کے ماننے والے آپ نے اس طرح کے بھی دیکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حیلے بازی اور کذب آفرینی، اپنے بچاؤ کے لیے کی جا رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب میرے دل میں خلیفہ کے متعلق خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے عقائد میں مخلص نہیں اور جھوٹ بولنا ان کا روزمرہ کا شعار ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ تم اپنے عقائد پر قائم رہو اور اپنے کام سے کام رکھو۔

قادیانی خلیفہ اوّل حکیم نورالدین کے فرزند کا بائیکاٹ

اس کے بعد 1956ء کا زمانہ آیا تو خلیفہ صاحب نے اپنی جماعت کے بعض افراد اور خصوصاً پہلے خلیفہ حکیم نورالدین کے صاحبزادے عبدالمنان عمر کے متعلق جو کچھ کہا اور کیا، اس سے میرے دل پر سخت چرکا لگا۔ میں نے ان کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ یہ میرے استاد رہے ہیں اور میں ان سے اچھی طرح واقف تھا۔ ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بازار والوں کو سودا دینے سے منع کر دیا گیا، دودھ دینے والوں کو روک دیا گیا۔ ان کے مکان کے اردگرد خدام الاحمدیہ کے غنڈے بٹھا دیے گئے۔ وہ عشاء کے بعد ان کے صحن میں اتر کر رقص کرتے، غرض ہر طرح سے ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا۔ خلیفہ صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں میرے بیٹے ناصر احمد کی بجائے یہ خلیفہ نہ بن جائے۔ ان کی اس کسمپرسی کے عالم کو دیکھ کر اللہ یار بلوچ نامی ایک شخص کے دل میں کچھ ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے۔ وہ جب اپنے سودا سلف کے لیے بازار جاتا تو ان کے لیے بھی ضرورت کی کچھ چیزیں لے آتا اور چوری چھپے ان کے گھر پہنچا دیتا۔

خلیفہ صاحب کے جاسوسوں کو جب اس کی اس "غیر اسلامی" حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے دن دہاڑے بھرے بازار میں مار مار کر اس کی پسلیاں توڑ دیں۔ جب اس واردات کی پولیس میں اطلاع ہوئی تو "مومنین" کی اس بستی نے اپنی "شان ایمانی" کا اظہار یوں کیا کہ سب لوگ اس وقوعہ سے ہی منکر ہو گئے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں کہ اس جگہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے۔ یہ ہے "احمدیت یعنی حقیقی اسلام"۔

مجھے چودھری عبداللہ خان مرحوم ساکن چک 81 جنوبی سب انسپکٹر پولیس نے بتایا کہ میں تین سال ربوہ پولیس چوکی میں متعین رہا ہوں۔ ہر روز وہاں کوئی نہ کوئی واردات ہوتی۔ جب ہم گواہ طلب کرتے تو کوئی آدمی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ امورِ عامہ والے سب کو منع کر دیتے کہ کوئی آدمی گواہی نہ دے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ پولیس بے بس ہو جاتی۔ دوسرے لفظوں میں وہ ہر بات میں امور عامہ کی محتاجی پر مجبور ہو جاتی۔ کہنے لگے ایک دن تنگ آ کر میں امور عامہ کے دفتر میں گیا اور ربوائی تھانیدار عبدالعزیز بھانبڑی سے کہا کہ آپ لوگ نہایت "پارسا، متقی اور راستباز" ہیں۔ ہم محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں کیس مکمل کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی ساری بستی "راست بازوں" کی ہے۔ لہٰذا آپ اس طرح کریں کہ کچھ جھوٹے لوگ باہر سے لا کر ربوہ میں آباد کریں تا کہ پولیس والوں کا بھی تھوڑا کام چلتا رہے۔ کہنے لگے پہلے تو انھوں نے اپنی راست بازی کا مجھے بڑا رعب دکھایا۔ پھر کچھ دیر بعد کہنے لگے آپ فکر نہ کریں، آپ کا کام بھی ہو جایا کرے گا۔ چودھری صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد خود ربوہ والوں نے ہمارے سامنے ایسے ایسے جھوٹ بولے کہ الامان والحفیظ۔ نیز انھوں نے مجھے یہ بھی سنایا کہ ربوہ میں وہ کچھ ہوتا ہے، جو لاہور میں بھی نہیں ہوتا۔

خلیفہ صاحب نے 1956ء میں اپنی جانشینی کے سلسلہ میں زبردست تقاریر کیں اور اپنے جانشین

کے متعلق وصیت کی کہ اس کا انتخاب پوپ کی طرح ہو اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ میں اسلامی شوریٰ کے طریق کو منسوخ کرتا ہوں اور آپ حیران ہوں گے کہ کمال بے غیرتی کے ساتھ ساری جماعت ایک اسلامی حکم کی منسوخی کا اعلان سنتی رہی اور بالکل ٹس سے مس نہ ہوئی۔ موجودہ خلیفہ کا انتخاب اسلامی شوریٰ کے طریق پر نہیں ہوا بلکہ پوپ کے انتخاب کی طرح ہوا ہے۔ سچ ہے انگریز کی اس پروردہ جماعت کو اپنی خلافت کی سند بھی اپنے آقائے ولی نعمت سے ہی لانی چاہیے تھی۔

مرزا محمود احمد کا برا انجام

میاں محمود احمد پر جب فالج کا حملہ ہوا اور ان کا دماغ کام کرنے سے بالکل جواب دے گیا تو موجودہ خلیفہ صاحب جماعتوں کے دورہ پر نکلے اور جگہ جگہ کہنے لگے کہ ”حضور“ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ انھیں دعا کے لیے خطوط لکھیں، یہ کریں، وہ کریں۔ یہ ایسا سفید جھوٹ تھا، جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ بالکل شل اور مختل ہو چکے تھے۔ خاکسار نے انھیں دو مرتبہ بیماری کے دوران دیکھا ہے۔ وہ چارپائی پر لیٹے بکری کی طرح سر مارتے رہتے تھے اور بالکل حواس باختہ ہو چکے تھے۔ انھیں نماز وغیرہ کی بھی کوئی سدھ بدھ نہ تھی اور ان کے فرزند ارجمند جو طالمودی نبل کے مکاشفہ کے مطابق خلیفہ بنے ہیں، لوگوں کو یہ نوید سنا رہے تھے کہ ”حضور“ بالکل ٹھیک ہیں اور خلافت کے سارے کام خود ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ لوگ ان کی بیماری کے باعث ملاقات کے لیے نہیں آتے تھے۔ نذرانہ میں جو کمی واقع ہوئی تو جماعت کو تلقین کی جانے لگی کہ ”حضور“ بالکل ٹھیک ہیں، یعنی آؤ اور ہمیں نذرانہ دو تا کہ گلشن کا کاروبار چلے۔

جلسہ سالانہ پر ہر سال ان کی افتتاحی اور دیگر تقاریر کا اعلان کر دیا جاتا۔ میں دل ہی دل میں سوچتا کہ وہ تو رہین بستر و بالش ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ جھوٹے طور پر کیوں ان کی تقاریر کا اعلان کر دیتے ہیں۔ پھر بعد میں سمجھ آیا کہ اس اعلان کو پڑھ کر باہر کی جماعتیں بکثرت شمولیت کریں گی کہ ”حضور“ اس دفعہ تقریر کر رہے ہیں۔ اس طرح انھیں جلسہ پر بکثرت پیسہ مل سکے گا۔

خلیفہ صاحب کی بیماری کے دوران میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ یہ عجیب اللہ کے پیارے ہیں جو خود ہی گرفتار عذاب ہیں اور ہر کام سے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ ان کی صحت کے لیے میں نے جماعت کو مسلسل کئی سال پانچوں نمازوں کے علاوہ تہجد میں بھی دعا کرتے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلیفہ صاحب کو صحت دے۔ کراچی سے لے کر پشاور تک اتنے بکرے بطور صدقہ دیے گئے کہ اگر ان کا خون کسی دریا میں ڈالا جائے تو وہ لالہ رنگ ہو جائے مگر نہ دعائیں سنی گئیں اور نہ صدقات کام آئے۔

مجھے یاد ہے میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ یا تو خلیفہ صاحب کے مظالم اس قدر ہیں کہ دعائیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں یا جماعت ہی راندہ درگاہ الٰہی ہے، جس کی آہ و بکا کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں اور وہ ان کی دعائیں بجائے قبول کرنے کے ان کے منہ پر مارتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ

اس جماعت کی دس سالہ دعاؤں اور صدقات سے خلیفہ صاحب کی بیماری میں ایک لحظہ کے لیے بھی افاقہ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ اس بات نے بھی میرے دل پر خاص طور پر اثر کیا۔

مرزا بشیر احمد کا جنازہ اور ناصر احمد

خلیفہ کے چھوٹے بھائی بشیر احمد نے وفات سے قبل یہ وصیت کی کہ میرا جنازہ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی پڑھائیں۔ ان کی اولاد کی بھی یہی خواہش تھی کہ جو کچھ ہمارے والد نے زندگی کے آخری لمحوں میں کہا ہے، اس کا احترام ہونا چاہیے۔ مگر میاں ناصر احمد نے کہا یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اور زبردستی امام بن کر خود جنازہ پڑھا دیا۔ آپ ان مذبوحی حرکات کے پس منظر میں ان کی نفسیات کا جائزہ لیں تو میاں ناصر احمد کی ساری روحانیت طشت ازبام ہو جاتی ہے۔ مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ اس خاندان کی عزت بھی عجیب ہے جو کسی دوسرے آدمی کے جنازے پڑھانے سے برباد ہو جاتی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ میاں ناصر احمد کو یہ خیال آیا کہ میرا باپ تو مرنے ہی والا ہے، چچا نے مرتے وقت جنازہ پڑھانے کے لیے جس آدمی کا نام لیا ہے، اس کے متعلق لوگ خیال کرنے لگیں گے کہ میاں بشیر احمد نے اس کو زیادہ نیک سمجھ کر جنازہ پڑھانے کے لیے کہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل خلافت کے لیے بھی اس کا نام پیش ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں چونکہ اس خاندان کی عزت، خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اس لیے انھوں نے یہ پیش بندی کی کہ کہیں خلافت کے چلے جانے سے ہم بے عزت نہ ہو جائیں۔

مرزا ناصر احمد کی خلافت

میاں محمود احمد نے اپنی وفات سے بہت عرصہ پیشتر اپنے بیٹے ناصر احمد کو خلیفہ بنانے کے لیے راہ ہموار کرنا شروع کر دی تھی۔ انھیں ووٹوں میں خطرناک شکست کھانے کے باوجود صدر خدام الاحمدیہ بنایا گیا۔ پھر انصار اللہ کا صدر بنایا، پھر پوری انجمن کا صدر بنایا اور مرنے سے چند سال پیشتر ان پر آسمانی نور گرایا۔ اسی ''لائق'' فرزند کو خلیفہ بنانے کے لیے اسلامی شوریٰ کے طریق کو منسوخ کر کے پوپ کے انتخاب کے طریق کو اختیار کیا گیا۔ اس صاحبزادے کو خلیفہ کن لوگوں نے چنا، خاندان کے افراد نے، صدر انجمن اور تحریک جدید کے تنخواہ دار ملازمین جو پہلے ہی میاں ناصر کے ماتحت تھے اور چند پالتو مولویوں نے۔ آپ کے لیے یہ امر باعث تعجب ہوگا کہ پاکستان میں کام کرنے والے کسی مبلغ کو ووٹ کا حق نہیں دیا گیا۔ اس انتخاب میں قاضی نعیم الدین کو تو ووٹ کا حق دار قرار دیا گیا مگر اس کے استاد اور جماعت ربوہ کے مشہور مناظر اور عالم قاضی محمد نذیر کو ووٹ دینے کا اہل نہیں سمجھا گیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مرزا ناصر احمد کے روحانی کمالات

پاکستانی مبلغین کو ووٹ دینے کا حق اس لیے نہیں دیا گیا کہ وہ جناب میاں ناصر احمد کے ''علمی،

عملی، اور روحانی کمالات“ سے خوب آگاہ تھے۔ اس تعلق میں دو باتیں سماعت فرمایئے۔

مرزا ناصر احمد کے ہاں ایک عورت بطور ملازمہ کام کرتی تھی۔ ایک دفعہ ماہ رمضان میں بیگم ناصر احمد نے ملازمہ سے کہا کہ آج میں بھی روزہ رکھوں گی، سحری کے وقت مجھے جگا دینا۔ سحری کے وقت جب اس خادمہ نے بیگم صاحبہ کو جگانے کی کوشش کی تو بیگم صاحبہ نے اس غریب عورت کو وہ مغلظات سنائیں کہ الاماں اور کہا کہ تو نے میری نیند کیوں خراب کی ہے۔ نو دس بجے کے قریب بیگم صاحبہ بیدار ہوئیں تو ملازمہ سے کہنے لگیں کہ آج تم نے مجھے جگایا نہیں، میں نے تو آج روزہ رکھنا تھا۔ وہ بیچاری خاموش ہو رہی۔ اس ملازمہ کا بیان ہے کہ بالکل اسی طرح میاں ناصر احمد بھی رمضان شریف کا ”احترام“ کرتے ہیں۔

جب لاہور سے تعلیم الاسلام کالج، ربوہ منتقل ہوا تو خوبصورتی کے لیے بعض پھول دار پودے بھی کالج میں لگوائے گئے۔ میاں ناصر احمد کالج کے پرنسپل تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ربوہ کے دھوبی فیروز نامی کا بکرا وہاں آ نکلا اور اس نے ایک آدھ پودا خراب کر دیا، یا کھا لیا۔ میاں ناصر احمد نے اسے وہیں ذبح کروا کر اس کا گوشت اپنے خاندان میں تقسیم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دھوبی بھی بکرے کی تلاش میں ادھر آ نکلا اور دیکھا کہ بکرے کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کا گوشت میاں ناصر احمد اور ان کے خاندان کا توشہ بن چکا ہے۔ وہ گم سم کھڑا تھا کہ میاں ناصر احمد نے اسے بلا کر پوچھا کہ یہ بکرا تمہارا ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں جواب دیا تو میاں صاحب ”جلال الٰہی کا مظہر“ بن کر اس پر برس پڑے اور اسے ایک قرعہ دے کر کہا کہ اسے دفتر امور عامہ میں لے جاؤ۔ جب وہ غریب دفتر امور عامہ میں پہنچا تو دفتر والوں نے اسے مزید ستر روپے جرمانہ کر دیا۔ زمین کا کونہ کونہ چھان ماریئے، چراغ ہاتھ میں لے کر اکناف عالم میں گھوم جایئے، اس قسم کے اولیاء اللہ آپ کو ربوہ کے سوا کہیں نہیں مل سکیں گے۔

ربوہ کے ”خلفاء اور محبوبان الٰہی“ کی ایک خاص علامت یہ بھی ہے کہ قرض لے کر واپس کرنا، گناہ عظیم خیال کرتے ہیں۔ مجھے ربوہ جماعت کے ایک دوست ملے۔ ان کے پاس ربوہ کے محکمہ قضا کی 29 ڈگریاں تھیں۔ جن میں سے اکثر خاندان خلافت سے متعلق تھیں اور ایک ڈگری ”خالد احمدیت“ کے خلاف بھی تھی۔ یہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی اولاد کے پاس آج بھی یہ ڈگریاں محفوظ ہیں۔ وہ آدمی سالہا سال میاں ناصر احمد سے تقاضا کرتا رہا کہ قضاء نے مجھے ڈگری دے دی ہے، اب تو مجھے میری رقم دے دیں۔

یاد رہے ربوہ کا محکمہ قضا خاندان خلافت کے خلاف ڈگری کا اجراء نہیں کروا سکتا کیونکہ وہ خود ان کے ماتحت ہے۔ اس نے تنگ آ کر مجھے کہا کہ آپ ان ڈگریوں کو کسی اخبار میں شائع کروا دیں۔ میں نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ ان سے ایک بار مزید دریافت کر لیں، اس کے بعد کچھ کریں گے۔ اس نے خلیفہ صاحب کو خط لکھا، اس کا جو جواب خلیفہ صاحب نے دیا، وہ میں نے خود دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس میں لکھا تھا، خدا کے رجسٹر سے آپ کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ اب بتایئے اس سے زیادہ بھی کوئی فریب کاری ہو سکتی

ہے کہ ایک آدمی اپنی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، ربوہ کا محکمہ قضا اس کے حق میں ڈگری دیتا ہے اور ''حضور پرنور'' اس کا نام خدا کے رجسٹر سے کاٹتے پھرتے ہیں۔

وہ آدمی بھی بڑا دلچسپ تھا۔ اس نے خلیفہ صاحب کو لکھا کہ ''کیا اس رجسٹر سے میرا نام کاٹا گیا ہے جو آپ کے دفتر میں پڑا ہے یا اس رجسٹر سے میرا نام کاٹ آئے ہیں جو خدا کے پاس محفوظ ہے۔''

یہ صرف میاں ناصر کی بات نہیں، اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔

قادیان سے میاں محمود جب پاکستان آ گئے تو انھوں نے کہا کہ قادیان کا کوئی آدمی اپنا کلیم داخل نہ کرے کیونکہ ہم نے جلد قادیان واپس جانا ہے۔ اس اعلان کو سنتے ہی بے شمار لوگ کلیم دینے سے دست کش ہو گئے۔ ان میں سے بعض کو خاکسار نے دیکھا ہے جو آج بھی خلیفہ صاحب کے اس اعلان کی برکت سے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ قادیان کس نے جانا تھا اور کس نے جانے دینا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ قادیان کی زمین خلیفہ صاحب نے اپنے مریدوں کے ہاتھ فروخت کی ہوئی تھی، لیکن ان کے نام رجسٹرڈ نہیں کروائی تھی۔ جیسے آج تک ربوہ میں ہوتا رہا ہے۔ اس طرح ان ظالموں نے پاکستان گورنمنٹ کو ٹیکس ادا نہ کر کے لاکھوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ جب ملک تقسیم ہو گیا تو جن لوگوں نے قادیان میں زمین خرید کی ہوئی تھی، انھوں نے اس کے کلیم دینے تھے اور خلیفہ صاحب کا فراڈ منظر عام پر آ جانا تھا۔ انھوں نے اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لیے مرزا صاحب کے بعض الہامات کا سہارا لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم قادیان واپس جائیں گے، اس لیے قادیان کے احمدی کلیم داخل نہ کروائیں۔

ادھر لوگوں کو کلیم داخل کروانے سے منع کر دیا گیا اور دوسری طرف خود اپنی زمین کا کلیم داخل کروا کر سب کچھ الاٹ کروا لیا، کیونکہ گورنمنٹ کے کاغذات میں تو قادیان کی زمین انھی کے نام تھی۔ اس طرح جماعت کو دوبارہ احمق بنا کر لوٹا۔ قادیان میں ان سے زمین کی قیمت لے لی اور زمین ان کے نام نہ کروائی اور تقسیم ملک پر ان کو کلیم دینے سے منع کر دیا اور خود ساری جائیداد اپنے نام منتقل کروالی۔

لطف تو تب تھا کہ جب گورنمنٹ نے ان کو زمین الاٹ کر دی تھی تو ان تمام لوگوں سے کہتے کہ جتنی زمین کے تم قادیان میں مالک تھے، اسی قدر اس زمین میں سے لے لو، جو ہمیں الاٹ ہوئی ہے۔ ایک صاحبزادے نے تو ایک سینما بھی الاٹ کروایا تھا۔ کیا آپ نے دنیا کے پردہ پر اس قدر عقل و خرد سے عاری کوئی جماعت دیکھی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ بوگس کلیم بھی داخل کروائے گئے اور بعض ان لوگوں نے بھی یہاں جائیدادیں حاصل کیں جو بمبئی کے رہنے والے تھے۔ ان سب باتوں کا دستاویزی ثبوت میں اپنی زیر تصنیف کتاب میں پیش کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

عام قادیانی کی بے بسی

ان واقعات کے مطالعہ کے بعد ممکن ہے، آپ کے دل میں سوال پیدا ہو کہ ایسے حالات کے

مشاہدہ کے بعد لوگ انھیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ تو اس کے جواب میں واضح ہو کہ وہ خلیفہ اور جماعت کو چھوڑ کر جائیں کہاں؟ مسلم معاشرہ کو وہ کفار کا معاشرہ سمجھتے ہیں۔ اگر خلیفہ کے خلاف کوئی بات کریں تو خلیفہ کے جاسوس ہر آن سائے کی طرح ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ رشتہ داروں اور عزیزوں سے وہ ”مخلص“ ہونے کی وجہ سے قطع تعلق کر چکے ہوتے ہیں۔ اس بھری دنیا میں اظہار ہمدردی کرنے والا بھی انھیں کوئی نظر نہیں آتا، اس لیے وہ حقائق سے باخبر ہونے کے باوجود منافقانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہ کوئی بات کر بیٹھیں تو جان سے بھی ہاتھ دھونے کا خطرہ ہوتا ہے اور خلیفہ کی خوشنودی کی خاطر ہر جائز و ناجائز کام کو کار ثواب سمجھ کر کرنے والے وہاں بہت سے افراد موجود ہیں۔ اس جگہ ایک واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

میاں محمود کے چھوٹے بھائی میاں شریف کی فوتیدگی پر میاں عبدالمنان عمر نے لاہور سے تعزیت کے لیے ربوہ آنا تھا۔ ان کے کسی دوست نے انھیں اطلاع دی کہ آپ یہاں نہ آئیں۔ آپ کے قتل کا منصوبہ بن چکا ہے اور تابوت بھی تیار کروا لیا گیا ہے۔ جس میں بند کر کے آپ کو چناب کی لہروں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ میاں عبدالمنان عمر باوجود اس اطلاع کے اپنے خاندان کے چند افراد کے ہمراہ ربوہ آ گئے اور تعزیت وغیرہ سے فارغ ہو کر شام کو واپس لاہور چلے گئے۔ ربوائی سی۔ آئی۔ ڈی کے جاسوسوں نے خیال کیا کہ آپ ابھی واپس نہیں گئے بلکہ یہیں اپنی بھانجی کے گھر قیام پذیر ہیں اور رات یہیں گزاریں گے۔ چنانچہ ان کی بھانجی کے مکان کے اردگرد ضلع لائل پور سے بدمعاش منگوا کر ان کی ڈیوٹی لگا دی گئی اور انھیں ہدایت کی گئی کہ رات کو جو آدمی اس مکان سے باہر نکلے، اسے قابو کر لو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی ضرورت کے لیے میاں رشید احمد باہر نکلے اور بدمعاشوں نے انھیں اچک لیا۔ وہ شور مچاتے رہے کہ میں میاں رشید ہوں۔ انھوں نے کہا ہمیں نہیں پتہ تم کون ہو۔ جب بدمعاش انھیں امور عامہ کے دفتر میں لے کر آئے تو پتہ چلا کہ یہ تو میاں عبدالمنان نہیں۔ آخر ان کی بھانجی کے گھر میں گھس کر مکان کی تلاشی لی گئی بلکہ ساتھ والے مکان کی بھی تلاشی لی گئی کہ وہ کہیں بھاگ کر ادھر نہ آ گئے ہوں۔ مستورات جو لحاف اوڑھے پڑی تھیں، ان کے اوپر سے لحاف کھینچ لیے گئے۔ جب ہر طرح سے ناکامی ہوئی تو کہنے لگے، شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ ایک شخص تعزیت کے لیے آتا ہے۔ وہ خلیفہ کا رشتہ دار بھی ہے۔ اس کا باپ خلیفہ کا استاد ہے۔ ایک مرگ کے موقعہ پر اس کے قتل کا پروگرام بنانا کس قدر قساوت قلبی ہے۔ کیا ایسی سنگدلی کی کوئی مثال دنیا میں موجود ہے؟

انہی صاحب کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجیے۔ میاں محمود یورپ کے دورہ سے واپس آنے والے تھے۔ ان کی حفاظت اور استقبال کے لیے ایک کمیٹی ترتیب دی گئی۔ جس کے ایک ممبر میاں عبدالمنان صاحب بھی تھے۔ میاں ناصر احمد نے چودھری محمد عبداللہ صاحب سابق صدر عمومی ربوہ کو انھیں بلوانے کے

لیے بھیجا۔ انھوں نے شمولیت سے معذرت کر دی۔ وہ پھر دوبارہ آئے اور باوجود ان کے دوبارہ معذرت کرنے کے وہ بیٹھے رہے اور کہنے لگے میاں ناصر احمد نے مجھے کہا ہے کہ اگر تم اسے ساتھ لے کر نہ آئے تو میں تمھیں جماعت سے خارج کر دوں گا۔ اس لیے آپ میرے ساتھ ضرور چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں جماعت سے فارغ ہو جاؤں۔

جب یہ میاں ناصر احمد کے مکان پر پہنچے تو میاں ناصر احمد جلدی سے ان کے لیے گھر سے شربت لانے کے لیے گئے۔ انھوں نے بہت کہا کہ مجھے پیاس نہیں مگر وہ اندر سے ایک شربت کا گلاس لے آئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ اسے ضرور پئیں۔ میاں عبدالمنان عمر نے صرف ایک گھونٹ اس گلاس سے لیا۔ گھر واپس آتے ہی انھیں عجیب وغریب قسم کی قے آئی۔ اس موقعہ پر ایک طبیب پہنچ گئے۔ انھوں نے ملاحظہ کے بعد بتایا کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مجھ سے کئی دوستوں کے درمیان خود میاں عبدالمنان عمر نے بیان کی) اب آپ غور فرمائیں کہ کوئی کس طرح حق گوئی کی جرأت کر سکتا ہے؟

حسن بن صباح کے باپ کو بھی آدمیوں کو قتل کرانے کے وہ نسخے یاد نہ ہوں گے جو ان نام نہاد خلیفوں کو یاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

ایک قصہ ”آپ بیتی“ سے

واقعات تو بے شمار ہیں انھیں کہاں تک لکھتا جاؤں۔ آخر میں اپنا قصہ بیان کرتا ہوں۔ 1970ء میں ہم تینوں بھائیوں کو ربوہ بلایا گیا۔ پہلے تو ہر کوئی یہی سمجھا کہ شاید مجھ اکیلے ہی کو بلایا گیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے سب سے پہلے میں ہی ربوہ پہنچا اور دفتر سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا۔ آخر میرے ایک دوست نے بتایا کہ امور عامہ کے ناظر تمھارے دفتر میں آئے تھے۔ انھوں نے آپ کے ناظر سے کوئی بات کی ہے جس کے بعد آپ تینوں بھائیوں کو ربوہ آنے کے لیے تار دیے گئے ہیں۔ جب ہم اکٹھے ہوئے تو سب سے زیادہ حیرت ہمیں اس بات پر تھی کہ ہم نے کسی جرم کا ارتکاب تو کیا نہیں، ہمیں بلایا کیوں گیا ہے۔ اسی دوران میں، میرے ایک دوست نے اطلاع دی کہ آپ لوگوں پر ایک زبردست کمیشن بٹھایا گیا ہے۔ اس اطلاع نے ہمیں مزید حیرت میں ڈال دیا، کیونکہ ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ ہمارا قصور کیا ہے اور کمیشن نے ہم سے کیا دریافت کرنا ہے؟ بالآخر ہم تینوں بھائی باری باری کمیشن کے روبرو پیش ہوئے۔ ان کے سوالات سے ہم پر یہ امر واضح ہوا کہ خلافت مآب کو اپنی خلافت کے پائے لرزتے نظر آ رہے ہیں۔ وہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم خلیفہ صاحب کی بہ نسبت میاں رفیع احمد کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ جب انھیں اس معاملہ میں سخت ناکامی ہوئی تو انتقاماً میرے چھوٹے بھائی کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اس سے قطع تعلق کر لیں۔ نیز ہمیں یہ بھی کہا گیا کہ آپ دونوں بھائی ربوہ آ کر دفتر اصلاح وارشاد میں کام کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یکم اگست 1970ء کو ایک تربیتی کلاس ہونے والی تھی۔ جس میں پاکستان بھر سے مردوں اور عورتوں نے شرکت کرنی تھی۔ میاں ناصر احمد کی منظوری سے مجھے اس کلاس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ جس روز کلاس کا افتتاح ہونا تھا، میں متعلقہ کاغذات لے کر ابھی مسجد سے باہر ہی کھڑا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے پیغام دیا کہ آپ دفتر چل کر بیٹھیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس تو سارا پروگرام ہے، میں دفتر جا کر کیا کروں گا؟ اتنے میں ایک اور دوست آئے اور کہنے لگے، مولوی ابو العطاء صاحب کہتے ہیں کہ آپ دفتر میں جا کر بیٹھیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ خیر میں وہاں سے دفتر چلا آیا۔ ابھی میں نے کاغذات میز پر رکھے بھی نہ تھے کہ ایک مبلغ صاحب برہنہ پا دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے مولوی ابو العطاء صاحب نے کہا ہے کہ آپ اس احاطہ سے باہر چلے جائیں۔ مجھے اس پر بڑا طیش آیا اور میں کاغذات وہیں پھینک کر اصلاح و ارشاد کے دفتر میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بڑے بھائی صاحب، وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے کہنے لگے آپ تو اس کلاس کے انچارج ہیں، ادھر کیسے؟ میں نے انھیں سارا واقعہ سنا دیا۔ میرے دریافت کرنے پر وہ کہنے لگے، مجھے انھوں نے کہا ہے کہ آپ یہاں سے اپنے دفتر چلے جائیں اور میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ خیر ہمیں اس بات کا احساس ہوا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

ہمارے آنے کے بعد میاں ناصر احمد نے اپنی افتتاحی تقریر میں ہمارے چھوٹے بھائی پر خانہ خدا میں کھڑے ہو کر یہ افترا پردازی کی کہ وہ میرے دورۂ افریقہ کے دوران بددعائیں کرتا رہا ہے کہ میرا جہاز Crash ہو جائے، اور اس کے بڑے بھائی کو یہاں انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں سے جو خلیفہ کے متعلق بددعائیں کرتے ہیں، یا ان کے بھائی بند ہیں، آپ لوگوں کو کیا روحانی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

افتتاح کے بعد ربوائی تھانیدار عبدالعزیز بھانبڑی ہمیں بلا کر کہنے لگے، آپ کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا ہے اور آج شام سے پہلے پہلے آپ ربوہ سے چلے جائیں۔ ہم نے پوچھا ہمارا قصور کیا ہے؟ کہنے لگے وہ جہاز والا واقعہ۔ ہم نے کہا ہمیں تو کسی جہاز کا علم نہیں اور نہ ہم کسی جہاز کے پائلٹ تھے۔ کہنے لگے حضور نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ گویا ان کے ”حضور“ جو کہہ دیں اس پر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم نے ان سے کہا آپ ہمارا پراویڈنٹ فنڈ دے دیں، ہم چلے جاتے ہیں۔ کہنے لگے عصر کے وقت پتہ کرنا۔ عصر کے وقت جب ہم اس قادیانی ایس۔ ایچ۔ او کے مکان پر گئے تو بڑی رعونت سے کہنے لگا تم کون ہو؟ جاؤ جا کر اپنے ناظر سے پتہ کرو۔ ہم اپنے ناظر کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ تو علیک سلیک سے بھی بیزار نظر آئے، کہنے لگے مسجد میں اعلان ہو گیا ہے، اب ہم آپ سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا آپ بیشک گفتگو نہ کریں، ہمارا پراویڈنٹ فنڈ ہمیں دے دیں۔ کہنے لگے آپ اس وقت چلے جائیں، ہم بعد میں آپ کو گھر کے پتہ پر بھجوا دیں گے۔ ہم نے کہا اگر ہمیں ضرورت ہو اور ہم جلد لینا چاہیں تو ربوہ آنے کی کیا سبیل ہے۔ وہ ہمارے ساتھ بھانبڑی صاحب کے مکان پر آئے۔

انھوں نے کہا، ربوہ آنے کے لیے پہلے یہ درخواست دیں کہ ہم یہاں آنا چاہتے ہیں، اگر ہم اجازت دیں تو آ جائیں۔ گویا ربوہ پاکستان کے اندر ایک خود مختار سٹیٹ ہے جس میں انسان ویزا ملنے پر ہی داخل ہو سکتا ہے۔ ہم نے کہا اس وقت تو ہم گھر نہیں پہنچ سکتے۔ کہنے لگے، احمد نگر چلے جائیں، یہ ربوہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے، مگر ہمارے وہاں پہنچنے سے پیشتر، یہ وہاں کی جماعت سے کہہ آئے کہ ان کے آنے پر کوئی آدمی ان سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرے۔

عبدالعزیز بھانبڑی صاحب کے تعارف میں ایک بات کا لکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ربوہ جماعت کے ایک امیر جماعت کا مقولہ ہے کہ اگر خبیث ترین دس انسپکٹر پولیس ایک طرف ہوں تو بھانبڑی اکیلا ہی ان پر بھاری ہے۔ میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں کہ انھوں نے یہ بات مجھے کہی تھی۔ یہ اپنی خباثتی خوبیوں کے باعث خلیفہ صاحب کے خاص معتمد ہیں۔ سچ ہے انسان اپنی سوسائٹی سے پہچانا جاتا ہے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ اس اعلان کے بعد میں نے میاں ناصر احمد کو چٹھی لکھ کر مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ مگر آپ جانتے ہیں میدان مباہلہ میں قدم رکھنا بزدلوں کا کام نہیں۔ میاں ناصر احمد اس چیلنج کے بعد یوں خاموش ہوا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس دوران میرے دوست مجھے ملتے رہے اور بعض از راہ ہمدردی یہ مشورہ بھی دیتے رہے کہ آپ ''حضور'' سے معافی مانگ لیں۔ میں نے انھیں جواب دیا کہ میں ایک کذاب اور مفتری کے آگے جھکنا اپنی توہین سمجھتا ہوں ۔

راہ خودداری سے مر کر بھی بھٹک سکتے نہیں
ٹوٹ تو سکتے ہیں ہم لیکن لچک سکتے نہیں

اس کے بعد میں نے کلیتہً اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک دفعہ ہم تینوں بھائیوں کو لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو ہم احمدیہ بلڈنگ میں بھی چلے گئے۔ انجمن کے جنرل سیکرٹری سے ملاقات ہوئی، کچھ مختصر سی گفتگو بھی ہوئی۔ سیکرٹری صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم ایک دو دن احمدیہ بلڈنگ میں قیام کریں۔ چنانچہ ہم ان کی خواہش کے احترام میں وہاں ٹھہر گئے۔ بعض دوست ربوہ جماعت کے بالمقابل مولوی محمد علی صاحب کے علمی کمالات کا اظہار بھی کرتے رہے، جنھیں ہم نہایت خاموشی سے سنتے رہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم لاہوری جماعت کے علم کلام سے کچھ متاثر نہ ہوئے۔ اس کے بعد ہمیں دوبارہ دعوت دی گئی اور ہم کئی روز تک روزانہ صبح نو بجے سے بارہ بجے تک ایک فاضل لاہوری سے گفتگو کرتے رہے اور وہ ہمیں اپنے عقائد کی صحت کے متعلق سمجھاتے رہے۔ آخر یہ سمجھ کر کہ یہ جماعت، ربوہ جماعت سے اچھی ہے، کیونکہ ختم نبوت کی منکر نہیں، اجرائے نبوت کی قائل نہیں، مرزا صاحب کو نبی ماننے سے انکاری ہے اور تکفیر مسلمین سے مجتنب رہتی ہے۔ ہم میاں عبدالمنان مذکور کے پرزور اصرار پر اس جماعت میں شامل ہوئے مگر چند دن بعد ہی بناوٹی اخلاق کی قلعی کھل گئی۔

ایک سازش کا انکشاف

ربوہ والوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ہم لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے ہیں تو ایک دن ان کے مبلغ محمد شفیع اشرف جبکہ ہم موچی دروازہ باغ میں جلسہ سن رہے تھے، وہاں ہم سے ملنے آ گئے اور میرے بڑے بھائی سے علیحدگی میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے جب ان کی گفتگو میں شمولیت کرنا چاہی تو مبلغ صاحب، طرح دے گئے۔ کہنے لگے ہم چونکہ آپ سے بڑے ہیں اور کچھ علیحدگی میں باتیں بھی کرنا چاہتے ہیں، اس لیے آپ ہم سے الگ رہیں۔ میں الگ ہو کر جلسہ سنتا رہا۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بھائی صاحب واپس آئے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مبلغ صاحب کیا کہتے تھے؟ کہنے لگے وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ صاحب نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر سب اہل ربوہ نے اظہار افسوس کیا ہے، دفتر بھی چاہتا ہے کہ آپ لوگ واپس آ جائیں۔

اب آپ لوگ اس طرح کریں کہ چودھری ظفر اللہ خاں کے چھوٹے بھائی اسد اللہ خان کی کوٹھی پر صبح پہنچ جائیں۔ وہاں سارا پروگرام ترتیب دے کر یہ سب معاملہ ٹھیک کر دیا جائے گا۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی کہ مرزا سلیم آپ کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اور چودھری اسد اللہ سے کہہ دینا کہ ہمیں مبلغ صاحب نے بھجوایا ہے...... جب بھائی صاحب نے یہ بات سنائی تو میں نے کہا یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے، آپ ہرگز وہاں نہ جائیں۔ پہلے تو وہ نہ مانے جب میں نے دلائل سے ثابت کیا کہ یہ سازش ہے تو انھوں نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے بھائی صاحب سے کہا کہ پہلے تو یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ اہل ربوہ خلیفہ کے فیصلے پر برا منا رہے ہیں، انھوں نے ایسا اظہار کر کے جوتے کھانے ہیں پھر جبکہ ہمارا بائیکاٹ ہو چکا ہے، ایک مبلغ کی کیا جسارت ہے کہ وہ ہم سے گفتگو کرے۔ تیسرے مبلغ کا یہ کہنا کہ چودھری اسد اللہ خاں کو یہ کہہ دینا کہ ہمیں مبلغ نے آپ کے پاس بھجوایا ہے، اسے اس بات کی ضرورت کیا ہے کہ وہ اسد اللہ خان کے نوٹس میں یہ بات لائے کہ میں ایسے آدمیوں سے بولتا ہوں، جن کا خلیفہ نے مقاطعہ کیا ہے، کیا آپ امراء اور مبلغین کے تعلقات سے آگاہ نہیں۔ پھر یہ شرط عائد کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ بھائی صاحب کو سمجھ آ گئی کہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں جتنا میں سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے ہماری اس طرح مدد فرمائی کہ ربوہ سے ہمارے ایک عزیز نے ہمارے ایک بہی خواہ (یہ صاحب خلیفہ صاحب کے نہایت قریبی عزیزوں میں سے ہیں) کو خبر دی کہ ان بھائیوں کو زہر دینے کا منصوبہ طے پا چکا ہے۔ لہٰذا جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ انھیں اطلاع کریں، کہیں وہ لقمہ اجل نہ بن جائیں۔ یہ گفتگو مبلغ صاحب نے عشاء کے بعد ہم سے کی اور وہ ہستی بھی اسی رات ربوہ سے لاہور آئی۔ صبح ہم اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلی فون آیا کہ فوراً میرے گھر پہنچو۔ چنانچہ ہم اپنے اس بہی خواہ کے گھر گئے، میں نے انھیں گزشتہ شب کا قصہ سنانا شروع کر دیا۔ انھوں نے ساری

گفتگو سن کر کہا کہ آپ کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور آج اس کی تکمیل بھی ہو جانی تھی، اچھا ہوا آپ نہیں گئے۔ میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کسی ربوائی سے کوئی چیز نہ لیں، یہاں تک کہ سادہ پانی بھی نہ پئیں۔ چنانچہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کی سازش کا انکشاف کر کے ہمیں بچالیا۔

لاہوری جماعت کی حقیقت

اس بات کا تذکرہ تو جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا تھا اب لاہوری جماعت کی سنئے۔ اس جماعت کے بانی مولوی محمد علی صاحب ہیں۔ انھیں خیال تھا کہ حکیم نورالدین کی وفات کے بعد انھیں مرزا صاحب کا جانشین بنایا جائے گا۔ جب ان کی اس خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی تو 1914ء میں لاہور آ گئے اور ایک انجمن کی بنیاد رکھی اور اس کے پہلے امیر قرار پائے۔ مسلمانوں میں نفوذ حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مرزا صاحب کی نبوت سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ میاں محمود، مرزا صاحب کو نبی مان کر مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے، اس لیے ہم اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے کہ مولوی محمد علی صاحب جناب مرزا صاحب کو نبی مانتے رہے ہیں اور اس سے انکار کرنا، ہوا میں گرہ لگانے والی بات ہے۔ بہرکیف لاہور آ کر ان کی جانشینی کی خواہش کسی حد تک پوری ہو گئی۔ اس جماعت کے ہر فرد کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے عقائد جمیع اہل اسلام سے اچھے ہیں اور واقعی یہ اتنے اچھے ہیں کہ انھیں سوائے چند آدمیوں کے اور کوئی قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔

چند سال بعد مولوی محمد علی صاحب نے ایک تفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے شائع کی جو حقیقت میں حکیم نورالدین صاحب کی ہے۔ مگر مولوی صاحبؒ کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اسے اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں کچھ تصرفات بھی مولوی صاحب نے کیے ہیں اور جہاں جہاں مولوی صاحب نے اپنے اشہب قلم کی جولانی دکھانی چاہی ہے، وہیں منہ کی کھائی ہے۔

عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کے بعض محاورات کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ ان سب امور کا مفصل تذکرہ میں اپنی کتاب میں کروں گا۔ ان شاء اللہ

اس جماعت کو جماعت کے نام سے موسوم کرنا لفظ جماعت کی توہین ہے، یہ تو چوں چوں کا مربہ ہے۔ اس جماعت کی باگ ڈور مولوی محمد علی صاحب کے رشتہ دار سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے جن کی ''روحانی کارگزاریوں'' کا تذکرہ کبھی کبھی ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ پارٹی بازی نے اس نام نہاد جماعت کا بیڑا غرق کر دیا ہے اور یہ بالکل ایک جسد بے روح ہے، جو چندہ آتا ہے وہ میٹنگوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ سال کے 365 دنوں میں اس جماعت کی 366 میٹنگیں ہوتی ہیں اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات اور مرغ کی ایک ٹانگ۔

جس طرح ربوہ میں میاں محمود کا خاندان جماعت کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، اسی طرح یہاں مولوی محمد علی صاحب کے خاندان کا حال ہے اور وہ اس انجمن کو اپنا ورثہ خیال کرتا ہے۔ مولوی صاحب کے رشتہ داروں میں سے ایک ایبٹ آبادی ”خان بہادر“ ہیں، جو آرزوئے امارت کو سینہ سے لگائے، گارڈن ٹاؤن میں ڈیڑھ اینٹ کی ایک الگ مسجد بنا کر یہاں براجمان ہو گئے ہیں اور مع خاندان اس تاک میں ہیں کہ کب مولوی صدرالدین صاحب کو پیغام اجل آئے اور میں عروس امارت سے ہمکنار ہوں۔ جہاں ”خان بہادر“ صاحب میں اور بہت سی ”اچھی صفات“ ہیں، وہاں یہ افترا پردازی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے اور ایک دفعہ جھوٹ بولنے کے بعد ان سے اس کا اعتراف کرانا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ بہرحال ہمیں ان کی مستقل مزاجی اور جھوٹ پر ثابت قدمی کی داد دینی پڑتی ہے۔

آزاد کشمیر اسمبلی نے جب قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد پاس کی تو خاکسار نے چند دیگر دوستوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک درخواست انجمن کے جنرل سیکرٹری کو بھجوائی کہ آپ جماعت ربوہ سے علیحدگی کا اعلان کریں کیونکہ ہم مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں، نہ ختم نبوت کے منکر ہیں، نہ اجرائے نبوت کو مانتے ہیں، نہ تکفیر مسلمین کرتے ہیں۔ مگر اس جماعت کی منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ربوہ والوں سے علیحدگی کا اعلان نہیں کریں گے۔ مجھے اس وقت سمجھ آئی کہ یہ جماعت اپنے افکار و نظریات میں کلیتہً منافق ہے۔

1974ء میں جب مسلمان قادیانیوں کی دونوں جماعتوں کے خلاف شعلہ جوالا بنے ہوئے تھے، نیو کیمپس کے ایک طالب علم کا خط ہفت روزہ ”چٹان“ میں شائع ہوا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ جامعہ پنجاب کے قریب مرزائیت کا ایک اڈہ ”دارالسلام“ کے نام سے تعمیر ہو رہا ہے اور یہاں سے ہوسٹلوں میں لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کی نسل کو گمراہ کیا جائے۔ جب مجھے اس خط کا علم ہوا تو میں نے بعض دوستوں سے گفتگو کی کہ اس خط کا جواب انجمن کی طرف سے دیا جائے اور یہ امر واضح کر دیا جائے کہ ہمارا اہل ربوہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جب اس خط کا جواب لکھ کر ہیڈ کلرک نے سیکرٹری صاحب کی خدمت میں دستخطوں کے لیے پیش کیا تو سیکرٹری صاحب نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور وہ خط بغیر دستخطوں کے ایڈیٹر ”چٹان“ کو ارسال کر دیا گیا۔ جب یہ خط آغا شورش مرحوم کو ملا تو انھوں نے بتایا کہ آپ کے دفتر سے ایک خط بغیر دستخطوں کے آیا ہے۔ میں ایسے گمنام خطوط شائع نہیں کیا کرتا مگر بوجہ میں اسے شائع کر رہا ہوں اور ساتھ ہی کہنے لگے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ انجمن کے دفتر میں کوئی بڑا بے ایمان اور ربوہ کا ایجنٹ بیٹھا ہوا ہے۔ جواباً کہا گیا کہ آپ کا قیاس بالکل صحیح ہے۔ اگر اس جماعت نے اس آدمی کو سیکرٹری شپ نہ دی ہوتی تو یہ ربوہ کے لنگر خانہ میں مرچیں پیس رہا ہوتا۔

آپ اس بات پر متعجب ہوں گے کہ آخر سیکرٹری کو دستخط کر دینے سے کیا تکلیف ہوتی تھی؟ تو واضح رہے کہ سیکرٹری انجمن کا وہی عقیدہ ہے جو اہل ربوہ کا ہے بلکہ ساری انجمن کا وہی عقیدہ ہے۔ اگر نہیں تو

انھوں نے اہل ربوہ سے علیحدگی کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ ورنہ مجھے بتایا جائے کہ سیکرٹری نے اپنی انجمن کے عقائد پر دستخط کیوں نہیں کیے۔ کیا جماعت نے اس فعل پر اس سے جواب طلبی کی؟ ہرگز نہیں۔ کیا سیکرٹری کے اندر یہ جرأت ہے کہ وہ ماہانہ ایک ہزار روپیہ مشاہرہ اور رہائش کے لیے ایک پورا ادارہ قابو کر کے اس انجمن کے عقائد کی خلاف ورزی کر سکے۔ صاف ظاہر ہے کہ سب نے ملی بھگت کی ہوئی ہے۔ میں نے خود اس جماعت کے ایک لیڈر سابق پولیس آفیسر سے متعدد مرتبہ سنا ہے کہ اگر میاں محمود کا خاندان خلیفہ نہ بنے تو ہم ان کی بیعت میں شامل ہونے کو تیار ہیں۔ اس بات سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ 1914ء میں اصل جنگ اقتدار کی تھی۔ اگر ایسا نہ تھا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ہم صرف ایک شرط پوری کر دینے پر ان کی جماعت کے ممبر بن جانے کو تیار ہیں۔

پاکستان نیشنل اسمبلی میں پیش ہونے کے بعد جب ہم لاہور واپس آئے تو جماعت کے بعض افراد سے ہم نے طرح طرح کی باتیں سنیں مگر ہم عمداً خاموش رہے۔ چند ماہ بعد ایک مبلغ کی بیرون ملک روانگی پر مقامی جماعت لاہور کی طرف سے اس کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ میں عموماً مقامی جماعت کے جلسوں میں شمولیت نہیں کرتا تھا مگر اس دن ایک دوست کے اصرار پر جلسہ میں شامل ہو گیا۔ مقامی جماعت لاہور کے صدر جو وکیل ہونے کے باوجود ایک مل اونر کے پرسنل سیکرٹری ہیں، انھوں نے میاں ناصر احمد کی طرح خانہ خدا میں کھڑے ہو کر صریح غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ہم پر یہ الزام عائد کیا کہ ہم نے جماعت لاہور کے عقائد کو نیشنل اسمبلی میں مسخ شدہ صورت میں ریکارڈ کروایا ہے۔ اس پر میں نے احتجاجاً انجمن کے سیکرٹری کو چٹھی لکھی کہ میں اس وفد کا ایک ممبر تھا جو نیشنل اسمبلی میں پیش ہوا تھا، اس لیے میں ذاتی علم کی بنا پر کہتا ہوں کہ مقامی جماعت کے صدر نے نہایت ڈھٹائی سے افترا پردازی کی ہے۔ اب یا تو وہ اس الزام کا ثبوت پیش کرے یا بصورت دیگر معافی مانگے اور اس چٹھی کی نقول میں نے مختلف جماعتوں کو بھی ارسال کیں۔ سیکرٹری صاحب نے اپنی مسوخ فطرت کے عین مطابق کمال بددیانتی سے مجھے یہ جواب بھجوایا کہ مقامی جماعت کے صدر نے نیشنل اسمبلی میں داخل کردہ بیان پر تبصرہ کیا ہے۔ مجھے ان کی اس غلط بیانی پر بڑا طیش آیا اور میں نے انھیں لکھا کہ اسمبلی میں داخل کردہ بیان تو ایک کانفیڈنشل دستاویز ہے، اس پر تبصرہ چہ معنی دارد؟

جب سیکرٹری صاحب نے دیکھا کہ میری کذب بیانی پر مضبوط گرفت ہوئی ہے تو دوسرے دن انھوں نے مقامی جماعت کے صدر کا ایک معذرت نامہ بھجوایا، جو عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال تھا۔ میں نے اس معذرت نامہ پر جرح کر کے لکھا، یہ معذرت نہیں محض الفاظ کے طوطے مینا اُڑائے گئے ہیں۔

اس کا الزام دو حال سے خالی نہیں۔ یا الزام سچا ہے یا جھوٹا، اگر سچا ہے تو ثبوت پیش کریں اور اگر جھوٹا ہے تو معافی مانگے۔ اس پر سیکرٹری صاحب نے مجھے دفتر میں بلایا اور کہا کہ آپ نے ساری جماعت

میں ایک اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ آپ ذرا سیکرٹری صاحب کی دیانت ملاحظہ فرمائیں، جو آدمی ایک مجمع عام میں کسی پر جھوٹا الزام لگاتا ہے، وہ امن کا دیوتا ہے اور جو آدمی اس الزام کا ثبوت طلب کرتا ہے، وہ جماعت میں خلفشار پیدا کرتا ہے۔

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

اس قسم کی الٹی منطق اس انجمن کے سیکرٹری کی کھوپڑی میں ہی سما سکتی ہے اور کسی میں یہ ہوتا کہاں ہے۔ ہاں اس کے ساتھ سیکرٹری صاحب نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں نے اور ڈاکٹر سعید احمد نے اس کو سرزنش کی ہے۔ میں نے کہا مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ سکی کہ الزام تو جلسہ عام میں لگایا جا رہا ہے اور سرزنش کسی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کی جا رہی ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔

بہرکیف میں سمجھ گیا کہ اگر اس جماعت کے عقائد وہی ہوتے، جن کا یہ پرچار کرتی ہے تو یہ نیشنل اسمبلی میں پیش ہونے والے ڈیلی گیشن پر الزام نہ لگاتی، کیونکہ ڈیلی گیشن نے تو وہی عقائد پیش کیے تھے جن کا اظہار یہ لوگ کرتے ہیں۔ بہرحال میں نے ان لوگوں کا تعاقب جاری رکھا، تو انھوں نے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا مگر وہ صرف کاغذات میں ہی ہوا۔ ان کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ اب یہ ہمارا بھانڈہ چوراہے میں پھوڑ دیں گے۔ چھ ماہ تک میری ان کے ساتھ کشمکش رہی کہ آپ مجھے اپنے عقائد بتائیں جو مسخ ہوئے ہیں مگر وہاں ایک خاموشی تھی، سب کے جواب میں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں انجمن کے اس سیکرٹری کا سراپا بھی لکھ دوں جس کی ساری عمر در غیر پہ جبہ سائی کرتے گزری ہے۔

در غیر پہ ہمیشہ سر جھکائے دیکھا
کوئی ایسا داغ سجدہ میرے نام پر نہیں ہے

دراصل یہ جماعت لاہور کا عزیز بھاٹیڑی ہے۔ پستہ قد، گردن کوتاہ، چپٹا ناک، لب بیضہ برگر، آنکھیں زنبور اصفر، رنگ سیاہ، دل سیاہ، روح سیاہ، گفتار ناصحانہ، کردار منافقانہ، طبیعت شکاری، مزاج بیوپاری، یہ ہے لاہوری انجمن کا سیکرٹری۔

ایک لاہوری ولی کو دعوت مباہلہ

اب اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے سب نے مشورے کر کے ایک ایبٹ آبادی "ولی اللہ" کو آگے کیا۔ جس نے اپنی ولایت کے زور پر ایسے ایسے جھوٹ تصنیف کیے کہ بس لطف ہی آ گیا۔ یہ صاحب بھی اپنے آپ کو مجدد سے کم نہیں سمجھتے۔ انھیں صرف تین باتوں کا شوق ہے۔ امیر جماعت بننے کا، نماز پڑھانے اور درس دینے کا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں باتوں کی اہلیت ان کے اندر موجود نہیں۔ میں نے ربوہ والوں اور لاہور والوں میں ایک فرق دیکھا ہے۔ ربوہ میں جو شخص کو بھی کھائے، اسے الہام

شروع ہو جاتے ہیں اور لاہور میں جو الف، ب پڑھ جائے وہ اپنے آپ کو مفسر قرآن سمجھنے لگتا ہے۔

اس ایبٹ آبادی "ولی اللہ" نے ہمارے خلاف ایک پمفلٹ شائع کیا اور کمال مہربانی سے مجھے بھی بھجوایا۔ میں نے اس پمفلٹ کو پڑھ کر اس کا جواب لکھا اور اس نام نہاد "ولی اللہ" کو مباہلہ کا چیلنج بھی دیا اور لکھا کہ اب ہم میں سے جو میدان مباہلہ میں حاضر نہ ہو، اس پر خدا کی لعنت، مگر آج تک انھیں میرے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد، میں نے متعدد خطوط لکھے کہ آپ نے جو الزامات لگائے ہیں ان کے ثبوت دیجئے۔ باوجود "خان بہادر" اور "ولی اللہ" ہونے کے ایسے چپ ہوئے کہ گویا مر ہی گئے ہیں اور آج تک گارڈن ٹاؤن کے قبرستان کے نزدیک ان کا بے جان لاشہ سڑاند پیدا کر رہا ہے۔ میں پوری بصیرت سے اس بات پر قائم ہوں اور جیسا کہ میں نے گزشتہ صفحات میں ثابت کر دیا ہے، ان جماعتوں کے لیڈر خاص طور پر پرلے درجے کے کذاب اور بے دین آدمی ہیں اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ جماعتیں سینہ اسلام پر ایک رستا ہوا ناسور ہیں۔ ان کا آپریشن جس قدر جلد ہو، اتنا ہی اچھا ہے۔

اب مجھے اس طرف توجہ مبذول کرنا پڑی کہ اگر مرزا صاحب کی آمد کی غرض اس قسم کے خبیث، بے دین اور کذاب لوگ پیدا کرنا تھی، تو حقیقت معلوم شد۔ کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور ان جماعتوں میں جو خدا کے مقرر کردہ خلیفے ہیں یا خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کے جانشین ہیں، وہی سب سے زیادہ بے ایمان ہیں، تو دوسروں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

میں نے جناب مرزا صاحب کی جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی اولاد دیکھی ہے اور جو کمالات ان دونوں قسم کی اولاد میں موجود ہیں، ان سے بھی میں اچھی طرح آگاہ ہوں۔ میرے نزدیک لاہور کے گندے نالے کے اندر بھی اتنا تعفن موجود نہیں، جتنا ان کے اندر ہے۔ میں نے عمداً ان کی جنسیاتی بیماریوں کا تذکرہ کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ میں اپنے قلم کو ایسی باتوں کے ذکر سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔

لاہوری جماعت کی اس سے بڑھ کر ذلت اور رسوائی اور کیا ہو گی کہ اس کے کارکنان جب استعفا دیتے ہیں تو اس میں صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ تم لوگ بے ایمان ہو، اس لیے ہم آپ کی ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ جناب غلام نبی صاحب مسلم ایڈیٹر "پیغام صلح" اور جناب مرزا محمد حسین صاحب ایڈیٹر "لائٹ" اس کی واضح مثال ہیں۔

میں نے ارادۃً ان لوگوں کی بے ایمانیوں اور دھاندلیوں کا تذکرہ نہیں کیا، جن کا اظہار الیکشن کے مواقع پر ان لوگوں سے ہوتا ہے۔ ان باتوں میں بھی، میں نے ان کا بڑا مقابلہ کیا ہے بلکہ ان کے بعض الیکشن کالعدم قرار دلوائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انٹرنیشنل طور پر الیکشن میں بے ایمانی کا مقابلہ ہو تو ساری دنیا کو لاہوری انجمن کا اکیلا سیکرٹری ہی شکست فاش دے دے۔

اس جماعت کے گھناؤنے کردار کو دیکھ کر میں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور جناب مرزا

صاحب اور ان کی جماعت کے عقائد و نظریات کا تنقیدی مطالعہ شروع کر دیا تو مندرجہ ذیل امور میرے سامنے آئے۔

مرزا صاحب کے ذہنی کمالات

مرزا صاحب نے مسلمانوں میں ذہنی خلفشار پیدا کرنے کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جن سے خواہ مخواہ ایک جھگڑے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً لفظ ”نبی“ کا استعمال ہے۔ اب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی مسلمان کسی آدمی کو نبی تسلیم نہیں کر سکتا، کیونکہ آپؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔

یہ بات خود مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے کہ اس لفظ ”نبی“ سے مسلمانوں کے اندر ایک تفرقہ پیدا ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود اس لفظ کو استعمال کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ پھر کہتے ہیں اگر میں نبی ہوں تو مسلمان نہیں ہو سکتا اور اگر مسلمان ہوں تو نبی نہیں ہو سکتا۔ کبھی کہتے ہیں میں نے تو لفظ نبی کو صرف لغوی معنوں میں استعمال کیا ہے اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ لغت اور اصطلاح میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب بھی ان پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے طرح طرح کی تاویلات کا سہارا لیا کہ میری مراد اس لفظ نبی سے یہ ہے اور وہ ہے۔ پھر جو وضاحت انھوں نے کی، اس پر خود ان کی دونوں جماعتوں کا اتفاق نہیں اور اکثریت آج بھی انھیں حقیقی معنوں میں نبی سمجھتی ہے۔ ختم نبوت کے بعد اجرائے نبوت کا فلسفہ ایک لعنتی فلسفہ ہے اور کوئی مسلمان اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے مترادف ہے۔

اسی طرح جناب مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نہایت سخت کلامی سے کام لیا ہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایک نبی کی ہتک کے مرتکب ہوئے ہیں، تو کہنے لگے میں نے یہ الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق استعمال نہیں کیے بلکہ میں تو یہ الفاظ اس یسوع کے متعلق استعمال کر رہا ہوں، جو عیسائیوں کا فرضی خدا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو خود مسلّم ہے کہ یسوع ایک فرضی اور وہمی وجود ہے، تو فرضی اور وہمی وجود کے متعلق سخت کلامی کی کیا تک ہے؟ پھر خود ہی انھوں نے بے شمار مقامات پر حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی یسوع قرار دیا ہے، بلکہ اپنے آپ کو یسوع کا مثیل بھی قرار دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں یسوع ایک فرضی وجود ہے اور کبھی اس کے مثیل بن بیٹھتے ہیں۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے متعلق بھی انھوں نے ایسے ہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جب پوچھا گیا کہ آپ نے ایسے سخت الفاظ ان بزرگوں کے متعلق کیوں استعمال کیے ہیں، تو صاف انکار کر گئے اور کہنے لگے میری مراد حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ نہیں بلکہ شیعوں کے خیالی علی اور حسین مراد

ہیں۔ خیالی چیزوں کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ آخر اس پر اتنا زور قلم صرف کرنے کا کیا مطلب تھا؟

جہاد کے متعلق تحریم و تنسیخ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جب گرفت ہوئی کہ آپ ایک عظیم اسلامی رکن کو منسوخ کرنے کی کیا اتھارٹی رکھتے ہیں، کیونکہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتا۔ کہنے لگے میری مراد حرام اور منسوخ کرنے سے ملتوی کرنا ہے۔ لیکن یہ بھی لکھا کہ مجھے مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔

مسیح کے صعود الی السماء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے بہت کچھ لکھا ہے اور اسے باطل قرار دینے کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ ایسی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں کہ کوئی انسان مع جسد عنصری آسمان پر گیا ہو اور جناب میاں طاہر احمد نے اپنی تالیف ''وصال ابن مریم'' میں مودودی صاحب کے اس جواب کا بڑا مضحکہ اڑایا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ایسا ہوا ہے، اس لیے اس کی مثال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میاں صاحب موصوف کہتے ہیں یہی تو اس کے باطل ہونے کا ثبوت ہے کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جب سے دنیا میں سلسلہ نبوت کا آغاز ہوا ہے، کیا کوئی مرزا صاحب کی طرح امتی نبی بھی بنا ہے۔ اگر اس کی بھی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں تو مرزا صاحب کیسے نبی بن گئے۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نظریات اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔

مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کی وہ تعریف کی ہے کہ بس حد ہی کر دی ہے۔ نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ وہ حکومتوں کے قصائد لکھتے ہیں۔ انگریز ایک غاصب اور ظالم قوم ہے۔ اس نے سوداگری کے بھیس میں آ کر ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے خون کو پانی کی طرح بہایا۔ اس خون ریزی میں مرزا صاحب کے والد نے پچاس گھڑ سواروں کے ساتھ ان کی مدد کی اور ان کے بڑے بھائی صاحب نے تموں گھاٹ پر مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور مرزا صاحب نے اپنے پر یہ فرض ٹھہرا لیا کہ میں ہر تصنیف میں انگریزوں کی مدح کروں گا اور پھر اپنی تصانیف کو ایران، روم، عرب اور افغانستان تک پھیلا کر انگریزی حکومت کو لکھا کہ جیسی میں نے آپ کی خدمت کی ہے، ایسی کسی نے نہیں کی۔

اصل بات یہ ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی توضیح کی ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں، تو وہاں کے جاگیرداروں اور معزز لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب کا خاندان بھی چونکہ جاگیرداروں کا خاندان تھا، اس لیے انھوں نے سمجھا کہ اب اپنی جاگیر اسی صورت میں محفوظ رہ سکتی ہے کہ انگریزوں کی مدد کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے انگریزوں سے مل کر اپنے ہی بھائیوں کا خون بہایا اور کرسی نشین رئیس قرار پائے...... انگریزوں کی تعریف اور امداد کا مقصد صرف اپنی جاگیر کی حفاظت کرنا تھا اور یہی طریق دوسرے جاگیرداروں نے بھی اختیار کیا تھا۔

مرزا صاحب نے اپنے صدق و کذب کا معیار ایک لڑکی سے شادی کرنا قرار دیا ہے۔ کیا نبیوں کی صداقت کا معیار لڑکیوں سے شادی کرنا ہوتا ہے کہ اگر فلاں لڑکی سے شادی ہو گئی تو سچا نبی ہوں گا اور

اگر نہ ہوئی تو جھوٹا اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس لڑکی سے آپ کی شادی بھی نہ ہو سکی۔ ہاں آسمانوں پر نکاح پڑھا گیا، نہ وہاں پر کوئی گیا اور نہ کسی نے دیکھا۔

”سیرۃ المہدی“ جو ربوہ جماعت کے ”قمر الانبیاء“ اور مرزا صاحب کے منجھلے صاحبزادے کی تالیف ہے، اس میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب ایک نامحرم عورت سے اپنا جسم دبوایا کرتے تھے۔ ہر چند یہ ایک بیہودہ بات ہے مگر اس سے بھی کہیں بڑھ کر بیہودہ روایات اس کتاب میں موجود تھیں، جن کو پڑھنے والے آج بھی زندہ موجود ہیں۔

جب ان روایات پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو وہ ایڈیشن تلف کر دیا گیا۔ ربوہ جماعت کے مشہور مناظر ملک عبدالرحمٰن خادم ”سیرۃ المہدی“ کی روایات کو بالکل حجت نہیں مانتے تھے، مگر میرے لیے یہ بات بڑی حیرت اور تعجب کا باعث ہے کہ خادم صاحب میاں بشیر احمد کو ”قمر الانبیاء“ تو مانتے ہیں مگر ان کی بیان کردہ روایات کو بالکل قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ معلوم نہیں اتنے کچے آدمی کو وہ ”قمر الانبیاء“ ماننے پر کیوں مجبور تھے۔

اس جماعت کے افراد کو یہ تربیت دی گئی ہے، بلکہ یہ بات ان کی گھٹی میں داخل ہے کہ جب کوئی شخص مرزا صاحب پر اعتراض کرے تو تم فوراً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر دیا کرو۔ ربوائی اصطلاح میں اس حملے کا نام ”الزامی جواب“ ہے۔ میانوالی کے مباحثہ میں جب قاضی نذیر محمد صاحب لائل پوری پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مرزا صاحب نامحرم عورتوں سے اپنا جسم دبوایا کرتے تھے تو انھوں نے بلا تامل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ نفسی وروحی وابی وامی پر حملہ کر دیا اور کہا کہ ایک حدیث کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، تو آپ کا جسم ایک نامحرم عورت کے جسم کے ساتھ مس کر رہا تھا جو آپ کے پیچھے سوار تھی۔

قاضی صاحب نے اس بات کی قطعاً پروا نہیں کی کہ یہ بات میں کس ذات اقدس کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ جس حدیث سے میں استدلال کر رہا ہوں، وہ کس پائے کی حدیث ہے آیا وہ قابل حجت ہے بھی یا نہیں۔ پھر اگر وہ صحیح بھی ہے تو میں جو تقابل کر رہا ہوں، وہ بھی درست ہے یا نہیں۔

یہ وہ علم کلام ہے جو ربوہ جماعت کو مرزا صاحب کی وراثت سے ملا ہے۔ اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ کسی شخص کی عزت ان کے حملوں سے محفوظ رہ سکتی ہے؟ جو لوگ میاں بشیر احمد کی لچریات کو ثابت کرنے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے، ان سے کوئی دوسرا آدمی کیسے بچ سکتا ہے۔

ایسی جماعت سے حذر، ایسے امام سے حذر

مرزائی لیڈروں کی ہفوات

میاں محمود احمد نے اپنے ایک خطبے میں کہا ہے کہ انسان ”محمد رسول اللہ ﷺ“ سے بڑھ سکتا ہے۔

نعوذ باللہ من ذالک۔ اس سے بڑھ کر ناپاک خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دنٰی دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنٰی اس سے آگے بڑھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فکر انسانی کا گزر بھی ممکن نہیں۔

حج، جو ارکان اسلام میں سے ہے، جس کی ادائیگی مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میاں محمود احمد نے کہا کہ حج کا فائدہ اب مکہ میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ قادیان میں ہوتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اب لغو اور عبث طور پر اُسے مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر شعائر اسلام کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟ پھر یہ بھی کہا کہ مکہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو گیا ہے۔ وہ مقام جسے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے بابرکت قرار دیا ہے، گویا اس کی برکات ختم ہو گئی ہیں اور اب اس کی بجائے وہ قادیان میں منتقل ہو گئی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

میاں محمود نے اس صحابیؓ کو جس نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے یہ قمیص کہاں سے بنوائی ہے، شیطانی روح قرار دیا ہے۔ اس دریدہ دہن کو اتنا علم نہیں کہ یہ سوال کرنے والے حضرت سلمان فارسی تھے (بحوالہ عمر فاروق ؓ مولفہ طنطاویؒ) جن کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ سلمان منا اہل البیت اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مرزا صاحب اپنے آپ کو ان کی اولاد ظاہر کرتے ہیں اور اگر وہ (نعوذ باللہ) شیطانی روح تھے تو آپ کیا ہوئے؟ یہ عظیم اور جلیل القدر صحابی کی شان میں وہ گستاخی کرتا ہے جبکہ اس کی اپنی حیثیت ان کے بیت الخلاء کی اینٹ کے برابر بھی نہیں۔

آیت قرآنی وبالاخرۃ ھم یوقنون کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد مرزا صاحب کی وحی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دیگر انبیاء کی وحی پر تو لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے اور مرزا صاحب کی وحی پر یقین کرنے کی یہ تفسیر دیگر قرآنی آیات کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور آج تک کسی مفسر قرآن نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔

میں نے صرف اشارۃً بعض باتوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ اپنی زیر تصنیف دوسری کتاب میں مع حوالہ جات پوری تفصیل کے ساتھ ان باتوں کے علاوہ دیگر باتوں پر بھی مدلل بحث کروں گا۔ اس قسم کی لایعنی باتوں کو دیکھ کر میں نے قادیانیت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ یہ تحریک توہین رسولؐ، توہین صحابہؓ اور توہین اسلام کے لیے کام کر رہی ہے اور استعمار کی ایجنٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیع اہل اسلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

* * *

بشیر احمد مصری

حق گوئی

الحافظ بشیر احمد مصری 1914ء میں ہندوستان کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی میں بی۔ اے آنرز میں ڈگری لی۔ آپ جامعہ الازہر (مصر) کے شعبہ عربی کے بھی فارغ التحصیل ہیں اور لندن سے صحافت (Journalism) میں بھی سند یافتہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے بیس برس مشرقی افریقہ میں بسر ہوئے جہاں وہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کے علاوہ بہت سی انجمنوں اور سماجی اداروں کے ذمہ دارانہ عہدوں پر کام کرتے رہے۔ 1961ء میں آپ نے انگلینڈ ہجرت کر لی۔ 1964ء سے 1968ء تک پانچ برس آپ ماہنامہ ”اسلامک ریویو“ کے ایڈیٹر رہے۔

بشیر احمد مصری صاحب کے والد عبدالرحمٰن مصری قادیانی خلیفہ مرزا محمود کے دست راست تھے۔ مرزا محمود ایسا ہوس پرست، خواہشات نفسانیہ کا پجاری اور زنا کار کا بیوپاری تھا کہ اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ صاف کرنا، یا ان کی عزتوں سے کھیلنا اس کی لغت میں کوئی معیوب نہ تھا۔ اس نے اپنی ہوس کا نشانہ عبدالرحمٰن مصری کے خاندان کو بنایا۔ مصری نے مرزا محمود کو ایسے دردمندانہ خطوط لکھے جس نے مرزا محمود کی تقدس مابی کو خاک میں ملا دیا۔ خطوط میں مصری نے اپنی مظلومیت کو ایسے انداز میں ثابت کیا ہے، جسے پڑھ کر دل کانپ کانپ جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن مصری نے مرزا محمود کے کرتوت دیکھ کر لاہوری گروپ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ فرماتے تھے کہ عبدالرحمٰن نے غلط کار پایا محمود کو اور سزا دی اس کے ابا مرزا قادیانی کو، کہ وہ پہلے اسے نبی مانتے تھے پھر ولی ماننے لگے۔ حافظ بشیر احمد مصری، لاہوری گروپ کے مرکز ووکنگ مسجد لندن کے امام بن گئے۔ 11 فروری 1968ء کو مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ نے ووکنگ مسجد لندن میں تقریر کی۔ تقریر کے اختتام پر حافظ بشیر احمد مصری نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور مسجد مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ آج بھی وہ مسجد اہل اسلام کے پاس ہے۔ مرزا طاہر نے جب مباہلہ کا چیلنج دیا تو اس کی کاپی حافظ بشیر احمد مصری کو بھی بھجوائی۔ خدا کا کرم دیکھیے مصری صاحب نے اس کا جواب لکھا۔ مرزا محمود سے مرزا طاہر تک اس کے تمام خاندان کو زانی، شرابی، بدکار، اغلام باز، نہ معلوم کیا کچھ تحریر کیا۔ مرزا طاہر کو سانپ سونگھ گیا۔ مصری نے اس کا اردو اور انگلش ایڈیشن شائع کرایا۔ مصری صاحب ہر سال ختم نبوت کانفرنس برطانیہ میں شرکت کرتے تھے۔ عالمی مجلس کے رہنماؤں سے ان کے والہانہ تعلقات تھے۔ چند سال ہوئے فوت ہو گئے ہیں۔ قدرت ان سے اپنے رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

الحافظ مصری صاحب برطانیہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ریڈیو پر آپ کے خطاب، ٹیلیویژن پر تقاریر و مکالمات اور مختلف جرائد میں مضامین نے برطانیہ میں انھیں ایک قابل رشک ادیبانہ اور فاضلانہ مقام دیا۔ ان کی ایک کتاب انگریزی اور عربی میں ’’الرفق بالحیوانات فی الاسلام‘‘ (اسلام میں جانوروں کے حقوق) (The Islamic Concern for Animals) کے عنوان سے چھپی، جس میں سو کے قریب آیات قرآنی اور پچاس کے قریب احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ جات سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب ساری دنیا میں خصوصاً مغربی ممالک میں بہت مقبول ہو رہی ہے۔ اسی موضوع پر آپ کی دوسری کتاب جو بہت جامع ہے ’’اسلام اور حیوانات‘‘ کے عنوان سے انگریزی میں زیر طبع ہے۔ موصوف ان کے علاوہ کئی دوسری کتابوں کے بھی مصنف تھے جو انگلش میں ہیں۔

زیر نظر مضمون میں الحافظ مصری صاحب نے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، جو سب مسلمانوں کی آنکھیں کھول دے گا۔ خصوصاً ان سیدھے سادے نوجوانوں کے لیے جو قادیانیوں جیسے مذہبی دھوکہ بازوں کے دام فریب میں پھنس سکتے ہیں یا ان کی مظلومیت سے متاثر ہیں۔

میرے بہت سے دوستوں نے متعدد مرتبہ مطالبہ کیا ہے کہ میں قادیانیت پر مبنی اپنے مشاہدات اور خیالات قلم بند کروں، تا کہ میری زندگی میں ہی وہ ضبط تحریر میں آ جائیں۔ اس مختصر مضمون میں یہ ممکن نہیں کہ تفصیلات میں جایا جائے، اس لیے میں اختصار کے ساتھ صرف ان حالات کا خلاصہ درج کر رہا ہوں جن کی بناء پر میں نے قادیانیت کی بے راہ رو اور منافقانہ سرگرمیوں سے توبہ کی۔

1914ء میں سوئے اتفاق سے میں قادیان میں پیدا ہوا۔ میری پیدائش کی جائے وقوع کا حادثہ میری 74 سالہ زندگی میں کلنک کا ٹیکہ بنا رہا۔ بچپن میں مجھے یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ ’’احمدیوں‘‘ کے علاوہ دنیا بھر کے سب مسلمان کافر ہیں۔ یہ درس و تدریس اس انتہا تک تھی کہ خدا کی ذات پر ایمان بھی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ’’احمدیت‘‘ کے بانی مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان نہ ہو...... نیز یہ کہ اس کے جانشین ہی اب بندے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جب میں نے سن بلوغت میں قدم رکھا تو اپنے اردگرد قادیانیوں کی اکثریت کو بدکردار، عیار اور مکار پایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں میں چند ایسے بھی تھے، جو اس سلسلہ کے ابتدائی ایام میں اخلاص کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئے تھے اور اس دھوکے کا شکار ہو گئے تھے کہ یہ تحریک اسلام میں ایک تجدیدی تحریک ہے، لیکن اس قسم کے مخلصین کی تعداد بہت کم دیکھنے میں آئی اور پھر جن کو نیک و مخلص پایا، ان میں بھی اکثر یا تو اتنے سادہ لوح تھے کہ ان میں اپنے گرد و نواح کے مذموم ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی صلاحیت ہی نہ تھی اور یا پھر اپنے حالات کی مجبوریوں میں اتنے لاچار تھے کہ

کچھ کر نہ پاتے تھے۔

میں نوعمری کے زمانہ میں اس قابل تو نہ تھا کہ ذہنی اعتبار سے اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکتا کہ تحریک قادیانیت نے کس طرح اسلام کے مذہبی عقائد میں فتور ڈالنا شروع کر دیا ہے، البتہ ان لوگوں کے خلاف میرا ابتدائی ردعمل بداخلاقی اور جنسی بدکاریوں کی وجہ سے تھا۔ میری ذہنی اور روحانی ناپختگی کی اس غیر پختگی کی حالت میں ہی قادر تقدیر نے مجھے طاغوتی آگ کی بھٹی میں پھینک کر میری آزمائش کی۔

میں ایک 18 برس کا صحیح الجسم اور کسرتی نوجوان تھا، جب مجھے خلیفہ قادیان بشیر الدین محمود کا پیغام ملا کہ وہ کسی نجی کام کے سلسلہ میں بلاتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا کہ جب میں اس شخص کو نیم دیوتا سمجھا کرتا تھا اور اس جذبہ کے تحت میں نے اس پیغام کو باعث عزت و فخر کے طور پر لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ "حضور" میرے ذمہ کوئی ایسا مذہبی کام لگانا چاہتے ہیں جو رازدارانہ قسم کا ہوگا۔

ہماری پہلی ملاقات باضابطہ اور مقررہ اسلوب کے مطابق رہی۔ خلیفہ مجھ سے ادھر ادھر کے ذاتی سوالات پوچھتا رہا اور میں باادب و احترام جواب دیتا رہا۔ رخصت ہوتے وقت مجھے یہ "حکم" دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں اور دوسری ملاقات کا تعین کر دیا۔ اس کے بعد مزید ملاقاتیں بتدریج غیر رسمی ہوتی گئیں اور مجھے رغبت دلائی گئی کہ میں ایک مخصوص "حلقہ داخلی" میں شامل ہو جاؤں۔

پتہ چلا کہ اس نیم دیوتا نے زناکاری کا ایک خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے، جس میں منکوحہ، غیر منکوحہ حتیٰ کہ محرمات کے ساتھ کھلے بندوں زناکاریاں ہوتی ہیں۔ اس عیاشی کے لیے اس نے دلالوں اور کٹنیوں کی ایک منڈلی منظم کر رکھی ہے، جو پاکباز عورتوں اور معصوم دوشیزاؤں کو بہلا پھسلا کر مہیا کرتی ہیں۔ جو عورتیں اس طرح درغلائی جاتیں، وہ اکثر ان خاندانوں کی ہوتی تھیں، جو اقتصادی لحاظ سے جماعتی نظام کے دست نگر ہوتے تھے یا جن کے دماغ اندھی تقلید سے معطل ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات اور مجبوریاں بھی تھیں، جن کے باعث بہت سے لوگ اس ظالمانہ فریب کے خلاف مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ گاہے بگاہے جب بھی کوئی ایسا شخص نکلا، جس نے سرکشی کی تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا، اس کا مقاطعہ کر دیا جاتا یا شہر بدری کا حکم صادر ہو جاتا اور اس کے خلاف منظم طریق طنز و استہزاء کی مہم شروع کر دی جاتی تاکہ اس کی بات پر کوئی بھروسہ نہ کرے۔

مرزا خاندان مذہبی اثر و رسوخ کے علاوہ قادیان اور گرد و نواح کی اکثر زمینوں پر حقوق جاگیرداری بھی رکھتا تھا اور روحانی عقیدت کے ساتھ ساتھ ساکنان قادیان، قوانین جاگیرداری میں بھی جکڑے ہوئے تھے۔ اپنے مکانوں کی زمینیں خریدنے کے باوجود بھی انھیں مالکانہ حقوق نہیں ملتے تھے اور ان کی زمین و مکانات جاگیردار کی اجازت کے بغیر غیر منقولہ ہی رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنا سب کچھ بیچ کر قادیان کی نام نہاد مقدس بستی میں اپنے بیوی بچوں کو بسانے کے لیے لائے تھے۔ اس قسم کے حالات

میں اور خصوصاً اس زمانہ میں کون جرأت کرسکتا تھا کہ اس خاندان کا مقابلہ کرے۔ جن لوگوں نے ذرہ بھی صدائے احتجاج بلند کی، وہ یا تو اس طرح مار دیے گئے کہ ظاہراً کسی حادثہ سے مرے ہوں اور یا پھر ایسے لاپتہ ہو گئے کہ ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ جب یہ سب ستم ہائے پارسائی ہو رہے تھے، مسلمان علماء سادگی میں یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ مرزائیت کو عقائد کی رو سے مناظروں اور مباحثوں کے مچانوں میں شکست دے دیں گے۔

جب میں اس انتہائی ذلیل اور وحشیانہ ماحول سے دوچار ہوا تو اپنی لاچارگی کے احساس سے دماغ مختل ہو گیا۔ مجھے ابھی تک وہ بیدار راتیں یاد آتی ہیں جن میں، میں بے یار و مددگار خاموش آنسوؤں سے اپنے تکیئے تر کیا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ میری باتوں پر یقین نہیں کیا جائے گا، میں اپنے والدین کو بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ کیا اودھم مچا ہوا ہے؟ اسی طرح اپنے دوستوں سے بھی ان حالات پر تبادلہ خیالات نہ کر سکتا تھا کہ کہیں وہ خلیفہ کے تجربوں سے ذکر نہ کر دیں۔ میرے لیے ایک راستہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں روپوش ہو جاؤں، لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ یونیورسٹی میں میری تعلیم چھٹ جاتی۔ اس کے علاوہ یہ اخلاقی ذمہ داری بھی مانع تھی کہ اپنے والدین کو ان بدچلنیوں اور بدکاریوں سے لاعلمی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہو جانا، ان سے دغا کرنے کے مترادف ہو گا۔

اس ذہنی کشمکش کی حالت میں یہ خیال بھی آتا کہ اس مذہبی دھوکہ باز کو قتل کر دوں، لیکن باوجود کم عمری کے منطقی استدلال غالب آ جاتا کہ قتل کی صورت میں عوام الناس یہ غلط نتیجہ نکال لیں گے کہ قاتل کوئی مذہبی متعصب تھا اور مقتول کو تاریخی اسناد ایک شہید کا درجہ دے دیں گی۔ پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ فوری اور ناگہانی موت اس شخص کے لیے عقوبت کی بجائے ایک نعمت بن جائے گی۔ اس قسم کا شخص تو ایسی موت مرنے کا مستحق ہوتا ہے جو معذبانہ ہو، محض اس لیے نہیں کہ وہ اس قسم کے پاجیانہ اور ظالمانہ افعال کرتا ہے، بلکہ خصوصاً اس لیے کہ وہ یہ افعال مذمومہ خدا اور مذہب کے نام پر کرتا ہے۔

چنانچہ بعد کے حالات نے میری توجیہات کی تصدیق کی۔ انجام کار یہ شخص (مرزا بشیر الدین محمود) فالج میں مبتلا ہو کر کئی سال تک گھسٹتا رہا اور ایڑیاں رگڑتے جہنم رسید ہوا۔ ایک ڈاکٹر نے جو آخری ایام میں اس کا معالج تھا، بتایا کہ وہ انتہائی ضعیف العقل ہو چکا تھا اور کلمہ یا اور کسی دعا کی بجائے، فحش اناپ شناپ بکتے اس نے دم توڑا۔

ان سب توجیہات کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی، جس کے ماتحت میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ایک فرد کا قتل بے نتیجہ اور بے اثر ہو گا۔ مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ قادیان کے معاشرہ میں اس قسم کی بدچلنیاں اور بدمعاشیاں اس ایک شخص کے مر جانے سے ختم نہ ہوں گی۔ صرف یہ بدذات شخص اکیلا جنسی خبط میں مبتلا نہ تھا، بلکہ اس کے دونوں بھائی اور نام نہاد “خاندان نبوت” کے اکثر افراد بھی اسی رنگ میں

رنگے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اس جماعت کے سرکردگان جو ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز تھے، ان میں سے بھی اکثر نمائشی داڑھیوں کو لہراتے اپنے اپنے سیاہ کاریوں کے اڈے جمائے بیٹھے تھے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کی آپس میں اس خاموش تفہیم کے ماتحت ہو رہا تھا کہ "تم میری داڑھی نہ نوچو تو میں تمہاری داڑھی نہ نوچوں گا۔"

درحقیقت قادیان کے نظام میں اعلیٰ عہدوں پر تقرر اکثر اسی قماش کے لوگوں کا ہوتا تھا جو مرزا خاندان کے اسلوب زندگی اور ان کی جنسی قدروں کو اپنا لیتے تھے، یعنی اس خاندان کی مطلق العنان جنسی قدروں کے مطابق جس خاندان کو یہ لوگ "خاندانِ نبوت" کے نام سے موسوم کرنے کی جرأت اور گستاخی کرتے ہیں۔

یہ کوئی غیر متوقع بات نہ تھی کہ اس قسم کی اخلاقی قیود سے آزاد عیاشیوں کی افوائیں باہر بھی پھیلنا شروع ہو گئیں اور باہر سے اوباش نوجوان اس جماعت میں شامل ہونے لگے، تاکہ ان جنسی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں جو ایشیائی تمدن و ثقافت ان پر عائد کرتا ہے اور اس طرح یہ شیطنت مآب دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

خلیفہ کے اس خفیہ اڈے سے قطع تعلق کر لینے کے بعد میری زندگی دائمی طور پر خطرہ میں رہنے لگی۔ اس کے غنڈوں نے سایہ کی طرح میرا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ ایسی مایوس کن اور پرخطر حالت میں میرے لیے کوئی چارہ نہ تھا، سوائے اس کے کہ کھلم کھلا مقابلہ پر اتر آؤں اور انجام خدا پر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں خلیفہ سے ملنے گیا اور اسے ایک تحریر کی نقل دکھائی جس میں، میں نے اس کی کرتوتوں کی تفاصیل لکھی تھیں اور اس کے شرکائے جرم کے نام، تاریخیں وغیرہ درج کی تھیں۔ میں نے اسے بتایا کہ اس تحریر کی نقول میں نے بعض ذمہ دار احباب کے پاس محفوظ کرا لی ہیں اور انھیں ہدایت کی ہے کہ ان لفافوں کو میری موت یا میرے لاپتہ ہو جانے پر کھول لیا جائے۔ اس حکمت عملی نے مطلوبہ مقصد پورا کر دیا اور میں بلاخوف و خطر، آزادی سے قادیان کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔

جیسے جیسے مجھ پر قادیان کے اس گندے ماحول کا انکشاف ہوتا گیا، اسی نسبت سے میں مذہب سے بیزار ہوتا گیا۔ صرف قادیانی مذہب سے ہی نہیں، بلکہ مجموعی طور پر مذہب کے ادارے سے اور بتدریج یہ حالت دہریت تک پہنچ گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سقیم حالت نے ایک روحانی خلاء بھی پیدا کر دیا، جس کو پر کرنے کے لیے میری تنہا ذات میں طاقت نہ تھی۔ مجھے اپنے والد صاحب کو یہ سب حالات بتانا پڑے جو طبعاً ان کے لیے انتہائی صدمہ کا باعث ہوئے۔ قدرتاً وہ ایک بچے کی باتوں کو بلا تصدیق مان نہیں سکتے تھے، لیکن انھوں نے محتاط طور پر تحقیقات کرنا شروع کر دیں اور کچھ عرصہ میں ہی ان پر ثابت ہو گیا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔

میرے والد صاحب نے اس نام نہاد خلیفہ کو ایک خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ وہ ان الزامات کی تکذیب کرے یا اپنی بدکاریوں کا کوئی شرعی جواز پیش کرے یا پھر خلافت سے معزول ہو جائے۔ اس خط

کا خلیفہ نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن دو مزید خطوط کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ شیخ عبدالرحمان مصری (یعنی میرے والد صاحب) اور ان کے خاندان کے سب افراد کو جماعت سے خارج کر کے ان کا مقاطعہ کیا جاتا ہے۔ میرے والد صاحب کے یہ تینوں خطوط اس زمانہ میں چھپ گئے تھے۔

اس قسم کے مقاطعہ کے اصل ہتھکنڈے یہ ہوتے تھے کہ کسی شخص یا خاندان کا کلیتاً بائیکاٹ کر کے اس کا ”حقہ پانی“ بند کر دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہمارے خاندان کی جانیں اتنے خطرہ میں تھیں کہ حکومت کو ہماری حفاظت کے لیے فوجی پولیس کے دستے متعین کرنا پڑے جو 24 گھنٹے ہمارے مکان کے گرد پہرہ دیتے تھے۔ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر پولیس کی نگرانی کے گھر سے جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن باوجود اس قسم کی حفاظتی پیش بندیوں کے، مجھ پر اور میرے دو ساتھیوں پر قادیان کے بڑے بازار میں دن دھاڑے حملہ ہو گیا۔ میرے ایک سن رسیدہ ساتھی کو چاقو کا گھاؤ لگا، جس سے وہ جاں بحق ہو گئے۔ دوسرے ساتھی کو گردن اور کندھے پر چاقو سے زخم آئے اور انھیں کافی عرصہ ہسپتال میں رہنا پڑا۔ مجھے پروردگار نے اس طرح بچا لیا کہ میرے ہاتھ میں ایک پہاڑی ڈنڈا تھا، جو میں حملہ آور کی کھوپڑی میں اتنے زور سے مارنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ اس زخمی حملہ آور کو اس کے شرکائے جرم سہارا دے کر آناً فاناً غائب ہو گئے اور اسے ایک ایسی پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا جو پہلے سے معین کر رکھی تھی، لیکن پولیس اس کے سر سے ٹپکے ہوئے خون کے قطرات دیکھ کر وہاں پہنچ گئی اور اسے گرفتار کر لیا۔ عدالت عالیہ میں اس کا جرم ثابت ہوا اور اسے پھانسی دی گئی۔ اس زمانہ کی قادیانی ”ریاست“ میں امن و قانون کی اتنی برملا تحقیر کی گئی کہ قاتل کی میت کا جلوس دھوم دھام سے نکالا گیا اور خلیفہ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، جو قادیانی مریدوں کی نظر میں بہت بڑی عزت افزائی سمجھی جاتی تھی۔

اس حادثہ کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعت ”مجلس احرار الاسلام“ نے ہماری حفاظت کے لیے رضا کاروں کے جتھے بھیجنا شروع کر دیے، جو فوجی پولیس کے علاوہ تھے۔ ان رضا کاروں نے ہمارے بنگلے کے گرد میدان میں خیمے نصب کر دیے اور ہمارا گھر ایک محصور قلعہ کی طرح بن گیا۔ اس اثناء میں مرزائی ٹولے نے میرے والد صاحب کو جعلی مقدمات میں الجھانا شروع کر دیا، تاکہ جماعت میں ان کی ساکھ اُٹھ جائے، نیز یہ کہ ان پر مالی بوجھ پڑے۔ الغرض وہ تمام کمینی چالیں چلی گئیں، جن سے ان کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ اپنے گیارہ بچوں پر مشتمل کنبے کی پرورش کے لیے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انھیں خاندانی زیورات اور گھر کے ساز و سامان بیچ بیچ کر گزارا کرنا پڑا۔ ان آفات انگیز حالات کا سب سے بڑا سانحہ یہ تھا کہ اس دوران خاندان کے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں خلل پڑ گیا۔ ہم اس حملہ اور دیگر زیادتیوں کے حالات ہندوستان کے اخبارات میں باقاعدہ بھیجتے رہتے تھے۔

ہمارے خاندان کو سرکاری افسران اور بہت سے مخلص دوست احباب کی طرف سے بھی یہ

ترغیب دی جا رہی تھی کہ ہم قادیان سے نقل مکانی کر لیں اور ہم طوعاً و کرہاً لاہور منتقل ہو گئے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، میرا ایمان بحیثیت مجموعی ہر مذہب سے اٹھ چکا تھا، اس لیے میں نے اپنے آپ کو ان بندھنوں سے آزاد رکھا۔ زندگی کے اس دور میں میرا تعلق مجلس احرار الاسلام کے سرکردہ احباب سے بڑھنا شروع ہو گیا، جو میرے لیے بہت روح افزا ثابت ہوا۔ ان بزرگوں میں سے بعض کے نام درج کرنا ضروری محسوس کرتا ہوں۔ مثلاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب، مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی، چوہدری افضل حق صاحب، مولانا مظہر علی صاحب اظہر وغیرہ۔ ان سب کو قریب سے دیکھنے پر احساس ہوا کہ یہ لوگ نیک سیرت مسلمان اور پر خلوص دوست ہیں۔

گو میرے والد صاحب نے میری دہریت کو ظاہراً تسلیم و رضا کے ساتھ قبول کر لیا تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ دل میں یہ صدمہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے بہت دعائیں کرتے ہیں اور مجھے بھی نصیحت کرتے رہتے تھے کہ میں دعاؤں کے ذریعہ اللہ سے ہدایت کا طالب ہوں۔ اس کا جواب میں یہ دیا کرتا تھا کہ آپ مجھ سے ایک ایسی ہستی سے دعا کرنے کو کہہ رہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں۔ ایک عرصہ کے بحث و مباحثہ کے بعد انھوں نے یہ مشورہ دینا شروع کیا کہ میں اپنی دعاؤں کو مشروطی رنگ میں کیا کروں۔ اور میں نے اس قسم کے اناپ شناپ الفاظ میں دعائیں کرنا شروع کر دیں، ”یا اللہ! مجھے یقین ہے کہ تیری کوئی ہستی نہیں، لیکن اگر تیری ہستی ہے تو اس کی کوئی علامت مجھ پر ظاہر کر، ورنہ مجھے قابل الزام و ملامت نہ ٹھہرانا کہ میں تجھ پر ایمان نہ لایا“ وغیرہ وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راسخ العقیدہ مومنوں کی نظر میں اس قسم کی دعا کلمہ کفر کے مترادف ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان پاک میں بے ادبی ہے، لیکن اس کے باوجود میری اس طرح کی دعائیں میرے لیے ایسی کارگر ثابت ہوئیں کہ ایک سال کے عرصہ میں ہی ان کے روحانی نتائج نکل آئے۔ مجھے تواتر کے ساتھ دو خواب دکھائے گئے۔ چونکہ، وہ خواب شخصی اور نفسیاتی کیفیت کے ہیں، اس لیے ان کے بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ یہ خواب، خصوصاً دوسرا خواب بہت لمبا، آسانی سے سمجھ میں آنے والا اور مربوط تھا۔ ایسا کہ مجھ ایسے گنہگار کے لیے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یہاں پر اتنا بتا دینا مناسب ہوگا کہ دوسرے خواب کے آخری لمحات میں مجھے مرزائی خلیفہ کا چہرہ دکھایا گیا جو بھیانک طور پر سیاہ فام اور فسق و فجور سے مسخ شدہ تھا۔

ان خوابوں کے بعد میرے دل و دماغ سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی کتاب زندگی کا نیا ورق الٹا کر باضابطہ اسلام قبول کر لوں، چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجھے اپنے ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب کے ہاں مہرولی لے گئے۔ مہرولی، دہلی سے چند میل پر وہ قصبہ ہے جہاں مولانا محمد الیاس صاحب نے تبلیغی جماعت کی بنا ڈالی تھی۔ اس طرح 1940ء میں، میں مولانا محمد الیاس صاحب جیسے

بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہوا۔ اس مبارک موقع پر یہ حسن اتفاق تھا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی موجود تھے۔ مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد مولانا محمد الیاس صاحب اور چالیس 40 کے قریب معتقدین نے میرے حق میں دعا کی۔

1941ء میں، میں مشرقی افریقہ ہجرت کر گیا۔ ہندوستان کو خیرباد کہتے ہوئے میرے احساسات مسرت والم کا مرکب تھے۔ بمبئی کی بندرگاہ میں جہاز کے عرشہ پر کھڑے زیرلب میں قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا ''اور تمھارے پاس کیا عذر برات ہے کہ تم ان ضعیف و بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی مدد کے لیے اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے، جو آہ و زاری سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نجات دلوا، جس کے باشندے ظالم ہیں۔'' (سورۃ النساء: 75)

افریقہ میں بیس سال کی سکونت کے بعد میں نے 1961ء میں انگلینڈ ہجرت کر لی، جہاں پہلے 4 برس کے قریب، بطور طالب علم، اپنی تعلیمی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے بعد ''اسلامک ریویو'' رسالہ کا بالاشتراک ایڈیٹر بن گیا اور 1964ء میں شاہ جہان مسجد ووکنگ کا سب سے پہلا مسلمان امام مقرر کیا گیا۔ یہ مسجد برطانیہ میں سب سے پہلی مسجد تھی اور اس زمانہ میں سارے یورپ کے اسلامی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ پانچ سال کی امامت کے بعد 1968ء میں مستعفی ہو کر بذریعہ کار قریباً 43 ممالک کا تین برس تک دورہ کرتا رہا، جن میں زیادہ تر اسلامی ممالک تھے۔ اس دورہ کا اصل مقصد اپنی ایک دیرینہ خواہش کو پورا کرنا تھا کہ بلاتوسط، بچشم خود مطالعہ کروں کہ اسلامی دنیا میں، عوام الناس کس طرح اسلامی قدروں کو عملی طور پر نبھا رہے ہیں۔ میری ہنگامی اور نزاعی زندگی میں خدا نے جو سب سے زیادہ مسرت بخش اسلام کی خدمت کرنے کی مجھے توفیق دی، وہ یہ تھی کہ ووکنگ مسجد کی امامت سے مستعفی ہونے سے قبل ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس مسجد اور مرکز میں اب کبھی بھی کسی مرزائی امام کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

چونکہ میرے الزامات اخلاقی خباثت اور جنسی گناہ ہائے کبیرہ کو فاش کرنے سے متعلق ہیں، جن میں اس قسم کی کریہہ باتیں بھی کہنا پڑیں گی جن کا ذکر عام طور پر شریف معاشرے میں نہیں کیا جاتا۔ اس لیے اس کی توضیح کر دینا ضروری ہے کہ کن وجوہات کی بناء پر میں اس قسم کی شرمناک باتوں کو قلمبند کرنا محض بجا ہی نہیں بلکہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

عام طور پر کسی ایک فرد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے فرد پر ناقد بن کر بیٹھ جائے لیکن جب کوئی شخص کسی اہم اور اخلاقی ذمہ داری کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے تو اس کی انفرادیت ادارہ کا جزو بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے انفرادی اختیارات وحقوق، ادارہ کے حقوق واختیارات میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مہذب معاشرہ میں ڈاکٹر، مدارس کے معلمین، محتاجین کے اداروں اور یتیم خانوں

کے کارکنان، غرضیکہ ہر اس قسم کے کارندوں پر سرکاری قوانین کے علاوہ اخلاقیات اور نیک چلنی کے قواعد کی پابندی بھی عائد ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاشرے میں مذہبی ڈھونگئے اور جعلساز اخلاقی قواعد کی پابندی سے آزاد رہتے ہوئے سادہ لوح اور کم عقل لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے مذہبی ڈھونگیوں پر اخلاقی پابندیاں اس لیے عائد کرنا مشکل ہوتی ہیں کہ دینوی حکومتیں مذہبی معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتیں۔ وہ اسی میں عافیت سمجھتی ہیں کہ اخلاقی نظم و نسق کی پابندی مذہبی اداروں پر ہی چھوڑ دو۔ اس طرح مذہبی اداروں پر تنقیدی نظر رکھنا معاشرے کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

ان کریہہ باتوں کے بیان کرنے کی دوسری وجہ معقول یہ ہے کہ قادیانی جماعت کے سرکردہ گروہ نے جو جنسی اور اخلاقی قواعد کی خلاف ورزی شروع کی ہوئی ہے، وہ انفرادی یا شخصی حیثیت سے نہیں کی جا رہی بلکہ ان بداعمالیوں کو ایک جتھہ بندی اور تنظیم کا روپ دے دیا گیا ہے اور طرہ یہ کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلانا چھوڑ کر ایک نئے مذہب کا اعلان کر دیں اور اپنی جماعت کا نام ”احمدی“ کی بجائے کوئی بھی اور غیر مسلم نام رکھ لیں تو مسلمان ان سے مذہبی معاملات میں الجھنا بند کر دیں گے۔

میرے الزامات قادیانی جماعت کے ہر شخص کے خلاف نہیں، اس جماعت میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں، جو دیانت داری اور اخلاص سے قادیانی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ عقائد غلط اور غیر اسلامی ہیں۔ ہم مذہبی عقائد میں اختلافات کی بناء پر کسی سے مار پیٹ نہیں شروع کر دیتے لیکن جب کوئی منظم گروہ مذہب وعقائد کے روپ میں معاشرہ کے طریقہ ماند و بود میں تخریب پیدا کرنا شروع کر دے، تب ہی عوام الناس اس تخریب کی روک تھام کے لیے ایستادہ ہوتے ہیں۔ اگر بنی نوع انسان میں اس قسم کے ناخلف اور بے غیرت لوگ موجود ہیں، جو اپنی محرم بہو بیٹیوں اور نوعمر بیٹوں کی آبرو اور عصمت کو اپنے بدچلن پیروں کی پرجوش عقیدت پر قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں تو ایسے بھیڑیوں کو کون بچا سکتا ہے۔ بحث طلب مسئلہ تو آبرو دار معاشرے کے لیے ہے جس میں سادہ لوح انسان نادانستہ اس قسم کے دھوکوں کا شکار ہونے لگیں۔ ایسی حالت میں معاشرہ کو اختیار ہو جاتا ہے کہ وہ شرفاء کو مار آستین سے خبردار کریں۔

”میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں جھوٹا بیان دوں، تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور میں ایک سال کے عرصہ میں مر جاؤں کہ

(الف) مرزا طاہر احمد (چوتھا قادیانی خلیفہ) کا والد مرزا بشیر الدین محمود احمد (جو بانی سلسلہ احمدیہ، مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا اور قادیانی جماعت کا خلیفہ ثانی تھا) بدکار تھا، اور منکوحہ و غیر منکوحہ عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کا عادی تھا، حتیٰ کہ خاندان کی ان عورتوں کے

ساتھ بھی زنا کیا کرتا تھا جن کو نہ صرف اسلامی شریعت نے، بلکہ سب الہامی مذاہب نے محرمات قرار دیا ہے۔

(ب) مرزا طاہر احمد کا پدری چچا مرزا بشیر احمد (جو مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں دوسرے نمبر کا بیٹا تھا اور جسے قادیانی ''قمر الانبیاء'' کہتے ہیں) لواطت کا عادی تھا اور بالخصوص، اسے نوعمر لڑکوں سے بدفعلی کی بہت عادت تھی۔

(ج) مرزا طاہر احمد کا پدری چچا مرزا شریف احمد (جو مرزا غلام احمد کے تین بیٹوں میں تیسرے نمبر کا بیٹا تھا) لواطت کا عادی تھا اور مرزا بشیر احمد کی طرح اسے بھی نوعمر لڑکوں سے بدفعلی کی بہت عادت تھی۔

(د) مرزا طاہر احمد کا بڑا بھائی مرزا ناصر احمد (پسر مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی، مرزا غلام احمد کا پوتا اور قادیانی جماعت کا خلیفہ ثالث) زانی ہونے کے علاوہ لواطت بھی کیا کرتا تھا۔

(ر) مرزا طاہر احمد کی دادی کا بھائی (یعنی مرزا غلام احمد کی بیوی کا بھائی) میر اسحاق قادیانی جماعت کے نظام میں ایک بلند اور باعزت حیثیت رکھتا تھا اور محدث کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا۔ وہ بھی لواطت کا عادی تھا۔ قادیان کے یتیم خانہ کے محاسب ہونے کی حیثیت میں بیچارے کم سن یتیم بچے اس کی برگشتہ خواہشات شہوانی کے شکار ہوا کرتے تھے۔

اگر میں چاہوں تو بہت سے ایسے ناموں کی فہرست لکھ سکتا ہوں جو قادیانی نظام میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے اور جو اپنے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر اپنی شہوانی برگشتیوں میں اخلاقی پابندیوں سے آزاد تھے، لیکن ان فحش باتوں کی زیادہ تفاصیل لکھنے کی ضرورت نہیں۔

برایں حال، میں نے مذکور بالا الزامات کو صرف مرزا خاندان تک ہی محدود رکھا ہے، تاکہ اس تنقیح طلب امر میں کسی غلط فہمی کا امکان نہ رہ جائے اور آپ کو اس مباہلہ کے ضابطہ سے کوئی راہ فرار نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا خاندان سے بھی دوسری اور تیسری نسلوں کے کسی فرد کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا۔ اس خاندان کی خواتین کے نام شامل نہ کرنے کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ ان پر ترس آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان خواتین میں بعض ایسی بھی تھیں، جنھوں نے اس قسم کی مذموم حرکات میں اپنی رضامندی سے حصہ لیا، لیکن ان میں بہت سی ایسی بھی تھیں جو قصوروار نہ تھیں اور اس دام فریب میں مجبوراً پھنسی ہوئی تھیں، ان کے لیے اپنے مردوں سے تعاون کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، ان کی حالت تنقید کی بجائے رحم کی مستحق تھی۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو ایک مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں، اس توقع پر کہ مسلم اکابرین اور اسلامی حکومتوں کے سربراہ ان خیالات اور جذبات کو کماحقہ، اہمیت دیں گے۔ میرے یہ تاثرات قادیانیوں کے ساتھ عمر بھر کی آویزش اور تجربات پر مبنی ہیں۔ مرزائیت کے عقائد اور فرقہ بندیوں

میں اب اسلام کے لیے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اس مذہبی فریب کا بھونڈا چہرہ مدت سے بے نقاب ہو چکا ہے۔ اسلام میں بطور دین حق کے، پوری صلاحیت ہے کہ اس قسم کی غیر شرعی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے لیکن مرزائیت کی طرف سے اب ایک نئے قسم کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ قادیانی ٹولے نے اب بین الاقوامی سیاست میں بھی ناٹک کھیلنا شروع کر دیا ہے اور دشمنان اسلام کے پاس چوری چھپے اپنی خدمات بیچنا شروع کر دی ہیں۔ جاسوسی کا پیشہ، ہمیشہ پر منفعت ہوتا ہے، لیکن جب غیر ممالک میں جاسوسی کے اڈے مذہب کے نام پر تبلیغی مراکز کے بھیس میں کھولے جائیں تو یہ کمائی سود مند ہونے کے ساتھ خطرہ سے آزاد اور آسان بھی ہو جاتی ہے۔ غیر مسلموں کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ ہماری طرف سے مرزائیت کی مخالفت محض مذہبی تعصب کی بنا پر ہو رہی ہے، وہ یہ حقیقت نہیں سمجھ پاتے کہ عقائد کے اختلافات کے علاوہ قادیانی منڈلی کو اسلام دشمن قوموں نے خرید رکھا ہے اور انھیں اسلامی ممالک میں اپنے سیاسی اور اقتصادی فوائد کو فروغ دینے کے لیے شریک کار بنا رکھا ہے۔ ان سب ملاحظات کے علاوہ مرزائیت کی مخالفت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم شرفاء کے دلوں میں یہ تشویش رہتی ہے کہ قادیانی معاشرہ کا زندانہ رنگ، کہیں ان کے اپنے نوجوانوں پر نہ چڑھ جائے اور ان کی اخلاقی قدروں کو گھن نہ لگا دے۔

◆ … ◆ … ◆

ملک محمد جعفر خان

ڈھول کا پول

ملک محمد جعفر خاں اٹک کے رہنے والے تھے۔ قادیانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ 1970ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ضلع راولپنڈی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پڑھے لکھے، زیرک، سمجھدار اور معاملہ فہم تھے۔ انھوں نے "تحریک احمدیہ" نامی ایک کتاب لکھی جو قادیانیت زدہ افراد کو سمجھانے کے لیے ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس کے اوّل میں اپنے ایک عزیز کے نام خط لکھا جس کا ایک ایک لفظ درد سے بھرا ہوا ہے۔ کتاب کے بعض مقامات پر ان کی رائے انفرادیت کی حامل ہے۔ تاہم بہت ہی عمدہ تصنیف ہے، جو پڑھے لکھے لوگوں کو متاثر کر سکتی ہے۔

اکثر لوگ مذہب کے معاملے میں دین آباء کی پیروی کرنا ایک فطری امر تصور کرتے ہیں اور مختلف مذاہب کی نسبت تحقیق اور باہم موازنہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ عادتاً میں بھی اس اکثریت سے مختلف نہیں ہوں لیکن پاکستان اور بالخصوص پنجاب کے حالات نے مجھے احمدیت کے بارے میں تحقیقی مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس مطالعہ کے بعد جماعت احمدیہ کے نظریہ نبوت اور دیگر متعلقہ امور کے بارے میں جو نتائج، میں نے اخذ کیے ہیں، وہ میں پیش کر رہا ہوں۔

میرے خیال میں سب سے معقول چیز جو احمدیت کی نسبت لکھی گئی ہے، وہ علامہ اقبالؒ کے وہ مضامین اور خطوط ہیں، جو انھوں نے عرصہ ہوا پنڈت نہرو کے ساتھ ایک سیاسی نوعیت کی بحث کے دوران لکھے تھے۔ ان مضامین کا اردو ترجمہ ایک مختصر رسالہ کی صورت میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

جن بہت سی وجوہ نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے، ان میں سے ایک احمدیہ جماعت کے مولویوں کی قابل رحم حالت ہے۔ مولویوں سے یہاں میری مراد جماعت کے تنخواہ دار مبلغ اور کارکن ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے اس دعویٰ کی خود مولویوں کی طرف سے نہایت شدت سے تردید کی جائے گی، لیکن میں اپنے ذاتی علم اور ان ذرائع کی بنا پر جنھیں باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، کہتا ہوں کہ اس وقت جماعت احمدیہ کے تنخواہ دار مبلغوں اور کارکنوں کی اکثریت منافقت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور یہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ منافقت سے میری مراد مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی کی نسبت ان لوگوں کے

اعتقاد کی کیفیت نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بارے میں ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر اس وقت امام اور جماعت کی تنظیم سے متنفر ہیں۔ لیکن معاشی احتیاج اور بے بسی کی وجہ سے جماعت میں شامل رہنے پر مجبور ہیں۔ معاش کے لحاظ سے بھی ان کا حال حد درجہ زبوں ہے۔

تنخواہیں بہت تھوڑی ہیں۔ ان میں سے بھی کئی قسم کے چندوں کی کٹوتی ہو جاتی ہے اور آخر میں صرف اتنا دیا جاتا ہے جس سے جسم و جان کا رشتہ بہ مشکل قائم رکھا جا سکے (نظارتوں کے چند اعلیٰ عہدیدار اس صورت سے مستثنٰی ہیں لیکن یہ خوش بخت لوگ زیادہ تر مرزا صاحب کے خاندان سے متعلق ہیں) لیکن معاشی بدحالی کے باوجود جماعت کے یہ کارکن سلسلہ سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی متبادل ذریعہ معاش نہیں۔

اس وقت احمدیہ جماعت کی بنیاد مذہبی عقائد کے بجائے ایک خاص تنظیم پر ہے۔ اس تنظیم کے بندھن اس قدر سخت اور پیچ در پیچ ہیں کہ ان کو توڑنا ایک بہت بڑی جرأت چاہتا ہے، جس کا اہل ہر شخص نہیں ہو سکتا۔ جماعت کی تنظیمی صورت موجودہ حالت تک کس طرح پہنچی، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصر یہ کہ جماعت کی موجودہ تنظیم زیادہ تر موجودہ امام صاحب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل کے وقت میں ہی دو مختلف رجحانات کے گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو مرزا صاحب کے مشن کے علمی پہلو سے متاثر تھے، لیکن ان کی ذات اور خاندان سے وہ والہانہ عقیدت نہ رکھتے تھے، جو عام طور پر مریدوں کو روحانی پیشواؤں سے ہوتی ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ پیر پرست قسم کے لوگوں کا تھا۔ مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر موخر الذکر گروہ کی امامت موجودہ خلیفہ صاحب نے سنبھالی۔ جو سبق انھوں نے پیغامیوں کی علیحدگی سے اخذ کیا، وہ یہ تھا کہ اب جماعت کو ایسے خطوط پر منظم کیا جائے کہ مزید انتشار اور بغاوت کے امکانات کم سے کم رہ جائیں۔ شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنی خلافت سنبھالتے ہی مرزا محمود احمد صاحب نے وہ کام شروع کر دیا، جس کا نتیجہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مرزا غلام احمد کی تعلیمات میں دونوں طرح کا مواد موجود تھا۔ اس کا ایک حصہ وہ تھا جس سے مرزا صاحب کی حیثیت محض ایک مجدد اور مصلح کی ثابت ہوتی تھی اور دوسرا وہ جس میں انھوں نے اپنے آپ کو ایک حقیقی نبی کے طور پر پیش کیا تھا۔ جماعت کے دو گروہوں نے اپنی اپنی مصلحتوں کی بنا پر ان تعلیمات کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ مرزا محمود احمد صاحب کے مقصد کے لیے دوسرا حصہ مفید تھا، اس لیے انھوں نے اسی پر زور دیا اور مرزا غلام احمد صاحب کے دعوٰی نبوت کی بنیاد پر موجودہ خلیفہ صاحب نے ایسے احکام جاری کیے جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اس وقت معاشرتی لحاظ سے جماعت احمدیہ کا دیگر مسلمانوں سے بہت کم اشتراک رہ گیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم معاملہ نکاح کا ہے۔

احمدیوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ازدواجی تعلقات صرف اپنی جماعت کے اندر ہی محدود رکھیں۔ چنانچہ اس کی ابتدا اس حکم سے کی گئی کہ احمدی عورتیں غیر احمدی مردوں سے نکاح نہ کریں لیکن مرد غیر احمدی عورتوں کو اپنے نکاح میں لا سکتے ہیں۔

ممکن ہے اس میں خلیفہ صاحب کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہو کہ احمدیوں کو اپنی غیر احمدی برادریوں سے جدا کرنے کا عمل تدریجی طور پر مکمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ عرصہ یہ صورت جاری رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی قابل نکاح عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، جن کے لیے جماعت کے اندر رشتہ ملنا مشکل تھا۔ اس پر یہ حکم دیا گیا کہ اب غیر احمدی عورتوں سے نکاح کرنا بھی منع ہے۔ الغرض بہت عرصہ سے ان دونوں احکام پر بڑی سختی سے عمل ہو رہا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں مقاطعہ اور اخراج کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جماعت کی بنیاد بتدریج عقیدہ کی بجائے نسل پر قائم ہو رہی ہے۔

اب نماز اور جنازہ کے سوال کو لو۔ احمدی کسی غیر احمدی امام الصلوٰۃ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ اس پابندی پر بھی انتہائی شدت سے عمل ہے۔ کسی احمدی کے لیے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔ تم جانتے ہو کہ بہت سے احمدی نوجوان باقاعدہ نماز نہیں پڑھتے، بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل نہیں پڑھتے۔ یہ سب لوگ جماعت کے لیے قابل برداشت ہیں۔ کم از کم میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی شخص کو نماز ترک کرنے کی وجہ سے جماعت سے نکال دیا گیا ہو لیکن اگر کسی کے متعلق یہ اطلاع آ جائے کہ اس نے غیر احمدیوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس شخص کو فوراً جماعت سے خارج قرار دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ اس کے لیے کسی باقاعدہ اعلان کی ضرورت ہی نہ ہو گی۔ اس شخص کا یہ فعل ہی جماعت سے قطع تعلق کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ یہی صورت جنازہ کی ہے۔ احمدیوں کے لیے دوسرے مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنا منع ہے۔ اس ممانعت میں نیک، بد، موافق، مخالف سب شامل ہیں۔

ان احکام پر گزشتہ تقریباً نصف صدی سے عمل ہو رہا ہے اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت احمدیت مذہب کم ہے اور جماعت زیادہ ہے اور میرے کام میں جو اس وقت پیش نظر ہے، یہی سب سے بڑی دشواری ہے۔ اس وقت ایک احمدی کے لیے اپنے عقائد چھوڑ دینا آسان ہے، لیکن جماعت چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ جماعت چھوڑنے کے معنی خاندان، برادری اور قوم کو چھوڑنا ہے۔ اپنی مثال ہی لے لو۔ تمہارے والد صاحب احمدی ہیں، بھائی احمدی ہیں، بیوی احمدی ہے، بیوی کے رشتہ دار احمدی ہیں۔ (شکر ہے خلیفہ صاحب کی پالیسی کے باوجود، دوست احمدیوں سے باہر بھی ہیں) اور آگے ان رشتہ داروں کے رشتہ دار احمدی ہیں۔ اگر تم احمدیت چھوڑ دو تو ان کا ردعمل کیا ہو گا؟ یہ میں بتا سکتا ہوں۔ بعض کو تو تم سے فوراً نفرت ہو جائے گی اور تعلق منقطع کر لیں گے اور دوسرے قطع تعلق پر مجبور کیے جائیں گے، یا مجبور ہو جائیں

گے۔ ان میں سے اگر کوئی تمھیں ملنا بھی چاہے گا تو جرأت نہ کرے گا، اس خوف سے کہ کہیں دوسرا احمدی دیکھ نہ لے اور اس طرح اس کا اخلاص مشتبہ نہ ہو جائے۔ یہ تو تمھارے حالات ہیں۔ کئی دوسرے لوگ ہیں جن کی مجبوریاں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ مثلاً بہت سے ہیں جن کے ربوہ میں مکانات ہیں، کئی ایسے ہیں جن کے رشتہ دار انجمن کے ملازم ہیں۔ حقیقت میں یہ مرکز میں مکان بنانے کی تحریک بھی خلیفہ صاحب نے جماعت پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے جاری کی تھی۔ قادیان میں مکان بنانے کی خاص طور پر ترغیب دی جاتی تھی۔ اس ترغیب کا کامیاب ہونا آسان بھی تھا۔ مرزا محمود احمد صاحب کی علیحدگی پسند پالیسی نے احمدیوں کے لیے دیہاتی برادری کے قدیم رشتے کمزور کر دیے تھے اور وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہ چاہتے تھے کہ اپنی نئی برادری میں جا کر آباد ہوں۔ پھر مرزا صاحب کی پیش گوئی تھی کہ قادیان کا شہر پھیل کر بیاس تک پہنچے گا۔ اس پیش گوئی کو بھی پورا کرنا تھا۔ اس لیے احمدیوں کی عام خواہش یہ ہوتی تھی کہ کاروبار کی مصیبتوں سے فارغ ہونے کے بعد "دیار مسیح" میں جا کر آباد ہوں۔ (شکر ہے ہمارے بزرگوار...... کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی، ورنہ ہمیں دو دفعہ ہجرت سے دوچار ہونا پڑتا)۔

بہرحال ابھی قادیان بیاس سے "کچھ" ادھر ہی تھا کہ ملک تقسیم ہو گیا اور قادیان کی احمدی آبادی سمٹ کر مرزا صاحب کے آبائی محلے تک رہ گئی۔ مرزا محمود احمد صاحب، صاحب کشف ورؤیا "بزرگ" ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کشف کی رسائی ملک کی تقسیم کے واقعات تک نہ ہو سکی تھی اور انھوں نے ابھی قادیان چھوڑنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کیا تھا کہ چھوڑنا پڑ گیا۔ مرکز کا ہاتھ سے چلا جانا احمدیہ تحریک کے لیے ایک بہت خطرناک بات تھی۔ شروع میں انجمن کے دفاتر اور تعلیمی ادارے لاہور میں قائم کیے گئے۔ جہاں تک مکانات وغیرہ کی نسبت انجمن کی ضروریات تھیں، وہ غالباً لاہور اور اس کے مضافات میں پوری ہو سکتی تھیں۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے لاہور "روشنیوں کا شہر" ہے اور یہاں خلافتی ماحول پیدا نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے ایک الگ تھلگ مقام کی ضرورت تھی، چنانچہ جھنگ کے ضلع میں ایک نئی آبادی قائم کر لی گئی، جس کا نام عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے متعلق ایک قرآنی آیت کی مناسبت سے "ربوہ" رکھا گیا ہے۔ اب اس نئے قصبے کی وسعت اور آبادی کی نسبت پیش گوئیاں شروع ہو گئیں اور مخلصین کا فرض ہو گیا کہ ان پیش گوئیوں کو پورا کریں اور وہاں مکان بنائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اب ربوہ ایک خاصا آباد شہر ہے اور ظاہر ہے آبادی سب احمدیوں کی ہے۔ اب جن لوگوں نے یہاں مکان بنا لیے ہیں، ان کے لیے یہ ایک زائد مشکل ہے، جو ان کی آزادی سے مذہب کے بارے میں سوچنے میں حائل ہیں۔

لیکن ان تمام دقتوں کو جانتے ہوئے بھی، میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جس تحریک کی بنیاد غلط نظریات پر رکھی گئی ہو، اس کو عارضی طور پر تنظیمی پابندیوں سے قائم رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن بالآخر اس کا ختم ہو جانا مقدر ہے۔ ایک لحاظ سے یہ وقت میرے کام کے لیے سازگار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس

وقت جماعت کے نوجوانوں کا ایک خاصہ طبقہ بغاوت کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ کئی ماہ سے جماعت کے سرکاری آرگن "الفضل" نے اپنے کالم منافقین کے خلاف جہاد پر وقف کر رکھے ہیں اور جس جوش اور شدت سے یہ جہاد جاری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا محمود احمد صاحب کے لیے حالات کافی تشویش ناک ہو گئے ہیں۔ جو لوگ اس وقت براہ راست زیر عتاب ہیں، ان کے نام اخبار میں چھپے ہیں۔ ان کی تعداد کوئی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اور بہت سے لوگ ہیں جن کی وفاداری پر شبہ کیا جاتا ہے۔ میں ان منافقین کے موجودہ رویہ سے چنداں پر امید نہیں ہوں۔ (احمدیہ قیادت کی طرف سے ان اصحاب کے لیے منافق کی اصطلاح کا استعمال بھی ایک عجیب معاملہ ہے۔ یعنی جب تک کوئی شخص خلیفہ کے ہاتھ چومتا رہے، خواہ دل سے اسے برا ہی سمجھے، وہ مخلص اور مومن ہے، لیکن اگر اعتراض کا کلمہ زبان پر لے آئے تو بس منافق ہو گیا!)

ان لوگوں میں چند جماعت کے سابق مبلغ اور کارکن ہیں اور مولوی نور الدین صاحب کے دو بیٹے نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر اس بات پر خفا ہیں کہ موجودہ خلیفہ صاحب اپنی ذات اور خاندان کے اخراجات کے بارے میں (اگر اس کے لیے نرم سے نرم الفاظ استعمال کیے جائیں) اسراف سے کام لیتے ہیں اور دوسرا الزام یہ ہے کہ خلیفہ صاحب اس کوشش میں ہیں کہ ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا خلیفہ بنے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ اوّل کی اولاد کو خاص طور پر اس دوسرے الزام کی وجہ سے شکایت ہے۔ شاید ان کو خیال ہے کہ اب پھر ہمارے خاندان کو موقع ملنا چاہیے! لیکن میرے نزدیک ان لوگوں کے اعتراضات معقولیت پر مبنی نہیں۔ مرزا محمود احمد صاحب کی مسرفانہ زندگی اور ان کے خاندان کا اقتدار بلاشبہ قابل اعتراض باتیں ہیں لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ یہ صورت حال مرزا غلام احمد صاحب کی تعلیم کے خلاف پیدا ہوئی ہے یا اس پر عمل کرنے سے۔ میری رائے میں خاندانی اقتدار اور وجاہت قائم کرنا مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ایک لازمی جزو تھا۔

تنظیمی پابندی کے بعد میرے لیے ایک بڑی دقت تمھارے لیے احمدیہ عقائد کو غلط ثابت کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جانتے ہی نہیں کہ تمھارے عقائد کیا ہیں؟ اب جو چیز تمھیں معلوم ہی نہیں اس کا غلط ہونا کیسے ثابت کیا جائے؟ ایک زمانے میں احمدیوں کے متعلق مشہور تھا کہ یہ لوگ دوسرے مسلمانوں کی نسبت مذہبی علوم میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ بات ایک حد تک درست تھی۔ چونکہ یہ ایک نیا فرقہ تھا اور انھیں اکثر دوسرے فرقوں سے بحث کرنا پڑتی تھی، اس لیے مجبوراً کم از کم چند نزاعی امور سے انھیں واقفیت رکھنی ہوتی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد بحث کرنے کا کام تنخواہ دار مبلغین کے سپرد ہو گیا اور دوسرے احمدی اس ضرورت سے بے نیاز ہو گئے اور اب تو اس طرح کی مذہبی بحث کا طریقہ ہی متروک ہو رہا ہے۔ اس لیے اب صورت پہلے سے بالکل برعکس ہے۔ اب مولویوں کے طبقے سے باہر مذہب کے بارے میں احمدی نوجوان دوسرے مسلمانوں سے زیادہ بے علم ہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ علم کی جستجو "شک"

سے پیدا ہوتی ہے۔ شک کو وجود میں لانے کے لیے ایک طرح کی آزادی فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ احمدیت نے مذہبی معاملات میں اپنے پیروؤں کی آزادی فکر سلب کر لی ہے۔ یہ بات احمدیت سے خاص نہیں، جہاں بھی پیر پرستی ہوگی، وہاں یہی حال ہوگا اور احمدیت پیر پرستی کی معراج ہے۔

احمدیت کی بحث میں سب سے اہم موضوع ختم نبوت سمجھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس موضوع کا عقل کی قطعیت کے نظریے سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدارا احمدیت کے پرکھنے میں عقل سے کام لو۔ جس دلیل کو تمہاری عقل قبول نہ کرے، اسے رد کر دو۔ خواہ اس کی تائید میں کتنی ہی بڑی سند پیش کی جائے۔ یہ کہنے میں، میں نہ کوئی نئی بات کہہ رہا ہوں اور نہ کوئی ناجائز مطالبہ کر رہا ہوں۔ قرآن میں تقریباً تمام حقیقتوں کے بیان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ”تم تدبر کیوں نہیں کرتے؟ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟“ ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ سوائے اس یقین کے ممکن نہ تھا کہ عقل دینی اور دنیاوی تمام امور میں درست رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔

اگر ہم اس ایک بات پر متفق ہو جائیں کہ مذہبی نظریات میں عقلی استدلال اسی طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے، جس طرح کسی دیگر علمی شعبہ میں، تو میرا کام نہایت سہل ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں میرا مطالبہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو محض مسلمان فرض کرو۔ اس حادثہ کو ذہن سے نکال دو کہ تم ایک احمدی گھرانے میں پیدا ہوئے ہو۔ یہ فرض کرو کہ پہلی بار مرزا صاحب کے دعاوی تمہارے سامنے پیش کیے گئے ہیں اور تمھیں بطور ایک باشعور آزاد انسان کے مرزا صاحب کی صداقت کا فیصلہ کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو ان حالات میں رکھ کر سوچو تو ضرور درست نتیجے تک پہنچ جاؤ گے۔

یہاں سے تمھیں اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے جو میرے سامنے بار بار پیش کیا گیا ہے۔ میرے اکثر احمدی احباب کہتے ہیں کہ کیا تم ہی اتنے بڑے افلاطون آ گئے ہو۔ احمدیہ جماعت میں اتنے بڑے بڑے جج اور وکیل اور پروفیسر شامل ہیں، اگر احمدیت اتنی ہی بے بنیاد ہے تو ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔ حقیقتاً یہ سوال بڑا دلچسپ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع میرے یہ بزرگ عقلی ذرائع کی مخالفت میں بھی کسی پختہ بنیاد پر قائم نہیں ہیں۔ اگر دینی امور کی صداقت پرکھنے کے لیے عقل بے کار ذریعہ ہے تو ظاہر ہے کہ ان بڑے بڑے دانشوروں کا احمدیت قبول کرنا ایک غیر متعلق بات ہے۔ میرے خیال میں غالباً اس دلیل سے مراد یہ ہے کہ جب اتنے بڑے بڑے عقل مند لوگ دینی تحقیق میں عقل سے کام نہیں لیتے، تو تم کیوں خواہ مخواہ اس ذریعہ کے استعمال پر مصر ہو اور یہی بات حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ میرے لیے یہ لوگ باوجود اپنی علمی اور عقلی بزرگی کے کوئی سند نہیں ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ انھوں نے زندگی کو دو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مثلاً اگر یہ جج ہیں تو گواہ کی صداقت اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے لیے انھوں نے عقلی بنیادوں پر اصول قائم کیے ہوئے ہیں، جن سے وہ استفادہ کرتے ہیں

لیکن جب مرزا صاحب کا معاملہ درپیش ہو تو ان سب اصولوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور خواب، رؤیا، استخارہ اور وجدان پر انحصار کرتے ہیں۔ اور یہ ذرائع کسی قاعدے یا قانون کے پابند نہیں ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی خاص شخص کو وہ کس نتیجے پر پہنچائیں گے؟

ویسے یہ بات بجائے خود درست نہیں ہے کہ کئی اصحاب علم نے احمدیت قبول کر لی ہے۔ جن معروف شخصیتوں کا اس ضمن میں ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے بیشتر پیدائشی احمدی ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں تو صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ اب تک احمدیت پر کیوں قائم ہیں؟ اس کی وجوہ کی طرف میں ابھی اشارہ کر چکا ہوں۔ بہرحال یہ بات احمدیت قبول کرنے سے بالکل مختلف ہے۔

احمدیت کی تحقیق کے معاملے میں ہم خوش نصیب ہیں کہ اس دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے سوال یہ نہیں کہ مرزا صاحب نے ایک غلط دعویٰ کیوں کیا یا اس زمانے کے چند نیک اور عالم لوگ اس دعویٰ پر کیوں ایمان لے آئے؟

مرزا صاحب کے حالات کی روشنی میں ان کے الہامات اور دعاوی کا نفسیاتی تجزیہ یقیناً ایک دلچسپ اور خیال آفرین مطالعہ ہوگا۔ آج سے کوئی پچیس سال پہلے علامہ اقبال نے اس مطالعے کی اہمیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا:

> ”بانی احمدیت کے الہامات کی اگر دقیق النظری سے تحلیل کی جائے تو یہ ایک ایسا مؤثر طریقہ ہوگا، جس کے ذریعہ سے ہم اس کی شخصیت اور اندرونی زندگی کا تجزیہ کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں، میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مولوی منظور الٰہی نے بانی احمدیت کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا ہے، اس میں نفسیاتی تحقیق کے لیے متنوع اور مختلف مواد موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانی احمدیت کی سیرت اور شخصیت کی کنجی ہے اور مجھے امید ہے کہ کسی دن نفسیات جدید کا کوئی متعلم اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے گا۔ اگر وہ قرآن کو اپنا معیار قرار دے (اور چند وجوہ سے اس کو ایسا کرنا ہی پڑے گا، جن کی تشریح یہاں نہیں کی جا سکتی) اور اپنے مطالعہ کو بانی احمدیت اور ان کے ہم عصر غیر مسلم صوفیاء جیسے رام کرشنا بنگالی کے تجربوں تک پھیلائے تو اس کو اس تجربہ کی اصل ماہیت کے متعلق بڑی حیرت ہوگی جس کی بنا پر بانی احمدیت نے نبوت کا دعویٰ کیا۔“

ابھی تک کسی نفسیات کے متعلم نے یہ کام نہیں کیا لیکن احمدیت کی حقانیت کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اوّل یہ معلوم کیا جائے کہ کن خارجی اور داخلی مؤثرات کے تحت مرزا صاحب کی شخصیت اور ان کے دعاوی نے جنم لیا ہے۔ اگر یہ دعاوی فی الواقع غلط ہیں تو ہمارے لیے یہ کافی ہے۔

ہم اس لیے خوش نصیب ہیں کہ احمدیت کا عملی نمونہ ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ اب مرزا صاحب کی دعوت کے نتائج کے بارے میں قیاس پر انحصار کرنا ضروری نہیں ہے۔ مرزا صاحب کی بعثت پر تقریباً 80 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ تحریک اپنے اوائل سے گزر کر عروج پر پہنچی اور اب اس کے انحطاط کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اس لمبے عرصے میں جو نتائج پیدا ہونے تھے اور معاشرے پر اس تحریک نے جو اثرات ڈالنے تھے وہ عمل میں آ چکے ہیں۔ اس لیے ہمارے لیے مرزا صاحب کی تحریک کا محاکمہ نسبتاً آسان ہے۔

تم اس بات سے قیاس کرو کہ علامہ اقبال جیسی شخصیت ایک وقت میں احمدیت سے متاثر رہ چکی ہے۔ اگر اس بات کی ناقابل تردید شہادت موجود نہ ہوتی اور خود علامہ اقبال کا اپنا اعتراف نہ ہوتا تو میں کبھی باور نہ کرتا کہ "خطبات" کا مصنف "براہین احمدیہ" سے متاثر ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں احمدیوں سے میری گزارش ہے کہ اگر اقبال کی طرف سے احمدیت کی مخالفت آپ کے نزدیک کوئی سند نہیں تو ان کی اس جماعت کے متعلق اچھی رائے کیوں کر ایک اچھی دلیل ہو سکتی ہے اور "فدائیوں" سے یہ عرض کرنا ہے کہ اقبال کی عظمت اس میں نہیں کہ وہ احمدیت سے کبھی متاثر نہ ہوئے تھے بلکہ اس میں ہے کہ زیر اثر آنے کے بعد انھوں نے اس تحریک کا باطل ہونا معلوم کر لیا اور یہ بھی ان کی عظمت کا ایک پہلو ہے کہ انھوں نے اپنے سابق رجحان سے انکار نہیں کیا۔ 1935ء کے قریب جب علامہ کی توجہ ان کی ایک سابق تقریر کی طرف دلائی گئی، جس میں انھوں نے احمدیت کے بارے میں موافقانہ رائے کا اظہار کیا تھا تو آپ نے اس کی توضیح میں فرمایا:

> "جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تقریر میں نے 1911ء میں یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی۔ اس سے بہت پہلے مولوی چراغ علی مرحوم نے جو مسلمانوں میں کافی سربرآوردہ تھے اور انگریزی میں اسلام پر بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے، بانی تحریک کے ساتھ تعاون کیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ براہین احمدیہ میں انھوں نے بیش قیمت مدد بہم پہنچائی لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہوتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستے پر پڑ جائے گی...... درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول "ایمرسن" صرف

پھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے۔"

میری مراد یہ ہے کہ جب ڈاکٹر اقبال جیسا عظیم مفکر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا تو دوسرے لوگوں کا ایسا سمجھ لینا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ایک موقع پر انھوں نے احمدیہ تحریک کے اسباب کی نسبت اپنا خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

> "میرے خیال میں وہ تمام ایکٹر جنھوں نے احمدیت کے ڈرامے میں حصہ لیا ہے، زوال اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔"

ہندوستان کے جہالت و روایات زدہ ماحول میں تعجب اس بات پر نہیں کہ کیوں چند لوگوں نے مرزا صاحب کو مان لیا، بلکہ اس بات پر ہے کہ کیوں صرف چند نے ہی مانا اور ایک بھاری اکثریت نے مرزا صاحب کے دعوے کو رد کر دیا۔

اب اس دور سے لے کر اس وقت کی تاریخ پر غور کرو۔ ملک میں علمی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے اہم تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہم نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے۔ جہالت کی جگہ علم ہے، غلامی کی بجائے آزادی ہے اور معاشرے کی پہلے سے زیادہ مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر تنظیم کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس ترقی میں احمدیہ تحریک کس طرح اثر انداز ہوئی ہے؟ اگر تم انصاف کی نظر سے دیکھو تو اس سے اتفاق کرو گے کہ ترقی احمدیت کے سبب نہیں بلکہ اس کے باوجود ہوئی ہے۔ ان تمام شعبوں میں احمدیت نے ایک رجعت پسند (Reactionary) جماعت کا کردار ادا کیا ہے۔ یہاں انفرادی طور پر احمدیوں کے کردار سے بحث نہیں ہے بلکہ جماعت کی عمومی پالیسی اور مزاج زیر غور ہے۔ مثلاً سیاسی آزادی کو ہی لو۔ سب سے اہم بھی یہی ہے کیونکہ غیر ملکی استبداد سے رہائی حاصل کیے بغیر زندگی کے دیگر شعبوں میں کوئی قابل لحاظ ترقی ممکن نہ تھی۔ اس بات کے ثبوت کے لیے کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ احمدیہ پالیسی ہمیشہ آزادی کے خلاف رہی ہے اور اس پالیسی کے لیے مرزا محمود احمد صاحب ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ یہ مرزا غلام احمد صاحب کی تعلیم کا لازمی اور براہ راست نتیجہ ہے۔ ایک مخلص احمدی لازمی طور پر غلامی پسند ہو گا۔ اگر کسی احمدی نے آزادی کی تحریک میں حصہ لیا ہے (مجھے کسی ایسے صاحب کا علم نہیں) تو اس نے مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف چلتے ہوئے ایسا کیا ہو گا۔

فرض کرو ہندوستان کی سب آبادی احمدیت اختیار کر لیتی۔ (ایسا سوچنے میں کوئی عیب نہیں، کیونکہ اگر احمدیت خدا کی طرف سے ہے تو یہ بات نہایت مناسب تھی کہ سب لوگ اس میں داخل ہو جاتے) آزادی حاصل کرنا تو رہا ایک طرف، کیا اس صورت میں آزادی کی تحریک شروع بھی کی جا سکتی تھی؟

چلئے سیاسی آزادی کو چھوڑیے۔ اس راہ میں تو مرزا صاحب کے لیے کئی دقتیں تھیں۔ اگر خالص علمی اور وہ بھی اسلامی علوم کے شعبے کو لیا جائے تو تم دیکھو گے کہ مرزا صاحب نے اسلامی علوم کے احیاء اور

ترقی میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیا۔ ویسے کہنے کو مرزا صاحب نے پوری 84 کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ کم ہی مصنف اس تعداد کے نصف تک بھی پہنچے ہوں گے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ان کتب میں کون سا خیال یا پیغام پیش کیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب پہلے نبی ہیں جن کی پیغمبری پیغام سے خالی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب نے کچھ نئی باتیں ضرور لکھی ہیں اور بعض مسائل کے بیان میں ایک ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ایک خاص ذہنی رجحان کے لوگوں کے لیے اس میں کچھ کشش پیدا ہو گئی لیکن مجموعی طور پر اس دور کے دیگر مصنفین کے مقابلے میں مرزا صاحب کا کوئی مقام نہیں۔ اسکی وجہ مرزا صاحب کی علمی قابلیت کی کمی نہیں بلکہ مقصد کا فتور ہے۔ مرزا صاحب کا سارا مشن اپنی ذات اور خاندان تک محدود تھا اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس مشن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ ویسے انھوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، تقابل ادیان وغیرہ تقریباً ہر شعبے پر کچھ نہ کچھ (بلکہ بہت کچھ) لکھ دیا ہے لیکن ہر جگہ ایک ہی مقصد سامنے رکھا ہے۔ یعنی اپنی نبوت اور مجددیت کو ثابت کرنا۔

یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریر ایک طرح کی فنکارانہ صنعت سے خالی نہیں۔ مثلاً اکثر جگہ انھوں نے اپنے اصل مقصد کو عیاں نہیں ہونے دیا اور کسی قدر کامیابی سے یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ گویا اصل مقصد اسلام کی برتری ثابت کرنا ہے۔ مثال کے طور پر وفات مسیح کے مسئلہ کو لو۔ غالباً مرزا صاحب نے سب سے زیادہ اسی موضوع پر لکھا ہے۔ مرزا صاحب کے دعوے کے ثبوت کے لیے مسیح آسمان پر زندہ موجود ہو تو زمین میں مسیح کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہوتی، اس لیے مرزا صاحب کے لیے حیات مسیح کے عقیدہ کی تردید از حد لازمی تھی، لیکن جب تک اس ذاتی ضرورت کو قومی ضرورت کی صورت میں پیش نہ کیا جاتا، کام نہ چل سکتا تھا۔ یہ کام مرزا صاحب نے اس طرح کیا کہ نہایت شدت اور تکرار کے ساتھ مسلمانوں کو حیات مسیح کے عقیدہ سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ حیات مسیح کا عقیدہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ ہے، کیونکہ اس سے عیسائی یہ ثابت کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ، پیغمبر اسلام سے افضل ہیں بلکہ ایک طرح سے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اس سے ثابت ہوتی ہے۔ ممکن ہے بعض عیسائیوں کی طرف سے عامیانہ طور پر یہ دلیل پیش بھی کی جاتی ہو، لیکن فی الواقع حیات مسیح میں مسلمانوں کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہ تھا۔ اس کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اب بھی (عقیدتاً) حیات مسیح کی قائل ہے۔ لیکن اس وجہ سے اس نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار نہیں کی۔

اسی طرح اپنے الہامات کا جواز پیدا کرنے کے لیے مرزا صاحب نے یہ استدلال استعمال کیا کہ الہام کے اجراء سے انکار کی صورت میں خدائی صفات میں نقص واقع ہوتا ہے۔ اسلام کا خدا، زندہ خدا ہے۔ وہ جیسے پہلے کلام کرتا تھا، اب بھی کلام کرتا ہے۔ (گو زیادہ تر مرزا صاحب کے ساتھ کرتا ہے!)

اس محدود مقصد کی موجودگی میں مرزا صاحب کی تحریر میں کسی ارفع پیغام کی تلاش ہی عبث ہے۔

لیکن میری اس دلیل کو سمجھنے کے لیے مرزا صاحب کی چند کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس لیے میں تم سے سفارش کرتا ہوں کہ تم کم از کم دو تین کتابیں ضرور پڑھ لو۔ بالخصوص "حقیقتہ الوحی" ضرور پڑھو کیونکہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کی طرف سے اتمام حجت کے لیے اس کتاب کا شروع سے آخر تک پڑھ لینا کافی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے موقف کے اتمام حجت کے لیے بھی یہی کتاب کافی ہے۔ اس کے ساتھ تم مقابلے کی غرض سے مرزا صاحب کے ہم عصر علماء مثلاً سرسید، ابوالکلام آزاد، شبلی، حالی، وغیرہ کی کچھ تصانیف پڑھ لو۔ فرق اتنا نمایاں ہوگا کہ تم ایک ہی فیصلہ پر پہنچو گے کہ ان کے ہاں الہام کے بغیر وہ کام کیا گیا ہے جو صاحب الہام سے نہیں ہو سکا۔ اگر یہ سب اکابر احمدی ہو گئے ہوتے تو قوم کتنے بڑے علمی سرمائے سے محروم ہو جاتی۔ احمدیت کی صورت میں وہ ندرت خیال کہاں ممکن تھی، جو آزادی سے سوچنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد احمدیہ جماعت نے سیاسی لحاظ سے ایک نئے مسئلہ (Problem) کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جو بات مجھے پریشان کر رہی ہے اور جس کی طرف میں نہایت زور سے ملک کے ترقی پسند عناصر کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ملک کی احمدی آبادی اپنی جماعتی تنظیم کی وجہ سے جمہور کی آزادی میں شریک ہونے کے ناقابل ہے۔ بعض مبادیات ہیں جن کے بغیر عملاً جمہوریت کا کسی ملک میں نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ قوم کے افراد اس بات میں آزاد ہیں کہ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوں، جب چاہیں اس کو چھوڑ دیں، کوئی نئی پارٹی بنائیں یا کسی پارٹی میں شریک ہی نہ ہوں، بلکہ اپنی انفرادی آزادی کو مکمل طور پر قائم رکھیں اور نمائندہ اداروں کے انتخاب میں مختلف امیدواروں کی پالیسی اور کردار کو جانچ کر جس طرح چاہیں، اپنی رائے کا استعمال کریں۔ اس موقع پر میں جمہوری نظام میں پارٹی سسٹم کے فوائد اور نقصانات میں نہیں جانا چاہتا۔ موجودہ بحث سے یہ سوال غیر متعلق ہے۔ اس بارے میں جو صورت بھی اختیار کی جائے، جماعت احمدیہ کا طرز عمل جمہوریت کے اصول کے منافی ہے۔

احمدی، کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کے لیے آزاد نہیں ہیں۔ وہ تمام سیاسی امور میں اپنے مرکز کی ہدایات کے پابند ہیں۔ ملکی اداروں کے نمائندوں کے انتخاب میں احمدیہ جماعت کے افراد نہ تو شخصی رائے پر عمل کر سکتے ہیں اور نہ کسی سیاسی جماعت کی پالیسی سے متاثر ہو کر رائے دے سکتے ہیں بلکہ بحیثیت جماعت ایک پالیسی کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور سب احمدیوں کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اندرونی طور پر افراد کو جماعتی پالیسی متعین کرنے میں اپنی رائے کے اظہار کا اختیار دیا گیا ہے، لیکن یہ ایک بے معنی تکلف ہے۔ مرکز، مقامی جماعتوں کی رائے کا پابند نہیں ہے اور مرکز سے مراد کوئی منتخب شدہ ادارہ نہیں ہے، عملاً اس سے مراد خلیفہ کی ذات ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کو خدا مقرر کرتا ہے، اس لیے اسے

معزول کرنے یا اس کی پالیسی کا محاسبہ کرنے کا اختیار جماعت کو حاصل نہیں ہے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں خلیفہ کی رائے کے خلاف رائے دینا ایک غیر معقول بات ہے اور کسی مخلص احمدی سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔ یہ حالات اس جماعت کو جمہوری طرز حکومت کے عمل سے خارج کر دیتے ہیں۔

یہ ہیں وہ مقاصد جن کو سامنے رکھ کر میں نے یہ گزارشات پیش کی ہیں۔ علامہ اقبال کی، جس تحریر سے اوپر حوالے دیے گئے ہیں، اسی میں ایک جگہ موصوف نے امید ظاہر کی ہے کہ

"جمہوریت کی نئی روح ہندوستان میں پھیل رہی ہے۔ وہ یقیناً احمدیوں کی آنکھیں کھول دے گی اور انھیں یقین ہو جائے گا کہ ان کی دینیاتی ایجادات بالکل بے سود ہیں۔"

یہی میری بھی خواہش اور امید ہے۔ دیکھئے احمدی نوجوان کب آنکھیں کھولتے ہیں۔ تاریخ نے احمدیت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب اس تاریخی حقیقت کو قبول کر لیں۔

کچھ عرصہ ہوا علامہ اقبالؒ کی نسبت ایک لطیفہ پڑھنے میں آیا۔ وہ کہتے تھے اگر میں مسلمان نہ ہوتا اور قرآن کا ویسے ہی مطالعہ کرتا تو میں اس نتیجہ پر پہنچتا کہ یہ کتاب کسی عورت کی تصنیف ہے، جس نے مرد سے اپنی صنف کے غصب کردہ حقوق کا بدلہ لیا ہے۔

اس کے مقابلے میں جس شخص نے خود قرآن نہ پڑھا ہو اور قرآنی تعلیم کا اندازہ ہندو پاکستان اور بالخصوص پنجاب کی مسلمان عورتوں کی حالت سے لگائے، وہ علامہ اقبال کے قول کو ایک ایسا شاعرانہ مبالغہ خیال کرے گا، جس کو حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن اگر عورت کے حقوق کی نسبت اسلامی تعلیم کا خود قرآن سے مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ اقبال کی رائے حقیقت پر مبنی ہے اور فی الواقع قرآن اس بارے میں ایک انقلابی نظریہ پیش کرتا ہے۔

قرآن کے ذریعہ پہلی بار عورت کو مرد کے ساتھ برابر کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس وقت کے معاشرہ کے حالات کو دیکھا جائے اور یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اسلام سے قبل دنیا بھر میں عورت کی بطور انسان الگ حیثیت ہی تسلیم نہ کی جاتی تھی اور حقوق اور پھر مرد کے ساتھ برابر کے حقوق کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، تو ایک طرف تو اس نظریاتی انقلاب کی عظمت سامنے آ جائے گی، جو قرآن نے یہ کہہ کر پیش کیا:

"اور عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں ایسے ہی جیسے کہ مردوں کے عورتوں پر۔"

دوسرے یہ امر قرآن کے خدا کا کلام ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ کوئی سوشل مصلح اپنی عقل سے اس قسم کی تعلیم پیش کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکتا تھا۔

یہاں اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی مساوات کا تخیل محض

ایک نعرہ کی صورت میں پیش کرنا بے فائدہ بات ہے۔ اس طرح کی نعرہ بازی ہمیشہ سے دنیا میں جاری رہی ہے۔ لیکن عورت جوں کی توں مجبور ومحکوم رہی ہے۔ مرد نے عورت کو فرشتہ، دیوی، پھول، قوس قزح تو قرار دیا ہے، لیکن اس کے انسان ہونے سے انکار کیا ہے۔ قرآن کسی شاعر یا مصور کے فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس لیے اس نے اس طرح کے خوبصورت لیکن بے حقیقت الفاظ سے کام نہیں لیا۔ قرآن نے عورت کو مرد کی طرح انسان قرار دیا ہے اور محض اعلان اور نصیحت پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں دو بنیادی امور میں عورت کے حقوق مرد کے برابر کر دیے گئے ہیں۔ یہ دو امور وراثت اور ازدواجی تعلقات ہیں۔ معاشرے میں عورت کا مقام متعین کرنے کے لیے یہ دونوں امور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور زندگی کے دیگر تمام شعبے وراثت اور ازدواج کے قوانین سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان ان دو باتوں میں قرآنی قانون پر کاربند رہتے تو اس وقت معاشی اور سماجی امور میں عورت کو مرد کے برابر حقوق دلانے یا ان کی حفاظت کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ قرآنی احکام ان حقوق کے قائم کرنے اور انھیں برقرار رکھنے کے لیے کافی ضمانت ہیں اور دیگر کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

نکاح کی نسبت قرآنی نظریے اور دیگر مذاہب کے پیش کردہ نظریات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن، نکاح کو ازدواجی معاہدہ قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس بیشتر دیگر مذاہب نے ازدواجی تعلق کو ایک نیم مذہبی فریضہ کی شکل دے دی ہے۔

وفات مسیح جیسے مسائل کو تو انھوں نے اس قدر اہمیت دی کہ ان کی کتب میں سے شاید ہی کوئی کتاب اس بحث سے خالی ہو اور اس کے برعکس زندہ مسائل جن پر قومی ترقی وتنزل کا دار و مدار ہے، عام طور پر مرزا صاحب کی نظر التفات سے محروم ہی رہے۔ لیکن مرزا صاحب کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ہم عورتوں کے بارے میں ان کے اعتقادات کی نسبت کسی شبہ میں نہیں رہتے۔ یہ واقعہ ایک کم سن لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح کرنے کی ناکام کوشش سے متعلق ہے۔ محمدی بیگم کی نسبت مرزا صاحب کی پیش گوئی جماعت احمدیہ اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مستقل بحث کا موضوع ہے۔ میں چونکہ پیش گوئیوں کو کسی صداقت کے پرکھنے کا معیار ہی نہیں سمجھتا اور نہ اس طرح کی پیش گوئیاں کرنا کسی نبی یا مجدد کے منصب کے شایاں سمجھتا ہوں، اس لیے میں اس پیش گوئی کے ان پہلوؤں پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا، جن کا تعلق محض اس امر سے ہے کہ آیا پیش گوئی سچی تھی یا جھوٹی۔ ویسے اس ضمن میں میرے لیے یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس پیش گوئی کے پورا ہو جانے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی پیش گوئی یہ تھی کہ بالآخر ان کا نکاح محمدی بیگم سے ضرور ہو گا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ بات وہ خدا سے خبر پا کر کہہ رہے ہیں اور یہ ٹل نہیں سکتی۔ چنانچہ 1891ء میں اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں لکھتے ہیں:

> ''عرصہ قریباً تین برس کا ہوا کہ بعض تحریکات کی وجہ سے، جن کا مفصل ذکر اشتہار

> دہم جولائی 1888ء میں مندرج ہے، خدا تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد گاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمھارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع ہوں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

یہی نہیں مرزا صاحب کے کہنے کے مطابق جب کبھی انھیں اس پیش گوئی کی نسبت کوئی شبہ پیدا ہوا، خدا تعالیٰ نے جدید وحی کے ذریعہ ان کے تمام شکوک دور کر دیے اور انھیں یقین دلایا کہ خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس طرح کے ایک الہام کا ذکر اسی کتاب "ازالہ اوہام" میں ہے۔ فرماتے ہیں:

> "جب یہ پیش گوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی (جیسا کہ اب تک بھی جو 16 اپریل 1891ء ہے، پوری نہیں ہوئی) تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔ یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی، اس وقت گویا یہ پیش گوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیش گوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہ سکا۔ تب اسی حال میں قریب الموت میں مجھے الہام ہوا **الحق من ربک فلا تکونن من الممترین** یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔"

اور مرزا صاحب خدا کے اس وعدہ سے زندگی کے آخری ایام تک مکمل طور پر مایوس نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ اپنی وفات سے صرف تین سال پہلے "حقیقۃ الوحی" میں لکھتے ہیں:

> "اور یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس نکاح کے ظہور کے لیے جو آسمان پر پڑھا گیا، خدا کی طرف سے ایک شرط یہ بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ کہ **ایتھا المراۃ توبی توبی فان البلاء علی عقبک** پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔"

اب یہ امر واقعہ ہے کہ آسمان پر پڑھا ہوا یہ نکاح زمین پر عمل میں نہیں آ سکا۔ اس کے باوجود احمدی مولوی صاحبان کو اصرار ہے کہ یہ پیش گوئی پوری شان کے ساتھ پوری ہو گئی ہے۔ میں ایک سوال پیش

کرتا ہوں۔ فرض کیجیے محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح ہو جاتا ہے، کیا اس صورت میں یہ پیش گوئی پوری نہ ہوتی؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ یقیناً پوری ہو جاتی تو پھر پیش گوئی کے پورا نہ ہونے کی کون سی صورت تھی؟

میرے لیے پیش گوئی کا پورا ہونا نہ ہونا اتنا اہم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس پیشگوئی سے متعلق واقعات مرزا صاحب کے کردار پر کیا روشنی ڈالتے ہیں؟ اوّل مرزا صاحب کی ازدواجی زندگی کی نسبت چند موٹے موٹے امور بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کی پہلی شادی عمر کے اوائل میں ہی ہو گئی تھی اور اس شادی سے مرزا صاحب کے دو لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد موجود تھے۔ 1884ء میں جب کہ مرزا صاحب کی عمر تقریباً انچاس سال تھی، انھوں نے دہلی کے ایک معزز خاندان کی ایک نوعمر کنواری لڑکی سے رشتہ کیا۔ جس بیوی کے ساتھ مرزا صاحب کی جوانی کا بہترین حصہ گزر چکا تھا، بڑھاپے میں اسے عذاب میں مبتلا کرنا کسی طرح جائز نہ تھا۔ اگر مرزا صاحب قرآنی حکم کے ماتحت دیانت داری سے غور کرتے تو یقیناً وہ اُس نتیجہ پر پہنچتے کہ اس عمر میں وہ اپنی نئی دلہن اور ادھیڑ عمر کی بیوی کے درمیان انصاف نہ کر سکیں گے۔ خدا سے زیادہ کون انسانی فطرت اور ازدواجی تعلقات کے تقاضوں کی نزاکت اور اہمیت سے واقف ہے۔ اس لیے سورہ نساء میں جہاں تعدد ازدواج کے لیے انصاف کی شرط مقرر کی گئی ہے، ساتھ ہی مردوں کو اس حقیقت سے متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس بارے میں اپنی استعداد کی نسبت کسی خوش فہمی اور حسن ظن میں مبتلا نہ رہو اور یہ نہ سمجھو کہ تم آسانی کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے کر سکو گے۔ چنانچہ فرمایا:

> ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم.
>
> ”یعنی عورتوں کے درمیان عدل قائم کرنا ایک محال کام ہے خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھتے ہو۔“

مرزا صاحب کی نسبت ہمارے پاس ایسی شہادت موجود ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ اپنے حالات کے ماتحت ان کو یقین تھا کہ دوسری شادی کے بعد وہ اپنی پہلی بیوی سے انصاف نہ کر سکیں گے اور اس کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ مرزا صاحب کی زندگی کے حالات کی نسبت ان کے چھوٹے صاحبزادے میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے ایک کتاب ”سیرۃ المہدی“ لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی والدہ یعنی مرزا صاحب کی دوسری بیوی کی زبانی یہ واقعہ لکھا ہے:

> ”والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انھیں (یعنی پہلی بیوی کو) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا، ہوتا رہا اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لیے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہ رکھوں گا تو

> میں گنہگار رہوں گا۔ اس لیے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیے جاؤں گا۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے، میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔"

مرزا بشیر احمد صاحب نے "سیرت المہدی" میں ہمیں اپنی سوتیلی والدہ کا اصل نام تک نہیں بتایا لیکن اس کا ذکر ان تحقیر آمیز الفاظ سے کیا ہے کہ "فضل احمد کی اماں جس کو لوگ عام طور پر "پھجے دی ماں" کہا کرتے تھے۔" خدا کی شان ہے کہ ایک عورت تو اس اعزاز سے ام المومنین بن جائے کہ اس نے اپنی جوانی میں ایک ادھیڑ عمر کے مرد سے شادی کر لی اور دوسری بیچاری محض اس قصور کی بنا پر کہ وہ خاوند کے ساتھ ساتھ بوڑھی ہوتی گئی صرف "پھجے دی ماں" ہو کر رہ جائے۔ اس ذکر سے میرے ذہن میں بیسیوں اور مثالیں آ گئی ہیں۔ اگر آپ اپنے ملک کے ان لوگوں پر نظر ڈالیں تو شروع میں چھوٹے چھوٹے عہدوں پر فائز تھے یا متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اب اتفاق زمانہ سے یک لخت اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گئے ہیں یا دولت مند ہو گئے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر کی ایک تو "بیگم صاحبہ" ہوتی ہے اور ایک غریب کوئی "پھجے دی ماں" ہوتی ہے جو گمنامی میں اپنے آبائی گاؤں میں کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن پورے کر رہی ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرزا صاحب کا طرز عمل کوئی ایسا انوکھا نہیں ہے۔ انھوں نے وہی کیا جو ان کے طبقے کے دوسرے مرد کرتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں، لیکن کیا نبی اور مجددین کی صداقت کا یہی معیار ہونا چاہیے کہ اس کی زندگی معاشرہ کی مروّج برائیوں کے عین مطابق ہے اور کسی برائی میں وہ منفرد نہیں ہے؟ کیا نبی برائیوں کی تقلید اور ان کے استحکام کے لیے آتے ہیں؟

اور کتنی بے بسی اور مظلومیت ٹپکتی ہے مرزا صاحب کی بیوی کے جواب سے...... "اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی!"...... ان الفاظ میں ایک لطیف اور گہرا طنز ہے، جس کو مرزا صاحب اور ان کے سیرت نگار دونوں نے محسوس نہیں کیا۔ کیا یہ عورت یہ کہتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی:

> "آخر میرا قصور کیا ہے؟ یہی نا کہ میں جوان نہیں رہی؟ کیا میں ہمیشہ بوڑھی تھی؟ میں نے اپنی جوانی کس پر نثار کی ہے؟ پھر اپنی عمر کا بھی تو خیال کرو۔ کیا تم ویسے ہی جوان ہو؟ کیا نکاح صرف جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا ہم نے زندگی کا اتنا لمبا عرصہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہو کر نہیں گزارا۔ اب مجھے کیوں چھوڑتے ہو؟ کیا زندگی کی شام کے لیے جوانی کی یادیں اور جوان بیٹوں کی خوشیاں ناکافی ہیں؟"

سیرۃ المہدی کے متذکرہ بالا اقتباس سے واضح ہوگا کہ مرزا صاحب اس امر کے معترف تھے کہ

وہ دو بیویوں میں برابری کا سلوک کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ اس احساس کے باوجود انھوں نے جلد ہی ایک تیسری شادی کا بھی ارادہ کر لیا۔

احمدی مولویوں کی طرف سے محمدی بیگم کے ساتھ نکاح نہ ہو سکنے کی ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ فی الواقع مرزا صاحب کا اصل مقصد اس لڑکی سے نکل جانا تھا، بلکہ لڑکی کے خاندان کے لوگوں کو، جو مرزا صاحب کے خیال کے مطابق اپنی اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گئے تھے، راہ راست پر لانا اور توبہ پر مائل کرنا تھا، لیکن اس قسم کی تاویل واقعات کے صریح مخالف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ حتمی فیصلہ کیا تھا کہ انھیں ایک اور نکاح کرنا چاہیے، چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کے نام 8 جون 1886ء کے ایک خط میں مرزا صاحب نے اس تیسری شادی کی نسبت حسب ذیل عبارت لکھی ہے:

> ”......سو آج آپ سے بھی، جو میرے مخلص دوست ہیں، ایک واقعہ پیش گوئی کا بیان کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقت کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ اس کا نام بشیر ہوگا۔ سو اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ سے ہوگا، اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمھیں کرنا پڑے گا اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمھیں عطا ہوگی۔ وہ صاحب اولاد ہوگی......“

ان دنوں میں اتفاقاً نئی شادی کے لیے دو اشخاص نے تحریک کی تھی، مگر جب ان کی نسبت استخارہ کیا گیا تو ایک عورت کی نسبت جواب ملا کہ اس کی قسمت میں ذلت و محتاجگی و بے عزتی ہے اور اس لائق نہیں کہ تمہاری اہلیہ ہو اور دوسری کے متعلق اشارہ ہوا کہ اس کی شکل اچھی نہیں، گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ صاحب صورت و صاحب سیرت لڑکا، جس کی بشارت دی گئی، وہ برعایت مناسبت ظاہری اہلیہ جمیلہ و پارسا طبع سے پیدا ہو سکتا ہے۔

الہام، اشارہ اور استخارہ وغیرہ کو خارج کر کے سیدھے سادے الفاظ میں صورت یہ تھی کہ دوسری شادی سے قریباً ایک سال بعد ہی مرزا صاحب نے ایک تیسری شادی کے لیے کوشش شروع کر دی تھی اور کئی رشتوں کے حسن و قبح پر غور کرنے لگ گئے۔ اس تگ و دو کے نتیجہ میں بالآخر ان کی نظر انتخاب محمدی بیگم پر پڑی۔

اس لڑکی کی عمر اس وقت قریباً گیارہ سال تھی۔ اس کا خاندان مرزا صاحب کے خاندان کے ساتھ کئی رشتوں سے وابستہ تھا۔ چنانچہ محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ مرزا غلام احمد صاحب کے ماموں کا لڑکا تھا اور محمدی بیگم کی والدہ مرزا صاحب کی چچا زاد بہن تھی۔ اس کے علاوہ مرزا احمد بیگ کی ایک بھانجی مرزا غلام احمد صاحب کے صاحب زادے فضل احمد سے بیاہی ہوئی تھی۔

یہ رشتے ذرا تفصیل سے اس لیے بیان کر دیے گئے ہیں کہ ان میں سے بعض کا ذکر مرزا صاحب کی محمدی بیگم سے نکاح کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں آئے گا۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، محمدی بیگم والا معاملہ مرزا صاحب کی جماعت اور ان کے مخالفین کے درمیان ہمیشہ ایک تلخ اور نہ ختم ہونے والی بحث کا موضوع رہا ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ بحث اس نکتہ پر مرکوز رہی ہے کہ پیش گوئی کیا تھی، اس کی شرائط کیا تھیں، کون سی شرط کس طرح پوری ہو گی وغیرہ۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس قسم کی پیش گوئی خدائی حکم کے ماتحت ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟

بڈھے مردوں کی کنواری نوعمر لڑکیوں سے شادی کی خواہش کسی پیچیدہ اور ناقابل فہم جذبہ سے متعلق نہیں ہے اور ہماری سوسائٹی کے امراء کے طبقہ میں یہ بات کوئی ایسی غیر معمولی بھی نہیں، لیکن اس طرح کے عزائم میں خدا کو شریک کرنا زیادتی ہے۔ یہ مانا کہ زندگی محض رومان نہیں ہو سکتی اور اس میں ٹھوس حقیقتوں سے دوچار ہونا ہوتا ہے، لیکن آخر ہر عمر کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ خدا کی یہ منشا کیونکر ہو سکتی ہے کہ مرد تو بڈھے ہو کر بھی جوانی کے خواب دیکھیں ہی نہیں بلکہ ان کو پورا کرنے کا سامان بھی مہیا کر لیں اور عورت اپنی حقیقی جوانی کے جائز تقاضوں کا بھی گلا گھونٹنے پر مجبور کی جائے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، جب مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے ساتھ شادی کی کوشش شروع کی تو ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ مرزا صاحب نے یہ کوشش اپنی زندگی کے آخری ایام تک جاری رکھی۔ گو میرا خیال ہے کہ شروع میں یہ کوشش شادی کی حقیقی خواہش کے ماتحت تھی اور بعد میں زیادہ تر اپنی پیش گوئی کو پورا کرنے کی غرض سے۔ بہر حال مرزا صاحب اس وقت بھی اس کوشش میں لگے ہوئے تھے جب وہ قریباً ستر سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور محمدی بیگم ابھی عین جوانی کے عالم میں تھی۔ اس نکاح کے متعلق مرزا صاحب کو الہام ہو رہے ہیں، وہ استخارہ کر رہے ہیں، دوستوں سے مشورہ کر رہے ہیں، لڑکی کے رشتہ داروں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن ایک لحظہ کے لیے بھی انھیں یہ خیال نہیں آیا کہ جس کو وہ اپنی زندگی کی رفیقہ بنانا چاہتے ہیں، اس کی رائے بھی پوچھنی چاہیے۔

اس امر کی نسبت ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں کہ جب مرزا صاحب نے اس شادی کے لیے پہلے پہل کوشش شروع کی تو محمدی بیگم شرعی لحاظ سے بالغ تھی یا نہ۔ چونکہ عمر اس کی گیارہ سال کے قریب تھی، اس لیے قیاس یہی ہے کہ ابھی وہ بلوغت کو نہ پہنچی تھی۔ اس صورت میں ہمارے مروج فقہ کی رو سے لڑکی کا والد اس کا نکاح کر سکتا تھا۔ گو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بلوغت سے پہلے لڑکی کو نکاح میں لانے سے کیا غرض ہو سکتی تھی، لیکن جب لڑکی بالغ ہو گئی تو بھی کسی فریق نے اس سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اگر نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار اس کے ولی کو دینا جائز سمجھا جائے تو کم از کم ولی کے لیے یہ موقع تو ہونا چاہیے کہ ہر طرح کے ناجائز اثرات سے آزاد رہ کر اور محض لڑکی کے مفاد کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کر

سکے، لیکن مرزا صاحب نے لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ کو اس آزادی سے محروم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ان کے اس طرز عمل پر جب نہ صرف ان کے مخالفین، بلکہ بعض معتقدین کی طرف سے بھی اعتراض ہوا تو اس کا جواب ’حقیقۃ الوحی‘ میں ان الفاظ میں دیتے ہیں:

> “اور یہ کہنا کہ پیش گوئی کے بعد احمد بیگ کی لڑکی کے نکاح کے لیے کوشش کی گئی اور طمع دی گئی اور خط لکھے گئے، یہ عجیب اعتراض ہیں۔ سچ ہے انسان شدت تعصب کی وجہ سے اندھا ہو جاتا ہے۔ کوئی مولوی اس بات سے بے خبر نہ ہو گا کہ اگر وحی الٰہی کوئی بات بطور پیش گوئی ظاہر فرما دے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی فتنہ اور ناجائز طریق کے اس کو پورا کر سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیش گوئی کا پورا کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود اپنا فعل اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور پھر حضرت عمرؓ کا ایک کو کڑے پہنانا دوسری دلیل ہے اور اسلام کی ترقی کے لیے بھی قرآن شریف میں ایک پیش گوئی تھی، پھر کیوں اسلام کی ترقی کے لیے جان توڑ کوشش کی گئی۔”

اس بات کو تو جانے دیجیے کہ کس طرح مرزا صاحب اپنے عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے ایسی باتوں کا حوالہ دے رہے ہیں جن کا مسئلہ زیر بحث سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بہر حال مرزا صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے پیش گوئی کو پورا کرنا جائز اور مسنون ہے۔ اگر یہ بات “کسی فتنہ یا ناجائز طریق کے بغیر” ہو سکے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے محمدی بیگم کے ساتھ نکاح میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کن کن کوششوں کو جائز اور فتنہ سے پاک قرار دیا۔

سب سے پہلے وہ حالات بیان کرنے مناسب ہوں گے، جن میں کہ مرزا صاحب نے نکاح کی “درخواست” مرزا احمد بیگ صاحب کے سامنے پیش کی۔ اس کی تفصیل مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں سنئے۔ 1888ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں:

> “خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ اس لڑکی کا والد ایک ضروری کام کے لیے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نامی کو بیاہی گئی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین، جس کا حق ہمیں بھی پہنچتا ہے، مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرا دی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں، جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے، نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین، جو چار پانچ ہزار

> روپے قیمت کی ہے، اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں، چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بغیر ہماری رضامندی کے بیکار تھا، اس لیے مکتوب الیہ نے بہ تمام عجز و انکساری ہماری طرف رجوع کیا، تا کہ ہم راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے، لیکن یہ خیال آیا کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے، کہ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے، سو مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا، گویا آسمانی نشانی کی درخواست کا وقت آ پہنچا تھا، جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔
>
> اس خدا تعالیٰ قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی طرح پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمھارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار 20 فروری 1886ء میں درج ہے، لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی، وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہیت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔"

"آئینہ کمالات اسلام" میں ایک طویل عربی عبارت میں مرزا صاحب نے رشتہ کے اس قضیہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میرے لیے اس کتاب میں وہ ساری عبارت یا اس کا ترجمہ نقل کرنا مشکل ہے۔ ہبہ کی نسبت قریباً انہی واقعات کا اعادہ کیا ہے، جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ البتہ یہاں استخارہ کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ

> "میری رائے یہ ہے کہ استخارہ تقویٰ کے بہت قریب ہے کیونکہ وارث مفقود الخبر ہے اور ہمیں یقین نہیں کہ وہ مر چکا ہے یا زندہ ہے۔ پس اس کی جائیداد کو میت کے ترکہ کی طرح تقسیم کرنے میں عجلت روا نہیں ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس معاملے پر بحث ختم کی جائے تا آنکہ میں عالم الغیب اور ذوالجلال رب سے مشورہ کر لوں اور یقینی راہ پا لوں۔" (ترجمہ)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، جس کا موجودہ موضوع سے براہ راست تعلق نہیں ہے لیکن ضمنی

طور پر ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ استخارہ کا مطلب کسی معاملہ میں خدا سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے کہنے کے مطابق انھوں نے استخارہ اس لیے کیا تھا کہ اس امر کی نسبت یقین ہو جائے کہ مرزا غلام حسین زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ مرزا صاحب کی جائیداد کے ہبہ کی نسبت رضا مندی دے دیں اور فی الواقع وہ زندہ موجود ہو۔ تعجب ہے کہ اس استخارہ کے جواب میں خدا کی طرف سے الہام یہ ہوا کہ ”مرزا احمد بیگ سے اس کی ”دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کرو“ اور پہلے وہ مجھے اپنی دامادی میں قبول کرے اور پھر تیرے نور سے روشنی حاصل کرے اور یہ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس زمین کا ہبہ کر دوں کہ جو تم چاہتے ہو اور اس کے علاوہ دوسری زمین بھی تمھیں دے دوں اور دیگر احسانات بھی تم پر کروں لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی بڑی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو۔ میرا تمھارے ساتھ یہی عہد ہے تم مان لو گے تو یقیناً میں بھی مان لوں گا۔“ (ترجمہ)

گویا اگر مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی مرزا صاحب کے نکاح میں دے دیتا تو غلام حسین متوفی سمجھا جاتا اور اگر احمد بیگ اس پر رضا مند نہیں ہوا تو غلام حسین بقید حیات قرار دیا گیا!

جائیداد کے وعدہ کی نسبت مرزا صاحب نے احمد بیگ کو کسی شبہ میں چھوڑا تھا اور اس بارے میں تحریص میں برابر اضافہ کرتے گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب ”آئینہ کمالات اسلام“ میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے مرزا احمد بیگ کو یہ پیش کش کی تھی کہ

> ”میں تیری بیٹی کو اپنی زمین اور دیگر تمام جائیداد سے ایک تہائی حصہ دوں گا اور جو قطعہ بھی تو مانگے گا میں وہی تجھے دے دوں گا اور میں سچوں میں سے ہوں۔“

(ترجمہ)

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ آیا مرزا صاحب کا اپنی ہونے والی بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک ان کی موجودہ دو بیویوں اور اولاد کے ساتھ اسلامی انصاف کے مطابق تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت مرزا صاحب کی پہلی بیوی سے ان کے دو لڑکے اور دوسری سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا موجود تھے۔

جائیداد کے لالچ اور عذاب کی دھمکی کے علاوہ مرزا صاحب نے جن ”جائز ذرائع“ سے مرزا احمد بیگ کو متاثر کرنے کی کوشش کی، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

> ”مرزا احمد بیگ کو یقین دلایا گیا کہ مرزا صاحب نے احمد بیگ کے فرزند عزیز محمد بیگ کے لیے پولیس میں بھرتی کرنے اور عہدہ دلانے کی خاص کوشش و سفارش کر لی ہے تا کہ وہ کام میں لگ جائے۔“

اور اسی محمد بیگ کی نسبت یہ بھی لکھا کہ

> "اس کا رشتہ میں نے ایک بہت امیر آدمی کے ہاں جو میرے عقیدت مندوں میں ہے، تقریباً کر دیا ہے۔"

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مرزا صاحب کے چھوٹے صاحبزادے فضل احمد کی بیوی عزت بی بی، مرزا احمد بیگ کی بھانجی تھی۔ مرزا صاحب نے یہی کوشش کی کہ اس رشتے کو اپنے نکاح کی غرض کے لیے استعمال کریں۔ چنانچہ جب 1891ء میں مرزا صاحب کو خبر ملی کہ محمدی بیگم کا نکاح چند روز میں دوسری جگہ ہونے والا ہے تو انھوں نے عزت بی بی کی والدہ کو ایک خط لکھا۔ جس کا ایک حصہ یہ ہے:

> "والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز میں محمدی بیگم کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں، اس نکاح سے رشتے ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اس لیے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتی ہو اس کو سمجھاؤ اور اگر ایسا نہ ہو گا تو آج میں نے مولوی نور الدین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد، عزت بی بی کے لیے طلاق لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جائے اور ایک پیسہ اس کو وراثت کا نہ ملے۔ سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ آ جائے گا۔ جس کا مضمون یہ ہو گا کہ اگر مرزا احمد بیگ، محمدی کا نکاح غیر کے ساتھ کرنے سے باز نہ آوے تو پھر اسی روز سے جو، محمدی بیگم کا کسی اور سے نکاح ہو جائے، عزت بی بی کو تین طلاق ہیں۔ سو اسی طرح لکھنے سے اس طرف تو محمدی بیگم کا کسی دوسرے سے نکاح ہو گا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی...... یاد رہے کہ میں نے کوئی کچی بات نہیں لکھی۔ مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ جس دن نکاح ہو گا، اسی دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔"

اس وعید کو زیادہ پکا اور موثر بنانے کے لیے مرزا صاحب نے خود عزت بی بی سے اپنی والدہ کو اسی طرح کا ایک خط بھجوایا کہ

> "اگر ماموں کو سمجھا سکتی ہو تو سمجھاؤ، اگر نہیں تو طلاق ہو گی اور ہزار رسوائی ہو گی۔"

اس کے علاوہ مرزا صاحب نے قریباً اسی مضمون کا ایک خط عزت بی بی کے والد مرزا علی شیر بیگ کو بھی لکھا کہ اپنی بیوی کی معرفت مرزا احمد بیگ کو محمدی بیگم کے نکاح پر آمادہ کیا جائے وگرنہ فضل احمد کی

طرف سے عزت بی بی کو طلاق دے دی جائے گی۔

اس عہد پر مرزا صاحب پوری طرح قائم رہے۔ جب محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا تو مرزا صاحب نے اپنے بیٹے فضل احمد کو مجبور کر کے اس کی بیوی کو طلاق دلا دی۔ اس کے باوجود فضل احمد کی وفاداری مرزا صاحب کی نگاہ میں مشتبہ ہی رہی اور ان کو ہمیشہ شک رہا کہ اس لڑکے کا تعلق مرزا احمد بیگ کے خاندان سے قائم ہے۔ اس خفگی کی بنا پر مرزا صاحب نے فضل احمد کو اس کے مرنے کے بعد بھی معاف نہ کیا اور اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔

اسی محمدی بیگم والے قضیہ کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے اپنے بڑے فرزند مرزا سلطان احمد کو بھی عاق کر دیا۔ ان سے مرزا صاحب کو شکایت تھی کہ محمدی بیگم کے نکاح کے بارے میں اپنے والد کی امداد کرنے کی بجائے دوسرے فریق کا ساتھ دے رہے تھے۔

2 مئی 1891ء کو مرزا صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب کی نسبت ایک خاص اشتہار شائع کیا جس کی عبارت کا ایک حصہ یہ ہے:

> ”ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس عاجز نے ایک دینی خصوصیت کے پیش آ جانے کی وجہ سے ایک نشان کے مطالبے کے وقت اپنے ایک قریبی مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں کی نسبت بحکم الہام الٰہی یہ اشتہار دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی مقدر اور قرار یافتہ ہے کہ وہ لڑکی اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ خواہ پہلے ہی باکرہ ہونے کی حالت میں آ جائے اور یا خدا تعالیٰ بیوہ کر کے اس کو میری طرف لے آئے...... اب باعث تحریر اشتہار ہذا یہ ہے کہ میرا بیٹا سلطان احمد نائب تحصیلدار لاہور میں ہے اور اس کی تائی صاحبہ جنھوں نے اس کو بیٹا بنایا ہوا ہے، وہی اس مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا کسی سے نکاح کیا جائے۔ اگر یہ اوروں کے طرف سے مخالفانہ کارروائی ہوتی تو ہمیں درمیان میں دخل دینے کی ضرورت اور کیا غرض تھی۔ امر ربی تھا اور وہی اس کو اپنے فضل و کرم سے ظہور میں لاتا مگر اس کام کے مدار الہام وہ ہو گئے ہیں، جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی...... لہٰذا میں آج کی تاریخ کہ دوسری مئی 1891ء ہے، عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے اور وہ تجویز جو اس لڑکی کے ناطہ اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں، اس کو موقوف نہ کر دیا اور جس شخص کو انھوں نے نکاح کے لیے تجویز کیا ہے، اس کو رد نہ کیا بلکہ اس شخص

> کے ساتھ نکاح ہو گیا، اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہو گا
> اور اسی روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔"

یہ والدہ وہی غریب "پھجے دی ماں" ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور جس نے طلاق لینے کی بجائے اپنی حقوق ترک کرنا قبول کیا تھا۔

یہ موضوع توقع سے زیادہ لمبا ہو رہا ہے اس لیے میں مذکورہ بالا اقتباسات پر زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اور پھر خود یہ حوالے اتنے واضح دلائل ہیں کہ مزید تنقید غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔

"حقیقۃ الوحی" کے ایک حوالے کے ایک حصہ کی طرف پھر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہاں مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ

> "کوئی مولوی اس بات سے بے خبر نہ ہو گا کہ اگر وحی الٰہی کوئی بات بطور پیش گوئی ظاہر فرما دے اور ممکن ہو کہ انسان بغیر کسی فتنہ اور ناجائز طریق کے اس کو پورا کر سکے تو اپنے ہاتھ سے اس پیش گوئی کو پورا کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مسنون ہے۔"

ظاہر ہے کہ نکاح کو ممکن بنانے کے لیے اوپر لکھے ہوئے تمام ذرائع کو مرزا صاحب اپنے معیار سے "جائز طریق" سمجھتے ہوں گے۔ اسی طرح غالباً مرزا صاحب کے نزدیک بیٹے کو عاق کرنا، بیوی کو بلاوجہ طلاق دینا، دوسرے بیٹے کو طلاق پر مجبور کرنا اور آباد گھروں کو برباد کرنا، یہ سب امور کسی فتنہ کا موجب نہ تھے۔

رسول کریمؐ کے ایک قول کے مطابق حلال چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ قرآن میں طلاق کی نسبت جو احکام لکھے ہیں، ان سے واضح ہے کہ صرف میاں بیوی میں شقاق کی انتہائی صورت میں طلاق کی اجازت ہے۔ اس صورت میں بھی حکم ہے کہ اول فریقین کے رشتہ داران میں مفاہمت کی پوری کوشش کریں اور جب سوائے طلاق کے چارہ نہ ہو تو طلاق دی جائے۔ اس پر بھی ایک ہی وقت میں قطعی طلاق نہیں ہو سکتی۔ تین طلاقیں مقرر ہیں۔ جو ایک ایک ماہ کے وقفہ کے بعد ہونی چاہئیں۔ اس درمیانی عرصہ میں بھی صلح کی کوشش ہونی چاہیے۔ اگر صلح ہو جائے تو طلاق منسوخ سمجھی جائے گی۔ دوسری رائے کے مطابق طلاق ایک دفعہ ہی دینی ہوتی ہے لیکن اس صورت میں بھی عدت کے وقفہ میں رجوع ہو سکتا ہے اور اس کی کوشش مستحسن ہے۔ یہ سب احکام ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ازدواجی رشتے کو ایک مقدس اور زندگی بھر برقرار رہنے والا تعلق قرار دیا ہے اور معمولی معمولی باتوں پر یہ رشتہ نہیں توڑا جا سکتا۔ کہاں قرآن کی یہ تعلیم اور کہاں اس تعلیم کی تجدید کے مدعی کا عمل، یہ بیوی کے کسی قصور کے بغیر طلاق دے رہے ہیں اور دوسروں کو طلاق دینے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مشروط طلاق جیسے صریحاً غیر قرآنی طریقہ پر عمل کر رہے ہیں اور شرط بھی ایسی کہ جس کا میاں بیوی کے اپنے تعلقات کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں۔ یعنی اگر احمد بیگ اپنی لڑکی کا رشتہ مرزا صاحب کو دے دے تو فضل احمد کی بیوی اس کے گھر میں رہے لیکن اگر احمد بیگ ایسا نہ کرے تو فضل احمد کی بیوی کو طلاق ہو جائے۔

محمدی بیگم والے معاملے میں ایک اور حربہ جو مرزا صاحب نے استعمال کیا، یہ تھا کہ ایک ایسے جھگڑے کو جس کا تعلق ان کی ذاتی خواہشات سے تھا، ایسے رنگ میں پیش کیا، گویا یہ ایک اہم دینی معاملہ ہے اور یہ کہ اصل مقابلہ مرزا صاحب اور احمد بیگ میں نہیں بلکہ اسلام اور عیسائیت میں ہے۔

اگر مرزا صاحب کی اطلاع درست مانی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہو گئے اور مسلمانوں کے ایک خاصے طبقے نے مرزا صاحب کے محمدی بیگم سے نکاح کے معاملے کو اسلام کی فتح کا ایک نشان تصور کر لیا۔ چنانچہ 1892ء میں مرزا صاحب اپنے ایک خط میں مرزا احمد بیگ کو لکھتے ہیں:

> ”اور آپ کو شاید معلوم ہو گا یا نہیں کہ یہ پیش گوئی اس عاجز کی ہزارہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہو گا جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ پیش گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیش گوئی کے ظہور کے لیے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں محمدی بیگم والی پیش گوئی کی نسبت مرزا صاحب پر سب سے زیادہ اعتراض بعض عیسائی اخبار کر رہے تھے۔ اس وجہ سے مرزا صاحب کے لیے ایک ذاتی معاملہ کو قومی مسئلہ بنانا نسبتاً آسان ہو گیا اور اس طرح مسلمانوں کی اکثریت کی صحیح قرآنی تعلیم سے لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے یہ ظاہر کیا کہ ان کا عمل اسلام کے عین مطابق ہے اور یہ کہ عیسائیوں کا اعتراض مرزا صاحب کی ذات پر نہیں ہے بلکہ اسلام پر ہے۔ اسی طرح کی ایک مغالطہ دہی کی ایک شدید مثال وہ تحریر ہے جو مرزا صاحب نے عیسائی اخبار ”نور افشاں“ کے ایک مضمون کے جواب میں لکھی، اس تحریر میں مرزا صاحب نے پہلے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ اسلام میں مردوں کے لیے تعدد ازدواج کی نہ صرف غیر مشروط اجازت ہے بلکہ اس اجازت سے فائدہ اٹھانا ایک حد تک واجب ہے اور پھر اسلام کے اس ”حکم“ کی حمایت میں عجیب و غریب دلائل پیش کیے ہیں۔ یہاں مرزا صاحب نے انداز بیان اتنا عامیانہ اختیار کیا ہے کہ مجھے لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن اس کے سوا چارہ بھی نہیں کیونکہ مرزا صاحب کے اصل الفاظ نقل کرنے کے بغیر اس بارے میں ان کا رجحان طبیعت اور کردار پوری طرح واضح نہیں ہو سکتا، اس لیے بادل نخواستہ حسب ذیل اقتباس پیش کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں:

> ”اخبار ”نور افشاں“ 10 مئی 1888ء میں جو اس راقم کا ایک خط متضمن

درخواست نکاح چھاپا گیا ہے، اس خط کو صاحب اخبار نے اپنے پرچہ میں درج کر کے عجیب طرح کی زبان درازی کی ہے اور ایک صفحہ اخبار کا سخت گوئی اور دشنام دہی میں ہی سیاہ کیا ہے...... کسی خاندان کا سلسلہ صرف ایک ایک بیوی سے ہمیشہ کے لیے جاری نہیں رہ سکتا بلکہ کسی نہ کسی فرد سلسلہ میں یہ وقت آ پڑتی ہے کہ ایک جورو عقیمہ اور نا قابل اولاد نکلتی ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ دراصل بنی آدم کی نسل ازدواج مکرر سے ہی قائم و دائم چلی آتی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیوی کرنا منع ہوتا تو اب تک نوع انسانی قریب قریب خاتمہ کے پہنچ جاتی۔ تحقیق سے ظاہر ہوگا کہ اس مبارک اور مفید طریق نے انسان کی کہاں تک حفاظت کی ہے اور کیسے اس نے اجڑے ہوئے گھروں کو بیک دفعہ آباد کر دیا ہے اور انسان کے تقویٰ کے لیے یہ فعل کیسا زبردست ممد و معاون ہے۔ خاوندوں کی حاجت برآری کے بارے میں جو عورتوں کی فطرت میں ایک نقصان پایا جاتا ہے جیسے ایام حمل اور حیض نفاس میں یہ طریق بابرکت اس نقصان کا تدارک تام کرتا ہے اور جس حق کا مطالبہ مرد اپنی فطرت کی رو سے کرتا ہے اور اسے بخشتا ہے۔ ایسا ہی مرد اور کئی وجوہات اور موجبات سے ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مرد کی ایک بیوی تغیر عمر یا کسی بیماری کی وجہ سے بدشکل ہو جائے تو مرد کی قوت فاعلی، جس پر سارا مدار عورت کی کارروائی کا ہے، بیکار اور معطل ہو جاتی ہے لیکن اگر مرد بدشکل ہو تو عورت کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ کارروائی کی کل مرد کو دی گئی ہے اور عورت کی تسکین کرنا مرد کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں اگر مرد اپنی قوت مردی میں قصور یا عجز رکھتا ہے تو قرآنی حکم کے رو سے عورت اس سے طلاق لے سکتی ہے اور اگر پوری پوری تسلی کرنے پر قادر ہو تو عورت یہ عذر نہیں کر سکتی کہ دوسری بیوی کیوں کی ہے کیونکہ مرد کی ہر روزہ حاجتوں کی عورت ذمہ دار اور کار برآر نہیں ہو سکتی اور اس سے مرد کا استحقاق دوسری بیوی کرنے کے لیے قائم رہتا ہے جو لوگ قوی الطاقت اور متقی اور پارسا طبع ہیں، ان کے لیے یہ طریق نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، صفحہ 281-282)

غضب یہ ہے کہ جس کتاب میں مرزا صاحب نے اسلام کو اس صورت میں پیش کیا، اس کا نام انھوں نے ''آئینہ کمالات اسلام'' تجویز کیا۔

* * *

سیف الحق

جھوٹ آخر جھوٹ ہے!

یہ 1983ء کا واقعہ ہے کہ جب پورے ملک میں قادیانیوں کی تبلیغی مہم جاری تھی۔ چونکی (ضلع قصور) کے مرزائیوں نے بھی اس سلسلے میں بہت شور شرابا کیا کہ صرف قادیانیت ہی ایک حقیقی، عالمگیر اور زندہ مذہب ہے، باقی سب مذاہب مردہ ہیں۔ دوران تبلیغ چونکی اور گردونواح کے لوگوں کو بہت سے سبز باغ بھی دکھائے گئے۔ اہالیان چونکی کو شاید یاد ہو کہ اس دور میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے مقامی سطح پر آپس میں بہت سے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں۔ میں بھی شرافت علی صاحب کی وساطت سے قادیانی جماعت کے پُر جوش ”داعیان الی اللہ“ کے ساتھ متعارف ہوا۔ پہلے پہل تو مقامی قادیانیوں سے ہی گفت و شنید ہوتی رہی، بعد ازاں دو مرتبہ ربوہ جا کر قادیانی مربیوں، بالخصوص احمد علی شاہ اور مبشر احمد سے بھی ملاقات ہوئی اور بالآخر وہ دن بھی آن پہنچا، جب میں نے بھی قادیانی مذہب اختیار کر لیا۔ قادیانی مذہب اختیار کرنے کے بعد جب مجھے اپنے احباب اور فیملی ممبرز کی طرف سے قتل کی دھمکیاں دی جانے لگیں تو چاروناچار مجھے کچھ عرصہ ربوہ گزارنا پڑا، پھر ایران چلا آیا، لیکن دسمبر 1984ء میں وہاں سے بھی واپس پاکستان آ گیا۔

میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی جنرل ضیاء الحق مرحوم کی طرف سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روکنے سے متعلقہ آرڈیننس کی خلاف ورزی کے کیس میں گرفتاری کے ڈر سے قادیانی خلیفہ مرزا طاہر لندن بھاگ چکا تھا۔ اپریل 1985ء میں لندن میں قادیانی جماعت کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ مجھے بھی خواہش ہوئی کہ اس سالانہ جلسہ میں شرکت کرنا چاہیے اور یوں میں بھی لندن پہنچ گیا۔ لندن میں سالانہ اجتماع میں شرکت کے بعد میں جرمنی چلا آیا۔ لندن میں اپنے قیام کے دوران جہاں مجھے قادیانی رہنماؤں کی تقریریں سننے کا موقع ملا، وہیں، میں نے قادیانی لٹریچر، خصوصاً مرزا قادیانی کی کتابوں کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا۔ جرمنی میں اپنے دور قادیانیت کے دوران میں نے زعیم انصار اللہ ”میونسٹر“ کے طور پر بھی کام کیا۔ مقامی قادیانیت جماعت کے متعلقہ مختلف مسائل کے حل کے لیے اکثر اوقات 60 کلومیٹر تک سائیکل پر بھی سفر کیا۔ جرمنی کی کئی لائبریریوں میں لٹریچر رکھوایا۔ قادیانیت سے متعلقہ کتب پر مشتمل ایک عظیم الشان کتابی نمائش منعقد کروائی، جس میں جرمنی کے دو شہروں کے لارڈ میئرز نے بھی

شرکت کی، غرضیکہ پانچ سال تک میں نے اخبارات، ریڈیو، پریس سمیت تمام ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے ہر پلیٹ فارم سے قادیانی جماعت کے لیے کام کیا۔ اس تمام عرصہ کے دوران، جہاں میں نے قادیانی کتب کا تفصیلی مطالعہ جاری رکھا، وہیں چند مسلم تنظیموں کی طرف سے ردقادیانیت کے طور پر شائع کیا گیا لٹریچر بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا رہا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رب ذوالجلال نے مجھ پر قادیانیت کے باطل مذہب ہونے کی حقیقت عیاں کر دی اور میں انگریزوں کے مفادات کی خاطر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے فتنہ قادیانیت کی بنیاد رکھنے والے مرزا قادیانی پر تین حرف بھیج کر قادیانیت سے تائب ہو گیا اور ذلت کی گہرائیوں سے نکل کر دوبارہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کی صفوں میں شامل ہو گیا۔

پانچ سال تک قادیانی مذہب کے لیے دن رات اور بے لوث کام کرنے کے بعد آخرکار میں قادیانی مذہب سے تائب ہو کر مسلمان کیوں ہوا؟ یہ ہے وہ سوال، جس کا مجھے اکثر اپنے حلقہ احباب کی طرف سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذیل میں اسی ضمن میں چند گزارشات پیش کر رہا ہوں، اس امید پر کہ اسے پڑھنے کے بعد یقیناً وہ بہت سے سادہ لوح اور معصوم قادیانی، جو اسلام قبول کرنے، نہ کرنے کے مسئلہ پر تذبذب کا شکار ہیں، بڑی خوداعتمادی اور جرأت کے ساتھ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی صف میں شامل ہو سکیں گے۔

قادیانیت

فتنہ قادیانیت کو وجود میں آئے سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آج تک یہ متعین نہیں ہو سکا کہ قادیانیوں کا عقیدہ کیا ہے؟ قادیانی اور لاہوری گروپ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ مرزا قادیانی ہے کیا؟ کوئی اس کو نبی کہتا ہے، تو کوئی اسے مجدد مانتا ہے۔ خود مرزا قادیانی کی متضاد تحریروں نے ہی انھیں پریشان کر رکھا ہے۔ لاہوری جماعت کا یہ موقف ہے کہ مرزا قادیانی نبی نہیں بلکہ محدث ہے اور یہ گروپ اپنے دعویٰ کے حق میں مرزا قادیانی کی درج ذیل تحریریں پیش کرتا ہے:

”نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔“

(”ازالہ اوہام“ مصنفہ مرزا قادیانی)

”ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔“

(”حمامۃ البشریٰ“ مصنفہ مرزا قادیانی)

”میرا نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ یہ آپ کی غلطی ہے۔“

(”جنگ مقدس“ مصنفہ مرزا قادیانی)

"اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔"

("انوار اسلام" مصنفہ مرزا قادیانی)

دوسری جانب مرزا قادیانی کو نبی ماننے والے اپنے دعویٰ کے حق میں مرزا قادیانی اور اس کے بیٹے (دوسرے قادیانی خلیفہ) مرزا بشیر الدین محمود کی درج ذیل تحریریں پیش کرتے ہیں:

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"

("دافع البلاء" طبع سوم قادیانی، مصنفہ مرزا قادیانی، ص 11)

"میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔"

("تتمہ حقیقۃ الوحی" ص 68 مطبوعہ قادیان، مصنفہ مرزا قادیانی)

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"

(اخبار "بدر" 5 مارچ 1887ء مندرجہ "حقیقۃ النبوۃ" مولفہ مرزا بشیر الدین، ص 272)

"میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے، میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"

("نزول المسیح" ص 3 (حاشیہ) طبع اول، مطبع ضیاء الاسلام قادیان، 1909ء)

"پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ﷺ ہے، جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

("کلمۃ الفصل" مصنفہ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے، ص 158)

"انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بہ عرفاں نہ کمترم ز کسے"

("نزول المسیح" ص 97، طبع قادیان، 1909ء)

(ترجمہ) "انبیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔"

اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قادیانی جماعت سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ طے نہیں کر پائی کہ فتنہ قادیانیت کے بانی مرزا قادیانی کیا ہیں؟

قادیانی کافر و مرتد ہی نہیں، زندیق بھی ہیں جو خود کو مسلمان ظاہر کر کے پوری ملت اسلامیہ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مرزا قادیانی کو نبی ماننے والے قادیانی اس امر پر بھی تو غور فرمائیں کہ آدمؑ سے لے کر حضور خاتم النبیینؐ تک جتنے پیغمبر بھی گزرے، انھوں نے احکامات الٰہی کے مطابق اعلان نبوت کے بعد قوم کو نئی شریعت بھی عطا کی، لیکن مرزا قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا تو مرتدین کی جماعت کو نئی

شریعت دینے کی بجائے شریعت اسلامی پر ہی قابض ہو کر شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا لاتعداد مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ ضیاء الحق مرحوم نے ایک آرڈیننس کے ذریعے جب قادیانیوں کو شعائر اسلامی استعمال کرنے سے روکا تو قادیانی جماعت اس پر بہت سیخ پا ہوئی، حالانکہ زیادہ بہتر ہوتا کہ قادیانی جماعت سیخ پا ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے اس امر پر غور کرتی کہ وہ قوم وملت، جس نے چودہ سو سال تک جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کر کے ان شعائر اسلام کی حفاظت کی، اسے یہ بات کیسے گوارا تھی کہ ایک شخص برطانوی استعمار کے اشارہ پر نبوت کا دعویٰ کر کے ان شعائر اسلامی پر قبضہ جما کر اس پوری ملت کو ہی کافر قرار دے ڈالے۔ یقیناً یہ سب کچھ کسی طور بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانی مذہب کی تعلیم اگر اتنی ہی پر اثر ہے تو قادیانی حضرات اسلام کی اصطلاحات استعمال کرنے پر ہی کیوں بضد ہیں؟ یہاں جرمنی کی عدالتوں میں مختلف موقعوں پر قادیانی یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ہم نے پاکستان میں اپنا حق رائے دہی استعمال کرنا اس لیے ترک کر دیا ہے کہ یہ ہم کو مسلمان نہیں سمجھتے اور ہمیں کلمہ سمیت دیگر شعائر اسلام استعمال نہیں کرنے دیتے، جبکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ خود قادیانی مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ بقول مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی:

> "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا عیسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا اور محمدؐ کو تو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔"

("کلمۃ الفصل" مصنفہ مرزا بشیر احمد، ص 110)۔

اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں کہ جماعت احمدیہ خود آج تک یہ طے نہیں کر پائی کہ مرزا غلام احمد صاحب کیا تھے۔ مجدد یا نبی۔ اسی وجہ سے جماعت کوئی ایک متفقہ عقیدہ پیش نہیں کر سکی اور احمدیوں کو اکثر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی وہ نبی کہنے پر، کبھی مجدد کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کو جبر اور تشدد سے پر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہی حربے جو ایک ظالم مطلق العنان حکمران (ڈکٹیٹر) اپنی رعیت کو اپنی فرمانبرداری کے لیے استعمال کرتا ہے، خفیہ نگرانی اور ہر وقت اپنا دست نگر رکھنا۔ جماعت احمدیہ کے ان دو اصولوں کی اس سخت طریقہ سے پریکٹس کے نتیجہ میں ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے جو دن بدن ایک ایسے مرض کی شکل اختیار کر گئی کہ جماعت کا اس مرض سے جانبر ہونا مشکل تھا۔ جب کسی کو یقین ہی نہیں کہ وہ کس چیز پر اعتقاد رکھتا ہے تو اس کا، اس سے وابستہ رہنا کس طرح ممکن ہے؟ جماعت احمدیہ نے اس لبادے سے کہ اخلاقی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جائے، جاسوسی کا ایک ایسا جال بن رکھا ہے کہ کوئی احمدی ایسا نہیں جس کی نگرانی نہ کی جاتی ہو۔ اگر بقول جماعت احمدیہ کے کہ یورپ ایک مہذب سوشلائزیشن ہے۔ اگر ان کی کرتوتوں کا یورپ کو علم ہو جائے کہ اس جماعت نے اپنے پیروکاروں کو

اس طرح جاسوسی کے جال میں جکڑا ہوا ہے تو شاید جماعت احمدیہ کی ساری قلعی کھل جائے جو کہ یہ مذہبی آزادی کے نام پر دوسروں کو بدنام کر کے دہائی ڈال رہے ہیں بلکہ خود اس کے برعکس صرف مہذب دنیا ہی نہیں بلکہ اسلام کی ابدی تعلیم سے بھی دور ہیں۔

مثلاً قرآن کریم واضح طور پر فرماتا ہے **لاتجسسوا ولا یغتب** یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ ہم اس کو ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس نے شخصی آزادیوں کے تمام قوانین، میگنا چارٹا، انقلاب فرانس، یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے قبل تقریباً 1400 سال پہلے پیش کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ شخصی آزادی کی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ حکم ہوتا ہے تجسس مت کرو۔ یعنی کسی طریقہ سے بھی کسی کی جاسوسی یا نگرانی مت کرو۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قادیانی جماعت نے جو جاسوسی سیل قائم کیے ہوئے ہیں کہ ممبران جماعت کی نگرانی کی جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ ایک منظم سوچ کی پیداوار ہے کہ اس نگرانی کو یہ نام دیا جائے کہ ہم اخلاقی طور پر نگرانی کرتے ہیں کہ کوئی اخلاقی طور پر برا کام نہ کرے۔

کیتھولک، چرچ کے بعد دوسرا مذہب ہے، جس نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی شکایتیں نجی معاملات میں سننے کے دفتر قائم کیے ہوئے ہیں جو کہ حقوق انسانی کے سلب کرنے کی اس مہذب دور میں سب سے گھناؤنی کارروائی ہے۔ یورپ کے مہذب ملکوں اور معاشرہ میں اس فعل کو انتہائی قبیح اور مذموم قرار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ شاید آپ کو یاد ہو مشرقی جرمنی کی حکومت کا تختہ صرف اسی وجہ سے الٹ گیا تھا کہ اس نے اپنے باشندوں کی ہر نقل و حرکت کو جو کہ ان کی نجی زندگی سے متعلق تھی، اس کی نگرانی کا کیمروں اور کیسٹوں سے بندوبست کیا ہوا تھا اور اسی کی بناء پر ان کے خلاف کارروائی کی جاتی تھی۔ جب قوم پوری طرح اس کا شکار ہوگئی تو ایک دن بغاوت پر اتر آئی اور دیوار برلن گر گئی۔ اصل میں جماعت احمدیہ کو اس پر بھی فخر ہے کہ اس کے پاس جاسوسی کا ایک ایسا نظام ہے جو حکومتوں کے پاس بھی نہیں۔ یہ بات پاکستان میں اس قدر اثر پذیر ہے کہ بڑے بڑے جگادری سیاست دان بھی اس سے خائف ہو کر جماعت احمدیہ کے حق میں بیان دینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

بیرونی ممالک میں قادیانیت

میں ایک عرصہ سے یورپ میں مقیم ہوں اور اس عرصہ میں یہاں رہ کر ایک اہم بات میں نے نوٹ کی ہے، وہ یہ کہ امن اور شہری آزادیوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر مسلم امہ کو تباہ کر کے ایک نئے استعمار کی تعمیر ہی اسلام دشمن یورپی طاقتوں کی سیاست کا محور ہے۔ جب ہم سنتے ہیں کہ اسلام دشمنی میں بدترین شہرت رکھنے والے ملک "اسرائیل" میں قادیانی مشن کام کر رہا ہے اور پانچ سو قادیانی، اسرائیل فوج میں ملازمت کر رہے ہیں اور جب یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپی ممالک کی عدالتوں سے قادیانیوں کی سیاسی پناہ کی درخواستیں مسترد ہو جانے کے بعد بھی، وہاں کی حکومتیں قادیانیوں کو اپنے ممالک سے نہیں نکالتیں اور پھر جب امریکہ

بہادر ہمیں دھمکی دیتا ہے کہ قادیانیوں کو مذہبی آزادی نہ دی گئی تو امداد بند کر دی جائے گی، تو اس امر کی بہ آسانی تصدیق ہو جاتی ہے کہ قادیانیوں کو بلا مبالغہ دنیا بھر کی اسلام دشمن یہودی و نصرانی لابی کی حمایت حاصل ہے۔

بیرونی ممالک میں قادیانی اکثر دہائی دیتے ہیں کہ پاکستان میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔ دراصل یہ ڈھونگ، سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے رچایا جاتا ہے۔ قادیانی ”غیر ممالک میں تبلیغ“ کا بھی ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بھی آپ کو بتاتا چلوں۔ برطانیہ میں ان کا مشن 60 سال سے قائم ہے، لیکن قادیانی جماعت یہ نہیں بتا سکے گی کہ اس عرصہ میں وہاں کتنے انگریز قادیانی ہوئے ہیں۔ جرمن میں تقریباً دس ہزار قادیانیوں نے سیاسی پناہ لے رکھی ہے، جس سے قادیانی جماعت کو کروڑوں روپے کی آمدنی ہو رہی ہے۔ یہاں پر اگر کچھ جرمن قادیانی ہوئے ہیں تو وہ بھی جرمن عورتیں ہیں، جن سے قادیانیوں نے شادیاں کر رکھی ہیں۔

خود قادیانیوں کی ایسے (جھوٹے) نبی مرزا قادیانی سے محبت کا یہ حال ہے کہ جب کسی قادیانی کو سعودی عرب، گلف، ایران یا دیگر کسی ملک میں روزگار کے لیے جانا ہو تو پاسپورٹ پر فوراً مرزا قادیانی پر لعنت بھیج کر دستخط کر دیتے ہیں۔ میرے پاس ان تمام اسلامی ممالک کی لسٹ موجود ہے، جہاں قادیانی جماعتیں موجود ہیں۔ کیا ان ممالک میں وہ قادیانی بحیثیت مسلمان پاسپورٹ بنوا کر نہیں گئے؟

دنیا کے کسی نبی نے اپنی نبوت کی بنیاد علم نجوم پر نہیں رکھی، جبکہ مرزا قادیانی نے ایسا کیا۔ جوتشیوں اور نجومیوں کی طرح کل مکھی مر جانے اور پرسوں گھر کا پر ٹیڑھا ہو جانے کے دعوے کیے، حالانکہ یہ سب کچھ نبوت ربانی سے ہٹ کر ہے۔ خدا کا سچا پیغمبر کبھی بھی اپنی نبوت کی بنیاد علم نجوم پر نہیں رکھتا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین مکہ کو دعوت اسلام دینے سے پہلے، ان کے سامنے ایسا کردار پیش کیا کہ وہ آپ کو، بدترین مخالفت کے باوجود صادق و امین کا لقب دینے پر مجبور ہوئے۔

بعض راویوں کے بیان کے مطابق ڈنمارک میں مستقل قیام کی خاطر ایک احمدی مبشر احمد (خادم حقیقی اسلام) نے اپنی ہمشیرہ سے جو ڈنمارک کی مستقل شہریت رکھتی تھی اور عرصہ سے ڈنمارک کے شہری کی حیثیت سے ڈنمارک میں مقیم تھی، سے دستاویز میں ظاہر کیا کہ میں نے اس عورت سے شادی کر لی ہے اور یہ میری بیوی ہے۔ مبشر نے اس غیر شرعی طریقہ سے شہریت حاصل کرنی چاہی تاکہ ڈنمارک میں مکمل طور پر آباد ہو جائے لیکن بعد میں ڈنمارک کے چند مسلمانوں نے یہ شکایت کر دی اور حکومت ڈنمارک نے ان لوگوں کو ملک سے نکال دیا۔ ایسے ہی کئی واقعات کی بناء پر جناب محمد امیر جو کہ چک سکندر کھاریاں کے رہنے والے ہیں، احمدیت چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آ گئے مگر بعد میں قادیانیوں نے انھیں قتل کر دیا۔

احمدی عورتوں کو اپنے عقائد کے مطابق صرف احمدیوں سے ہی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا

ہے۔ اگر شادی ہو بھی جائے تو پھر دوسرا عذاب تیار ہے۔ یعنی مغربی دنیا میں سیاسی امیگریشن کروانے کا۔ بالخصوص جرمن میں امیگریشن کروانے والوں کی تعداد دنیا بھر میں احمدیوں کے کسی بھی ایک ملک کی تعداد سے زیادہ ہے۔ یہاں کیا ہوتا ہے اس کی مکمل روداد سے اگر دنیا کو پتہ چلے تو دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر یورپ میں ہجرت کرنے اور کروانے والے بے نقاب ہو جائیں۔

قادیانیوں کے پاس اس چیز کا کیا جواب موجود ہے کہ جن لوگوں نے غیر ملکی عورتوں سے شادیاں کی ہیں، وہ کس طریقہ سے اس گوہر مراد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ دنیا کا کوئی آدمی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کسی مغربی عورت سے اس نے شادی کی ہو اور قبل اس کے کہ اس کی شادی ہو جائے، اس نے اس سے ایک آزمائشی عرصہ تک جنسی تعلقات نہ رکھے ہوں۔ اصل میں مغرب کے لوگوں کو مذہب سے لگاؤ ضرور ہے لیکن ایک حد تک۔ وہ مذہب کو اپنی زندگی پر حاوی نہیں ہونے دیتے۔ اگر ہم اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ پہلے غیر ملکی عورتیں بیعت کرتی ہیں، اس کے بعد مشنری انچارج صاحب ان کو شادی کی اجازت دیتے ہیں تو شاید ہم حقیقت سے فرار اختیار کر رہے ہیں اور بیسویں صدی میں اس قدر غلط بیانی اور اخفائے حقیقت کی مثال نہیں ملتی۔

جرمن میں سیاسی پناہ گزینوں کی امیگریشن کا عرصہ بہت لمبا ہے۔ آخری فیصلہ ہونے تک 15 سال تک لگ جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ عورت جس سے کسی احمدی نے شادی کی ہو، اس کا کیا قصور؟ جتنے عرصہ تک عدالت مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتی، درخواست گزار کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی۔ کسی بھی درخواست گزار کو گارنٹی نہیں ہوتی کہ اس کو مکمل قیام کا اجازت نامہ ملے گا۔ اس صورت حال سے ایک طرح سے نمٹنے کے لیے جرمن عورتوں سے شادی کی کوشش کی جاتی ہے جس کی کامیابی کے لیے ہر وہ پاپڑ بیلا جاتا ہے، جس سے میم صاحب کو رام کیا جا سکے۔ کیا میں احمدی ارباب حل و عقد کو جو یورپ میں رہتے ہیں، اور ایک عرصہ سے یہاں مقیم ہیں، سوال کر سکتا ہوں، کہ کیا کوئی بھی یورپی عورت بغیر ایک ٹیسٹ پریڈ کے طور پر ایک خاص عرصہ ساتھ گزارنے سے پہلے شادی پر آمادہ ہو سکتی ہے؟ کیا فرماتے ہیں علماء احمدیت اس مسئلہ میں؟

قادیانی جماعت اس خیال میں ہے کہ غیر ملکوں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سیٹ کروا کر جماعت کی مالی حالت کو مضبوط بنا کر لوگوں کے سامنے جواز پیش کیا جائے کہ جماعت کا بجٹ ہر روز بڑھ رہا ہے لیکن ایک دن آئے گا جب جماعت ایسے ممبران سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ جرمنی کے شہر **Reklenghausen** میں ایک احمدی ساجد صاحب جو قادیانی فارم بھر کر قادیانیت سے بیعت ہوئے، اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا۔ بشارت احمد محمود مربی جماعت احمدیہ جرمن، ان کو سمجھانے کی غرض سے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دو چار دفعہ جانے پر ساجد صاحب نے دروازہ نہ کھولا۔ مربی صاحب

کے کئی بار جانے پر بالآخر اس نے پولیس کو ٹیلی فون کر دیا کہ یہ شخص خواہ مخواہ میرے گھر کے امن میں مداخلت کر رہا ہے۔ پولیس نے بشارت صاحب کو سخت وارننگ دی اور یوں تمام لوگوں کے کیس منظور ہو گئے اور وہ خود بخود "ساجد" بن گئے۔

اس بات کے تصور سے میری روح کانپ اٹھتی ہے کہ آزادی اظہار، مذہبی آزادی اوز انسانی ضمیر کے ان نام نہاد ٹھیکیداروں کا جب اصلی روپ سامنے آئے گا تو شرم بھی اپنے دروازے بند کر لے گی اور لعنت بھی ان کی منافقت پر لعنت ڈالنا پسند نہیں کرے گی۔

قادیانی جو ایک عالمگیر مذہب کے دعوے دار ہیں، درحقیقت ایک پرائیویٹ طور پر کلیم کیا ہوا مذہب ہے۔ عالمگیر مذہب کے جو اصول، مفکرین مذہب نے متفقہ طور پر تسلیم کیے ہیں، قادیانیت سے بہت ہی بعد رکھتے ہیں۔ گو حقیقت تلخ ہے لیکن حقیقت سے احتراز تو نہیں کیا جا سکتا۔

دراصل جماعت جو Sicuritate اور Gastapo بنی ہوئی ہے، اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں دن رات ہر آدمی دوسرے آدمی کی جاسوسی کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے جو میں دعوئی سے کہہ سکتا ہوں کہ جماعت کے لوگوں کی اکثریت، اپنے عقیدہ سے مطمئن نہیں ہے اور بے شمار لوگ میری اس بات کی تصدیق کریں گے لیکن وہ گستاپو کی وجہ سے مظلوم ہیں۔

قادیانی جماعت کے خلیفہ کی سب سے بڑی پرابلم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو جواب دہ محسوس نہیں کرتا۔ اس جماعت کے پاس سب سے بڑا ہتھیار جو ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ ہے جواب دہی سے بریت۔ ہر طبقہ کے احتساب کے لیے ایک ضابطہ ہے لیکن قادیانی جماعت کا سربراہ مادر پدر آزاد اور بے لگام ہے۔ میں ان لوگوں کے لیے خطرہ ہوں جو نام نہاد اولی الامر بنے بیٹھے ہیں اور مخلوق خدا کو متکبرین کی طرح جبر اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں اور احبار اور راہبوں کی طرح مخلوق خدا کے اموال کو ہضم کر رہے ہیں اور جو لوگ ان کی نام نہاد سچائی کو للکارتے ہیں، انھیں وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ مجھے اس طرح کا تاثر دیا گیا کہ جس کو جماعت سرٹیفکیٹ جاری نہ کرے، اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس کا دین، دنیا سب رائیگاں ہیں۔ وہ دنیا میں رہنے کا حق دار نہیں۔ دراصل ایک مسلسل پروپیگنڈا کہ احمدی ایک منجی مخلوق ہیں اور دوسرے تمام لوگ فاسق و فاجر ہیں، ایک خطرناک رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ یہاں صرف ایک ہی چیز سمجھائی جاتی ہے کہ جو احمدی نہیں ہے، وہ خدا کی مخلوق نہیں ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ یورپ میں کسی کے خلاف عدالت کو یہ مطلع کرنا کہ یہ شخص گاہے بگاہے الکحل نوشی اور قمار بازی کرتا ہے، ایک مذاق سا لگتا ہے کیونکہ یہ چیزیں یورپ کے معاشرہ کا جزو ہیں لیکن ایک ایسی جماعت جو صرف شعائر اسلامی کی حفاظت کی خاطر اپنا ملک، گھربار چھوڑ کر یورپ کی حسین وادیوں میں پناہ گزین ہو، جس کے سربراہ کا شعائر اسلامی کی حفاظت میں آنسو بہانا، کیسٹوں، پمفلٹوں، کتابوں،

بینروں، اشتہاروں اور مباہلہ میں اس کو نشر کیا جاتا، جو صرف اور صرف اپنے تئیں محافظ اسلام، حقیقی اسلام اور اس اسلام کے دعوے دار ہوں جس کا اعلان کرتے کرتے ان کا گلا نہ سوکھتا ہو، جو اپنے جوانوں کی مثال معصوموں سے اور خود کو امیر المومنین کہلواتا ہو۔ اس کی جماعت ناجیہ سے اگر افعال قبیحہ وشنیعہ سرزد ہوں تو یہ نہایت قابل مذمت بات ہے۔ اسلام صرف اس بات کا نام تو نہیں کہ پاکستان سے باہر نکل کر مسلمانوں اور پاکستان کی حکومت کے خلاف کوئی فرد جرم باقی نہ رکھی جائے لیکن عملاً حقیقی اسلام کے وارث کیا گل کھلاتے ہیں؟ ان کی اصلاح کی خاطر آواز بلند کرنے والے کو بذریعہ پولیس ملک سے خارج اور جماعت سے باہر نکال کرنے کی کارروائی شروع کر دی جاتی ہے۔

میرے بار بار احتجاج کرنے پر کہ نوجوان احمدیت کچھ ایسے کام کر رہے ہیں جس سے جماعت اور اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔ میں نے مرزا طاہر احمد کو کئی خط لکھے کہ ہم احمدی پاکستان سے اس لیے ہجرت کر کے آئے ہیں کہ ہمارا طریق عبادت اور روایات مذہبی کو پاکستان میں خطرہ ہے، انھی روایات کو ہمارے اکثر احباب پامال کر کے احمدیت یعنی "حقیقی اسلام" کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ میرے پاس امیر صاحب کے خطوط موجود ہیں جن میں انھوں نے فرداً فرداً مجھے ان اصحاب (عبدالسلام، بشارت احمد محمود وغیرہ) کے خلاف کارروائی کا یقین دلایا مگر آج تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

ہم یورپ میں رہ رہے ہیں۔ جب ہم تبلیغ "سلسلہ عالیہ احمدیہ" کرتے تھے تو اس سلسلہ میں جن کو تبلیغ کی جاتی تھی، ان کے اعتراضات کے جواب بھی دینے پڑتے تھے۔ مثلاً میرے لے جرمن ایک لٹریری آدمی ہیں اور مذہبا (Atheist) ہیں۔ فرانسیسی ادیب (Albert Camas) کے مداح ہیں اور یہاں کے تعلیم بالغاں کے کالج میں جرمن زبان کے علاوہ کئی غیر ملکی زبانوں کے لیکچرار ہیں۔ ان سے اکثر "سلسلہ عالیہ" کی بابت، بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ انھوں نے ایک جرمن کتاب "Reneicense des Islams" جس کے مصنف مشہور پروفیسر ڈاکٹر عادل تھیوڈر خوری ہیں، جن کا اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام ہے۔ گو وہ لبنانی عیسائی (مارون فرقہ سے تعلق ہے) ہیں۔ ان کا، ترجمہ قرآن کریم 10 جلدوں میں جرمن زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر خوری نے لکھا ہے احمدی اپنے موقف میں کفن مسیح کے حوالے دے کر وفات مسیح کے حق میں دلائل دیتے ہیں اور بڑی شد و مد کے ساتھ اس کو اپنے موقف میں پیش کرتے ہیں لیکن اچانک 88ء میں سوئٹزر لینڈ کے ماہرین نے اس (Turines Grabtuch) یعنی اٹلی کے شہر ٹورین میں واقع اس مشہور کفن کو ایک نقل قرار دیا۔ تو میرے استاد نے مجھے اس کفن کی مکمل اور جامع فوٹو دی اور کہا کہ اب جب کہ کفن جعلی قرار دیا جا چکا ہے، تمہاری جماعت کیا کہتی ہے؟

میں نے مقامی صدر جماعت احمدیہ سے اس بارہ میں معلوم حاصل کرنا چاہیں لیکن وہ بھی حواس باختہ ہو کر کہنے لگے کہ جماعت کا اس پر بہت انحصار تھا۔ اب تو مجھے بھی پتہ نہیں کہ اس کا کیا بنے گا؟ میں نے

مرزا طاہر کو خط لکھا لیکن جواب ندارد۔ دراصل اس سلسلہ میں قادیانی جماعت کا عقیدہ Spebulatis ہے۔ اس لیے ان تمام پاپڑوں کے بیلنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مشہور جرمن فلسفی Ludueig Fever Bach اپنی کتاب (Das Wesen des Christentums) یعنی ”عیسائیت کی روح“ میں مذہب اور سچائی کی پرکھ کے متعلق لکھتا ہے:

> ترجمہ: ”بائبل اخلاق سے متصادم، عقل سلیم سے متصادم، خود اپنے آپ سے متصادم نظریات کی حامل ہے۔ یہ تضاد ایک نہیں، بے شمار مرتبہ بائبل میں ہے۔ سچائی متضاد اور متصادم نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سچائی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ متصادم ہو۔“

قادیانی جماعت کے عقائد اور مرزا قادیانی کے دعاوی میں بے شمار تضادات ہیں اور یہ سچائی سے بعید ہیں اور اس قدر بعید کہ اس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں ہیں۔ میرے خیال میں تضادات کے مجموعہ کا نام تعلیمات احمدیہ ہے۔ اسی لیے اس جماعت کو اپنے ممبروں کی نگرانی کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ بھی اس چیز سے، عقیدہ سے، خیال سے، مطمئن نہیں جن کا وہ پرچار کرتے ہیں۔ اسی تضاد کی وجہ سے سو سال پرانے تضادات کے جواب وہ آج بھی مکمل نہیں کر سکے۔ کیونکہ ہر تضاد کے جواب کے بعد نیا تضاد پیدا ہو جاتا ہے؟

قادیانیوں کا غیر ممالک میں لٹریچر شائع کرنا اور پھر پاکستان میں دم توڑتی ہوئی قادیانیت کو جھوٹی تسلیاں دینے کے لیے بڑے دھوم دھڑکے سے یہ کہنا کہ ہم نے فلاں زبان میں اتنا لٹریچر شائع کروایا ہے، کی حقیقت کیا ہے؟ کسی بھی مغربی ملک کی بڑی سے بڑی بک شاپ پر چلے جائیں، قادیانیوں کی کوئی کتاب آپ کو نہیں مل سکے گی۔ خانہ ساز نبوت کی طرح ان کی کتابیں بھی ان کے گھروں سے باہر نہیں نکل سکیں...... پھر دہائی دیتے ہیں کہ ہم نے جرمن، فرنچ، لاطینی اور انگریزی زبان میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے کثیر تعداد میں نسخے پہلے سے موجود تھے...... ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے تحریف شدہ قرآن پاک کے تراجم شائع کروائے ہوں۔

پاکستان میں سادہ لوح قادیانیوں کو کروڑوں کے حساب سے بجٹ دکھا کر یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ چونکہ جماعت کا بجٹ بڑھتا جا رہا ہے، اس لیے ترقی ہو رہی ہے، حالانکہ غور طلب پہلو تو یہ ہے کہ جس جماعت کی سرپرستی یہودی لابی اور استعماری طاقتیں کر رہی ہوں، اس کا بجٹ کیسے کم ہوسکتا ہے۔ قادیانیوں کے خلیفہ کے پاس قادیانیت میں کشش پیدا کرنے کے لیے ایک ہی ہتھیار رہ گیا ہے کہ مسلمانوں کو قادیانیت کا لالچ دے کر اور دم توڑتے ہوئے قادیانیوں کو سنبھالا دینے کے لیے انھیں غیر ممالک، بالخصوص یورپ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ میں سیٹ کر دیا جائے۔

جرمنی کی عدالتیں تو بہت حد تک قادیانیوں کو سیاسی پناہ دینے سے گریز کرتی ہیں، لیکن بین الاقوامی سطح پر مغربی ممالک کی حکومتیں غالباً یہودی اور عیسائی لابی کے دباؤ یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر، نہ صرف قادیانیوں کو برداشت کرتی ہیں، بلکہ ان کی ہر ممکن سرپرستی بھی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جرمنی میں کسی قادیانی کو سیاسی پناہ کا کیس خارج ہونے پر بھی ملک بدر نہیں کیا جاتا، جبکہ اس کے برعکس دیگر تمام غیر ملکیوں کو ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں جرمنی کے سب سے بڑے صوبے N.R.W کی ہائی کورٹ نے آج تک کسی قادیانی کو سیاسی پناہ نہیں دی۔ وہ آج تک اس موقف پر قائم ہے کہ اگر قادیانیوں کو مسلمانوں سے تکلیف ہوتی ہے تو مسلمانوں کو بھی، جو اکثریت میں ہیں، احمدیوں کے عقائد کی وجہ سے دل آزاری ہوتی ہے۔ میں عرصہ سات سال سے اس تمام صورت حال کا بڑی تفصیل سے جائزہ لے رہا ہوں اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قادیانی امریکہ اور اسرائیل کے دست و بازو ہیں، کیونکہ امریکہ اور اسرائیل کو عالم اسلام کے قلب میں یہود کا خنجر گھونپنے کی سازش صرف اس فتنہ قادیانیت کے ذریعے ہی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔

الغرض ان ممالک میں عیسائی و یہودی سرپرستی کے باوجود قادیانی غبارے سے ہوا نکل چکی ہے۔ قادیانی جماعت جب بلند و بانگ دعوے کرتی ہے کہ فلاں ملک میں یہ کیا، فلاں ملک میں یہ کیا تو یہ صرف "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" دینے والی بات ہوتی ہے۔ جہاں ان کے قدم نہ جمیں یا ان کا دعویٰ غلط ثابت ہو جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ فلاں خلیفہ نے کہا تھا کہ اس سرزمین پر خدائی رحمت نہیں ہوگی۔ اس کی مثال عرض کرتا چلوں کہ فرانس میں قادیانی جماعت کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ وہاں مراکش، الجزائر اور تیونس وغیرہ سے مسلمانوں کی ایک خاص تعداد موجود ہے اور ان کے پروپیگنڈا کے امکان معدوم ہو گئے ہیں۔ اس کے متعلق قادیانی اخبارات نے لکھا کہ حضرت مصلح موعود (مرزا بشیر الدین) نے پیشین گوئی کی تھی کہ "پیرس کی سرزمین احمدیت کی برکت سے محروم رہے گی۔" دراصل قادیانیوں کے پاس منافقت کا مہلک ہتھیار ہے، جس سے انھوں نے عالم اسلام پر گہرے وار کیے ہیں اور کر رہے ہیں۔ میں نے قادیانی خلیفہ اور دیگر قادیانی رہنماؤں کو کئی خطوط لکھے ہیں، لیکن آج تک میرے کسی بھی خط کا جواب نہیں دیا گیا۔ جرمن میں جہاں میں کام کرتا ہوں، وہاں اور بھی پاکستانی کام کرتے ہیں، جن میں چند قادیانی بھی ہیں۔ پاکستانی مسلمان مجھ سے کہتے ہیں کہ مرزائی تم کو قتل کروا دیں گے، تم ہوشیار رہا کرو۔ میں نے ان سے کہا کہ میں کوئی مرزا طاہر ہوں جو بلٹ پروف جیکٹ پہن کر پھرتا رہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قادیانی جماعت کے بزدل کارکنان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس دیار غیر میں اگر میں اکیلا ہوتا تو بہت پہلے ان کے ہاتھوں لٹ چکا ہوتا، لیکن میں یہاں تنہا نہیں کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو شخص عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے، اس کی پشت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ ہوتا ہے۔

قادیانیت اور پاکستان

اصل میں قادیانیوں نے مسلمانوں کو حالات کے تانے بانے میں پھنسا رکھا ہے اور خود مسلمانوں کی فروعی اور اختلافی باتوں سے فائدہ اٹھا کر امت مسلمہ کے لیے دنیا بھر کے اسلام دشمنوں سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں۔ مغربی ممالک میں پاکستان ہی نہیں، دنیا بھر کے مختلف ممالک کے لوگ سیاسی پناہ کی درخواستیں دیتے ہیں، لیکن آج تک پاکستان کے علاوہ کسی بھی اسلامی ملک سے اس بنا پر کسی نے سیاسی پناہ کی درخواست نہیں دی ہو گی کہ اس کو مسلمانوں یا اسلام کی تعلیمات سے خطرہ ہے۔ یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ یہ ''سعادت'' اہالیان پاکستان کے حصے میں آئی۔ اسلام دشمن استعماری طاقتوں نے پوری دنیا میں مسلم طاقتوں کو اپنے پنجے میں جکڑنے کے لیے اپنے گماشتے پھیلا رکھے ہیں۔ پاکستان میں ان استعماری طاقتوں کے مفادات کے محافظ قادیانی ہیں۔ یہ لوگ رہتے پاکستان میں ہیں، ان کی جائیدادیں پاکستان میں، ان کے عزیز و اقارب پاکستان میں، لیکن ہر وقت پاکستان کے لیے برا سوچنا، برا مانگنا اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہنا، ان کے فرائض میں شامل ہے۔ مسلمانوں کے آپس میں اختلافات اور نفاق کی بدولت یہ فتنہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب ان کا ہاتھ مسلمانوں کے گریبان تک پہنچ رہا ہے اور ہر وقت ان کی کوشش ہوتی ہے کہ مغربی ممالک کو مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف کیا جائے، جبکہ دوسری مغربی طاقتیں تو چاہتی ہی یہی ہیں کہ مسلم ممالک میں افراتفری رہے۔ پاکستان میں ان کو اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس فتنہ کو، جو کہ خود ان کی پیداوار تھا، اس کام کے لیے تیار کیا۔ انگریزوں نے ان کو پاکستان لانے کی سازش کی۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ قادیانی اب بھی اپنے مردے ربوہ میں امانتاً دفن کرتے ہیں اور موقع ملنے پر قادیان لے جانے کے خواہش مند ہیں۔ ان کے سابق نام نہاد خلیفہ مرزا محمود کی قبر پر اس کی وصیت کا ایک کتبہ بھی لگا دیا گیا تھا، جسے بعد میں مسلمانوں کے احتجاج پر اتار دیا گیا۔ اس طرح کے واقعات کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ قادیانی اس ملک کے کتنے وفادار ہیں۔ بیرون ملک رہتے ہوئے قادیانی رہنماؤں کے بیانات، تاثرات اور سرگرمیوں کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قادیانی کبھی بھی پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

دنیا بھر میں یہ شرف صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ہی حاصل ہے کہ وہاں سے آ کر مغربی دنیا میں سیاسی پناہ حاصل کرنے والے اسلام اور پاکستان کے نام کو بدنام کر کے سیاسی پناہ کی درخواست داخل کرتے ہیں۔ دنیا کا کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جس کے باشندے یہ کہہ کر کسی سیاسی ملک میں پناہ سیاسی کی درخواست کرتے ہوں کہ ہمیں اسلام اور مسلمانوں سے خطرہ ہے۔ اسلام کو بدنام کروانے کا ''شرف'' صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کو حاصل ہے۔ میرے پاس عدالتوں کے تحریری ثبوت ہیں کہ خود جرمن عدالتوں کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ احمدیوں سے سوال کرتی ہیں کہ کیا ایک ریاست اپنے اکثریتی آبادی کے مذہبی جذبات کا

تحفظ کرنے کی پابند نہیں؟ کیا عقائد احمدیہ سے ان کی دلازاری نہیں ہوتی؟ احمدی خود اپنے لیے جس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں، دوسروں کے لیے اس سے برعکس کارروائی کرتے ہیں۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ فرقہ سمجھتے ہیں تو ان کو مسلمانوں کے رسم و روایات اور تہذیب و ثقافت پر دعویٰ کا کوئی حق نہیں۔ یہ کوئی جنگل کا قانون تو نہیں ہے کہ جس کے جی میں جو آئے، کہے کہ یہ تو میرا ہے۔

1400 سالہ روایات، رسوم، طریق عبادت جس مذہب کے ہیں، جنھوں نے اس کی حفاظت کی، جانیں دیں، مال گنوائے، تکلیفیں اٹھائیں، ان کا کوئی حق نہیں اور ایک اٹھائی گیر گھر میں داخل ہو کر کہے کہ گھر میرا ہے۔ کیا آپ اس بات کا تصور کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی بچہ اغوا کرنے کے بعد یہ دلیل دے کر میں اس بچے کی، اس کی ماں سے زیادہ اچھی حفاظت کر سکتا ہوں۔

اخلاقی پاکیزگی کے دعویدار قادیانی

بیرونی ممالک میں جہاں تک قادیانیوں کی اخلاقی حالت کا تعلق ہے...... میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈال سکوں۔ پاکستان میں یہ اخلاق کے درس دیتے ہوئے نہیں تھکتے۔ قادیانی خلیفہ اسلام کی خاطر آنسو بہاتا نظر آئے گا، لیکن قادیانیوں کی اخلاقی حالت دیکھ کر شاید اسے کبھی رونا نہیں آیا۔ سنا ہے ربوہ میں قادیانی جماعت سینما نہیں بننے دیتی، لیکن یہاں جرمنی میں ہر نئی فحش اور غیر اخلاقی فلم، جو انڈیا سے یہاں پہنچتی ہے، قادیانی جماعت کے صدور صاحبان کے گھروں میں جا کر دیکھی جا سکتی ہے۔ میرے پاس یہاں کی قادیانی جماعت کے ایک ذمہ دار فرد کی تصویر موجود ہے، جس میں وہ جام ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں۔ ایک اور قادیانی خاتون کی تصویر بھی میرے پاس محفوظ ہے، جو ہندوستانی ساڑھی میں ملبوس غیر محرم افراد کے جھرمٹ میں اخبار کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ یہ صاحبہ نائیجیریا میں قادیانی جماعت کے سربراہ، ایک ڈاکٹر کی بیٹی ہیں۔ آج کل میلوں اور تہواروں کے موقع پر دکان سجاتی ہیں، جہاں سے شرابیوں اور غنڈوں کے ہاتھوں سودا فروخت کر کے "اسلام" کی خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔ قادیانی خلیفہ نے یورپ اور دیگر امیر ممالک میں قادیانیوں کو سمگل کرنے کا جو پروگرام بنایا ہوا ہے، اس میں اس نے تمام اخلاقی قدروں کو فراموش کر دیا ہے۔ میں تو ابھی تک نہیں جان سکا کہ جب قادیانی اپنی نوجوان لڑکیوں کو پاکستان سے سمگل کر کے جرمنی میں لاتے ہیں تو اس سے "اسلام" کی کونسی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ مملکت خداداد پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت کیا جا رہا ہے۔ سور کے گوشت اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت کی دکانیں قادیانیوں کی ہیں۔ بے حیائی میں تو انگریز بھی ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ گرل فرینڈز کا رواج ان میں عام ہے۔ مغربی ممالک کے حالات سے معمولی واقفیت رکھنے والے افراد بھی یہ جانتے ہوں گے کہ مغربی عورتیں کسی بھی مرد کے ساتھ دو سال کا عرصہ گزارنے سے پہلے شادی نہیں کرتیں۔ ان کو کسی ترقی پذیر

ملک کے افراد سے کیا مفاد ہو سکتا ہے، صرف اور صرف جنسی تسکین۔ اسلام کے نام پر مگر مچھ کے آنسو بہانے والے قادیانی خلیفہ کو اس بات کی خبر تو ہو گی کہ جرمنی کی خواتین اور جرمنی میں موجود پاکستانی قادیانیوں کے درمیان طے پانے والی شادیاں اسی فرینڈ شپ کی بنیاد پر ہوتی ہیں اور یوں جرمنی میں مقیم قادیانی شادی سے پہلے غیر ملکی خواتین کے ساتھ ڈیڑھ دو سال کا عرصہ گزار کر زنا کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔

حال ہی میں روزنامہ "جنگ" لندن اور لاہور (پاکستان) نے اپنی اشاعت 28،14 اور 30 نومبر 1991ء میں لندن کے نائٹ کلب میں "عریاں شو" پیش کرنے والی نوجوان قادیانی لڑکیوں کے بارے میں تہلکہ آمیز انکشافات کیے ہیں:۔

> "(ظفر اقبال نگینہ) جنوبی لندن کے نائٹ کلبوں میں برہنہ ڈانس کرنے والی زرینہ رمضان اور قمر اشرف نے اخبارات میں اپنی تشہیر کے بعد نائٹ کلبوں اور نجی تقریبات میں اپنی بے حیائی کو منظر عام پر لانے کی بکنگ کا معاوضہ چار گنا کر دیا۔ تین سالوں میں چار لاکھ پاؤنڈ کمایا جبکہ جون 92ء تک مختلف کلبوں اور نجی تقریبات کے لیے بک کی جا چکی ہیں۔ اس بکنگ کے حساب سے ان کی مجموعی آمدن ایک کروڑ پاؤنڈ تک جا پہنچے گی۔ 24 سالہ زرینہ رمضان اور 19 سالہ قمر اشرف دونوں سہیلیاں ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کا تعلق پاکستان سے ہے۔ زرینہ رمضان کا والد ملتان کا رہنے والا ہے جو 1960ء میں ترک وطن کر کے لندن چلا گیا تھا، جہاں زرینہ کی پیدائش ہوئی۔ 1948ء میں زرینہ نے والد کے انتقال کے بعد مختلف اداروں میں ملازمت اختیار کی۔ اسی دوران اس کی دوستی ایک نوجوان سے ہو گئی۔ دوستی شادی کے بندھن میں بدل گئی، لیکن زرینہ کی آوارہ مزاجی اصلاح کی راہ پر نہ آ سکی اور یوں دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد زرینہ رمضان نے اپنی پسند سے دوسری شادی کی لیکن یہ بندھن بھی ٹوٹ گیا۔ تب زرینہ رمضان نے اپنی سہیلی قمر اشرف کے ہمراہ نائٹ کلبوں میں رقص کرنے والی لڑکیوں سے رابطہ کیا۔ انھوں نے کلب انچارج ڈانس ماسٹر اور دو برطانوی عورتوں سے انھیں ملوایا جو باقاعدہ ڈانس کی تربیت بھی دیتی ہیں۔ چار ماہ کے تربیتی کورس کے ساتھ ہی زرینہ رمضان اور قمر اشرف نے نائٹ کلبوں میں باقاعدہ رقص شروع کر دیا۔ تین سال کے عرصہ میں نائٹ کلبوں میں ڈانس کر کے دونوں سہیلیوں نے تقریباً چار لاکھ پاؤنڈ کمائے اور جب ان کی مانگ ذرا کم ہوئی تو دونوں نے نائٹ کلبوں میں ڈانس چھوڑ کر ساؤتھ ہال کے ایک فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں، جو بھارتی کمپیوٹر آپریٹر کی ملکیت ہے، برہنہ ڈانس کر کے اپنی بے حیائی کی انتہا کر

دی۔ بے حیائی کے اس شیطانی پروگرام میں داخلہ کی فیس سو پاؤنڈ فی کس کے حساب سے مقرر کی گئی، جبکہ ہر تماشبین پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ کم از کم دو سو پاؤنڈ لے کر پروگرام دیکھ سکیں گے اور پروگرام کے دوران یہ دو سو پاؤنڈ انھیں زرینہ رمضان اور قمر اشرف پر نچھاور کرنا ہوں گے۔ حوا کی بیٹیوں کے شیطانی رقص کا پہلا پروگرام ایک گھنٹہ 45 منٹ تک جاری رہا اور اسے دیکھنے والوں کی مجموعی تعداد 45 افراد پر مشتمل تھی، جس میں کلب انچارج، رقاص اور منتظم برطانوی عورتیں شامل تھیں۔ پروگرام میں بھارتی اور پاکستانی فلمی گانوں پر زرینہ رمضان اور قمر اشرف رقص کرتی رہیں۔ پروگرام کی ابتدا “میرا لونگ گواچا” سے کیا گیا۔ قمر اشرف نے اس گانے کی دھن پر پاکستان کے روایتی دلہن والے لباس میں رقص کیا۔ اس نے لہنگا، دوپٹہ اور چوڑیاں پہن رکھی تھیں جبکہ تماشبین جام سے جام ٹکرا رہے تھے۔ پہلے دو گانوں پر قمر اشرف نے رقص کیا جبکہ زرینہ رمضان نے اپنے رقص کی ابتدا “بجاؤ سب مل کے تالی کہ آئے ناچنے والے” سے کی۔ اس دوران تماش بینوں کی بدمستیاں عروج پر تھیں اور وہ بے تحاشا پاؤنڈ نچھاور کیے جا رہے تھے اور زرینہ رمضان اپنے پاؤں کی انگلیوں سے پاؤنڈ اٹھاتی رہیں۔ اس پروگرام میں دونوں سہیلیوں نے 19 گانوں پر رقص کیا اور مجموعی طور پر چھ بار لباس بدلا اور یوں لباس بدلتے بدلتے بے لباس ہوتی چلی گئیں۔ قمر اشرف نے برہنہ رقص کی ابتداء پروگرام کے 13 ویں گانے “آج جمعہ ہے” سے آغاز کیا اور یوں دونوں سہیلیوں نے سات گانوں پر اپنی بے حیائی سے شیطان کو بھی مات دے دی۔ بے حیائی کے اس پروگرام کے تماش بینوں میں 9 پاکستانی، 18 ہندوستانی اور باقی برطانوی شہریت رکھنے والے مرد اور عورتیں موجود تھیں۔ پروگرام کے دوران دو برطانوی عورتیں فاتحانہ شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ جام پر جام چڑھائے جا رہی تھیں۔ پروگرام کے اختتام پر زرینہ رمضان اور قمر اشرف کو بحفاظت ان کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا۔ تب سے اب تک وہ لندن کے نائٹ کلبوں اور نجی تقریبات کے لیے بک ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ زرینہ رمضان کی والدہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ قادیانی ہے اور ماں بیٹی نے محض پاکستان اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور دولت سمیٹنے کے لیے بے حیائی کے ان پروگراموں کی بکنگ کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے، جبکہ برطانیہ میں موجود ہزاروں پاکستانی گزشتہ تین ماہ سے ان کو قتل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ دوسری طرف برطانوی پولیس نے رسوائے زمانہ، شاتم رسول، سلمان

> رشدی کی جان کی حفاظت کے ساتھ زرینہ رمضان اور قمر اشرف کی حفاظت کا بھی ٹھیکہ لے لیا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان موجود رکھنے کا عزم کر رکھا ہے۔“

پاکستانی حکمران...... کیا کر رہے ہیں؟ کیا کرنا چاہیے؟

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان میں بیشتر تخریبی کارروائیوں میں قادیانی ملوث ہیں۔ مغربی ممالک میں ظلم ظلم کی جو یہ دہائی دے رہے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تو حکومت کا کام تھا کہ غیر ممالک میں اس قادیانی پراپیگنڈے کے اثر کو زائل کرنے کے لیے اقدامات کرتی اور ان ممالک کی حکومتوں اور عوام کو بتایا جاتا کہ کس طرح قادیانی عقائد کی وجہ سے مسلم اکثریت کی دل آزاری ہو رہی ہے، لیکن نجانے حکومت اور پاکستانی سفارت کاروں کو کون سی خفیہ طاقت اس اقدام سے باز رکھے ہوئے ہے۔ یہاں جرمنی میں مختلف عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ پاکستان میں قادیانی عقائد کی وجہ سے مسلم اکثریت کی دل آزاری ہو رہی ہے۔ حکومت نے اپنا فرض نبھایا ہوتا تو صورت حال کبھی بھی اتنی خراب نہ ہوتی۔ اولاً تو حکومت نے کبھی یہ کوشش ہی نہیں کی کہ سیاسی پناہ کی درخواستوں کی سماعت کرنے والی مغربی ممالک کی عدالتوں یا ان کی حکومتوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے، جبکہ قادیانی جماعت پاکستان کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے منہ سے نکلے ہوئے معمولی سے الفاظ بھی فوراً ان عدالتوں میں لے جاتے ہیں۔ کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں کہ وہ یورپی مشترکہ منڈی کی پارلیمنٹ اور تمام مغربی ممالک کو اس بات سے آگاہ کرے کہ خود ساختہ مظالم کی داستانیں، جنھیں قادیانی خود ہی تخلیق کر کے ان کی وسیع پیمانے پر تشہیر کر رہے ہیں، بے بنیاد ہیں۔ حکومت پاکستان کو ان ممالک پر واضح کر دینا چاہیے کہ اگر ان کو قادیانیوں سے اتنا ہی پیار ہے تو وہ بخوشی جتنے قادیانی چاہیں، اپنے ملک میں منگوا لیں۔ لیکن پاکستانی عوام کی اکثریت کو الزام نہ دیں کہ وہ قادیانیوں کو ملک میں رہنے نہیں دیتے، جبکہ اس کے برعکس قادیانی، مسلمان اکثریت کے عقائد کو تضحیک کا نشانہ بنا کر 99 فیصد سے بھی زیادہ لوگوں کی دل آزاری کر رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں جہاں پر قواعد وضوابط نہ ہوں۔ کیا دیگر ممالک میں قادیانی اس بنا پر سیاسی پناہ حاصل کر رہے ہیں کہ ان کو جو جی میں آئے، کرنے کی اجازت ہے؟ جی نہیں۔ پاکستان میں رہ کر مذہبی پابندیوں کا شور وغوغا کرنے والے قادیانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیگر ممالک میں بھی قادیانیوں پر مذہبی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ جرمنی ہی کو لیجیے۔ جرمنی میں سیاسی پناہ حاصل کرنے والے قادیانی بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جرمنی میں

☐ کسی علاقے میں مسجد بنانے کی صرف اس صورت میں اجازت ہے جب اس علاقے کے تمام باشندے متفق ہوں (جبکہ ایسا بہت کم ممکن ہوتا ہے)۔

☐ کسی بھی مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے کی اجازت نہیں۔

☐ کسی بھی غیر عیسائی اقلیت کو اپنا قبرستان بنانے کی اجازت نہیں۔

☐ کسی بھی مسلمان کو دوسری شادی کی اجازت نہیں۔

اس طرح کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ مختلف طبقات کو کئی قسم کی آزادیاں حاصل نہیں۔ برطانیہ میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین پر سزا کا قانون تو موجود ہے، لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی پر سزا کے لیے کوئی قانون نہیں۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ قادیانی، پاکستان سے جن مذہبی پابندیوں کا بہانہ کر کے دیگر ممالک کی طرف بھاگتے ہیں، وہاں بھی ان پر ایسی ہی پابندیوں کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے پاکستانی حکومت یا عوام کو الزام دینا سراسر غلط ہے۔ حقیقت میں ان کی بیرون ملک روانگی قادیانی جماعت کے خفیہ عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک طرف تو قادیانی، پاکستانی حکومت اور عوام کے خلاف واویلا کرتے ہیں کہ ہمیں کافر قرار دے دیا گیا ہے اور دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ خود قادیانیوں نے پوری امت مسلمہ کو کافر قرار دے کر نہ صرف مسلمانوں کی تضحیک کی، بلکہ خود کو مسلمانوں سے علیحدہ کر لیا ہے۔

☐ پاکستانی حکومت نے انھیں ووٹ کا حق دیا، لیکن قادیانی نہ صرف اس حق کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ اس قانون کی تضحیک اڑاتے ہیں۔

☐ اگر کوئی قادیانی پارلیمنٹ کی مخصوص نشست پر منتخب ہوتا ہے تو اسے قادیانی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

☐ ملک کی کوئی بھی عدالت ان کے خلاف کسی کیس کی سماعت کرے تو قادیانی اس کو Legitimate نہیں مانتے۔

☐ ملکی پارلیمنٹ ان کے زمرہ میں کوئی قرارداد پاس کرے تو یہ اسمبلی کو ”نام نہاد“ قرار دیتے ہیں۔

مغربی ممالک میں یہ تمام کارروائیاں ملک دشمنی کے زمرہ میں آتی ہیں تو پاکستان میں ایسی کارروائیاں کرنے پر قادیانیوں کو کیسے محب وطن قرار دے دیا جائے؟ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی دھجیاں اڑانے والوں کا محاسبہ کرے اور مغربی ممالک سمیت حقوق انسانی کی تنظیموں تک قادیانیوں کی قانون شکنی کے واقعات پہنچائے۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل وغیرہ قادیانیوں کی منظم تنظیم کے زیر اثر ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی 1989ء کی رپورٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ”چنیوٹ سے ربوہ جاتے ہوئے دو قادیانیوں سے مسلمانوں نے کلمہ کے بیج اتروا لیے، اس لیے ان پر ظلم ہو رہا ہے۔“

پاکستانی مسلمان اگر قادیانیوں کو قانون کی خلاف ورزی کر کے اہل اسلام کے جذبات مجروح

کرنے سے روکیں تو یہ ظلم ہوا، لیکن دیگر جگہوں پر مختلف اقوام خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا بدترین تشدد، ایمنسٹی کی نظر سے کیوں اوجھل ہے؟ جرمنی کو ہی لیجیے۔ یہاں سکن ہیڈ اور ہپی وغیرہ پر بڑے ریلوے سٹیشن پر جرمن شہری غیر ملکیوں کو لوٹ لیتے ہیں، مارتے ہیں، غیر ملکیوں کی جائیدادیں چھین لیتے ہیں، لیکن آج تک ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ ایمنسٹی تک پاکستانی مسلمانوں کے اکثریت کے موقف کے نہ پہنچنے میں بھی بہت حد تک حکومت قصوروار ہے۔ یہ امر تسلیم سہی کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل قادیانیوں کے زیر اثر ہے، لیکن حکومت پاکستان نے ایمنسٹی کو قادیانیوں کے بارے میں معلومات فراہم کب کی ہیں؟

چک سکندر آباد میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے پر قادیانیوں اور مسلمانوں میں تصادم ہوا۔ قادیانیوں نے ایک مسلمان شہید کر دیا۔ نتیجے کے طور پر مسلمانوں نے 30 کے قریب قادیانیوں کے گھروں کو نقصان پہنچایا، لیکن قادیانیوں نے جرمنی کی ایک عدالت میں سیاسی پناہ کے ایک کیس میں یہ بتایا کہ چک سکندر آباد میں قادیانیوں کے 100 گھر جلا کر خاکستر بنا دیے گئے۔ انھوں نے ثبوت کے طور پر روزنامہ "حیدر" راولپنڈی کا ایک تراشہ پیش کیا۔ میں نے عدالت کو قادیانیوں کی اس غلط بیانی کی اطلاع دی اور چیلنج کیا کہ اگر جرمن حکومت تحقیقات کروائے تو میں اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں عدالت کو خط ارسال کیا۔ عدالت نے میرا خط قادیانی جماعت کو بھیجا، لیکن انھوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ عدالت نے قادیانیوں کی طرف سے اس غلط بیانی کا شدید نوٹس لیا، لیکن یہ تو پریس کا کام تھا کہ اس کو ایمانداری سے رپورٹ کیا جاتا اور یہ پاکستانی سفارت خانے کی ذمہ داری تھی کہ اصل صورت حال عدالت تک پہنچائی جاتی۔ گو سیاسی طور پر مغربی ممالک کی حکومتیں قادیانیوں کی حمایت کر رہی ہیں، لیکن عدالتوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ کوئی قادیانیوں کے بارے میں انھیں صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔ عدالتیں قادیانیوں کے پراپیگنڈا کے ہتھکنڈوں سے مرعوب نہیں ہوتیں، لیکن یہ سب کچھ یکطرفہ ہے۔ مسلمانوں اور حکومت پاکستان کا نقطہ نظر انھیں موصول نہیں ہو رہا۔ ان ممالک میں انتظامیہ کو حکومتی پارٹی سے ہدایات موصول ہوتی ہیں اور انتظامیہ ان ہدایات کی روشنی میں قادیانیوں کی مخالفت کرنے والے لوگوں کو تنگ کرتی ہے۔ یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ نام نہاد قادیانی خلیفہ مرزا مسرور، جو "قادیانی پروپیگنڈا سیل" کے ذریعے پاکستان کو بدنام کرنے کی مہم چلا رہا ہے، سے باز پرس کی جائے کہ پاکستان کی شہریت رکھتے ہوئے ملکی قوانین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اگر مرزا مسرور حکومت پاکستان کے اقدامات اور قوانین سے متفق نہیں تو سچی بات یہ ہے کہ وہ پاکستان سے مخلص نہیں۔ ایسے میں اسے چاہیے کہ پاکستانی شہریت چھوڑ دے، بصورت دیگر حکومت پاکستان کو اس کی شہریت ختم کر دینی چاہیے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری

ہم مسلمانوں نے کبھی اس بات کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا کہ ہم اگر خود کو حضور خاتم النبیینؐ کے

ادنیٰ امتی تصور کرتے ہیں تو پھر محسن انسانیت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو روکنا کس کا فرض ہے؟

☐ حکومت کو اس امر پر احتجاجی خطوط لکھے جانے چاہئیں کہ بیرونی ممالک میں قادیانی اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوئی کوشش ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لیکن ہماری حکومت اور بیرونی ممالک میں موجود پاکستانی سفارت کار کیوں مسلسل خاموش ہیں۔ حکمرانوں کے ایوانوں تک یہ آواز پہنچنی چاہیے کہ قادیانی اقلیت ہیں تو ان کے حقوق کے لیے ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے، لیکن اکثریت (مسلمان) کے حقوق کی حفاظت کون کرے گا؟ کیا اکثریت میں ہونا بھی ہم مسلمانوں کی غلطی گردانا جائے گا۔ قادیانی جب چاہیں ہمارے اکابرین مذہب اور شعائر اسلام کا مذاق اڑا کر مذہبی جذبات مجروح کرتے رہیں اور ہم اکثریت میں ہونے کی بنا پر سب کچھ برداشت کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں ہر پاکستانی مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اراکین قومی وصوبائی اسمبلی یا دیگر ذرائع اختیار کر کے صدر مملکت، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، قانون ساز اداروں اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں تک یہ گزارشات پہنچائے۔

☐ جہاں حکومت کو اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے فوری اقدامات کرنے چاہئیں، وہیں ہم مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی اپنے حقوق کا تحفظ کریں۔ عوام الناس، خصوصاً سادہ لوح مسلمانوں کو احساس دلایا جائے کہ قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ ملکی قانون کے مطابق قادیانیوں کو جو قانونی مقام حاصل ہے، انھیں اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کہیں پر یہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے قادیانیت کی تبلیغ کرتے یا کسی بھی شعائر اسلام کو اختیار کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کر کے قانون کی خلاف ورزی کریں، تو وہاں کے باغیرت و باہمت مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ مقامی انتظامیہ سے مل کر ان کے خلاف فوری قانونی کارروائی کریں۔

☐ سب سے اہم کام یہ کہ عوام الناس کو یہ احساس دلایا جائے کہ قادیانی مسلمانوں کی غیرت و حمیت اور مذہبی تشخص پر ڈاکہ ڈال کر بھی ''زاہدین'' میں شمار کیے جا رہے ہیں، جبکہ ان کے خلاف احتجاج کرنے والے غیرت مند مسلمانوں کو ''ملا'' کی پھبتی کس کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم، دانشور، سیاستدان، طلبہ اور دیگر صاحب بصیرت افراد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔ قادیانیوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آنے کی بجائے ان سے دو ٹوک رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ قادیانیوں کا جب زور چلے تو یہ کبھی بھی مسلمانوں کو معاف نہیں کرتے۔ ''محبت سب سے، نفرت کسی سے نہیں'' کے نعرے صرف اسی وقت تک لگائے جاتے ہیں جب تک ان کو ''کچھ کرنے کی'' قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ ان کو طاقت حاصل ہو جائے تو یہ نعرے

ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

دکھ کی بات تو یہ ہے کہ مجھے پاکستان سے جو بھی خط آتا ہے، اس میں اس بے بسی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قادیانی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور ہماری شنوائی نہیں ہوتی۔ کیا ہم ابھی تک انگریزی راج میں ہیں، جہاں بقول شخصے:

> "ہم پر دس ہزار انگریز ہمارے ذریعے حکومت کر رہے ہیں۔ پاکستان ہم مسلمانوں کا ملک ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بڑی قیمتی قربانیوں کے بعد اسے حاصل کیا۔ یہ ان غداران ملک وملت کا وطن نہیں، جن کی قبروں پر لگے کتبہ جات پر لکھا ہے کہ یہ (ملعون) ہستیاں یہاں دفن ہیں، جب بھی موقع ملا، انھیں قادیان لے جایا جائے گا۔"

ضرورت اس امر کی ہے کہ ذی شعور اور صاحب بصیرت مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ قادیانی مسلمانوں کا جنازہ نہ پڑھیں، شادی بیاہ نہ کریں، نماز نہ پڑھیں۔ ان کا کلمہ الگ، عبادت گاہیں الگ، لیکن پھر بھی اسلام کے وارث ہونے کے دعویدار بنیں اور ایسے میں عام لوگوں کی رائے یہ ہو کہ ہم تو مرزائیوں کے خلاف نہیں، صرف مولوی ہی خلاف ہیں، تو اس میں قصور کسی عام آدمی کا نہیں، بلکہ دانشوروں، علماء، ذرائع ابلاغ اور حکمرانوں کا ہے۔ آج اگر قادیانیوں کے اسلام اور ملک دشمن عزائم سے لوگوں کو باخبر کرنے والے کو "ملا" کہہ کر "آؤٹ" کر دیا جاتا ہے تو یقیناً اس کی ذمہ داری درج بالا طبقوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ وہ قادیانیوں کی جعل سازیوں اور منافقتوں کا پردہ چاک کریں۔ ذرائع ابلاغ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔ یہاں جرمنی میں ایک قانون دان نے قادیانیوں کو کیتھولک عیسائیوں کے مشابہ قرار دیتے ہوئے انھیں مذہبی آزادی کے دشمن قرار دیا۔ یہی رائے اگر کسی مسلمان قانون دان نے دی ہوتی تو قادیانی اس کا بھرپور پروپیگنڈا کرتے۔ قادیانی جماعت کو اسلام اور پاکستان دشمن طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے اور یوں وہ اسلام دشمن طاقتوں کی سرپرستی اور کثیر مالی وسائل استعمال کر کے ذرائع ابلاغ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان وطن عزیز کے اخبارات ورسائل کے ذریعے قادیانیوں کی اسلام اور ملک دشمنی کا پردہ چاک کرنا چاہے تو ان رسائل وجرائد کے ذمہ داران اسے فضول بحث بازی کہہ کر بہ آسانی جان چھڑا لیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران کو اس سلسلے میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کو آپس کے فروعی اختلافات کو ختم کر کے یکجا ہو کر فتنہ قادیانیت کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ ہم ان اکابرین امت کا حق ادا نہیں کر سکتے، جنھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر اپنی زندگیاں، عزتیں، مال ودولت، سب کچھ قربان کر دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ہی لیجیے، شاہ جی کسی اور ملک میں ہوتے تو آج ان کے مجسمے اور یادگاریں جگہ جگہ دکھائی دیتیں لیکن ہم مایوس نہیں، انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب قوم کو ان محبان رسول ﷺ کی عظمت کا احساس ہوگا۔

* * *

م۔ ب خالد

یہ ہے قادیانیت

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کے ص 288 پہ لکھتے ہیں:

> "ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیشین گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک (کسوٹی) نہیں۔"

ان کی ساری پیشین گوئیوں کا حشر دکھایا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ فی الحال ہم ان کی ایک "عظیم الشان" پیشین گوئی کو ہی اس کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔

اپریل 1886ء میں مرزا صاحب نے پیشین گوئی کے اشتہار شائع کیے۔ خلاصہ درج ذیل ہے:۔

> "خدا نے مجھے اپنے الہام سے فرمایا تجھے ایک وجیہہ اور پاک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ وہ نور اللہ ہے۔ مقدس روح، کلمۃ اللہ، مسیح النفس، مظہر الحق والعلاء، کان اللہ نزل من السماء (جیسے کہ خود آسمان سے خدا اتر آیا) اس کا وجود محض پیش گوئی نہیں بلکہ ایک عظیم نشان آسمانی ہوگا۔ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔" وغیرہ۔ ("تبلیغ رسالت" جلد اول، ص 85)

جن دنوں یہ اشتہار شائع کیے، بیوی صاحبہ حمل سے تھی۔ مگر قدرت خدا لڑکی تولد ہوئی۔ خفت سے نپٹنے کے لیے مختلف تاویلیں کی گئیں۔ قدرت نے بھی مرزا صاحب کو وقتی طور پر خوش کرنے کے لیے دوسرے حمل میں لڑکا عطا فرما دیا۔ فوری طور پر "اشتہار خوشخبری منجانب مرزا غلام احمد" شائع ہوا:

> "اے ناظرین آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لیے اشتہار 8 اپریل 1886ء میں پیشین گوئی کی گئی تھی، آج 7 اگست 1887ء کو وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا۔" ("تبلیغ رسالت" جلد اوّل، ص 99)

یہ فرزند موعود جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا اور جو بعد میں بشیر اوّل کے نام سے موسوم ہوا۔ سوا سال کی عمر پا کر فوت ہو گیا۔ مرزا صاحب لڑکے کی وفات کی اطلاع حکیم نور الدین خلیفہ اوّل کو دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میرا لڑکا بشیر آج فوت ہو گیا۔ اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی زبانیں دراز ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے، اس کا اندازہ نہیں ہو

سکتا۔" ("مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم، ص 2)

حکیم نور الدین نے بچے کی رحلت پر اس طرح قلق کا اظہار کیا:

"اگر میرا بیٹا مر جاتا تو میں کچھ پرواہ نہ کرتا۔ مگر بشیر اوّل فوت نہ ہوتا تا کہ لوگ پیشین گوئی کے جھوٹا ثابت ہونے سے ابتلا میں نہ پڑتے اور اس صدمہ میں میاں محمد خان نے یہ لکھ کر، اگر میرے سامنے ہزار بیٹے قتل کر دیے جاتے تو مجھے افسوس نہ ہوتا جتنا بشیر کی وفات سے ہوا۔ مجھے (نور الدین کو) محبت مرزا میں شکست دے دی۔" ("الفضل" قادیان، 3 اگست 1920ء)

پہلے لڑکی کی پیدائش اور بعد میں لڑکے کی پیدائش کے بعد موت سے جو خفت اٹھانا پڑی، اس کا کچھ حال مرزا صاحب کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے کی زبانی سنئے۔

"عظیم الشان بیٹے کی بشارت کا الہام اس قدر شان و شوکت کے ساتھ خدا نے دیا تھا کہ حضور نے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا، جس کی وجہ سے لوگ چشم براہ ہو گئے مگر اللہ نے بھی ایمان کے راستے میں ابتلا رکھے ہیں۔ سو قدرت خدائی 1886ء میں لڑکی پیدا ہو گئی، جس سے ملک میں زلزلہ آ گیا۔ گو حضور نے اشتہار اور خطوط کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ وحی الٰہی نے اس حمل کی قید نہیں رکھی تھی جس سے کچھ لوگ سنبھل گئے۔ دوسرے حمل یعنی اگست 1887ء میں حضرت کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام بشیر احمد رکھا۔ اس کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی گئی کیونکہ لوگوں اور خود حضرت صاحب کو خیال تھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے۔ غرض بشیر اوّل کی پیدائش رجوع عام کا باعث ہوئی۔ مگر قدرت اللہ کی، ایک سال بعد لڑکا اچانک فوت ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا، ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہو گیا۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لیے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا کہ یہی وہ مولود لڑکا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ سنبھل گئے، لیکن اکثروں پر مایوسی کا عالم تھا اور مخالفین میں استہزا کا جوش تھا۔" ("سیرت المہدی" حصہ اوّل، ص 87)

بیٹے کی وفات پر جو ندامت ہوئی اس کا کچھ اظہار مرزا صاحب نے اپنے خط بنام حکیم نور الدین میں کر چکے ہیں، لیکن پیشین گوئی پوری نہ بھی ہو، مرزا صاحب ہمت نہ ہارتے تھے اور بڑے زور و شور سے اس کی تاویلیں شروع کر دیتے تھے اور تنقید کرنے والوں کے خلاف گالی گلوچ پر اتر آتے تھے۔ مثال کے طور پر:

"میرے دعوے کی سب تصدیق کرتے ہیں مگر بدکار عورتوں کی اولاد مجھے نہیں

مانتے۔" ("آئینہ کمالات اسلام" ص 547)

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔"

وغیرہ وغیرہ۔ ("انوار الاسلام" ص 10)

چنانچہ بیٹے کی وفات پر جو فضیحت ہوئی، اس کے جواب میں مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:

"ناظرین پر منکشف ہو کہ بعض مخالفین پسر متوفی بشیر کی وفات کا ذکر کر کے اپنے اشتہارات و اخبارات میں طنز سے لکھتے ہیں کہ وہ وہی بچہ ہے، جس کی نسبت اشتہار 20 فروری 1886ء اور 7 اگست 1887ء میں ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ صاحب عظمت و دولت ہو گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ خدا نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ 20 فروری 1886ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت کہ "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" پہلے بشیر کی نسبت پیش گوئی ہے جو فوت ہو گیا جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت (یعنی مصلح موعود) دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔ (جو آئندہ پیدا ہو گا)۔" (مرزا غلام احمد "سبز اشتہار" یکم ستمبر 1888ء)

"20 فروری 1886ء کے اشتہار میں جو کہ بظاہر ایک لڑکے کی بابت پیشین گوئی سمجھی گئی تھی، درحقیقت دو لڑکوں کی بابت پیشین گوئی تھی۔"

(رسالہ "تشحیذ الاذہان" جلد نمبر 3)

ابھی اور خجالت مقدر میں تھی، سو اللہ تعالیٰ نے ایک اور بیٹا دے دیا، جس پر اعلان کرتے ہیں:

"میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے، اس کی نسبت پیشین گوئی کی گئی تھی۔ سو خدا نے میری تصدیق کے لیے اور تمام مخالفین کی تکذیب کے لیے 14 جون 1899ء کو عطا کر دیا۔" ("تریاق القلوب" ص 43)

اس بیٹے کے بارے میں جسے مرزا صاحب نے مانند "خدا" اور "مصلح موعود" کہا تھا، یوں تعجب سے اظہار کرتے ہیں:

"عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف مہد میں باتیں کیں مگر اس لڑکے نے ماں کے پیٹ میں باتیں کیں۔" ("تریاق القلوب" ص 41)

اس صاحبزادے نے ابھی زندگی کی آٹھ بہاریں دیکھی تھیں کہ علیل ہو گئے۔ مرزا صاحب پریشان ہو گئے اور صحت یابی کے لیے دعا مانگی، جس کی قبولیت کا اعلان بذریعہ "اخبار البدر" 25 اگست 1907ء میں یوں ہوا:

"دعا قبول ہو گئی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صحت کی بشارت دے دی۔"

اس پر مبارک سلامت شروع ہو گئی اور اسی بیماری کے دوران ہی ڈاکٹر عبدالستار کی صاحبزادی مریم سے اس بچے کا نکاح بھی کر دیا۔

لیکن قادر مطلق نے نہ چاہا کہ وہ بچہ جسے مثیل خدا بنایا گیا ہے، اس دنیا میں رہے اور فرشتہ اجل نے اس "موعود" بیٹے کی روح قبض کر لی۔ معتقدین کو اس سانحہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی پریشان ہوئے کہ ابھی تو بشیر اوّل کی وفات سے جو ندامت ہوئی تھی اس سے ہی نجات نہیں ملی تھی۔ اب اس آفت پر کیا حشر ہو گا۔

مگر مرزا صاحب نے کمر ہمت پھر باندھ لی اور تاویل میں تو ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس دفعہ بھی ترکیب سوجھی۔ درج ذیل مضمون کے بیان جاری کرنا شروع کر دیے:

> "مبارک فوت ہو گیا۔ مجھے بعض الہاموں میں بھی بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکا بہت خدا رسیدہ ہو گا، یا بچپن میں فوت ہو جائے گا۔ سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہیے کہ خدا کا کلام پورا ہوا۔" ("سیرت المہدی" حصہ اوّل، ص 158)

اس پر حلقہ بگوشوں نے اور دیگر لوگوں نے بھی کہا حضرت وہ خدا ہی کیا جسے یہ معلوم نہیں کہ یہ بچہ عمر پائے گا یا کم عمری میں فوت ہو جائے گا۔ ایسی بات تو نجومی کرتے ہیں جو دربدر پھرتے ہیں اور کہتے ہیں حساب میں دونوں باتیں آ رہی ہیں۔ عمر دراز، اور کوتاہ عمر۔

فضیحت تو بہت ہوئی مگر مرزا صاحب ہار ماننے والے نہ تھے۔ اس کا بھی حل نکال لیا اور وحی آ گئی:

> "خدا کی قدرتوں پر قربان جاؤں کہ جب مبارک احمد فوت ہوا، ساتھ ہی خدا نے یہ الہام بعد وفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دی، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔" ("تبلیغ رسالت" جلد دہم، ص 133)

مرزا صاحب کا یہ بشارتی الہام بھی پورا نہ ہوا اور ایک سال بعد خود اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ اس عرصہ میں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ اس طرح اس شرمندگی کو کفن نے ڈھانپ لیا۔

سو ہمارے قادیانی دوستو! یہ ہے اس عظیم الشان "مصلح موعود" والی پیشین گوئی کی حقیقت اور عبرتناک انجام، جس کو آپ حضرات آنکھیں بند کر کے ہر سال 20 فروری کو بڑے طمطراق سے مناتے ہیں۔

آپ کو اپنے کسی مخالف کی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کاش آپ حضرات اندھے اعتقاد کو چھوڑ کر صرف خشیت اللہ سے کام لیتے ہوئے اپنے پیشواؤں کے بیانات کا غیر جانبداری سے تجزیہ کریں تو میری طرح ان شاء اللہ آپ پر روشن ہو جائے گا کہ آپ کے خود ساختہ نبی اور خلفاء نے کیسے کیسے پرفریب پھندوں اور مکاری سے آپ کو اور آپ کے بال بچوں کو امت محمدیہ سے کاٹ کر علیحدہ بھی کر دیا اور آپ کو احساس تک نہیں اور یوں قادیانیت کے ان عقائد فاسدہ سے توبہ کر کے میں اسلام کی آغوش میں آ گیا۔

❀ …… ❀ …… ❀

شفیق مرزا

حقائق تک رسائی

جناب شفیق مرزا پہلے قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ سن شعور کو پہنچنے پر قادیانیوں کے للّے تللے، قادیانی رہنماؤں کی جنسی انارکی و اخلاق باختگی کو دیکھا تو قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے لوگوں کی آنکھ کا تارا ہیں۔ قدرت حق نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے۔ عربی، انگریزی، اردو، پنجابی سمیت کئی زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔ ان کے قلب میں درد، سوچ میں گہرائی اور قلم میں روانی ہے۔ ان کا قلم دشمن کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہوتا ہے۔ گھر کے بھیدی ہونے کے ناتے قادیانیت کی عیاشیوں و بدمعاشیوں کی تفصیلات پر مشتمل ایک شہرہ آفاق کتاب ''شہر سدوم'' ترتیب دی ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ مختلف اوقات میں قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آج کل ادارہ ''جنگ'' سے وابستہ ہیں۔

کسی شخص یا گروہ کی جنسی انارکی کے واقعات کا تذکرہ یا ان کی اشاعت عام طور پر ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔ ہمیں بھی اصولاً اس سے اتفاق ہے لیکن اُس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر خلق خدا کو گمراہ کرے اور ''تقدس'' کی آڑ میں مجبور مریدوں کی عصمتوں کے خون سے ہولی کھیلے، سینکڑوں گھروں کو ویران کر دے، انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقدس افراد کے بارے میں ژاژ خائی کرے تو اسے محض اس بنا پر نظر انداز کر دینا کہ وہ ایک مذہبی دکان کا بااثر مالک ہے، قانوناً، شرعاً، اخلاقاً ہر لحاظ سے نادرست اور ناواجب ہے۔ قرآن مجید نے مظلوم کو نہایت واضح الفاظ میں ظالم کے خلاف آواز حق بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ بقولہ تعالیٰ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ مرزا غلام احمد نے جس زبان میں گل افشانی کی ہے، کوئی بھی مہذب انسان اسے پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور خاص ان کا نشانہ بنے ہیں۔ گو دیگر انبیاء کرام اور صلحا امت میں سے بھی شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو گا جو ان کی ''سلطان القلمی'' کی زد میں نہ آیا ہو۔ مسلمانوں کو ''کنجریوں کی اولاد'' قرار دینا، مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو ''نحس'' اور ''نطفۃ السفہا'' کے نام خطاب کرنا، مناظرہ مد میں مسلمانوں کے شہرہ آفاق مناظر کو ''بھونکنے والا کتا'' کے الفاظ سے یاد کرنا اور اس نوع کی دیگر بے شمار دشنام طرازیاں ہر سعید

فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ کون سی نفسیاتی الجھن ہے، جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص کو ایسے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بعد ان کے بیٹے مرزا محمود نے اپنے بلند بانگ دعاوی کی آڑ لے کر جن قبیح حرکات کا ارتکاب کیا...... ان کی طرف سب سے پہلی انگلی پیر سراج الحق نعمانی نے اٹھائی اور اس ''ابن صالح'' کے کرتوتوں کے بارے میں ایک رقعہ لکھ کر مرزا غلام احمد کی پگڑی میں رکھ دیا، گو پیر کا بیٹا ''مریدوں کی عدالت'' سے شبہ کا فائدہ حاصل کر کے بچ گیا، لیکن اس کے دل میں یہ بات پوری طرح جاگزیں ہوگئی کہ مریدوں کی تطہیر ذہنی ہی کافی نہیں، معاشی جبر کے ساتھ ساتھ ان پر ریاستی جبر کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں تاکہ وہ کبھی سچ بات کہنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ پیر سراج الحق نعمانی نے اظہار حق کا جو ''جرم'' کیا تھا، اس کی پاداش میں مرزا محمود نے ساری عمر اسے چین نہ لینے دیا اور ہر ممکن طریقہ سے اس پر تشدد کیا۔ اطمینان کامل کے بعد مرزا محمود پھر اپنے دھندے میں مصروف ہو گیا اور اس کی اہرمنی احتیاطوں کے باوجود ہر چند سال کے بعد اس پر بدکاری کے الزامات لگتے رہے۔ مباہلے کی دعوتیں دی جاتی رہیں، مگر وہاں ایک خامشی تھی، سب کے جواب میں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، بڑے بڑے مخلص مرید، واقف راز ہو کر ایک ہی نوعیت کے الزامات لگا کر علیحدہ ہوتے گئے اور انسانیت سوز بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ تین تین یا پانچ پانچ سال بعد الزامات لگانے والے ایک دوسرے سے قطعاً ناآشنا ہیں مگر الزامات کی نوعیت ایک ہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مرزا محمود یا اس کے خاندان کے افراد نے کبھی بھی حلف موکد بعذاب اٹھا کر اپنے ''مصلح موعود'' کی پاکیزگی کی قسم نہیں کھائی۔ مرزا محمود کی سیرت کے تذکرہ میں ان کی ازواج اور بعض دیگر رشتہ داروں کا نام بھی آیا ہے۔ ہم ان کے نام حذف کر دیتے کیونکہ وہ ہمارے مخاطب نہیں لیکن اس خیال سے کہ ریکارڈ درست رہے، نیز اس بنا پر کہ وہ بھی اس بدکار اعظم کی شریک جرم ہیں، ہم نے ان کے نام بھی اسی طرح رہنے دیے ہیں۔ ہفت روزہ ''نصرت'' کراچی (14 مارچ 1979ء) سے متعلق ایک صحافی خاتون نے خلیفہ جی کی ایک سراپا مہر بیوی سے پوچھا کہ اتنی کمسنی میں آپ کی شادی مرزا محمود ایسے بوڑھے سے کیسے ہوگئی تو انھوں نے جواباً کہا جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوگئی تھی۔ اس جواب سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس ظلمت کدے کا ہر فرد مقدسین امت پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم سعی کس دیدہ دلیری سے کرتا ہے اور پھر ہمارے بعض اخبار نویس حضرات کس بے خبری سے اسے اچھالتے اور اجالتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ سراپا مہر بیوی وہ ہیں جن کے بارے میں ان کی خلوتوں کے ایک رازدار کا بیان عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے کہ ان کے موئے زہار موجود نہیں ہیں اور ان کی بے رحمی ایک ایسا امر ہے جس سے ہر باخبر قادیانی واقف ہے۔ ایک قادیانی مبلغ نے اپنی اہلیہ کے حوالے سے مولف کو حلفاً بتایا کہ ان صاحبہ نے خود اس پالتو مولوی کی بیوی کو بتایا کہ ''میں بے رحم ہوں۔'' میں ان کا نام بھی لکھ سکتا ہوں مگر اس خیال سے کہ کہیں اس کی گزارہ الاؤنس

والی ملازمت ختم نہ ہو جائے، اس سے احتراز کرتا ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جنھیں کسی بھی کلینک میں چیک کیا جا سکتا ہے۔ یہ ضیاع کس کشتی کی وجہ سے ہوا تھا، اس کا تحریر میں لانا مناسب نہیں، صرف ان سے اتنی گزارش ہے کہ وہ آئندہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی اور مقدس ہستی پر الزام تراشی سے باز رہیں۔ ورنہ ساری داستان کھول دی جائے گی اور پھوپھاجی کی کارکردگی الم نشرح ہو جائے گی۔

مرزا محمود احمد کے جنسی عدوان پر جن لوگوں نے موکد بعذاب قسمیں کھائی ہیں یا ان کی زندگی کے اس پہلو سے نقاب سرکائی ہے، ان کا تعلق مخالفین سے نہیں، ایسے مریدوں سے ہے جو قادیانیت کی خاطر سب کچھ تج کر گئے تھے۔ ان میں خود مرزا محمود کے نہایت قریبی عزیز، ہم زلف اور برادران نسبتی تک شامل ہیں اور بالواسطہ شہادتوں میں ان کے پسران اور دختران تک کے بیانات موجود ہیں، جن کی آج تک تردید نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی کی گئی ہے۔ اس کا سبب اشاعت فحش سے اجتناب و گریز نہیں، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ واقعات کی تصدیق کے لیے اس قدر ثبوت، شہادتیں اور قرائن موجود ہیں، جن کا انکار ناممکن ہے۔

ان الزامات کی صحت و صداقت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان مریدین میں سے جو لوگ انتہائی اخلاص کے ساتھ قادیاینت کو سچا سمجھتے تھے اور مرزا محمود کو خلیفہ برحق مانتے تھے، ان کی رنگین راتوں سے واقف ہو کر نہ صرف قادیانیت سے علیحدہ ہوئے بلکہ خدا کے وجود سے بھی منکر ہو گئے۔ ایک شخص کو پاکبازی کا مجسمہ مان کر اس کو کاردگر میں مشغول دیکھ کر جس قسم کا ردعمل ہو سکتا ہے، یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان میں سماعی یقین رکھنے والے لوگ ہی نہیں، عملی تجربہ سے گزرے ہوئے افراد بھی ہیں۔

دوسرا طبقہ مرزا محمود احمد کو تو جولیس سیزر کا ہم مشرب سمجھتا ہے مگر کسی نہ کسی رنگ میں قادیانی عقائد سے چمٹا ہوا ہے۔ آپ اسے ہر دو طبقہ کی عدم واقفیت یا جہالت کہیں، میرے نزدیک دونوں قسم کا ردعمل الزامات کی صحت پر برہان قاطع ہے۔ ماہرین جرمیات کا کہنا ہے کہ Perfect Crime وہ ہوتا ہے جو کبھی Trace نہ ہو سکے، مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آدم سے لے کر آج تک ایک بھی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جو اصطلاحاً پرفیکٹ کرائم کہلا سکے کیونکہ جرم ذہن کی Abnormal حالت میں ہوتا ہے، اس لیے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور ہو جاتی ہے، کوئی ایسا Flaw ضرور رہ جاتا ہے، جس سے مجرم کی نشاندہی ہو جاتی ہے مثلاً ایک قاتل نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انھیں چار پانچ مقامات پر پھینک کر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے قتل کے نشانات تک کو مٹا دیا ہے، مگر عملاً وہ اتنے ہی مقامات پر اپنے جرم کے نشانات چھوڑ رہا ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر مرزا محمود کی تقاریر اور بیانات کا جائزہ لیں تو کئی شواہد، ان کے جرائم کی چغلی کھاتے ہیں۔ پیرس میں عریاں رقص دیکھنے کا تذکرہ خود انھوں نے اپنی زبان سے کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب

> والا حصہ بھی دیکھوں گا۔ قیام انگلستان کے دوران میں، مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے، جو میرے ساتھ تھے، کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں، جہاں یورپین سوسائٹی عریاں نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے، جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے، اسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے، اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا، کیا یہ ننگی ہیں۔ انھوں نے یہ بتایا کہ یہ ننگی نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر باوجود اس کے ننگی معلوم ہوتی ہیں۔" ("الفضل" 28 جنوری 1924)

مکر و فریب ایک ایسی چیز ہے کہ انسان زیادہ دیر تک اس پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دانستہ یا نادانستہ ایسی باتیں زبان پر آ جاتی ہیں جن سے اصلیت سامنے آ جاتی ہے۔ خلیفہ جی نے اپنی ایک شادی کے موقع پر کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں خچر پر سوار ہوں اور اس کی تعبیر میں نے یہ کی ہے کہ اس بیوی سے اولاد نہیں ہو گی۔ اب واقعہ یہ ہے کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں اور خلیفہ جی کا یہ "خواب" اس پس منظر میں تھا کہ وہ خاتون جوہر نسائیت ہی سے محروم ہو چکی تھیں۔ اب مرید اسے بھی اپنے پیر کا کمال سمجھتے ہیں کہ اس کی پیش گوئی کس طرح پوری ہوئی، حالانکہ یہ معاملہ پیش خبری کا نہیں، پیش بینی بلکہ دروں بینی کا ہے۔

خلیفہ جی کے ایک صاحبزادے کی رنگت اور شکل و شباہت سے کچھ ایسا اظہر ہوتا ہے کہ ان کی صورت ایک ڈرائیور سے ملتی ہے، لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو "کار خاص" کے نمائندوں نے خلیفہ جی کو اطلاع دی، اور انھوں نے انگریز عورتوں کے گھروں میں سیاہ فام بچے پیدا ہونے پر ایک خطبہ دے مارا، حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اس پر ایک طویل مثالوں سے مزین لیکچر دیا جاتا، مگر کہتے ہیں، چور کی داڑھی میں تنکا۔

ایسے ہی وہ اپنی ایک بیوی کی وفات پر پرانی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "شادی سے پیشتر جب کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ لڑکی میری زوجیت میں آئے گی، ایک دن میں گھر میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سفید لباس پہنے سمٹی سمٹائی، شرمائی لجائی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی ہے......"

("سیرۃ ام طاہر" شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ، ربوہ)

اب سفید لباس پر نظر پڑ سکتی ہے لیکن سمٹنے سمٹانے، شرمانے لجانے اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے اور چہرے کی کیفیات کا تفصیلی معائنہ کسی نیک چلن انسان کا کام نہیں، ہمیں ''رائل فیملی'' کے کسی فرد کے بارے میں نیک چلنی کا حسن ظن نہیں کیونکہ اس ماحول میں معجزۃً بچ جانا بھی ممکن نظر نہیں آتا، مگر ہم ان کے بارے میں کف لسان ہی کو پسند کرتے ہیں چونکہ سربراہان قادیانیت عموماً اور مرزا محمود خصوصاً اس ڈرامے کے خصوصی کردار ہیں، اس لیے ان کے بہروپ کو نوچ پھینکنا اور لوگوں کو گمراہی کی دلدل سے نکالنا انتہائی ضروری ہے، ضمناً قادیان اور ربوہ کی اخلاقی حالت کا ذکر بھی آ گیا ہے، اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو قادیانیت یقیناً شجرۂ خبیثہ ہے۔ لاہور کی سڑکوں پر گھومنے والی سلمیٰ جبشن اور لنک میکلوڈ روڈ پر مقیم صلیقاں اس کی شاہد ہیں۔ قادیانی امت اپنے ''نبی'' کی اتباع میں اپنے ہر مخالف کی بے روزگاری، مصیبت اور موت پر جشن مناتی ہے اور اسے مطلقاً اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ انتہا درجہ کی قساوت قلبی، شقاوت ذہنی اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے...... اللہ تعالیٰ نے قادیانی امت پر ایسا عذاب نازل کیا ہے کہ اب ان کا ہر قابل ذکر فرد ایسی رسوا کن بیماری سے مرتا ہے کہ اس میں ہر صاحب بصیرت کے لیے سامان عبرت موجود ہے۔ فالج کی بیماری کو خود مرزا غلام احمد نے ''دکھ کی مار'' اور ''سخت بلا'' ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب قادیانی امت کی گندی ذہنیت کی وجہ سے یہ بیماری اللہ تبارک وتعالیٰ نے سزا کے طور پر قادیانیوں کے لیے کچھ اس طرح مخصوص کر دی ہے کہ ایک واقف حال قادیانی کا کہنا ہے: ''اب تو حال یہ ہے کہ جو شخص فالج سے نہ مرے، وہ قادیانی ہی نہیں۔'' مرزا محمود احمد نے اپنے باوا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اکابر اور جید علماء دین کے وصال پر جشن مسرت منایا اور ان کا یہ دھندا اب تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے گوسالہ سامری مرزا محمود کو ''فالج کا شکار'' بنا کر دس سال تک رہین بستر و بالش کر دیا اور اس عبرت ناک رنگ میں اس کو اعضا و جوارح اور حافظہ سے محروم کر دیا کہ وہ مجنونوں کی طرح سر ہلاتا رہتا تھا اور اس کی ٹانگیں بید لرزاں کا نظارہ پیش کرتی تھیں، گویا یہ ''لایموت فیہا ولا یحیی'' کی تصویر تھا، مگر قادیانی مذہبی انڈسٹری کے مالکان اس حالت میں بھی الٹا ''اخبار'' اس کے ہاتھ میں پکڑا کر ''زیارت'' کے نام پر مریدوں سے پیسہ بٹورتے رہے اور پھر سات بجے شام مر جانے والے اس ''مصلح موعود'' کی دو بجے شب تک صفائی ہوتی رہی اور ''سرکاری اعلان'' میں اس کی موت کا وقت دو بج کر دس منٹ بتایا گیا اور اس عرصہ میں اس کی الجھی ہوئی داڑھی کو ہائیڈروجن یا کسی اور چیز سے رنگ کرا کے طلائی کلر دیا گیا اور خط بنایا گیا اور غازہ لگا کر اس کے چہرے پر ''نور'' وارد کیا گیا، تاکہ مریدوں پر اس کی ''اولیائی'' ثابت کی جا سکے۔ حیرت ہے کہ جب کوئی مسلمان دنیاوی زندگی کے دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے تو قادیانی اس کی بیماری کو ''عذاب الٰہی'' قرار دیتے ہیں لیکن ان کے اپنے اکابر ذلیل موت کا شکار بنتے ہیں تو یہ ''ابتلاء'' بن جاتا ہے اور اس کے لیے دلائل دیتے ہوئے قادیانی تمام وہ روایات

پیش کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ شاہ فیصلؒ کی شہادت پر قادیانی امت کا خوشی منانا ایک ایسا المناک واقعہ ہے جس پر جس قدر بھی نفرین کی جائے، کم ہے اور سابق وزیراعظم پاکستان کے پھانسی پانے پر ہفت روزہ ''لاہور'' کا یہ لکھنا کہ اس سے مرزا غلام احمد کی ایک پیشین گوئی پوری ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عہد میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، مسخ شدہ قادیانی ذہنیت کی شہادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو جماعت یا فرقہ کسی شخص کو نبی تسلیم کرتا ہے، وہ قرآن وحدیث کی رو سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اسے کوئی شخص بھی مسلمان قرار نہیں دے سکتا اور خدا کے فضل سے تمام امت مسلمہ اب بھی بالاتفاق قادیانیوں کو کافر ہی سمجھتی ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

تقدیس کے بادہ خانے میں

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر انگریزوں کے مظالم کی داستان اس قدر مہیب اور خونچکاں ہے کہ اس کا تصور کرتے ہوئے بھی روح کپکپاتی اور سینہ بریاں ہوتا ہے۔ معاشی طور پر ملت اسلامیہ پہلے ہی پسی ہوئی تھی، سیاسی آزادی کی اس عظیم تحریک نے دم توڑا تو انگریز کی اہرمنی فراست اس نتیجہ پر پہنچی کہ جب تک مسلمانوں سے دینی روح، انقلابی شعور اور جذبہ جہاد کو محو کر کے انھیں چلتے پھرتے لاشے نہ بنا دیا جائے، اس وقت تک ہمارے سامراجی عزائم تشنہ تکمیل رہیں گے۔ جاگیردار طبقہ اپنے مفادات کی خاطر پہلے ہی فرنگی حکومت کی مدح وثنا میں معروف تھا۔ ''علماء'' کا ایک گروہ بھی قرآن حکیم کی آیات کو من مانے معانی پہنا کر تاج برطانیہ کی حمایت کر کے اپنی چاندی کر رہا تھا مگر انگریز سرکار ان سارے انتظامات سے مطمئن نہ تھی، اس کے نزدیک مسلمانوں کا انقلابی شعور کسی وقت بھی سلطنت برطانیہ کے لیے خطرہ بن سکتا تھا، اس لیے اس نے مسلمانوں کی دینی غیرت، سیاسی بصیرت اور قومی روح پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ایک ایسے خاندان کا انتخاب کیا جو اپنی سفلگی وغداری میں کوئی ثانی نہ رکھتا تھا اور اس کا بڑے سے بڑا فرد بھی سرکار دربار میں کرسی مل جانے کو باعث افتخار سمجھتا تھا۔ اس مکروہ منصوبہ کو انجام تک پہنچانے اور مسلمانوں کی وحدت ملی کو پاش پاش کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب عمل میں لایا گیا، جس نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کو داغ دار کرنے کے لیے (العیاذ باللہ) اپنی بے سروپا تاویلات سے امت مسلمہ میں اس قدر فکری انتشار برپا کیا کہ انگریز کو اپنے گھناؤنے مقاصد کے حصول کے لیے برصغیر میں ایک ایسی جماعت میسر آ گئی جو ''الہامی بنیادوں'' پر غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتی رہی اور آج انگریز کے چلے جانے کے بعد گو اس کی حیثیت متروکہ داشتہ کی سی رہ گئی ہے، مگر پھر بھی وہ اسرائیل سے تعلقات استوار کر کے، عربوں میں تنسیخ جہاد کا پرچار کر کے، انھیں یہود کی غلامی پر آمادہ کرنے کی مذموم جدوجہد میں مصروف ہو کر وہی فریضہ سرانجام دے رہی ہے جو اس کے آقایان ولی نعمت نے اس کے سپرد کیا تھا۔ حضرت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وحدت انسانیت کا جو

انٹرنیشنل فکر، ختم نبوت کی شکل میں دیا تھا، قادیانی امت نے اس کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نئی نبوت کا ناٹک رچا کر وحدت ملت اسلامیہ ہی کو سبوتاژ کرنے کی سعی نامسعود شروع کر دی۔ دین سے تلعب کے نتیجے میں اس مسیحیت جدیدہ پر اللہ تعالیٰ کی ایسی پھٹکار نازل ہوئی کہ خود "نبوت باطلہ کا گھرانہ" عصمت وعفت کی تمیز سے عاری ہو کر اس طرح معصیت کا ملجب دوزخ بنا، کہ قریب ترین مریدوں نے اسے "فحش کا مرکز" قرار دیا۔ گو یہ درست ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر واضح رنگ میں جنسی عصیان کا تو کوئی الزام نہ لگا مگر اس کو تسلیم کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ ان کی جنسی زندگی ناآسودگی کا شکار رہی۔ اگر محمدی بیگم کے پاجامے منگوا کر سونگھنے والی روایت کے ساتھ ساتھ، اس مظلوم خاتون کے بارہ میں آسمانی نکاح کے تمام "الہامات" بھی طاق نسیاں پر رکھ دیے جائیں اور بڑھاپے میں مولوی حکیم نورالدین کے نسخہ "زدجام عشق" کے سہارے پچاس مردوں کی قوت حاصل کر لینے کے دعاوی کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی کو حبالہ عقد میں لانے اور پھر بوجوہ اس کی غیر معمولی فرمانبرداری کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تو بھی ان کی تحریرات میں ایسے شواہد بکثرت ملتے ہیں جو اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کی عائلی زندگی خوشگوار نہ تھی اور معاشرتی سطح پر پہلی بیوی کا اپنے شوہر کے گھر میں محض 'پھیجے دی ماں' بن کر رہ جانا، بڑا دلدوز واقعہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعاوی کے باوجود مرزا صاحب جب بھی اپنے ناقدین کو جواب دینے پر آمادہ ہوئے، انھوں نے الزامی جوابات کی کمین گاہ پر بیٹھ کر درشت کلامی ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اشارے کنائے میں ہی نہیں، اکثر اوقات واضح الفاظ میں ایسی باتیں کہہ گئے جو ان کے دعاوی کی مناسبت سے ہرگز ان کے شایان شان نہ تھیں، مثلاً ہندوؤں کے خدا کو ناف سے چھ انچ نیچے قرار دینا اور ماسٹر مرلی دھر کے محض یہ کہہ دینے پر کہ آپ تو لاچار اور قرض دار ہیں، انھیں یہ جواب دینا کہ ہمارے ہاں ہندو جاٹوں کا یہ طریق ہے کہ جب انھوں نے کسی کو اپنی دختر نیک اختر، نکاح میں دینی ہوتی ہے، تو وہ خفیہ طور پر جا کر اس کے کھاتہ، کھیون اور خسرہ نمبر کا پتہ کرتے ہیں مگر ہمارے تمھارے درمیان تو ایسا کوئی معاملہ نہیں۔ پنجابی میں یہ کہنے کے مترادف ہے کہ "توں مینوں کڑی تے نہیں دینی" ہم اس جواب کا تجزیہ خود قادیانی حضرات پر چھوڑ دیتے ہیں۔

قادیانی خلافت کی نیلی فلموں میں مرزا محمود احمد ہمیشہ ہی ایک ایسا ہیرو رہا ہے، جس کے ساتھ کسی ولن نے ٹکر لینے کی جسارت نہیں کی۔ ان پر جنسی بے اعتدالی کا سب سے پہلا الزام 1905ء میں لگا اور ان کے والد مرزا غلام احمد نے اس کی تحقیقات کے لیے ایک چار رکنی کمیٹی مقرر کر دی، جس نے الزام ثابت ہو جانے کے باوجود چار گواہوں کا سہارا لے کر شبہ کا فائدہ دے کر ملزم کو بچایا۔ عبدالرب برہم خاں 335 اے پیپلز کالونی فیصل آباد کا حلفیہ بیان ہے کہ اس کمیٹی کے ایک رکن مولوی محمد علی لاہوری سے انھوں نے اس بارہ میں استفسار کیا تو مولوی صاحب نے بتایا کہ الزام تو ثابت ہو چکا تھا مگر ہم نے ملزم کو Benefit of Doubt دے کر چھوڑ دیا۔ 1914ء میں جب گدی نشینی کے لیے جنگ اقتدار چھڑی تو

دہلی کی محلاتی سازشوں کے ماہرین نے ایک مذہبی جماعت کی سربراہی کے لیے بائیس سال کے ایک ایسے چھوکرے کو "منتخب" کرلیا، جس میں پیر کا بیٹا ہونے کے علاوہ کوئی خصوصیت موجود نہ تھی۔ ایسا بر خود غلط اور کندہ ناتراش قسم کا آدمی عمر کے ہیجانی دور میں ایک ایسے منصب پر فائز ہوا جسے بظاہر ایک تقدس حاصل تھا۔ مرزا محمود نے تقدس کے اس کٹہرے کو اپنے لیے پناہ گاہ سمجھتے ہوئے جنسی عصیان کا وہ ہولناک ڈرامہ کھیلا کہ الامان والحفیظ۔

بلوغت سے لے کر مکمل طور پر مفلوج ہو جانے تک ہر چند سال کے وقفہ کے بعد القابات کی رداؤں میں ملفوف اس پیرزادے پر مسلسل بدکاری کے الزامات مخلص مریدوں کی طرف سے لگتے رہے، مباہلہ کی دعوتیں دی جاتی رہیں مگر ذہنی طور پر پورا ملحد و بے دین ہونے کے باوجود اس کو کبھی بھی جرأت نہ ہوئی کہ کسی مظلوم مرید کے دعوت مباہلہ پر میدان میں نکلے۔ جب بھی کسی ارادت مند نے واقف راز دروں ہو کر للکارا تو قادیانی گماشتوں اور معیشت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ملاؤں نے ایک طرف اخبارات و جرائد میں ہاہاکار شروع کر دی اور دوسری طرف اس محرم راز کو بدترین سوشل بائیکاٹ کا نشانہ بنایا گیا اور اسے اقتصادی و معاشرتی الجھنوں میں مبتلا کرنے پر ہزاروں روپے خرچ کر کے جب کسی قدر کامیابی ہوئی تو اسے اپنے بدمعاش پیر کا "معجزہ" قرار دیا گیا۔

کوئی شخص اپنی والدہ پر الزام تراشی کی جرأت نہیں کرتا اور اگر خدانخواستہ وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے تو صرف یہ کہہ کر اس کو خاموش کرانے کی کوشش کرتا کہ دیکھو یہ بہت بری بات ہے، مناسب نہیں۔ اس امر کا جائزہ لینا بھی تو ضروری ہے کہ وہ کن المناک حالات سے دوچار ہوا کہ اسے اپنی، اتنی عزیز ہستی کی اصل حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ پیر کی جلوتیں اگر اس کی خلوتوں سے نالاں ہوں تو مریدوں کا اسی سانچے میں ڈھل جانا، ایک لازمی امر ہے۔ مرزا محمود احمد جب گدی نشین ہوا تو اس نے اپنے باوا کی نبوت کو نعوذ باللہ.........ع

احمد ثانی نے رکھ لی احمد اوّل کی لاج

کے مقام پر پہنچایا۔ کبھی مسلمانوں کو اہل کتاب کے برابر قرار دیا اور کبھی انھیں ہندوؤں اور سکھوں سے مشابہت دے کر ان کے بچوں تک کے جنازوں کو حرام قرار دے دیا۔ قادیانیت کا غالب عنصر اس دور میں اس نچلے اور متوسط طبقے پر مشتمل تھا جو معاشی طور پر پسماندہ ہونے کی وجہ سے پیش گوئیوں کی فضا میں رہتے ہوئے چین محسوس کرتا تھا اور انگریز سے وفاداری کی قادیانی سند اس کی ملازمت کو محفوظ رکھتی تھی۔ جب نئی نبوت، تکفیر مسلمین اور ان کے جنازوں کا بائیکاٹ، انتہا کو پہنچا تو مذکورہ بالا دونوں طبقوں نے قادیان کی طرف بھاگنا شروع کر دیا کہ وہاں رہائش اختیار کریں کیونکہ جس معاشرہ کو ایک "نبی" کے انکار کی بنا پر کافر قرار دے کر وہ علیحدہ ہوئے تھے، وہاں رہنا اب ان کے لیے ناممکن تھا۔ قادیان میں مرزا محمود احمد نے اپنے

خاندان کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے مریدوں کے چندے سے خریدی ہوئی زمین کچھ اپنے عزیزوں کے ذریعے نہایت مہنگے داموں فروخت کی اور کچھ صدر انجمن احمدیہ کی معرفت اپنے ماننے والوں کو گراں قیمت پر فروخت کی مگر رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت اس کا انتقال ان کے نام نہ کروایا گیا۔ اس طرح وہ اپنے معاشرہ سے کٹ کر قادیانیت کے دام میں اس طرح پھنسے کہ

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن!

اپنی سوسائٹی سے علیحدہ ہو کر، اب ایک نئی جگہ پر نئے حالات کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ ہر جائز و ناجائز خوشامد کر کے پیر اور اس کے لواحقین کا قرب حاصل کرتے اور انھوں نے وقت اور حالات کے دباؤ کے ماتحت ایسا ہی کیا۔ مگر پیر نے مجبور مریدوں کی عزتوں پر ڈاکہ ڈال کر سینکڑوں عصمتوں کے آبگینے تار تار کر دیے اور اگر کوئی بے بس مرید بلبلا اٹھا تو اسے شہر سے نکال دینے اور مقاطعہ کر دینے کی دھمکیاں دے کر خاموش رہنے کی تلقین کی۔ فخر الدین ملتانی ایسے کئی لوگوں کو قتل کروا کر دہشت کی فضا پیدا کی گئی مگر اس تمام یزیدی اہتمام کے باوجود مرزا محمود، اپنی پاکبازی کا ڈھونگ رچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ گاہے بگاہے اس دریا سے ایسی موج اٹھتی کہ ”ذریت مبشرہ“ کے بارے میں جملہ ”الہامات“ ”کشوف“ اور ”رؤیا“ دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ یوں تو مرزا محمود کی زندگی کا شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جو بدکاری کی غلاظت سے آلودہ نہ ہو اور جس میں اس پر زناکاری کا الزام نہ لگا ہو، لیکن ذیل میں ہم ان الزامات و بیانات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی گونج اخبارات و رسائل ہی میں نہیں، ملک کی عدالتوں تک میں سنی گئی اور اس کے ساتھ بعض بالکل نئی روایات بھی درج کرتے ہیں جو آج تک اشاعت پذیر نہیں ہو سکیں۔ قادیانی امت کی جنسی تاریخ پر اس سے پیشتر متعدد کتب آ چکی ہیں، لیکن وہ تقاضائے حالات کے ماتحت، جس رنگ میں پیش کی گئیں، اس کی بہت سی وجوہ تھیں۔ آئندہ سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ ان روایات کو ذرا وضاحت سے پیش کریں اور اس سے پیشتر جو چیزیں اجمال سے بیان ہوئی ہیں، ان کی تفصیل کر دیں کیونکہ اگر اس وقت اس کام کو سرانجام نہ دیا گیا تو آنے والا مورخ، بہت سی معلومات سے محروم ہو جائے گا کیونکہ پرانے لوگوں میں سے جو لوگ صبح گئے یا شام گئے، کی منزل میں ہیں، وہ نہ ان سے مل سکے گا اور نہ ان دل دوز واقعات کو سن سکے گا جو خود ان پر یا ان کی اولاد پر گزرے ہیں۔ یہ سب شہادتیں موکد بعذاب قسموں کے ساتھ دی گئی ہیں اور یہ تمام افراد قادیانی امت کے خواص میں سے تھے۔ ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں مگر چند ایسے بھی ہیں جو اپنی برین واشنگ کی وجہ سے کسی نہ کسی رنگ میں قادیانیت سے وابستہ ہیں۔ مگر وہ قادیانی ”مصلح موعود“ کو پورے یقین، پورے وثوق اور پورے ایمان کے ساتھ جولیس سیزر کا مثیل، راسپوٹین کا بروز اور ہر موڈیس کا ظل کامل سمجھتے ہیں اور ہر عدالت میں اپنی گواہی ریکارڈ کرانے کے لیے تیار ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ یہ بھی خیال کریں کہ برائی کی اشاعت کا طریق مناسب نہیں، ان کی

خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں کہ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے، جن میں سے بعض کی اپنی عصمت کی رداچاک ہوئی اور اظہار حق کی پاداش میں ان پر وہ مصائب ٹوٹے کہ اگر وہ دنوں پر وارد ہوتے تو راتیں بن جاتیں۔ یہ اظہار ان مظلوموں کی طرف سے ہے جنھیں خدا نے بھی یہ حق دے رکھا ہے۔

لایحب اللّٰہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم

مباہلہ والوں کی للکار

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور میاں زاہد، حال امرتسر مارکیٹ برانڈرتھ روڈ لاہور کے نام کے ساتھ "مباہلہ والے" کا لفظ نتھی ہو کر رہ گیا ہے۔ ان مظلوموں نے 1927ء میں اپنی ایک ہمشیرہ سکینہ بیگم پر مرزا محمود کی دست درازی کے خلاف اس زور سے صدائے احتجاج بلند کی کہ بیت الخلافت میں مقیم مذہبی مھنتوں کی روحیں کپکپا اٹھیں۔ قادیانی غنڈوں نے ان کے مکان کو نذر آتش کر دیا اور جناب میاں زاہد کے اپنے بیان کے مطابق اگر مولانا حکیم نور الدین کی اہلیہ محترمہ ان کو بروقت خبردار نہ کر دیتیں تو وہ سب اسی رات قادیانیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہوتے۔ انھوں نے مرزا محمود احمد کے ناقوس خصوصی "الفضل" کے کذب و افترا کا جواب دینے کے لیے "مباہلہ" نامی اخبار جاری کیا، جس کی پیشانی پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

یہ مظلوم خاتون قادیانی فرقہ کے صوبائی امیر مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ سرگودھا کی اہلیہ ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر اب بھی ربوہ کے پاپائے ثانی کو بدکردار سمجھتی ہیں۔ یہ سانحہ اس طرح ظہور میں آیا کہ وہ کسی کام کی خاطر "قصر خلافت" میں گئیں۔ مرزا محمود نے اپنی گھناؤنی فطرت کے مطابق ان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ انھوں نے واپس آ کر سارا معاملہ اپنے شوہر کے گوش گزار کر دیا۔ مرید خاوند نے اپنی زوجہ پر اعتماد کر کے پیر پر تین حرف بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ثانی کے پاس پہنچا۔ پیر تو، رنگ ماسٹر تھا، اسے مریدوں کو نچانے کا فن خوب آتا تھا، اس نے بڑی "معصومیت" سے کہا: مجھے خود اس معاملہ کی سمجھ نہیں آ رہی، سکینہ بیگم بڑی نیک اور پاک باز لڑکی ہے۔ اس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا، آپ کل فلاں وقت تشریف لائیں۔ جب مرزا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر پیر اپنا عیارانہ منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے مرید کے لیے دام بچھاتے ہوئے کہا: میں نے اس معاملہ پر بہت غور کیا ہے، دعا بھی کی ہے۔ ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں، "مصلح موعود" ہوں، اس لیے سکینہ بیگم ایک روحانی تعلق کی بنا پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس قسم کا جذبہ الفت جب پوری طرح قلب و ذہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انھوں نے

فلاں مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلاء و غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ سمجھ لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا محمود نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھا دی کہ دیکھو اطباء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے۔ اس پر مرید مطمئن ہو کر گھر واپس آیا تو اہلیہ کے استفسار کرنے پر مرید خاوند نے کہا:

”تم بھی سچ کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی سچ کہتے ہیں۔“

”ایک احمدی خاتون کا بیان“

مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار ”مباہلہ“ قادیان میں اشاعت پذیر ہوا تھا، گو اس وقت یہ چیلنج بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر ”خلیفہ صاحب“ مباہلہ کے لیے آمادہ ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی ادنیٰ تامل بھی نہیں ہوگا۔ مگر چونکہ اس گوسالہ سامری کو مقابل پر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، اس لیے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون قادیان کے دکاندار شیخ نورالدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں۔ ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سوداگر آج کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ بیگم تھوڑا عرصہ ہوا، انتقال کر گئی ہیں، اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

> ”میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں؟ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے، جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کیا کرتے تھے اور بہت مخلص احمدی تھے، ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا، جس میں اپنے کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں یہ رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصر خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا، مگر انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظام کر رہے ہیں، ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر، اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا

کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹخنیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں بیٹھی تھی، وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انھوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے۔ ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں، انھوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی، مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔"

مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات

"جب اس شاطر سیاست کے خفیہ اڈوں پر حکومت چھاپہ مارتی تھی تو یہ اسلحہ اور کاغذات کمال ہوشیاری سے زیر زمین دفن کر دیتا تھا۔ قادیان کی سرزمین میں فسادات کے موقع پر احمدی نوجوانوں اور سابق فوجیوں کے ہاتھوں جو ماڈرن اسلحہ مہیا کیا اور ان کی فوجی گاڑیاں حرکت میں آئیں تو اس پر حکومت کی جانب سے یکدم چھاپہ پڑا، جس کی اطلاع قبل از وقت خلیفہ کو نہ ہو سکی کیونکہ وہاں احمدی سی۔ آئی۔ ڈی ناکام رہی لیکن خلیفہ کی اپنی اہرمنی فراست ان کے کام آئی کیونکہ جب پولیس سر پر آ گئی تو اس "مقدس پاکباز مسلم مصلح دوراں" نے اپنی مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات باندھ کر کوٹھی دارالسلام (قادیان) بھجوا دیں اور قادیانی فوجیوں نے فوراً اسلحہ زیر زمین کر دیا۔"

مخدرات میدان معصیت میں

"طویل مشاہدے کے بعد یقین ہوا اور پیر پرستی کے برگ حشیش کا اثر زائل ہوا لیکن سارا ماجرا بیان کرنے کی استعداد مفقود ہو گئی۔ چونکہ سیاہ کاریاں محیر العقول تھیں، اس لیے ان کی نوعیت اس سیاہ کار کے لیے مدافعت بن گئی۔ کون مان سکتا کہ اس نے محرم اور غیر محرم کی تمیز کو روند کر رکھ دیا تھا اور اس کے لیے وہ اپنی جہنمی محفل میں کہا کرتا تھا کہ

"آدم کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ مجامعت میں حائل نہیں ہو سکتا۔" العیاذ باللہ۔

جیسا کہ اس تالیف میں ایک جگہ محمد یوسف ناز کا بیان نقل ہوا ہے، وہ اپنی مخدرات کو میدان معصیت میں پیش کرتا اور اس کے تربیت یافتگان ان سے حظ اندوز ہوتے اور خود اس روح فرسا منظر کا تماشا کر کے ابلیسی لذت محسوس کرتے۔"

خلوت سیئہ کے وقت کلام الٰہی کی توہین

"مبینہ طور پر خلوت سیئہ (خلوت صحیحہ ناقل) کے وقت قرآن کریم کو پاس رکھنے والا بھی خدا کی گرفت سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کے عظیم صبر بخشنے کے بعد ہی اس کی سیاہ کاریوں کے وسیع و عریض رقبے کو جاننے والا اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ رکھ سکتا ہے...... جب یہ شخص اپنے باپ کو بھی نہیں بخشتا تو یہ کیا نہ کرتا ہوگا۔"

مولف "فتنہ انکار ختم نبوت" سے ان الفاظ کی وضاحت چاہی گئی تو انھوں نے کہا کہ "مصلح الدین سعدی نے موکد بعذاب قسم کھا کر مجھے بتایا کہ ایک دن، میں مرزا محمود کی ہدایت پر ایک لڑکی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا کہ وہ آیا۔ اس نے لڑکی کے سرینوں کے نیچے سے قرآن پاک نکالا۔" (استغفر اللہ)

آخری فقرہ کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ مولوی فضل دین صاحب نے انھیں بتایا کہ انھیں ان کے بڑے بھائی مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے بتایا تھا کہ مرزا محمود اپنی محفل خاص میں کہا کرتا تھا کہ "حضرت مسیح موعود" بھی یہی کام کرتے تھے۔

تین سہیلیاں، تین کہانیاں

قادیان اور ربوہ میں بے شمار ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں جو مجبور مریدوں کی ارادت اور قادیانی گستاپو کے تشدد کے باعث ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی ہیں اور اس ریاست اندر ریاست کو مذہب کے لبادے میں ہر شرمناک کارروائی کرنے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور حکومت کا قانون، عاجز اور بے بس ہی نہیں، لاوارث اور یتیم ہو جاتا ہے۔ انہی کہانیوں میں سے ایک کہانی غلام رسول پٹھان کی بیٹی کلثوم کی ہے، جس کی نعش تالاب میں پائی گئی۔ اسی لڑکی کلثوم کی سہیلی عابدہ بنت ابوالہاشم خاں بنگالی کو شکار کے بہانے باہر لے جایا گیا اور ترکی ضلع جہلم میں "اتفاقیہ" گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ تیسری سہیلی امت الحفیظ صاحبہ بنت چوہدری غلام حسین صاحب ابھی بقید حیات ہیں۔ اگر وہ اپنی دو سہیلیوں کے "اتفاقیہ" قتل پر روشنی ڈال سکیں تو تاریخ میں ان کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا اور اس طرح مرزا محمود احمد کی "کرامات" میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

"مصلح موعود" کی کہانی حکیم عبدالوہاب کی زبانی

حکیم عبدالوہاب عمر قادیانی امت کے "خلیفہ اول" مولانا نورالدین کے صاحبزادے ہیں۔ ان

کا بچپن اور جوانی ''قصر خلافت'' کے در و دیوار کے سائے میں گزرے ہیں اور اس آسیب کا سایہ جس پر بھی پڑا ہے، اس نے مشاہدہ پر اکتفا کم ہی کیا ہے، وہ حق الیقین کے تجربے سے گزرا ہے، یہی حال حکیم صاحب کا ہے اگرچہ اس مرتبہ میں متعدد دوسرے افراد بھی ان کے شریک ہیں، لیکن انھیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی داستان بھی بغیر کسی لاگ لپٹ کے کہہ سناتے ہیں اور اپنے اوپر قادیانیوں کے معروف طریق کے مطابق تقدس کی جعلی ردا نہیں اوڑھتے اور اگر اس اظہار حقیقت میں ان کا کوئی عزیز زد میں آ جائے تو وہ اسے بچانے کی بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرتے، عموماً وہ اپنی آپ بیتی حکایت عن الغیر کے طور پر سناتے ہیں اور گو ان روایات کے مندرجات بتا دیتے ہیں کہ ان کا مرکزی کردار وہ خود ہی ہیں لیکن اگر کوئی پیچھے پڑ کر کریدنا ہی چاہے کہ یہ نوجوان کون تھا، تو وہ بتا دیتے ہیں کہ ''یہ میں ہی تھا۔'' انھوں نے بتایا:

1- ''1924ء میں مرزا محمود بغرض سیر و تفریح کشمیر تشریف لے گئے۔ دریائے جہلم میں پیراکی میں معروف تھے کہ مرزا محمود نے غوطہ لگا کر ایک سولہ سالہ نوجوان کے منارۂ وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو ان کے دواخانہ کے انچارج جناب اکرم بٹ نے پوچھا: آپ کو کیسے پتہ چلا؟ تو وہ بولے: یہ میں ہی تھا۔''

2- ''قصر خلافت'' قادیان کے گول کمرہ سے ملحق ایک اور کمرہ ہے۔ مرزا محمود احمد نے ایک نوجوان سے کہا: اندر ایک لڑکی ہے، جاؤ اس سے دل بہلاؤ۔ وہ اندر گیا اور اس کے سینے کے اہراموں سے کھیلنا چاہا۔ اس لڑکی نے مزاحمت کی اور وہ نوجوان بے نیل مرام واپس لوٹ آیا۔ مرزا محمود نے اس نوجوان کو کہا: تم بڑے وحشی ہو۔ جواباً کہا گیا کہ اگر جسم کے ان ابھاروں کو نہ چھیڑا جائے تو مزہ کیا خاک ہوگا۔ مرزا محمود نے کہا: لڑکی کی اس مدافعت کا سبب یہ ہے کہ وہ ڈرتی ہے کہ

''اس طرح کہیں اس نشیب و فراز کا تناسب نہ بدل جائے۔''

3- ''ایک دفعہ آپ کی بیگم مریم نے اس نوجوان کو خط لکھا کہ فلاں وقت مسجد مبارک (قادیان) کی چھت سے ملحقہ کمرہ کے پاس آ کر دروازہ کھٹکھٹانا تو میں تمھیں اندر بلا لوں گی۔ دروازہ کھلا تو اس نوجوان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ ریشم میں ملبوس سولہ سنگھار کیے موجود تھیں۔ اس نوجوان نے کبھی کوئی عورت نہ دیکھی تھی، چہ جائیکہ ایسی خوبصورت عورت۔ وہ مبہوت ہو گیا۔ اس نوجوان نے کہا کہ حضور اجازت ہے۔ انھوں نے جواب دیا: ایسی باتیں پوچھ کر کی

جاتی ہیں۔ اس وقت نوجوان نے کچھ نہ کہا کیونکہ اس کے جذبات مشتعل ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ ”گرو جی بچھڑے ہی میں نہال ہو جائیں گے“ اس لیے اس وقت کنارہ کرنا ہی بہتر ہے۔ بیگم صاحبہ موصوفہ نے اس خط کی واپسی کا مطالبہ کیا جو اس نوجوان کو لکھا تھا۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تلف کر دیا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد مرزا محمود احمد کے پرائیویٹ سیکرٹری میاں محمد یوسف صاحب اس نوجوان کے پاس آئے، کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس حضور کی بیویوں کے خطوط ہیں اور آپ اس کو چھاپنا چاہتے ہیں اس نوجوان نے جواب دیا: بہت افسوس ہے کہ آپ کو اپنی بیوی پر اعتماد ہوگا اور مجھے بھی اپنی بیوی پر اعتماد ہے، اگر کسی پر اعتماد نہیں تو وہ حضور کی بیویاں ہیں۔“

4- ”مرزا محمود احمد نے اپنی ایک صاحبزادی کو رشد و بلوغت تک پہنچنے سے پیشتر ہی اپنی ہوس رانی کا نشانہ بنا ڈالا۔ وہ بے چاری بے ہوش ہو گئی، جس پر اس کی ماں نے کہا: اتنی جلدی کیا تھی، ایک دو سال ٹھہر جاتے۔ یہ کہیں بھاگی جا رہی تھی یا تمہارے پاس کوئی اور عورت نہ تھی۔“

دواخانہ نور الدین کے انچارج جناب اکرم بٹ کا کہنا ہے کہ میں نے حکیم صاحب سے پوچھا: یہ صاحبزادی کون تھی؟ تو انھوں نے بتایا: ”امۃ الرشید۔“

نوٹ: اس روایت کی مزید وضاحت کے لیے صالح نور کا بیان غور سے پڑھیں، جو اسی کتاب میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملک عزیز الرحمٰن صاحب بحوالہ ڈاکٹر نذیر ریاض اور یوسف ناز بیان کرتے ہیں کہ جنسی بے راہروی کے ان مظاہر پر جب مرزا محمود سے پوچھا جاتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو وہ کہتا: لوگ بڑے احمق ہیں، ایک باغ لگاتے ہیں، اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ جب وہ پروان چڑھتا ہے اور اسے پھل لگتے ہیں تو کہتے ہیں:

”اسے دوسرا ہی توڑے اور دوسرا ہی کھائے۔“

ربوہ کی معاشی نبوت کا عظیم فراڈ

حکومت کے خلوت خانہ خیال کی نذر

1- صدر انجمن احمدیہ قادیان ایک رجسٹرڈ باڈی ہے۔ تقسیم ملک سے قبل اس انجمن کی جائیداد ملک کے مختلف حصوں میں بھی تقسیم کے بعد ناصر آباد، محمود آباد، شریف آباد، کریم نگر فارم، تھرپارکر

سندھ کی زمینیں پاکستان میں آ گئیں تو مرزا محمود نے ربوہ میں ایک ڈمی انجمن ”ظلی صدر انجمن احمدیہ“ قائم کی اور چوہدری عبداللہ خاں برادر چوہدری ظفر اللہ خاں ایسے قادیانیوں کے ذریعے یہ زمین اپنے صاحبزادوں اور انجمن کے نام منتقل کرالی اور مقصد پورا ہو جانے کے بعد یہ ظلی صدر انجمن، مرزا غلام احمد کی ظلی نبوت کی طرح ”اصلی“ بن گئی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان نے وہاں کی تمام جائیداد بھارتی حکومت سے واگزار کروالی اور اسی مقصد کے حصول کے لیے موجودہ خلیفہ مرزا ناصر احمد کے ایک بھائی مرزا وسیم احمد کو وہاں ٹھہرایا گیا، جو آج بھی وہیں مقیم ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، قادیان میں سکنی زمین، صدر انجمن احمدیہ لوگوں کو فروخت کرتی تھی مگر وہ خریداروں کے نام رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت رجسٹر نہیں کروائی جاتی تھی، جیسا کہ ربوہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح سرکاری کاغذات میں زمین اصل مالکان کے نام ہی رہتی ہے، حالانکہ وہ اسے فروخت کر کے لاکھوں روپیہ ہضم کر چکے ہوتے ہیں۔ اس عیاری پر پردہ ڈالنے کے لیے خلیفہ ربوہ نے مہاجرین قادیان کو چکمہ دے کر کہ قادیان ”خدا کے رسول کا تخت گاہ“ ہے (نعوذ باللہ) اور انھیں اس بستی میں واپس جانا ہے، انھیں قادیان کے مکانوں کا کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا اور خود چار کروڑ روپے کا بوگس کلیم داخل کر دیا۔ اب اگر مرید بھی کلیم داخل کر دیتے تو حکومت اور مریدوں سے دہرے فراڈ کی قلعی کھل سکتی تھی، اس لیے مریدوں کو کلیم داخل کرنے سے منع کر دیا گیا مگر بہت سے شاطر مرید اس عیاری کو سمجھ گئے اور انھوں نے خود بھی بے پناہ بوگس کلیم داخل کیے اور پھر قادیانی اثر ورسوخ سے منظور کروائے۔

اگر حکومت صرف قادیانیوں کی پاکستان میں جعلی اور بوگس الاٹمنٹوں کی تحقیقات کروائے تو کروڑوں روپے کے فراڈ کا پتہ لگ سکتا ہے اور مولف کتاب ہذا بعض جعلی کلیموں کے نمبر تک حکومت کو مہیا کرنے کا پابند ہے۔

3- ربوہ کی زمین صدر انجمن احمدیہ کو کراؤن لینڈ ایکٹ کے تحت علامتی قیمت پر دی گئی تھی۔ مرزا محمود نے یہاں بھی قادیان والا کھیل دوبارہ کھیلا اور ٹوکن پرائس پر حاصل کردہ اس زمین کو ہزاروں روپیہ مرلہ کے حساب سے مریدوں کے نام فروخت کیا مگر رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت سب لیز ہولڈرز کے نام زمین منتقل نہ ہونے دی، اس طرح مریدوں کا لاکھوں روپیہ بھی جیب میں ڈالا اور گورنمنٹ کے لاکھوں روپیہ کے ٹیکس بھی ہضم کیے گئے، مریدوں پر الٹا رعب بھی قائم رہا کہ وہ زمین خریدنے کے باوجود مالکانہ حقوق سے محروم رہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے ”خاندان نبوت“ کی عیاشیوں اور بدمعاشیوں کے متعلق آواز بلند کی، اسے اپنی ”ریاست“ سے باہر نکال دیا اور قبائلی نظام کے مطابق اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ اب جو

مرید ایک ''نبی'' کے انکار کی وجہ سے ساری ملت اسلامیہ کو کافر قرار دے کر علیحدہ ہوئے ہیں، وہ اپنی مخصوص Conditioning اور لایعنی علم الکلام کی وجہ سے واپس امت مسلمہ کے سمندر میں تو نہیں آ سکتے، وہ اسی گندے اور متعفن جوہڑ میں رہنے پر مجبور ہیں، اس لیے ایسے مریدوں سے سچائی کی توقع عبث ہے۔

-4 (i) ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے سلسلہ میں سب سے پہلا اور اہم قدم یہ ہے کہ ربوہ کی لیز فوراً ختم کی جائے۔

(ii) ربوہ کو چنیوٹ کے ساتھ شامل کر کے سرکاری دفاتر ربوہ کے اندر منتقل کیے جائیں اور اندرون شہر خالی پڑی ہوئی زمین پر فوراً سرکاری عمارات تعمیر کی جائیں۔ ربوہ میں چند کارخانے قائم کیے جائیں اور اردگرد کے لوگوں کو وہاں معاش کی سہولتیں مہیا کی جائیں تا کہ قادیانی یلغار اور لالچ کا ہدف نہ بن سکیں۔

-5 ربوہ کے تمام تعلیمی اداروں سے قادیانی اساتذہ کو فوراً تبدیل کر دیا جائے تا کہ وہ مسلمان طلبہ کو کفر کی تعلیم دینے کی ناپاک جسارت نہ کر سکیں۔

-6 ربوہ میں بڑا تھانہ قائم کیا جائے اور اس کی عمارت گول بازار کے سامنے ٹیلی فون ایکسچینج کے ساتھ تعمیر کی جائے۔

-7 خدام الاحمدیہ اور دوسری نیم عسکری تنظیموں کو توڑ دیا جائے اور نظارت امور عامہ (شعبہ احتساب) کو ختم کر کے ربوہ کا نام تبدیل کر کے چک ڈھگیاں اس کا پہلا نام رکھ دیا جائے تا کہ قادیانی اپنی دجالیت نہ پھیلا سکیں۔ اگر مندرجہ بالا امور پر عمل نہ کیا گیا تو ربوہ کبھی کھلا شہر نہ بن سکے گا۔ وہاں قادیان سے بدتر غنڈہ گردی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی کیونکہ قادیان میں تو پھر کچھ آبادی ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی تھی مگر یہاں تو انگریز کی معنوی ذریت کے علاوہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔

-8 قادیانی ڈاکٹروں، مسلح افواج میں قادیانی افسروں اور سرکاری محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانیوں کے سالانہ اجلاس، ربوہ کے سالانہ میلے پر منعقد ہوتے ہیں، جہاں خلیفہ کو حکومت کے راز منتقل ہوتے ہیں اور ملک کی معیشت پر قادیانی گرفت کو مضبوط کرنے کے پروگرام بنتے ہیں، اس لیے تمام اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانیوں کی چھٹی ضروری ہے تا کہ وہ اپنی اسلام دشمن اور ملک دشمن ذہنی ساخت کے باعث ملک و قوم کو مزید نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب صلاح الدین ناصر کا ازالہ اوہام

جناب صلاح الدین ناصر ایک نہایت معزز فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد خان بہادر

ابوالہاشم بنگال میں ڈپٹی ڈائریکٹر مدارس تھے۔ ناصر صاحب پارٹیشن کے بعد پاکستان آ گئے۔ کچھ دیر ربوہ میں بھی مقیم رہے، لیکن جب ان کو خلیفہ جی کی عدیم المثال، جنسی بے راہ روی کا یقینی علم حاصل ہو گیا تو وہ رات کی تاریکی میں والدہ اور ہمشیرگان کو ساتھ لے کر لاہور آ گئے، وہ مرزا محمود کی ننگ انسانیت حرکتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیتے، جب ان کی قادیانیت سے علیحدگی کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو کہنے لگے:

> ’’بھئی ہماری قادیانیت سے علیحدگی، لائبریری کے کسی اختلاف کا نتیجہ نہیں، ہم نے تو لیبارٹری میں ٹیسٹ کر کے دیکھا ہے کہ اس مذہبی انڈسٹری میں دین نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہوس اور بوالہوس دو لفظوں کو اکٹھا کر دیں تو قادیانیت وجود میں آ جاتی ہے۔‘‘

اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں نے کہا، جناب اس اجمال سے تو کام نہ چلے گا، کچھ بتائیں شاید کسی قادیانی کو ہدایت نصیب ہو جائے تو فرمانے لگے:

> ’’یوں تو مرزا محمود یعنی ’’مودے‘‘ کی بے راہروی کے واقعات طفولیت ہی سے میرے کانوں میں پڑنا شروع ہو گئے تھے اور ہماری ہمشیرہ عابدہ بیگم کا ڈرامائی قتل بھی ان مذہبی سمگلروں کی بدفطرتی اور بدمعاشی کو Expose کرنے کے لیے کافی تھا، مگر ہم حالات کی آہنی گرفت میں اس طرح پھنس چکے تھے کہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے کسی بہت بڑے دھکے کی ضرورت تھی اور جب دھکا بھی لگ گیا تو پھر عقیدت کے طوق و سلاسل اس طرح ٹوٹتے چلے گئے کہ خود مجھے ان کی کمزوری پر حیرت ہوتی تھی۔‘‘

میں نے ہمت کر کے پوچھ لیا، جناب وہ دھکا تھا کیا؟ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ ماضی کے کسی دل دوز واقعہ نے انھیں چرکے لگانے شروع کر دیے تھے۔ چند سیکنڈ کے بعد کہنے لگے:

> ’’تقسیم برصغیر کے بعد ہم رتن باغ لاہور میں مقیم تھے۔ جمعہ پڑھنے کے لیے گئے تو مرزا محمود نے اعلان کیا کہ جمعہ کے بعد صلاح الدین ناصر مجھے ضرور ملیں۔ جمعہ ختم ہوا تو لوگ مجھے مبارکباد دینے لگے کہ ’’حضرت صاحب نے تمھیں یاد فرمایا ہے۔‘‘
>
> میں نے خیال کیا شاید کوئی کام ہو گا، اس لیے میں جلد ہی اس کمرہ کی طرف گیا، جہاں اس دور کا شیطان مجسم مقیم تھا۔ میں کمرہ میں داخل ہوا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مرزا محمود پر شیطنت سوار تھی، اس نے مجھے اپنی ’’ہومیوپیتھی‘‘ کا معمول بنانا چاہا۔ میں نے بڑھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور گالی دے کر کہا: ’’اگر

> مجھے یہی کام کرنا ہے تو اپنے کسی ہم عمر سے کرلوں گا، تمھیں شرم نہیں آتی، اگر جماعت کو پتہ لگ گیا تو تم کیا کرو گے۔" میری یہ بات سن کر مرزا محمود نے بازاری آدمیوں کی طرح قہقہہ لگایا اور کہا: "داڑھی منڈوا کر پیرس چلا جاؤں گا۔"
>
> یہ دن میرے لیے قادیانیت سے ذہنی وابستگی رکھنے کا آخری دن تھا۔"

جناب صلاح الدین ناصر "حقیقت پسند پارٹی" کے پہلے جنرل سیکرٹری رہے ہیں۔ اس دور میں ملک کے گوشے گوشے میں تقاریر کر کے انھوں نے قادیانیت کی حقیقت کو خوب واشگاف کیا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے:

> "گجرات کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے مرزا محمود کے متعلق کہا کہ اس کی اخلاقی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے۔ اس پر ایک قادیانی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اس کی وضاحت کریں۔ میں نے کہا: یہ الفاظ بہت واضح ہیں۔ وہ پھر بولا: کیا اس نے تمہاری شلوار اتاری تھی۔ میں نے جواب دیا: اسی بات کو بیان کرنے سے میں جھجک رہا تھا۔ آپ اپنے خلیفہ کے مزاج شناس ہیں، آپ نے خوب پہچانا ہے، یہی بات تھی۔
>
> جلسہ کے تمام سامعین کھلکھلا کر ہنس پڑے اور وہ صاحب آہستہ سے کھسک گئے۔"

میں کہاں آ نکلا

جناب محمد صدیق ثاقب زیروی قادیانی امت کے خوش گلو شاعر ہیں۔ اگر وہ اپنی شاعری کو مرزا غلام احمد کے خاندان کی قصیدہ خوانی کے لیے وقف کر کے تباہ نہ کرتے تو ملک کے اچھے شعراء میں شمار ہوتے۔ سچ کہنے کی پاداش میں وہ ربوائی ریاست کے زیر عتاب رہ چکے ہیں مگر اب چونکہ انھوں نے خوف فساد کی وجہ سے قادیانی امت کے سیاسی و معاشی مفادات کے لیے اپنے آپ کو رہن کر رکھا ہے اور ہفت روزہ "لاہور" قادیانی امت کا سیاسی آرگن بن گیا ہے، اس لیے اب ربوہ میں ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر مدارات ہوتی ہے اور ہر طرف سے انھیں "بشریٰ لکم" کی نوید ملتی ہے۔ عرصہ ہوا انھوں نے ایک نظم اپنے "خلیفہ صاحب" کے بارہ میں لکھی تھی مگر اشاعت کے مرحلہ پر اس پر یہ نوٹ لکھ دیا گیا۔

> "ایک پیر خانقاہ کی لادینی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر"

> قارئین غور فرمائیں کہ "پیر خانقاہ" اور ربوہ کے مذہبی قبرستان کے احوال میں کیسی مماثلت و مشابہت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی کی تصویر ہے ۔

شورش زہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا

نہ محبت میں حلاوت نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت نہ ضیا ہے میں کہاں آ نکلا
چشم خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے میں کہاں آ نکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے میں کہاں آ نکلا
دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور حیا ہے میں کہاں آ نکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ نکلا
خندہ زن ہے سفلگی اس کی ہر اک سلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے میں کہاں آ نکلا
دلنوازی کے پھریروں کی ہواؤں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے میں کہاں آ نکلا
عجز سے کھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے میں کہاں آ نکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا میں کہاں آ نکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے میں کہاں آ نکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوف خدا
چوکڑی بھول گیا ہے میں کہاں آ نکلا

مولوی عبدالستار نیازی اور دیوان سنگھ مفتون

مولانا عبدالستار صاحب نیازی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، بلکہ خود تعارف ان کا محتاج ہے۔ مذہبی و دینی علوم کے علاوہ سیاسی نشیب و فراز پر جس طرح وہ نظر رکھتے ہیں اور جس جرأت اور بے باکی سے باطل کو للکارتے ہیں، یہ انہی کا حصہ ہے۔ مولانا موصوف نے مولف اور امیر الدین صاحب سیمنٹ بلڈنگ تھارنٹن روڈ لاہور کے سامنے بیان کیا کہ

> "ایوب حکومت میں جب دیوان سنگھ مفتون پاکستان آئے تو مجھے ملنے کے لیے بھی تشریف لائے۔ دوران گفتگو انھوں نے بڑی حیرانگی سے کہا: میں عرصہ دراز کے بعد ربوہ میں مرزا محمود سے ملا ہوں، خیال تھا کہ وہ کام کی بات کریں گے مگر میں جتنا عرصہ وہاں بیٹھا رہا، وہ یہی کہتے رہے کہ فلاں لڑکی سے تعلقات استوار کیے تو اتنا مزہ آیا، فلاں سے کیے تو اتنا!"

مرزا محمود احمد کی ایک بیوی کا خط دیوان سنگھ مفتون کے نام

حکیم عبدالوہاب عمر بیان کرتے ہیں کہ مرزا محمود خلیفہ ربوہ کی ایک بیوی نے ایک مرتبہ ایڈیٹر "ریاست" سردار دیوان سنگھ مفتون کو خط لکھا کہ تم راجوں مہاراجوں کے خلاف لکھتے ہو، ہمیں بھی اس ظالم کے تشدد سے نجات دلاؤ جو ہمیں بدکاری پر مجبور کرتا ہے۔ ایڈیٹر مذکور نے ظفر اللہ خاں وغیرہ قادیانیوں سے تعلق کی وجہ سے کوئی جرأت مندانہ اقدام تو نہ کیا، البتہ "ریاست" میں خلیفہ جی کی معزولی کے بارہ میں ایک نوٹ تحریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جس شخص پر اہل خانہ تک جنسی بے راہروی کے الزامات لگا رہے ہوں، اسے اس قسم کے عہدہ سے چمٹا رہنا سخت ناعاقبت اندیشانہ فعل ہے۔ قادیانی "رائل پارک فیملی" کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ بیوی مولوی نورالدین جانشین اوّل جماعت قادیان کی صاحبزادی امۃ الحی بیگم تھیں۔

راجہ بشیر احمد رازی کی تجرباتی داستان

راجہ بشیر احمد رازی حال مشن روڈ بالمقابل ناز سینما لاہور، راجہ علی محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں، جو ایک عرصہ جماعت ہائے احمدیہ گجرات کے امیر رہے۔ 1945ء میں زندگی وقف کرنے کے بعد ربوہ چلے گئے اور صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں نائب آڈیٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اسی دوران ان کے تعلقات شیخ نورالحق "احمدیہ سنڈیکیٹ" اور ڈاکٹر نذیر احمد ریاض سے ہو گئے جو مرزا محمود احمد کی خلوتوں سے پوری طرح آشنا تھے۔ راجہ صاحب ایک قادیانی گھرانے میں پلے تھے، اس لیے متعدد مرتبہ سننے کے باوجود انھیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ "قصر خلافت" میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر نذیر ریاض صاحب سے کہا کہ "میں تو اس وقت تک تمہاری باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں، جب تک خود اس ساری صورت حال کو دیکھ نہ لوں۔" ڈاکٹر صاحب مذکور نے ان سے پختہ عہد لینے کے بعد ان کو بتایا کہ محاسب کا گھڑیال ہمارے لیے سٹینڈرڈ ٹائم کی حیثیت رکھتا ہے، جب اس پر 9 بجیں تو آ جانا۔ مقررہ وقت پر راجہ صاحب ڈاکٹر نذیر کی معیت میں "قصر خلافت" پہنچے تو خلاف توقع دروازہ کھلا تھا۔ راجہ صاحب کچھ ٹھٹکے کہ یہ کیا معاملہ ہے، کہیں ڈاکٹر سچ ہی نہ کہہ رہا ہو، پھر انھیں یہ بھی خیال آیا کہ کہیں انھیں قتل کروانے یا پٹوانے کا

تو کوئی پروگرام نہیں، مگر انھوں نے حوصلہ نہ چھوڑا اور ڈاکٹر نذیر کے پیچھے زینے طے کرتے گئے۔ جب اوپر پہنچے تو ڈاکٹر نے انھیں ایک کمرہ میں جانے کا اشارہ کیا اور خود کسی اور کمرہ میں چلے گئے۔ راجہ صاحب نے پردہ ہٹا کر دروازے کے اندر قدم رکھا تو عطر کی لپٹوں نے انھیں مسحور کر دیا اور انھوں نے دیکھا کہ چھوٹی مریم آراستہ و پیراستہ بیٹھی ہے اور انگریزی کے ایک مشہور جنسی ناول ”فینی ہل“ کا مطالعہ کر رہی ہے۔ راجہ صاحب کہتے ہیں کہ

> ”یہ منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میری سوچ کے دھاروں میں تلاطم برپا ہو گیا۔ میں نے چشم تصور سے اپنے والد محترم کو دیکھا اور کہا تم اس کام کے لیے چندہ دیتے رہے ہو، پھر مجھے اپنی والدہ محترمہ کا خیال آیا جو انڈے بیچ کر بھی چندہ کے طور پر ربوہ بھجوا دیا کرتی تھیں، اسی حالت میں آگے بڑھا اور پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہاں تو دعوت عام تھی، مگر میں سعی لاحاصل میں مصروف تھا اور مجھے ڈاکٹر اقبال کا یہ مصرعہ یاد آ رہا تھا ع

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

اصل میں مجھے اس قدر Shock ہوا تھا کہ میں کسی قابل ہی نہ رہا تھا، اس لیے میں نے بہانہ کیا کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ مجھے یہ فریضہ سرانجام دینا ہے اور اگر شکم سیری کی حالت میں، میں یہ کام کروں تو مجھے اپنڈیکس کی تکلیف ہو جاتی ہے، اس طرح معرکہ اولیٰ میں ناکام واپس لوٹا اور آتے ہوئے مریم نے مجھے کہا: ”کل اکیلے ہی آ جانا، یہ ڈاکٹر نذیر بڑا بدنام آدمی ہے، اس کے ساتھ نہ آنا۔“ دوسرے دن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تمھاری شکایت ہوئی ہے کہ ”یہ کون ہیجڑہ سا لے آئے تھے۔“ دوسرے دن میں ذہنی طور پر تیار ہو کر گیا اور گزشتہ شکایت کا ہی ازالہ نہ ہوا، میرے اعتقادات، نظریات اور خلیفہ جی اور ان کے خاندان کے بارہ میں میرا مریدانہ حسن ظن بھی حقائق کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور میں نے واپس آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ ازاں بعد مجھے رشوت کے طور پر لنڈن بھیجنے کی پیشکش ہوئی، مگر میں نے سب چیزوں پر لات مار دی۔“

اب آپ ”کمالات محمودیہ“ ص 55 سے ان کی تحریر کا متعلقہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:۔

> ”یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم ربوہ کے کچے کوارٹروں میں، خلیفہ صاحب ربوہ کے کچے ”قصر خلافت“ کے سامنے رہائش پذیر تھے۔ قرب مکانی کے سبب شیخ نورالدین ”احمدیہ سنڈیکیٹ“ سے راہ و رسم بڑھی تو انھوں نے خلیفہ صاحب کی زندگی کے ایسے مشاغل کا تذکرہ کیا، جن کی روشنی میں ہمارا وقف کار احمقاں نظر آنے لگا۔ اتنے بڑے دعوے کے لیے شیخ صاحب کی روایت کافی نہ تھی۔ خدا بھلا

کرے ڈاکٹر نذیر احمد ریاض صاحب کا، جن کی ہمرکابی میں مجھے خلیفہ صاحب کے ایک ذیلی عشرت کدہ میں چند ایسی ساعتیں گزارنے کا موقع ہاتھ آیا، جس کے بعد میرے لیے خلیفہ صاحب ربوہ کی پاک دامنی کی کوئی سی بھی تاویل و تعریف کافی نہ تھی اور اب میں بفضل ایزدی علیٰ وجہ البصیرت خلیفہ صاحب ربوہ کی بداعمالیوں پر شاہد ناطق ہو گیا ہوں۔ میں صاحب تجربہ ہوں کہ یہ سب بداعمالیاں ایک سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے تحت وقوع پذیر ہوتی ہیں اور ان میں اتفاق اور بھول کا دخل نہیں۔ محاسب کا گھڑیال (نوٹ: محاسب کے گھڑیال سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو رات نو بجے کا وقت، عشرت کدے کے لیے دیا گیا ہے تو اس کی گھڑی میں بے شک 9 بج چکے ہوں، جب تک محاسب کا گھڑیال 9 نہ بجائے، اس وقت تک وہ شخص اندر نہیں آ سکتا) ان رنگین مجالس کے لیے سٹینڈرڈ ٹائم (Standard Time) کی حیثیت رکھتا تھا، اب نہ جانے کونسا طریقہ رائج ہے۔ میرے اس بیان کو اگر کوئی صاحب چیلنج کریں تو میں حلف موکد بعذاب اٹھانے کو تیار ہوں۔"

والسلام (بشیر رازی سابق نائب آڈیٹر، صدر انجمن احمد، ربوہ)

یوسف ناز "بارگاہ نیاز" میں

"ایک مرتبہ، جبکہ میاں صاحب چاقو لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے تھے، اس کے چند دن بعد مجھے ربوہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے سامنے مرزا صاحب کے مریدان باصفا کا ایک جم غفیر ہے۔ ہر شخص کے چہرے پر اضطراب کی جھلکیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے پیر کے دیدار کی ایک معمولی سی جھلک ان کے دل ناصبور کو اطمینان بخش دے گی۔

پرائیویٹ سیکرٹری کے حکم کے مطابق کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی تھیں، یعنی ہر شخص کی الگ الگ چار جگہوں پر جامہ تلاشی لی جاتی تھی اور اس امر کی تاکید کی جاتی تھی کہ "حضرت اقدس کے قریب پہنچ کر نہایت آہستگی سے السلام علیکم کہا جائے اور پھر یہ کہ اس کے جواب کا منتظر نہ رہا جائے، بلکہ فوراً دوسرے دروازے سے نکل کر باہر آ جایا جائے۔ میں خود ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ گراں بندشوں نے کچھ آزردہ سا کر دیا اور میں واپس چلا گیا۔ چنانچہ پھر دو بجے بعد از دوپہر دوبارہ حاضر ہوا۔ شیخ نور الحق صاحب، جو ان کے ذاتی دفتر کا ایک رکن ہے، اس سے اطلاع کے لیے کہا۔ "حضرت اقدس" نے خاکسار کو شرف باریابی بخشا۔ اس وقت کی گفتگو جو ایک مرید (میرے) اور ایک پیر (مرزا صاحب) کے درمیان تھی، ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

میں نے نہایت بے تکلفی سے کام لیتے ہوئے حضور سے دریافت کیا کہ "آج کل تو آپ سے

ملنا بھی کارے دارد ہے۔"

فرمایا: "وہ کیسے؟"

عرض کیا کہ "چار چار جگہ جامہ تلاشی لی جاتی ہے تب جا کر آپ تک رسائی ہوتی ہے۔"

جواباً انھوں نے میرے "عمودی" کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ

"جامہ تلاشی کہاں ہوئی ہے کہ جس مخصوص ہتھیار سے تمھیں کام لینا ہے وہ تو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اپنے ساتھ اندر لے آئے ہو۔" اس حاضر جوابی کا بھلا میرے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا۔ میں خاموش ہو گیا مگر ایک بات جو میرے لیے معمہ بن گئی، وہ یہ تھی کہ سنا تو یہ تھا کہ چارپائی سے ہل نہیں سکتے، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے مگر وہ میرے سامنے اس طرح کھڑے تھے جیسے انھیں قطعی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

میں میاں صاحب کی خدمت میں التماس کروں گا کہ اگر وہ اس بات کو جھٹلانے کی ہمت رکھتے ہیں تو حلف موکد بعذاب اٹھائیں اور میں بھی اٹھاتا ہوں۔"

ایم یوسف ناز، کراچی

حال مقیم لاہور

(یہاں عبارت کی عریانی دور کرنے کی سعی کی گئی ہے)

قادیانی امت کے نام نہاد "خالد بن ولید"

قادیانی امت نے اپنے متنبی کی اتباع میں وحدت امت کو ملیامیٹ کرنے اور مسلمانوں میں فکری انتشار پیدا کرنے کے لیے اسلامی اصطلاحات کا جس بے دردی سے استعمال کیا اور ان مقدس ناموں کی جس قدر توہین کی ہے، ایک عامی تو درکنار، اچھے بھلے تعلیم یافتہ افراد کو بھی اس سے پوری شناسائی نہیں۔ مرزا غلام احمد کے لیے نبی اور رسول کا استعمال تو عام ہے۔ ان کی اہلیہ کے لیے "ام المومنین۔" جانشینوں کے لیے "خلیفہ۔" ان کے اولین پیروؤں کو "صحابہ" اور "رضی اللہ عنہم" کا خطاب ہی نہیں دیا، بلکہ انھیں براصل اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ ع...... "صحابہ سے ملا جو مجھ کو پایا" کہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ایک قرآنی آیت یاتی من بعدی اسمہ احمد کی لایعنی تاویلات کر کے اسے بانی جماعت پر چسپاں کیا جاتا ہے اور ایک دوسری آیت کی غلط توجیہ کرتے ہوئے موسس قادیانیت کی "بعثت" کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثانیہ قرار دے کر اس کے ماننے والوں کو صحابہ سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صلحا امت کی توہین ہر قادیانی اس طرح کر جاتا ہے کہ سلب ایمان کی وجہ سے اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا ناپاک حرکت کر رہا ہے۔ حیرت ہے کہ آئین مملکت کے بارہ میں ژاژخائی کرنے پر تو قانون حرکت میں آ جاتا ہے، مگر قرآن مجید، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مقدس اسلامی اصطلاحات کے متعلق قادیانی امت کی دیدہ دلیری پر سرکاری مشینری کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

اگر پوری تفصیل درج کی جائے تو بجائے خود اسی کی ایک کتاب بنتی ہے، اسی بے راہروی میں قادیانی امت کے پوپ دوم نے ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی، مولوی اللہ دتہ جالندھری اور مولوی جلال الدین شمس کو ”خالد بن ولید“ کا خطاب دیا تھا کیونکہ ان ہر سہ افراد نے سب کچھ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے، افترا پردازی کرنے اور قادیانیت کی حمایت اور خلیفہ کی ”پاکبازی“ ثابت کرنے میں سب قوتیں ضائع کیں۔ گو یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر اسی گوسالہ سامری کی جانب سے ذلیل ترین الفاظ کا تحفہ ملا۔ کوئی ”طاعونی چوہا“ کہلایا اور کوئی ”لندن میں رہنے کے باوجود مولوی کا مولوی ہی رہا۔“

ان خطاب یافتہ پالتو مولویوں میں سے ایک کے متعلق اس کے سگے بھائی نے اپنی کتاب ”ربوہ کا مذہبی آمر“ میں لکھا ہے کہ ”وہ فن اغلامیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے“ دوسرے صاحب اپنی گوناگوں ”صفات“ کی وجہ سے ”رحمت منزل“ گجرات کے اطفال و بنات سے ایسے گہرے مراسم رکھتے تھے کہ امیر ضلع تلاش کرتے رہتے تھے مگر وہ اچانک بلڈ پریشر کے دورہ کے باعث غائب ہو کر اسی مقام پر جا پہنچا کرتے تھے۔ تیسرے صاحب کی ”مساعی جمیلہ“ بھی کسی سے کم نہیں۔

مرزا غلام احمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل کھڑا کر کے قادیانیوں کے دل میں بڑے ارمان مچل رہے تھے مگر ”افسوس“ کہ وہ پورے نہ ہو سکے۔ انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو صاحب کتاب نبی بنانے کے لیے اس کے اضغاث احلام کو مجموعہ الہامات قرار دے کر اس کا نام ”تذکرہ“ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے طرز پر مرزا غلام احمد کے ”ملفوظات“ اکٹھے کر کے ”سیرت المہدی“ کے نام سے شائع کیے، جس میں ہر بات ”بیان کی مجھ سے فلاں نے“ یعنی حدیث فلاں بن فلاں سے شروع ہوتی ہے اور مرزا غلام احمد کے سالے مرزا محمد اسماعیل نے رسالہ ”درود شریف“ میں یہ درود درج کیا:

اللهم صلى على محمد و احمد و على ال محمد و ال احمد...... الخ

اللهم بارك على محمد و احمد كما باركت على ال محمد و ال احمد...... الخ

قادیانی جھوٹ بولنے میں بڑے ماہر ہیں۔ قومی اسمبلی کی کارروائی کے دوران جب اس کتاب کی فوٹو سٹیٹ ضیاء الاسلام پریس قادیان کی پرنٹ لائن کے ساتھ مرزا ناصر کے سامنے پیش کی گئی تو وہ چکرا گیا اور علمائے کرام کی ان کے گھر سے معمولی واقفیت کی بناء پر انھیں یہ کہہ کر ٹرخا دیا کہ کسی غیر احمدی نے چھاپ دیا ہوگا، حالانکہ یہ تحریر ان کے آنجہانی دادا کے ”سالا صاحب“ کی ہے اور جن لوگوں کو قادیان اور ربوہ کے مکروہ ترین آمرانہ نظام سے واقفیت ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کے پریس میں کسی مسلمان کی کوئی تحریر چھپ جانا ناممکنات میں سے ہے۔ اگر مرزا طاہر احمد اور ان کی امت توبہ کر کے امت مسلمہ کے سیل

رواں میں شامل ہونے کا برملا اعلان کرے تو میں یہ اصل کتاب کسی بھی عدالت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ قرآن کریم نے مسجد ضرار کے گرائے جانے کی وجہ تفریقاً بین المومنین کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے، قادیانی نہ صرف تفرقہ کا موجب بن رہے ہیں، بلکہ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں التباس پیدا کر رہے ہیں، اس لیے ان کی عبادت گاہوں کی شکل تبدیل کرنا، ان سے کلمہ کو مٹانا، درحقیقت مسجد ضرار کے گرائے جانے کی مانند تفرقہ اور التباس کی سازش کو ختم کرنا ہے۔

رحمت اللہ اروپی کا کشتہ

o رحمت اللہ اروپی گوجرانوالہ کے ایک مضافاتی قصبہ اروپ کے رہنے والے ہیں۔ کافی عرصہ ہوا، ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندہ ہیں یا قید حیات سے آزاد ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگر وہ زندہ ہیں تو خدا انھیں صحت و عافیت دے کہ انھوں نے قادیانی امت مجہولہ کی طرح مرزا غلام احمد کو امتی اور نبی، ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی، غیر تشریعی نبی، لغوی معنوں میں نبی اور ظلی اور بروزی نبی کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھایا بلکہ مرد میدان بن کر صاف کہا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو صاحب شریعت نبی تسلیم کرتے ہیں۔

1974ء میں جب قادیانی امت کو چوہڑوں، چماروں، پارسیوں اور ہندوؤں کی صف میں شامل کر کے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تو انھوں نے اپنا یہ موقف حکومت کو پیش کیا کہ وہ اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ غیر مسلم ہیں لیکن وہ مرزا غلام احمد کو تشریعی نبی ماننے سے انکار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اوائل جوانی میں جب وہ اپنے والد کے ساتھ قادیان میں تھے تو انھیں قائد خدام الاحمدیہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا اور ان ایام میں وہ لوائے احمدیت کو پکڑ کر قصر خلافت کے ہر حصے میں آزادانہ آتے جاتے تھے۔ انہی ایام میں اپنے اخلاص کے اظہار کے لیے ہر سہ پہر کو وہ ایک ایسے چوزے کو جو ابھی اذان نہیں دیتا تھا، ذبح کر کے اور اس کے پیٹ میں ایک کشمیری سیب کو چھید کر رکھ کر پاؤ بھر گھی اور ایک چھٹانک گری، بادام اور کشمش میں ہلکی آنچ پر پکا کر اس کا سوپ حضرت صاحب (مرزا محمود احمد) کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار اس کے ساتھ بیسن کی گھی میں تر بتر تندوری روٹی بھی انھیں بھجوایا کرتے تھے۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا کہ ایسی مرغن اور مقوی غذائیں کھانے والا سرکاری سانڈ پھر کوئی اپنی یا بیگانی کھیتی ویران کیے بغیر رہ سکے گا؟ تو وہ دھیمے سے مسکرا کر کہنے لگے کہ جب مجھے اپنی اس خدمت کے نتائج کا علم ہوا تو اس وقت تک کئی گھر اجڑ چکے تھے اور میرے ہاتھ میں صرف خدام الاحمدیہ کا ڈنڈا ہی باقی رہ گیا تھا اور میں یہ سوچنے لگ پڑا تھا کہ جب انسان کے پاس دنیاوی وسائل کی فراوانی ہو، نوعمر لڑکیوں اور لڑکوں سے میل جول کے مواقع بھی پوری طرح میسر ہوں، اندھی عقیدت سے مخمور مرید اپنے پیر کے متعلق کوئی سچی سے سچی بات سننے سے بھی انکاری ہوں تو ایسا پیر اگر بدمعاشی نہ کرے

تو پھر شاید اس سے بڑا بدمعاش اور کوئی نہ ہوگا اور اسی سے روکنے کے لیے اسلام نے تہمت کے مواقع سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے۔

میں نے ایک بہت پرانے قادیانی سے، جو مرزا غلام احمد سے لے کر مرزا طاہر احمد تک کے جملہ حالات سے واقف ہیں اور سال خوردگی کی انتہائی سٹیج پر ہونے کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے، اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے مرزا صاحب (مراد مرزا غلام احمد) نے بھی بڑھاپے میں

"ہرچہ باید نو عروسے را ہمہ ساماں کنم
واں چہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

کے تحت ایک نوجوان لڑکی سے شادی رچا کر اسے اللہ رکھی سے نصرت جہاں بیگم بنا دیا تھا لیکن فطرت کی تعزیروں نے وہاں بھی اپنا کام دکھایا اور پھر ان کی اولاد نے جو کچھ کیا اور جنسی عصیان میں جس مقام تک پہنچی، یہ کام کشتوں کی اولاد ہی کرتی ہے۔ نارمل اولاد یہ کام نہیں کر سکتی کیونکہ کشتوں کے پشتے لگا دینا اس کا کام ہی نہیں۔

پچ کی تیاری...... بیٹنگ اور باؤلنگ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مرزا ناصر احمد آنجہانی نے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی ایک ایسی طالبہ کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تھا، جس پر ان کے صاحبزادے مرزا لقمان احمد نے ڈورے ڈالے ہوئے تھے۔ انہی ایام میں قادیانی حلقوں میں یہ بھی سننے میں آیا کہ مرزا ناصر احمد اور مرزا لقمان میں شدید شکر رنجی ہی نہیں بلکہ باقاعدہ مخاصمت کا آغاز ہو گیا ہے۔ میں نے ایک پرانے قادیانی خاندان کے کسی قدر مضطرب ایک فرد وائی ایم سی اے کارنر (دی مال لاہور) پر چائے کی دکان کے مالک انیس احمد سے پوچھا کہ ان خبروں میں کس حد تک صداقت موجود ہے تو انھوں نے بے ساختہ کہا کہ ایسا ہونا تو لازمی تھا کیونکہ کرکٹ پچ کی تیاری تو بیٹے نے کی تھی مگر والد صاحب نے اس پر بیٹنگ اور باؤلنگ شروع کر دی اور پھر وہی ہوا جو ایسے معاملات میں ہوا کرتا ہے کہ چڑھتی دھوپ اور ڈھلتی چھاؤں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ شروع ہو گئی۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے از کار رفتہ اعضاء میں جوانی کی امنگیں بھرنے کے لیے تمام جدید وسائل علاج میسر ہونے کے باوجود کشتے کا استعمال شروع کیا، جو راس نہ آیا اور اس کا جسم پھول کر کپا بن گیا اور وہ آناً فاناً اللہ تعالیٰ کی عبرتناک گرفت میں آ کر کشتے کی آگ میں جھلنے کے بعد نار جہنم کا ایندھن بننے کے لیے عدم آباد سدھار گیا۔

ہمارے ایک قادیانی دوست نے مرزا ناصر احمد کی اس شہادت پر انھیں شہید فرج کا خطاب دیا ہے اور ان کا اصل خط بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ بعد میں ایک مشترکہ دوست کے ذریعے میں نے انھیں یہ پیغام بھیجا کہ اس خطاب کو تراشنے کے لیے آپ نے بلا وجہ زحمت کی۔ فیروز اللغات میں اس کے لیے چوتیا

شہید کا محاورہ پہلے سے موجود ہے تو انھوں نے ہنستے ہوئے جواباً کہا کہ لغوی اعتبار سے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ خاندان جنس کے طوفان میں جس طرح غرقاب ہے، اس کے لیے لغت بھی نئی ہی کائن Coin کرنی پڑے گی۔

آلہ واردات

ملک عزیز الرحمٰن 8-اے عزیز والا کرشن نگر لاہور میرے قریبی عزیز ہیں اور اپنی مخصوص ذہنی تطہیر کے باعث وہ ابھی تک مرزا غلام احمد کو مسیح موعود، مہدی موعود اور مجدد وقت تسلیم کرتے ہیں اور ہر وقت اس کا پرچار کرتے رہنے کو ہی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ ان کا کسی قدر مزید تعارف کرا دوں۔ یہ احمدیہ پاکٹ بک کے مصنف ملک عبدالرحمٰن خادم ایڈووکیٹ گجرات، جنھوں نے کسی زمانے میں ”احمدیہ پاکٹ بک“ لکھی، کے سگے بھائی ہیں۔ ان کے ایک دوسرے برادر معروف لیبر لیڈر راحت ملک بھی ان کے سگے بھائی ہیں، جنھوں نے کسی دور میں خلیفہ ربوہ کے بارے میں ”ربوہ کا مذہبی آمر“ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اور انھوں نے خود خالد احمدیت کا خطاب پانے والے اپنے بھائی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ فن اغلامیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

ملک عزیز الرحمٰن قصر خلافت میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز رہے اور جب انھیں مرزا محمود احمد کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ایک بدمعاش اور بدکردار آدمی ہے تو انھوں نے اس سے ایسی مکمل علیحدگی اختیار کر لی کہ اپنے خالد احمدیت بھائی کا جنازہ اس بنا پر نہ پڑھا کہ اسے بھی یقینی علم تھا کہ مرزا محمود احمد بدمعاش ہے مگر اس کے باوجود وہ اسے مصلح موعود ثابت کرنے پر تلا رہا۔ وہ مرزا غلام احمد کو تو مجدد وقت اور مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے تو غالیانہ انداز میں تبلیغ کرتے رہتے ہیں لیکن اسی تواتر سے مرزا محمود احمد کو بدمعاش اور بدکردار ثابت کرنے کے لیے بیسیوں پمفلٹ شائع کر چکے ہیں۔

اس سے ان کی اپنے افکار و نظریات میں پختگی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ اس معاملے میں اتنے متشدد ہیں کہ کہتے ہیں چونکہ مرزا محمود احمد اور ان کی والدہ ”نصرت جہاں بیگم“ دونوں ہی ایک قبیل سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مرزا غلام احمد کی پیش گوئی کے مطابق قادیان کی ”پاک“ سرزمین سے نکال کر ربوہ کی لعنتی سرزمین میں لا دفن کیا ہے۔

وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ”پسر موعود“ اور ”زوجہ موعود“ کے ربط و ضبط کے بارے میں بھی ایسی ناگفتنی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ میرے جیسے بندے کو بھی، جو قادیانی خلفاء سے لے کر جہلا تک کی ساری کرتوتوں کے سلسلے میں کسی اشتباہ کا شکار نہیں، تذبذب کی کیفیت سے دوچار ہو کر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے اور صرف یہی خیال آتا ہے کہ آدمی جب گناہ کی دلدل میں دھنستا ہے تو پھر اس حد تک کیوں دھنستا چلا جاتا ہے کہ جب تک اسفل السافلین کے مقام پر نہ پہنچ جائے، اس وقت تک اسے چین نہیں آتا۔

ملک عزیز الرحمٰن صاحب گھر کے بھیدی تھے۔ اس لیے تیقن کے مقام پر پہنچنا ان کے لیے کوئی زیادہ مشکل نہ تھا۔ لیکن جب وہ اپنی تحقیق عارفانہ سے مرزا محمود احمد اور اس شوق فروزاں کے متعلق ٹھوس معلومات ملنے اور مشاہدات سے اسے مزید پختہ کرنے تک پہنچ گئے تو پیریت کی زنجیروں کو ایک جھٹکے سے توڑنے کے لیے انھوں نے اپنی اہلیہ محترمہ عظمت بیگم کو استرا دے کر قصر خلافت بھجوا دیا اور کہا اگر حضرت صاحب دست درازی کی کوشش کریں تو پھر انھیں آلہ واردات سے ہی محروم کر دینا لیکن خلیفہ صاحب بھی گرگ باراں دیدہ تھے اور انھوں نے اپنی معصیتوں کو چھپانے کا بڑا فرعونی نظام وضع کر رکھا تھا۔ تلاشی لی گئی اور عظمت بیگم سے استرا برآمد ہو گیا اور ملک صاحب کو ان کے پورے خاندان سمیت ربوہ بدر کر دیا گیا۔

صالح نور نے مجھے بتایا کہ میں نے ازراہ مذاق ملک صاحب سے پوچھا کہ آپ اس کے موالید ثلاثہ۔ یعنی تھبولا ناتھ کو کیوں کٹوانا چاہتے تھے تو انھوں نے کہا کہ یہ ایک عملی ثبوت بھی ہوتا اور ویسے بھی ایک نادر چیز ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمت کروڑوں سے کم نہ ہوتی اور میں تو اسے سرکے کی بوتل میں ڈال کے رکھتا۔

تکبیر اور ذبیحہ

میں نے مباہلہ والے زاہد سے پوچھا کہ حکیم عبدالوہاب جو نورالدین کے بیٹے ہیں، وہ تو مرزا محمود احمد کی تمام رنگینیوں کو بڑے مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے بھائی عبدالمنان عمر بڑی پراسرار خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں۔ کیا انھیں علم نہیں کہ مرزا محمود احمد ایک بدکردار آدمی تھے تو وہ کہنے لگے کہ میں اب بڑھاپے کی اس منزل میں ہوں، جہاں اس قسم کی باتوں کے کرنے سے انسان طبعاً حجاب کرتا ہے لیکن چونکہ یہ ایک صداقت کا اظہار ہے، اس لیے میں برملا اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میاں عبدالمنان عمر کو مرزا محمود احمد کی تمام وارداتوں کا پوری طرح علم ہے اور ان کا ڈپلومیسی کے تحت اس بارے میں زبان نہ کھولنا محض منافقت ہے ورنہ میں اپنی نوعمری میں جب خود شعلہ جوالہ ہوتا تھا تو مجھے علم ہے کہ قصر خلافت کے ایک دروازے پر میاں عبدالمنان عمر کھڑے ہوتے تھے اور دوسرے پر میں اور ہمیں اس بات کا یقینی علم ہوتا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور انہی ایام میں وہ عیاش پیر کبھی مجھ پر تکبیر پھیر دیتا تھا اور کبھی میاں منان کا ذبیحہ کر دیتا تھا۔

اک تے تہاڈیاں نمازاں نے......

"فتنہ انکار ختم نبوت" کے مولف مرزا احمد حسین اگرچہ خاندان نبوت کاذبہ کے درون حرم ہونے والے واقعات سے صرف آگاہ ہی نہیں تھے بلکہ مشاہدے کی سرحدوں سے نکل کر تجربے کی کٹھالی سے نکلنے کی دہلیز پر آ پہنچے تھے لیکن اس مرحلے پر اپنی بزدلی یا نام نہاد پارسائی کی بنا پر ناکامی سے دوچار ہونے کے بعد انھیں مرزا محمود احمد اور ان کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے ہاتھوں جس ذہنی تشدد اور اذیت کا شکار ہونا پڑا اور جس طرح ان کے جسم کے ناسور والے حصے پر پٹی لگانے سے ڈاکٹر کو حکماً منع کر دیا گیا، اس کا ان پر اتنا

گہرا اثر رہا کہ وہ اپنے دم واپسیں تک مرزا محمود احمد کی خلوتوں کے بارے میں اشارتاً اور کنایتہً ہی گفتگو کرتے رہے اور مذکورہ بالا کتاب میں بھی جو باتیں اس ضمن میں انھوں نے درج کی ہیں، ان میں سریت اور اخفا کا پہلو غالب ہے۔

ایک روایت انھوں نے مصلح الدین کے حوالے سے متعدد مرتبہ چیمبر لنچ ہوم دی مال لاہور میں بیان کی، جسے سننے والے بیسیوں افراد خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ سلامت موجود ہیں لیکن چونکہ وہ حسب معمول اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی تھی، اس لیے یہ یونہی ملفوف اور راز سربستہ رہی۔ اس کا اصلی نقاب صلاح الدین ناصر بنگالی مرحوم نے سرکایا اور پھر چودھری فتح محمد عرف پھتہ سابق منیجر ملتان آئل ملز حال شالیمار ٹاؤن لاہور نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ میں نے کہا کہ چودھری صاحب آپ تو علم و تحقیق کی دنیا کے آدمی نہیں آپ کو قادیان میں مرزا محمود احمد کی بدکرداری کا کیسے علم ہو گیا تو کہنے لگے افسوس کہ بھرپور جوانی کی لہر میں میں بھی اس سیلاب میں بہہ گیا تھا۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ اس سے نکلے کیوں کر؟ آپ کو تو ہر طرح کا خام مال میسر تھا۔ کہنے لگے کہ ''حضرت صاحب'' جس مقام تک چلے جاتے تھے، وہاں تو عزازیل کے پر بھی جلنے لگتے تھے۔ میں نے کہا آپ کو علم ہے کہ اس سے قادیانیوں کی تسلی ہوتی ہے نہ عام لوگوں کی، اس لیے ذرا کھل کر بات کیجیے۔ کہنے لگے تم میرے بیٹوں کے برابر ہو۔ تم سے کیا بات کروں لیکن تمھارے اصرار پر حلفاً کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ مرزا محمود احمد نے محفل رنگ و شباب سجائی ہوئی تھی کہ موذن نے آ کر روایتی انداز میں آواز لگائی ''حضور نماز کے لیے'' یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے تو حضور نے جو بڑے موڈ میں تھے، کہا:

اک تے تہاڈیاں نمازاں نے بہہ ماریا اے

یہ جملہ کمرہ خاص میں بیٹھے ہوئے تمام رندان بادہ خوار نے سنا اور کھلکھلا کر ہنس پڑے اور پھر موذن کو کہہ دیا گیا کہ نماز ''پڑھا دی جائے'' حضور مصروف ہیں۔ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ یہی وہ لمحہ تھا کہ میں نے اس کنم کدہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایسی توبہ کی کہ پھر قادیان و ربوہ کا رخ تک نہ کیا اور اگرچہ میری معاشی اور معاشرتی زندگی پر اس کے بڑے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں مگر زہر ہلاہل کو قند کہنے پر تیار نہیں ہوں۔

اس سے اس خانوادہ کو نعوذ باللہ نبوت، رسالت، امامت اور اہل بیت کے مقام تک پہنچانے والے خود سوچ لیں کہ کیا انگور کو کبھی حنظل کا پھل لگ سکتا ہے اور اگر نہیں تو پھر مرزا غلام احمد کیسے ''نبی'' ہیں کہ جس اولاد کو وہ ذریت مبشرہ قرار دیتے رہے اور ان کے قصیدے لکھتے ہوئے یہاں تک کہتے رہے کہ

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہیں پنجتن جن پر بنا ہے

وہ اپنی بدکرداری اور اپنی اندرونی محفلوں میں اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے میں اس مقام تک چلی گئی کہ اس کا تصور بھی کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں نہیں آ سکتا۔

لارڈ ملہی اور ظفر اللہ خاں

لاہور کے سیاسی و سماجی حلقوں کے لیے چودھری نصیر احمد ملہی المعروف لارڈ ملہی کا نام اجنبی نہیں۔ وہ ون یونٹ کے دوران مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم رہے اور پھر انھوں نے پنجاب کلب میں اپنا ایسا مستقل ڈیرہ بنایا کہ یہ ان کی دوسری رہائش گاہ بن کر رہ گئی۔ ان کا تھوڑا ہی عرصہ ہوا، انتقال ہوا ہے۔ ان کے بیٹے چودھری افضال احمد ملہی ایڈووکیٹ لاہور بار کے رکن ہیں۔ لارڈ ملہی مرحوم نے ترقی پسندی سے لے کر بقول ممتاز کالم نگار رفیق ڈوگر آخری عمر میں مذہب کی طرف مراجعت کا بڑا طویل سفر کیا لیکن انھیں قریب سے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور کسی واقعہ کے بیان میں ان کی ذات بھی ہدف بن جاتی تھی تو وہ اسے بچانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کلاسک پر کھڑے کھڑے بات چل نکلی تو میں نے ان سے چودھری ظفر اللہ خاں کے کردار کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے طالب علمی کے دور میں میں نے شاہنواز (شاہنواز موٹرز اور شیزان والے) سے اس بارے میں پوچھا تو، چونکہ وہ میرے بہت قریبی دوست اور عزیز تھے، اس لیے بے ساختہ کہنے لگے یار وہ تو جب آتا ہے، جان ہی نہیں چھوڑتا اور اس نے مجھے اپنی بیوی کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ لارڈ ملہی نے مزید بتایا کہ ”انہی ایام میں ظفر اللہ خان نے مجھے بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے قابو میں نہیں آیا۔“

یہ ہے جنرل اسمبلی میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے۔ قائداعظم کا اپنے نام نہاد عقائد و نظریات کی خاطر جنازہ نہ پڑھنے والے اور اپنے آپ کو ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر یا ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر قرار دینے والے کا اصل کردار اور یہ صرف ظفر اللہ خاں ہی سے مخصوص نہیں ہر بڑا قادیانی دہرے کردار کا مالک ہوتا ہے۔

امرود کھانے کا مصلح موعودی طریقہ

انگریزی اور اردو زبان کو یکساں قدرت کے ساتھ لکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفہ سیاست کے علاوہ فلم، موسیقی اور آرٹ پر گہری نگاہ رکھنے والے معدودے چند نامی صحافیوں میں احمد بشیر کی شخصیت اپنی ایک چمک رکھتی ہے۔ وہ اپنے صاف ستھرے کردار، اکھڑپن اور ہر حالت میں سچ کہہ کر اپنے دشمنوں میں اضافہ کرتے رہنے کی عادت کے باوصف حق گوئی و بے باکی میں ایک ایسا مقام رکھتے ہیں کہ اس عہد میں اس کی مثالیں اگر نادر الوجود نہیں تو خال خال ہو کر ضرور رہ گئی ہیں۔ ان سے ایک مرتبہ قادیانی امت کے مصلح موعود

کے عجائب و غرائب کی ذیل میں آنے والے احوال و ظروف کا تذکرہ ہو رہا تھا تو انھوں نے مرزا محمود احمد کے عشرت کدہ خلافت سے آگاہی رکھنے والے اپنے ایک قادیانی دوست کے حوالے سے بتایا کہ مرزا محمود احمد کو معکوس عجمی ذوق کی عادت بھی تھی اور ایک مرتبہ وہ بقول اس قادیانی دوست کے اس عمل سے بھی گزر رہے تھے اور ساتھ ساتھ امرود بھی کھاتے جا رہے تھے۔

احمد بشیر صاحب خدا کے فضل و کرم سے زندہ موجود ہیں اور اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں اس پر صرف یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ مذہب کا لبادہ اُوڑھ کر اس نوع کے افعال سے دل بہلانے والے اور روحانیت کے پردے میں رومانیت کا کھیل کھیلنے والوں کی تو اس خطے میں کوئی کمی نہیں لیکن امرود کھانے کا یہ مصلح موعودی طریقہ ایسا ہے کہ شاید ہی نہیں، یقیناً پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکے گی۔ ایسے شخص کو آپ مفعول کہیں گے یا مفعول مطلق اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں۔

مظہر ملتانی مرحوم کی ایک حیران کن روایت

مظہر ملتانی مرحوم نے جن کے والد فخر الدین ملتانی کو قادیان میں مرزا محمود احمد کی ناگفتہ بہ حرکات کو منظر عام پر لانے کے لیے پوسٹر لگانے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا، مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کے والد محترم اپنے ایک دوست سے گفتگو کرتے ہوئے انھیں مرزا غلام احمد کے داماد نواب محمد علی آف مالیر کوٹلہ کے بارے میں یہ بتا رہے تھے کہ انھیں اواخر عمر میں کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو گیا تھا کہ وہ اپنی کوٹھی کی سیڑھیاں ناکتخدا لڑکیوں کو اہرام سینہ سے پکڑ کر چڑھتے تھے لیکن اپنے خاندان کی خواتین کو سخت ترین پردے میں رکھتے تھے اور انھیں پالکیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔ یاد رہے کہ جب مرزا غلام احمد نے ان سے اپنی نوجوان بیٹی مبارکہ بیگم بیاہی تو ان کی عمر ستاون سال تھی اور حق مہر بھی ستاون ہزار ہی رکھا گیا تھا اور نواب مالیر کوٹلہ کو اپنے تفضیلی عقائد کو بھی برقرار رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

قاضی اکمل اور مرزا بشیر احمد

قاضی اکمل بڑی معروف شخصیت تھے۔ اب تو عرصہ ہوا ہاویہ میں پہنچ چکے ہیں۔ جس زمانے میں راقم الحروف ربوہ میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھا۔ چند مرتبہ ان کے پاس بھی جانا ہوا۔ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ بواسیر کے مریض تھے۔ اس لیے لیٹے ہی رہتے تھے اور ان کے پہلو میں ریڈیو مسلسل اپنی دھنیں بکھیرتا رہتا تھا۔ یہ خبیث الطرفین شخصیت ہی وہ ہے، جس نے مرزا غلام احمد کے عہد میں خود ان کے سامنے اپنی یہ نظم پیش کی تھی، جس کے یہ اشعار زبان زد عام ہیں۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

ان کو ملنے کے لیے گئے تو نصر اللہ ناصر میرے ساتھ تھے۔ اگر ان کا حافظہ جواب نہ دے گیا ہو یا ملازمت کی مجبوریاں زیادہ نہ بڑھ گئی ہوں تو وہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ قاضی اکمل نے تفنن طبع کے طور پر یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہم چند دوست مرزا بشیر احمد کے پیچھے قادیان سے باہر سیر سپاٹے کے دوران نماز پڑھ رہے تھے۔ مرزا بشیر احمد نے امامت کروائی اور ابھی وہ نماز میں ہی تھے تو میں نے کہا ”اوئے وضو کیتا سائی“ یہ ہے قادیانی نماز......

جب میں لاہور آیا تو مظہر ملتانی نے قاضی اکمل کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک شعر مجھے دکھایا جو ایک طویل نظم کا حصہ تھا۔ وہ شعر مجھے اب بھی یاد ہے جو یہ ہے ۔

بدن اپنا پھر آگے ۔ اس کے ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اس قادیانی کی خباثت کا اندازہ لگائیں کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کرنے میں کس قدر بے باک تھا۔ ایک دوسرا شعر بھی قاضی اکمل کے اپنے ہینڈ رائٹنگ میں مظہر ملتانی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا لیکن وہ اس قدر خستہ تھا کہ اس کا صرف ایک ہی مصرع پڑھا جا سکتا تھا۔ جو یہ ہے ۔

نہ چیخ مارو حبیب میرے کہ ہو چکا ہے دخول سارا

اب اگر قادیانی امت کے نام نہاد ”صحابیوں“ کی یہ حالت ہے تو پھر ان کے ”نبی صاحب“ ”خلفا“ اور دوسرے ”اہل بیت“ کی کیا حالت ہو گی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

مرزا ناصر احمد نے اپنے ہی پوتے کے اغوا کا منصوبہ بنا لیا

ربوہ میں چارسدہ کی ایک ممتاز دیرینہ احمدی فیملی رہائش پذیر تھی۔ مرزا ناصر احمد کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ اس نے اپنے بیٹے مرزا لقمان احمد کا نکاح اس خاندان کے سربراہ کو باصرار راضی کر کے ان کی صاحبزادی سے کر دیا۔ یہ لڑکی ایک انتہائی شریف اور وضع دار خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ”قصر خلافت“ میں آ گئی تو اس نے اپنے خاوند، اس کے والد مرزا ناصر احمد اور دیگر افراد خانہ کی اصل ”روحانیت“ اور ”احمدیت“ کا حقیقی عکس دیکھا تو اس کے لیے ایک پل بھی یہاں رہنا ناممکن ہو گیا۔ ناچار اس شریف زادی نے ساری داستان اپنے گھر والوں کو بتائی اور مرزا لقمان احمد سے طلاق لے لی۔

اس عرصہ میں ان کے ہاں ایک بیٹا تولد ہو چکا تھا۔ مرزا لقمان احمد نے مرزا ناصر احمد کی شہ پر اس بیٹے کو اغوا کر کے اسے فوری طور پر لندن سمگل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے یہ نہ صرف پاسپورٹ تیار کروا لیا گیا بلکہ ویزہ بھی حاصل کر لیا گیا۔ لیکن ”خاندان نبوت“ سے ہی قریبی تعلق رکھنے والے

ایک معروف و متمول شخص نے نہایت خاموشی سے یہ اطلاع درانی صاحب کو پہنچا دی اور وہ اپنے بچوں کو بڑی مشکل سے ربوہ سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ اب یہ لڑکا رضوان پشاور کے ایک کالج میں زیر تعلیم ہے مگر "خاندان نبوت" کے غنڈے وہاں سے بھی اسے اغوا کرنے کے چکر میں رہتے ہیں مگر مقامی مسلمان طالب علموں، اساتذہ اور پرنسپل کی خصوصی نگہداشت کے سبب وہ ابھی تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی ایک وجہ رضوان کے عزیز و اقارب کا پوری طرح چوکس رہنا ہے۔ اگر وہ کہیں ربوہ میں ہی رہائش پذیر ہوتے تو پتہ نہیں قادیانی غنڈے ان کا کیا حشر کرتے اور اس بستی میں کوئی ایک شخص بھی سچی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

جب تک حکومت ربوہ کی رہائشی زمین کی (جو کراؤن لینڈ ایکٹ کے تحت کوڑیوں کے مول لی گئی تھی) لیز ختم کر کے لوگوں کو مالکانہ حقوق نہیں دیتی اور وہاں کارخانے لگا کر روزگار کے مواقع پیدا نہیں کرتی، ایک ہی اقلیت کے تسلط کے باعث یہاں غنڈہ گردی ہوتی رہے گی اور قانون بے بس اور لاچار رہے گا۔

عروسہ گیسٹ ہاؤس

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں "خاندان نبوت" کے معتوب امیدوار "خلافت" مرزا رفیع احمد کے ایک انتہائی قریبی عزیز پیر صلاح الدین جو بیوروکریسی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ہیں، راولپنڈی میں عروسہ گیسٹ ہاؤس کے نام سے فحاشی کا ایک اڈہ چلاتے ہوئے پکڑے گئے، جس پر ان کا منہ کالا کیا گیا اور اس کی روسیاہی کی تصویریں تمام قومی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ جس کو اس بارے میں کوئی شک ہو، وہ "نوائے وقت" اور "جنگ" کے فائلوں میں یہ تصویر دیکھ سکتا ہے۔

فیر چندہ کتھے دیاں گے

قادیانی امت نے ماڈرن گداگروں کا روپ دھار کر اپنے مریدوں کی جیبیں صاف کرنے کے لیے چندہ عام، چندہ جلسہ سالانہ، چندہ نشر و اشاعت، چندہ وصیت، چندہ تحریک جدید، چندہ وقف جدید، چندہ خدام الاحمدیہ، چندہ انصار اللہ، چندہ اطفال الاحمدیہ، چندہ بہشتی مقبرہ اور اس طرح کے بیسیوں دیگر چندے وصول کرنے کے لیے گداگری کے اتنے کشکول بنائے ہوئے ہیں کہ عام قادیانیوں سے جینے اور مرنے کا بھی ٹیکس وصول کر لیا جاتا ہے اور خود تو "خاندان نبوت" کے افراد اندرون ملک اور بیرون ملک عیاشانہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اپنے مریدوں کو سادگی اور "احمدیت" اور "اسلام" کے فروغ کے لیے سادگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اس مسلسل کنڈیشننگ کا یہ عالم ہے کہ عام قادیانی اسے بھی زندگی کا حصہ خیال کرنے لگ پڑتے ہیں۔ ماسٹر محمد عبداللہ ٹی آئی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ انھیں اس بات کا یقینی اور قطعی علم ہو گیا کہ یہ مدرسہ خلیفہ جی اور ان کے حواریوں کو خام مال سپلائی کرنے کی نرسری ہے تو انھیں یہ باتیں زبان پر لانے کی پاداش میں جماعت سے ہی نہ نکالا گیا بلکہ مذہبی جاگیرداریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں شہر بدر بھی کر دیا گیا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ پھر ''احمدیت'' پر ہی تین حرف بھیج دیں کیونکہ اس کے رہنماؤں کے احوال وظروف سے تو آپ کو بخوبی آگاہی ہو چکی ہے تو وہ کہنے لگے ''اے گل تے ٹھیک اے پر فیر چندہ کتھے دیاں گے؟''

لاہوری پارٹی کے سابق امیر مولوی صدرالدین نے جب وہ قادیان میں ٹی آئی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے تو انھوں نے بھی اسی صورت حال کو ملاحظہ کیا تھا۔ ماسٹر عبداللہ اور مولوی صدرالدین نے ایک دوسرے کو ملنا تو درکنار شاید دیکھا بھی نہ ہو لیکن ان کے بیانات میں مطابقت قادیانیوں کے لیے قابل غور ہے۔

یادوں کا کارواں...... چند مزید جھلکیاں

آغا سیف اللہ مربی ''سلسلہ عالیہ احمدیہ'' جو کئی سال تک 87 سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں ''تبلیغی فرائض'' انجام دیتے رہے ہیں۔ جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران ہی اپنے مخصوص ایرانی ذوق کی وجہ سے خاصے معروف تھے اور سیالکوٹ کے نواحی قصبے کے ایک دوسرے طالب علم نصیر احمد سے ربط وضبط کی وجہ سے رسوائی کی سرحدوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ موخر الذکر کو قدرے بھاری سرینوں کی وجہ سے نصیر احمد ''ڈھولکی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آغا سیف اللہ نے میرے سامنے بوجوہ واضح طور پر یہ تو تسلیم نہیں کیا کہ ان کے نصیر احمد کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا تھی لیکن اتنا ضرور بتایا کہ ایک دوسرے مربی صاحب داؤد احمد حنیف نے نصیر احمد سے ''کرم فرمائی'' کی استدعا کی تھی لیکن انھوں نے آغا صاحب کو بتا دیا، جس پر انھوں نے داؤد احمد حنیف کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی جو بالواسطہ اشارہ تھا کہ قادیانی امت کے قواعد وضوابط کے مطابق کسی دوسرے کی جولانگاہ میں اس طرح کا کھلا تجاوز درست نہیں۔ آخر اجازت لے لینے میں ایسی کون سی قباحت ہے۔

موصوف نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ایک ایم۔ اے کرہ سی دوست سے بھی مسلسل فیض یاب ہوتے رہتے ہیں اور انھیں اس بات پر خصوصی حیرت ہے کہ مرد وزن اور دو مردوں کے درمیان جنسی مراسم میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ سارا پراسس بالکل ایک جیسا ہے۔ پھر پتہ نہیں لوگ ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کیوں سمجھتے ہیں؟ انھوں نے فن طفل تراشی کی کراہت کو کم کرنے کے لیے یہ بھی بتایا کہ مجید احمد سیالکوٹی مربی سلسلہ نے انھیں دوران تعلیم ہی ''سلوک'' کی ان منازل سے کچھ آگاہی بخشتے ہوئے کہا تھا کہ میر داؤد احمد آنجہانی سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ جو ''حضرت مصلح موعود مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی'' کے نہایت قریبی عزیز اور میر محمد اسحاق کے بیٹے تھے، انھیں بھی اس خاندانی علت المشائخ سے حصہ وافر ملا تھا اور موصوف (مجید احمد سیالکوٹی) کو افسر جلسہ سالانہ میر داؤد احمد کے ساتھ کئی سال تک پرنسپل اسسٹنٹ کے طور پر ڈیوٹی دیتے ہوئے بعض بڑے نادر تجربات ہوئے اور اسی تعلق میں انھوں نے یہ بھی بتایا ''ایسے ہی ایک موقع پر رات کے پچھلے پہر جب سب اپنی اپنی ڈیوٹی سے تھک ہار کر ستانے کے لیے لیٹے تو میر داؤد احمد نے میرے شجر حیات کو پکڑ کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا اور اسی عالم میں میں نے ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مجھے اندرون

ملک مربی بنا کر نہیں رکھیں گے بلکہ کسی بیرونی ملک میں بھجوا دیں گے اور پھر انھوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا۔

راقم یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مجھے فنون کثیفہ کی اس صنف کے ایک اور ماہر جامعہ احمدیہ کے پرانے طالب علم صادق سدھو نے بتایا کہ میر داؤد احمد انھیں تخلیہ میں بلا کر اکثر پوچھا کرتے تھے کہ تم سلسلہ اغلامیات کے یہ مرحلے کس طریقے سے طے کرتے ہو۔ اس پس منظر میں یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ ان کمزور لمحات میں اگر مجید احمد سیالکوٹی میر داؤد احمد سے کچھ اور بھی منوا لیتے تو شاید وہ اس سے بھی انکار نہ کرتے اور یوں قادیانی کام شاستر کے کچھ نئے آسن بھی سامنے آ جاتے۔

خیر یہ چند جملے تو یونہی طوالت اختیار کر گئے۔ تذکرہ ہو رہا تھا آغا سیف اللہ صاحب کا جو آج کل قادیانی امت کے ناقوس خصوصی ''الفضل'' کے پبلشر ہیں۔ انھوں نے راقم الحروف کو خود بتایا کہ ان کی اہلیہ جو ''خاندان نبوت'' سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں، ایک مرتبہ خلیفہ ثانی کے اس ''حرم پاک'' سے ملنے گئیں جو بشریٰ مہر آپا کے نام سے معروف ہیں تو جب تکلفات سے بے نیاز ہو کر کھلی ڈلی گفتگو شروع ہوئی تو موصوفہ نے کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا کہ ان کا تو رحم ہی موجود نہیں ہے۔ یہ رحم کس طرح ''معجزانہ'' طور پر غائب ہوا تھا اور عصمت کے اس ویرانے میں کس انداز میں ''رویا و کشوف'' کی چادر چڑھا کر اس معاملے کو ٹھپ کر دیا گیا اور اندھے مریدوں اور مجبور عقیدت مندوں سے اس پر کیونکر ''زندہ باد'' کے نعرے لگوائے گئے۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ اس لیے مزید طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ یہ حقائق پر مبنی واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر انھیں پوری تفصیل سے لکھا جائے تو گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈز کے کئی ایڈیشن اسی کے لیے مخصوص ہو کر رہ جائیں۔

خدا گواہ ہے کہ جب میں نے حصول تعلیم کے لیے ربوہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات موجود نہ تھی کہ ''نبوت و خلافت'' کی جھوٹی رداؤں میں لپٹے ہوئے رویائے صادقہ اور کشوف کی دنیا میں ''سیر روحانی'' کا دعویٰ کرنے والے لاکھوں افراد سے ''دین اسلام'' کو اکناف عالم تک پہنچانے کے جھوٹے دعوے کر کے ان کی معمولی معمولی آمدنیوں سے چندے کے نام پر کروڑوں نہیں، اربوں روپیہ وصول کرنے والے اور انھیں نان جویں پر گزارہ کی تلقین کر کے خود ان کے مال پر گلچھرے اڑانے والے، اندر سے اس قدر غلیظ اس قدر گندے اور اس قدر ناپاک ہوں گے اور ایسی کسی تصوراتی لہر کا ذہن میں آ جانا فی الواقع ممکن بھی نہ تھا۔ کیونکہ میرے والد محترم فوج سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قادیانیت کے چنگل میں پھنس چکے تھے، بلکہ انھوں نے میرے دو بڑے بھائیوں کو بھی قادیانیت کی جانی، مالی، لسانی، حالی اور قلمی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ان حالات میں، میں نے ربوہ کی شور زدہ زمین پر قدم رکھا تو چند ہی دنوں میں میرے تعلقات ہر کہ و مہ سے ہو گئے اور ہمارے خاندان کی یہ اتنی بڑی احمقانہ ''قربانی'' تھی، جسے وہاں ''اخلاص'' سمجھا جاتا

تھا اور اس کا برملا اعتراف کیا جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں میرے روابط کا دائرہ پھیلتا گیا، اسی نسبت سے اس جبریت زدہ ماحول میں ربوہ کے باسیوں کی خصوصی اور دوسرے قادیانیوں کی عمومی بے چارگی اور بے بسی کا احساس میرے دل میں فزوں تر ہوتا گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ "خاندان نبوت" کے تمام ارکان بالخصوص مرزا محمود احمد کے بارے میں ایسے ایسے ناگفتہ بہ انکشافات ہونے لگے کہ ذہن ان کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے پرانے قادیانیوں سے اس بارے میں مزید استفسار کیا تو پھر تو مشاہدات اور آپ بیتیوں کی ایک ایسی پٹاری کھل گئی کہ میری کوئی تاویل بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی اور میں اپنے مشاہدات کی جو یہ تعبیر کر لیتا تھا کہ خلیفہ صاحب کے خاندان کے لوگ اور ان کے اردگرد رہنے والے تو بدکردار ہیں، لیکن خود وہ ایسے نہیں ہو سکتے، وہ خود بخود ہوا ہو کر رہ گئی۔

اس دوران قلب و ذہن، کرب و اذیت کی جس کیفیت سے گزر سکتا ہے، اس سے میں بھی پورے طور پر گزرا۔ اس لیے اگر کسی قادیانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض الزام تراشی اور بہتان طرازی صرف ان کا دل دکھانے کے لیے ہے تو وہ یقین جانے کہ بخدا ایسا ہرگز نہیں۔ یہ سارے دلائل تو میں بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے دیتا رہا مگر دلائل کب مشاہدے اور تجربے کے سامنے ٹھہر سکے ہیں کہ یہاں ٹھہر جاتے۔ پھر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ الزامات لگانے والے کوئی غیر نہیں بلکہ خود قادیانی امت کے لیے جان اور مال کی قربانیاں دینے والے اور اپنے خاندانوں اور برادریوں سے اس کے لیے کٹ کر رہ جانے والے لوگ ہیں۔ کیا وہ محض قیاس اور سنی سنائی باتوں پر اتنا بڑا اقدام کرنے پر عقلاً تیار ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

انسان جس شخصیت سے ارادت و عقیدت کا تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں اس نوع کے کسی الزام کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر وہ ایسا کرنے پر تل جاتا ہے تو پھر سوچنا پڑے گا، کہ اس شخصیت سے ضرور کوئی ایسی اب نارمل بات سرزد ہوئی ہے کہ اس سے فدائیت کا تعلق رکھنے والے فرد بھی اس پر انگلی اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں اور پھر یہ انگلی اٹھانے والے معمولی لوگ نہیں ہر دور میں خاندان نبوت کے یمین و یسار میں رہنے والے ممتاز افراد ہیں۔ مرزا غلام احمد کے اپنے زمانے میں مرزا محمود احمد پر بدکاری کا الزام لگا، جس کے بارے میں قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے پہلے امیر مولوی محمد علی کا بیان ہے کہ یہ الزام تو ثابت تھا مگر ہم نے شبہ کا فائدہ دے کر مرزا محمود احمد کو بری کر دیا۔ پھر محمد زاہد اور مولوی عبدالکریم مباہلہ والے اور ان کے اعزہ اور اقرباء نے اپنی بہن سکینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف احتجاج کے لیے باقاعدہ ایک اخبار "مباہلہ" کے نام سے نکالا اور خلیفہ صاحب کے اشارے پر میر قاسم علی جیسے چھٹ بھئیوں نے ان کے خلاف مستریاں مشین سویاں ایسی طعنہ زنی کر کے اصل حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اس کے بعد مولوی عبدالرحمٰن مصری، عبدالرزاق مہتہ، مولوی علی محمد اجمیری، حکیم عبدالعزیز، فخرالدین

ملتانی، حقیقت پسند پارٹی کے بانی ملک عزیز الرحمٰن صلاح الدین ناصر بنگالی مرحوم اور دور سے بے شمار لوگ وقتاً فوقتاً مرزا محمود احمد اور ان کے خاندان پر اسی نوعیت کے الزام لگا کر علیحدہ ہوتے رہے اور بدترین قادیانی سوشل بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔

ملازمتوں سے محروم اور جائیدادوں سے عاق کیے جاتے رہے۔ مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ کیا محض یہ کہہ کر کہ یہ قریب ترین لوگ محض الزام تراشی کرتے رہے، اصل حقائق پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ماں پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے، درست نہ ہوگا۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کی ماں نے گول بازار کے کس چوراہے میں بدکاری کی ہے کہ خود اس کے بیٹے کو بھی اس کے خلاف زبان کھولنا پڑی ہے۔ جس رفتار سے ان واقعات سے پردہ اُٹھ رہا تھا، اسی سرعت سے میرے اعتقادات کی عمارت بھی متزلزل ہو رہی تھی اور میری زبان ایک طبعی ردعمل کے طور پر ربوہ کے اس دجالی نظام کی قلعی کھولنے لگ پڑی تھی اور اس خباثت کو نجابت کہنے کے لیے تیار نہ تھی۔ مرزا محمود احمد بارہ سال کے بدترین فالج کے بعد جہنم واصل ہوا تو ربوہ کے قصر خلافت میں جس دو جانب کھلنے والے کمرے میں اس کی لاش رکھی ہوئی تھی، میں بھی وہاں موجود تھا اور میرے دو ساتھی فضل الٰہی اور خلیل احمد، جو اب مربی ہیں، بھی میرے ساتھ ہاکیاں لیے وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے مرزا محمود احمد کو انتہائی مکروہ حالت میں پاگلوں کی طرح سر مارتے اور کرسی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اسے لے جاتے ہوئے کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ ربوہ کی معاشی نبوت پر پلنے والے اس حالت میں بھی اس کی ”زیارت“ کے نام پر لوگوں سے پیسے بٹورتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ بس گزرتے جائیں، بات نہ کریں۔ حسب توفیق نذرانہ دیتے جائیں۔ اس دور میں اس کے جسم کی ایسی غیر حالت تھی کہ بیوی بچے بھی انھیں چھوڑ چکے تھے اور سوئٹزرلینڈ سے منگوائی گئی نرسیں بھی دو ہی ہفتے کے بعد بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اب تو وہاں تراشی ہوئی داڑھی والا اور ابٹن وزیبائش کے تمام لوازمات سے بری طرح تھوپا گیا ایک لاشہ پڑا تھا۔

میں نے مذکورہ بالا دونوں نوجوانوں کو کہا کہ یار کل تک تو اس چہرے پر بارہ بجے ہوئے تھے مگر آج اس پر بڑی محنت کی گئی ہے تو ان میں سے موخر الذکر کہنے لگا ”توں ساڈا ایمان خراب کر کے چھڈیں گا۔“ یہ دونوں اپنی ”پختہ ایمانی“ کی بنا پر ابھی تک قادیانیت کا دفاع کر رہے ہیں لیکن مَیں نے اس ایمان کو ذہنی طور پر اسی وقت چناب کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔

مرزا ناصر احمد کو ایک مخصوص پلاننگ کے تحت خلافت کے منصب پر بٹھایا گیا تو اس نے دوسرے امیدوار مرزا رفیع احمد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اس سے ملنے جلنے والوں اور تعلق رکھنے والوں کو ملازمتوں سے محروم کرنے اور ربوہ بدر کرنے کے احکامات جاری ہونے لگے اور یہ سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ گدی نشینی کی اس جنگ میں ہزاروں افراد اور ان کے خاندان خواہ مخواہ نشانہ بن گئے۔ سوشل بائیکاٹ کا شکار ہوئے، یہ

لوگ اپنی برادریوں سے مرزا غلام احمد کو نبی مان کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے جنازوں اور شادیوں تک میں شرکت کو حرام قرار دے کر ان سے پہلے ہی علیحدہ ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کے لیے نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ربوہ میں رہائشی زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور صدر انجمن احمدیہ جو مرزا غلام احمد کے خاندان کی گھریلو کنیز اور ذاتی تنظیم ہے، وہ کسی بھی وقت “باغیوں” کو رہائش سے محروم کر دیتی ہے اور ان کی بڑی تعداد پھر اس خوف سے کہ وہ اس مہنگائی کے دور میں سر کہاں چھپائیں گے، دوبارہ “خلیفہ خدا بناتا ہے” کی ڈگڈگی پر رقص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دور میں بھی یہی کچھ ہوا۔

ان دنوں میں اقتدار کی اس کشمکش کو بہت قریب سے اور بہت غور سے دیکھ رہا تھا لیکن اس دور میں میرا عقائد ونظریات کے حوالے سے قادیانی امت سے کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا اور ایک روایتی قادیانی کی طرح میں اتنا ہی غالی تھا جتنا کہ ایک قادیانی ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ میں غالباً اپنی والدہ محترمہ کی تربیت کے زیر اثر قادیانیوں کے اس عمومی طریق استدلال کا سخت مخالف تھا، جس کے تحت وہ مرزا غلام احمد اور اس کی اولاد کا معمولی معمولی باتوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موازنہ شروع کر دیتے تھے اور میری اس پر بے شمار لڑائیاں ہوئیں۔

قادیانیوں کی اس بارے میں دریدہ دہنی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ایک بااثر مولوی جو آج کل اپنی اسی خناسیت کی وجہ سے گھٹنوں کے درد سے لاچار ہے، کہا کرتا تھا کہ خاتم النبیین کی طرز پر ایسی ترکیبیں اس کثرت سے زوردار طریقے سے رائج کرو کہ اس ترکیب کی (نعوذ باللہ) کوئی اہمیت ہی نہ رہے۔

یاد رہے کہ میری والدہ محترمہ میرے والد کے بے حد اصرار کے باوجود قادیانیت کے جال میں نہیں پھنسیں اور میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی ان کی زبان سے مرزا غلام احمد یا اس کے کسی نام نہاد خلیفہ کا نام تک نہیں سنا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میں پانچ وقت نماز پڑھتی ہوں، حکم خداوندی ادا کرتی ہوں، تہجد بھی پڑھتی ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ وخیرات بھی میرا معمول ہے۔ اگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ مجھے نہیں بخشتا تو نہ بخشے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں مان سکتی۔

مرزا ناصر احمد کی گدی نشینی کے سلسلے میں جب ہارس ٹریڈنگ شروع ہوئی تو میں نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنی محفلوں میں اس پر خوب کھل کر تبصرے کیے۔ ایک موقع پر ہمارے ایک جھنگوی دوست نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کسی دوسرے پیر کے بیٹے اور پوتے اس کے بعد گدی پر بیٹھ جائیں تو ہم اسے گدی کہتے ہیں لیکن مرزا غلام احمد کے بیٹے اور پوتے یہی کام کر لیں تو یہ خلافت کیوں کہلاتی ہے تو میں نے اسے کہا کہ جس طرح عام آدمی کو آنے والا خواب، خواب ہوتا ہے اور خلیفہ جی کو آنے والا خواب “رویا” ہوتا ہے، اسی طرح یہ گدی خلافت ہوتی ہے۔ مرزا ناصر احمد کے جاسوسوں نے فوراً اسے اس بات کی خبر کر دی اور وہ بہت چراغ پا ہوئے اور ایک اجتماعی ملاقات میں میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اس

نے مجھے دھمکی دی کہ آپ کوئی بات نہیں مانتے۔ آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔ میں اسی لمحہ سمجھ گیا کہ اب مرزا ناصر احمد کے تلوے جلنے لگے ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے میرے خلاف اقدامات کریں گے۔ اسی دوران ایک اور واقعہ ہوا کہ میں لیہ میں مقیم تھا کہ بیت المال کا ایک کلرک جسے ربوہ کی زبان میں انسپکٹر بیت المال کہتے ہیں، میرے پاس ٹھہرا اور آزادانہ بات چیت کے دوران اس نے مجھے اندرونی حال بتاتے ہوئے کہا کہ خاندان والے خود تو کوئی چندہ نہیں دیتے لیکن ہمارے حقیر معاوضوں میں سے بھی چندہ کے نام پر جگا ٹیکس کاٹ لیتے ہیں۔ ان دنوں مرزا ناصر احمد کسی دورے پر افریقہ یا کسی دوسرے ملک گیا ہوا تھا۔ میں نے کہا اگر تم ایسے ہی دل گرفتہ ہو تو دعا کرو کہ اس کا جہاز کریش ہو جائے۔ اس آدمی نے یہ بات توڑ مروڑ کر لیہ کے مقطوع النسل امیر جماعت فضل احمد کو بتائی تو اس نے نمبر بنانے کے لیے مرزا ناصر احمد کو فوری رپورٹ دی کہ شفیق تو تمہارا جہاز کریش ہونے کی دعا کرتا ہے۔ مرزا ناصر کو یہ بات سن کر آگ لگ گئی۔ مجھے فوراً واپس بلایا گیا۔ سو پہلے تو ربوہ کے ڈی آئی جی عزیز بھانبڑی اور اس کے گماشتوں کے ذریعے قادیانی غنڈے میرے پیچھے لگائے گئے مگر میں پھر بھی باز نہ آیا تو ربوہ کی تمام عبادت گاہوں میں میرے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا اور پاکستان کی تمام جماعتوں کے افراد کو خطوط کے ذریعے بھی اس کی اطلاع کر دی گئی اور مرزا ناصر احمد نے اس پر ایک پورا خطبہ بھی دے ڈالا جو آج تک شائع نہیں ہوا۔

میرا مزید ناطقہ بند کرنے کے لیے میرے دو بڑے بھائیوں سے تحریری عہد لیا گیا کہ وہ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے سو انھوں نے بھی مجھے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور میرے آبائی گھر پر تسلط جما کر مجھے وہاں سے بھی نکال دیا۔ یہ واقعات صرف مجھ پر ہی نہیں بیتے اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں افراد اس صورت حال سے دوچار ہوئے ہیں مگر کسی حکومت نے، انسانی حقوق کی کسی تنظیم نے اس پر آواز احتجاج بلند نہیں کی۔ کسی عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمان نے ان لوگوں کے بنیادی شہری اور انسانی حقوق کی بحالی اور ان کو پہنچائے جانے والے نقصان کی تلافی کے لیے آواز نہیں اٹھائی مگر کسی قادیانی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو شور مچا دیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو یہ صورت حال تھی تو دوسری طرف بڑے بڑے قادیانی عہدیدار مجھے ”حضور“ سے معافی مانگ لینے کی تلقین کر رہے تھے لیکن میں قضیب احمر کو کسی بھی صورت میں گاجر کہنے کے لیے تیار نہ ہوا تو قادیانیوں نے لاہور میں میری رہائش گاہ پر آ کر مجھے قتل کرنے اور سبق سکھا دینے کی دھمکیاں دیں۔ لاہور میں بہترین مکان خرید کر دینے کی پیشکش بھی ہوئی مگر میں اس ترغیب و ترہیب کے بھرے میں نہ آیا۔ قادیانی امت کا رنج اس بات سے مزید بڑھ گیا تھا کہ میرا اختلاف اب انگریز کے خود کاشتہ پودے کے صرف اعمال ہی سے نہیں تھا، نظریات سے بھی تھا اور میں مرزا غلام احمد کی ظلی، بروزی، لغوی اور غیر تشریعی نبوت پر لعنت بھیج کر مکمل طور پر آنحضرتؐ کے سبز پرچم کے نیچے آ چکا تھا۔ مرزا ناصر احمد کی گدی نشینی کے

عہد میں ان کے مختلف مخفی مشاغل کی کہانیاں ٹی آئی کالج سے لے کر ربوہ کے ہر اس گھر تک پھیلی ہوئی تھیں، جہاں کسی خوش رو کا بسیرا تھا اور اس طرح “خاندان نبوت” کی دوسری کلیاں بھی اپنے اپنے ذوق کا سامان کرنے کی وجہ سے گوناگوں کہانیوں کی زد میں تھیں۔ لیکن مرزا ناصر احمد کے سینکڑوں کبوتروں کو ٹی آئی کالج کی رہائش گاہ سے “قصر خلافت” منتقل کرنا ان کے آزاد کر دینے کا معاملہ خاصے دنوں تک ایک مسئلہ بنا رہا اور مولوی تقی نے اس پر بڑا دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مغل کوئی “بازی” ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔

ایک دن مرزا ناصر احمد کے “فیض جسمانی” کے کرشموں کا بیان جاری تھا اور جودھا مل بلڈنگ میں واقع دواخانہ نور الدین میں حکیم عبدالوہاب بڑے مزے لے کر سنا رہے تھے کہ صاحبزادہ صاحب نے کس طرح ریلوے کے ایک کانٹے والے کی لڑکی ثریا کو اس کے باپ کی غیر موجودگی میں خود اس کے ریلوے کوارٹر میں جا لتاڑا۔ ابھی یہ حکایت ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ الشرکہ الاسلامیہ والی پرانی بلڈنگ کے مالک حکیم صاحب کو ملنے کے لیے آ گئے اور باتوں باتوں میں احمدیت کی مخالفت کرنے والوں کو ذلیل و خوار ہونے کے واقعات کا تذکرہ شروع ہو گیا اور تمام اکابر مسلمانان پاک و ہند کو پیش آنے والے مبینہ مصائب کو احمدیت کی مخالفت کی سزا قرار دے کر “احمدیت” کی سچائی ثابت کی جانے لگی۔

جب حکیم صاحب کے پرانے شناسا اس نووارد نے یہ داستان ختم کی تو حکیم صاحب نے بڑی آہستگی سے کہا کہ وہ آپ کی بیٹی کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا، اس کے بعد بھی آپ ربوہ میں ہی رہ رہے ہیں تو میں حیران رہ گیا کہ ایک طرف تو وہ “احمدیت” کے مخاصمت پر مخالفین کو پہنچنے والے نقصانات اور آلام و مصائب کو اپنے مسیح موعود اور مصلح موعود کی “کرامات” کے طور پر پیش کر رہا تھا، مگر جونہی اس نے حکیم صاحب کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس کی آنکھیں بھرا گئیں اور وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگا حکیم صاحب انسان زندگی میں مکان ایک بار ہی بنا سکتا ہے اور پھر اب تو بچے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ ان کی شادیوں کا مسئلہ بھی ہے۔ برادری سے پہلے ہی قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اب جائیں تو جائیں کہاں! دواخانہ نور الدین کے انچارج اکرم بھی اس محفل میں موجود تھے۔ وہ اس روایت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ محمد علی سبزی فروش کا المناک قتل بھی ربوہ میں مرزا ناصر احمد کے عہد میں ہی ہوا اور اس کی بھی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ چونکہ اس کا “خاندان نبوت” کے گھروں کے اندر آنا جانا تھا اور وہ رازہائے درون خانہ کو بیان کرنے میں بھی کسی حجاب سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس لیے بری طرح ذبح کر دیا گیا مگر “نیک اور پاکباز” لوگوں کی اس بستی کے کسی ایک فرد نے بھی اس قتل کے راز سے پردہ اٹھانے کی جرات نہ کی۔

یوں تو قادیانیت امت کے بزرجمہر مرزا محمود احمد کے زمانے ہی سے سیاست کا کھیل بھی کھیلتے رہے ہیں لیکن 1953ء کی مجاہدانہ تحریک نے ان کو بڑی حد تک محدود کر کے رکھ دیا اور مرزا محمود احمد نے ان تمام اسلامی اصطلاحات کا استعمال ترک کرنے کا عہد کر لیا، جو امت مسلمہ کے لیے اذیت کا موجب بنتی

رہی ہیں لیکن وہ قادیانی ہی کیا ہوا جو اپنی بات پر قائم رہ جائے۔ جونہی حالات بدلے، مرزا محمود احمد نے بھی گرگٹ کی طرح پینترا بدل لیا اور دوبارہ وہی پرانی ڈگر اختیار کر لی۔ مرزا محمود احمد اس کے جلد ہی بعد ڈاکٹر ڈوئی کی طرح عبرتناک فالج کی گرفت میں آیا تو مرزا ناصر احمد نے، جس کے لیے اس کا شاطر والد جماعت کو اپنے خطوط کی ابتداء میں حوالناصر لکھنے کی تلقین کر کے راہ ہموار کر چکا تھا، اور پھر عیسائی طریقے کے مطابق اپنے حواریوں کی ایک منڈلی کے ذریعے اپنے آپ کو ”منتخب“ کروا لیا، کھل کر پر پرزے نکالنے شروع کر دیے۔ اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے اپنی گیم آف نمبرز میں مرزا رفیع احمد کو مات دے کر اور مرزا لقمان احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے گدی نشینی کے لیے اپنا راستہ بنایا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو آگے لانے میں قادیانی امت نے قریباً 16 کروڑ روپیہ صرف کیا اور اپنے تمام تنظیمی اور دوسرے وسائل اس کے لیے استعمال کیے۔ اس عہد میں مرزا طاہر احمد صاف طور پر سیکنڈ ان کمان بن کر سامنے آیا اور جماعت میں یوں تاثر دیا جانے لگا کہ اب احمدیت کا غلبہ ہوا ہی چاہتا ہے اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا لیکن جب آٹھویں عشرے کے اوائل میں تحریک ختم نبوت پوری قوت سے دوبارہ ابھری اور ذوالفقار علی بھٹو نے ہی ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا تو قادیانی اپنے ہی زخموں کو چاٹ کر رہ گئے۔

پروفیسر سرور مرحوم نے ایک دفعہ بتایا کہ تحریک ختم نبوت کے ایام میں قادیانیوں نے ایک وفد خان عبدالولی خان سے ملنے کے لیے بھیجا اور جس وقت اس نے خان صاحب سے ملاقات کی، میں بھی وہیں پر موجود تھا۔ جب قادیانیوں نے بھٹو کو لانے میں اپنی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گیا ہے، اس لیے آپ ہمارا ساتھ دیں اور اپنے سیکولر نظریات کے حوالے سے اس تحریک کے پس منظر میں ہمارے حق میں آواز اٹھائیں تو خان عبدالولی خاں نے بے ساختہ کہا بھئی باچا خان کا بیٹا اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ جس بھٹو کو لانے کے لیے تم نے 16 کروڑ روپیہ خرچ کیا ہے، اس مسئلہ میں اس کی مخالفت کر کے خواہ مخواہ امت مسلمہ کی مخالفت مول لے لے۔

تحریک ختم نبوت کے دنوں میں آغا شورش مرحوم کے ہفت روزہ ”چٹان“ میں بڑی باقاعدگی سے کبھی اپنے نام سے اور کبھی کسی قلمی نام سے قادیانی امت کے بارے میں لکھا کرتا تھا۔ آغا صاحب کے پاس یوں تو آنے جانے والوں کا عام دنوں میں بھی تانتا بندھا رہتا تھا لیکن اس دوران تو وہاں سیاست دانوں، علماء اور دانش وروں کی آمد ایک سیلاب کی صورت اختیار کیے ہوئے تھی۔ آغا صاحب ہر قابل ذکر آدمی کو کہتے تھے کہ بھئی یہ کام صرف اور صرف ذوالفقار علی بھٹو ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے تمام سیاسی اختلافات بالائے طاق رکھ کر اس کام کے لیے اس کی حمایت کریں۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، اس فیصلے کے اثرات اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیں گے اور قادیانی اپنے ہی زہر میں گھل گھل کر مر جائیں گے۔ یہ چند باتیں تو یونہی جملہ معترضہ کے طور پر آ گئیں۔ بیان ”خاندان نبوت“ میں ہونے والی جنگ اقتدار کا ہو رہا

تھا۔ مرزا طاہر احمد کی جانب سے مرزا ناصر احمد سے رشتہ کو مضبوط کر لینے کے بعد اس کی لابی بہت مضبوط ہو چکی تھی اور مرزا رفیع احمد کے خلاف چھوٹی چھوٹی اور معمولی شکائتیں کر کے اس نے اپنا مقام مرزا ناصر احمد کی نظروں میں خوب بنا لیا تھا۔ اس لیے جب مرزا ناصر احمد ایک نوخیز دوشیزہ کو "ام المومنین" بنا کر راہی ملک عدم ہوئے تو مرزا طاہر احمد کی گدی نشینی میں کوئی روک باقی نہ رہی اور اس نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھال کر تمام وہ حربے اختیار کیے، جو اورنگ زیب نے اپنے والد اور بھائیوں کے خلاف استعمال کیے تھے۔ اس ماحول میں پلنے والا مرزا طاہر احمد کس قدر نیک اور پاکباز ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے ہو سکتا ہے، کہ ربوہ میں تعلیم کے دوران ہی مجھے محمد ریاض سکنہ عالم گڑھ ضلع گجرات نے جواب فوج میں ہیں، نے ایک چوکیدار کے حوالے سے بتایا کہ میاں طاہر روزانہ نماز فجر پڑھنے کے بعد ولی اللہ شاہ سابق ناظر امور عامہ کے گھر جاتا ہے اور اس کی لڑکیوں کو سینے کے گنبدوں سے پکڑ کر اٹھاتا ہے اور آخری فقرہ پنجابی میں خود چوکیدار ہی کی زبان میں صحیح مفہوم ادا کرتا ہے کہ "اوہ حرامزادیاں وی لیریاں ہو کے پیاں رہندیاں نیں۔"

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قصہ یہیں تمام ہوا۔ یہ تو ایک ایسا شہر طلسمات ہے کہ اس کا ہر حصہ طلسم ہوشربا کو بھی شرما کر رکھ دینے والا ہے اور بیدی کا یہ جملہ بلاشبہ اپنے اندر بے پناہ صداقت لیے ہوئے ہے کہ "بڑے گھرانوں کی غلاظتیں بھی بہت ہی بڑی ہوتی ہیں۔"

قادیانی امت کے رہنماؤں کی بداعمالیوں کے بارے میں جب میں حق الیقین کے مرتبے پر پہنچ گیا تو میں نے دنیا بھر کے مسلمان دانشوروں کی چیدہ چیدہ کتب کا بغور مطالعہ شروع کیا کہ قادیانیوں کے اعمال کے بعد ان کے افکار و نظریات کی صحت کا بھی جائزہ لوں تو چند ہی دنوں میں قادیانی افکار و نظریات کا علمی و عقلی بودا پن بھی مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا اور خاص طور پر فلسفی شاعر علامہ ڈاکٹر اقبال کے نہرو کے نام خطوط اور تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے مطالعہ سے میرا ایمان اس بات پر چٹان کی طرح پختہ ہو گیا کہ ختم نبوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انٹرنیشنل فکر ہے اور اس کی علت غائی یہ ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو وحدت خداوندی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک نکتے پر اکٹھا کیا جائے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ اس لیے اس نے ہر شعبہ حیات میں اپنے انداز میں وحدت کا ایک سفر شروع کر رکھا ہے۔

مذاہب کی دنیا میں اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سفر کا آغاز کیا اور جب تک دنیا سفری و مواصلاتی اعتبار سے اس رنگ میں رہی کہ ہر گاؤں، ہر قریہ اور ہر بستی اپنی جگہ ایک الگ دنیا کی حیثیت رکھتی تھی تو ان لوگوں کی طرف قومی اور زمانی نبی تشریف لاتے رہے لیکن جب علم الٰہی کے مطابق حضرت خاتم الانبیاءؐ کے زمانے میں دنیا کا سفر گلوبل ولیج کی جانب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمام سابق انبیاء کرام کی اصولی تعلیم کو قرآن کریم میں جمع کر کے اسے خاتم الکتب بنا دیا اور ان کے اوصاف اور خوبیاں

کو نہایت ارفع و اعلیٰ شکل میں حضور کی ذات مبارک میں جمع کر کے انھیں خاتم النبیین کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ اس لیے جس طرح خاتم الکتب قرآن مجید کے بعد کسی دوسری کتاب کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح خاتم النبیین کے بعد کسی دوسرے نبی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے وحدت ادیان، وحدت انبیاء، وحدت انسانیت، وحدت کتب، وحدت کائنات اور وحدت النفس و آفاق کے اس پروگرام کو ڈائنامیٹ کرنا چاہتا ہے، جو اس نے حضرت آدم سے شروع کیا اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔

ان چند سطور کی روشنی میں قادیانیوں کو خود سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کتنی گمراہ کن، کتنی خوفناک اور کتنی تباہ کن منزل کی طرف جا رہے ہیں اور اس میں مرزا غلام احمد اور اس کے نام نہاد نظریات کی حیثیت کیا ہے؟ ان نظریات کو سمٹتے اور مٹتے ہوئے ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ ان کا مٹنا اور پرچم ختم نبوت کی سربلندی تقدیر خداوندی ہے اور اسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں روک سکتی۔ قادیانیت تو ویسے ہی اب فرنگ کی متروکہ رکھیل بن کر رہ گئی ہے جس کے منہ میں دانت ہے نہ پیٹ میں آنت۔ اس لیے اب محض نعرے بازی اور ترقی کا پروپیگنڈا اسے زندہ نہیں رکھ سکتا۔ عملی طور پر بھی اس نے امت مسلمہ کے انتشار میں اضافہ کرنے اور مختلف مذاہب کے بانیوں کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے ان کی باہمی منافقت کو تیز کرنے کا "فریضہ" ہی انجام دیا ہے۔ اس لیے ہر صحیح الفکر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ جس نام نہاد نبی نے اپنی 86 سے زائد کتب میں برطانوی حکومت کے خلاف ایک لفظ تک نہیں لکھا اور محض اس کی مدح کے قصیدے ہی لکھے ہیں وہ کیا کسر صلیب کر سکتا ہے اور جلد ہی یہ بات قادیانیوں کی سمجھ میں بھی آ جائے گی اور اب مرزا طاہر احمد کو بھی اپنے دادا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے "ستارہ قیصرہ" کی طرز پر کوئی تحفہ شہزادہ چارلس کے نام سے کوئی قصیدہ مدحیہ لکھ دینا چاہیے تا کہ "کسر صلیب" کا جو کام مرزا غلام احمد کے ہاتھوں نامکمل رہ گیا ہے، وہ مکمل ہو جائے اور قادیانیت کے مذہبی بیگار کیمپ میں غلامی کی زندگی بسر کرنے والے جو "ہاری" ایک عرصہ سے یہ راگ الاپ رہے ہیں ۔

جب کبھی بھوک کی شدت کا گلہ کرتا ہوں
وہ عقیدوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہیں

ان کی اشک شوئی کا بھی شاید کوئی اہتمام ہو جائے اگرچہ یہ امکانات بہت ہی دور دراز کے ہیں کیونکہ جس امت کے نام نہاد نبی کے لیے حقیقت الوحی کے ڈیڑھ سو کے قریب "الہامات" میں سے سو سے اوپر صرف دس روپے کی آمد کے بارے میں ہیں، ان کی دنائت سے اچھی امید کیونکر کی جا سکتی ہے۔ ہاں البتہ یہ کام پاکستان کے انسانیت نواز حلقوں کا ہے کہ وہ اس معاملہ کو ایمنسٹی انٹرنیشنل، ایشیا واچ اور انسانی حقوق کی دوسری تنظیموں کے سامنے اٹھائیں اور قادیانیوں کے اس پروپیگنڈے کا توڑ کریں جو وہ بیرونی دنیا کے سامنے، پاکستان میں اپنے اوپر ہونے والے مصنوعی مظالم کے حوالے سے کر رہے ہیں۔

* * *

مرزا محمد حسین

جب قادیانیت کی حقیقت منکشف ہوئی

مرزا محمد حسین پہلے نہ صرف قادیانی تھے، بلکہ قادیانی قیادت کے بہت قریب تھے۔ مرزا محمود کے خاندان کی تمام مستورات کے اتالیق تھے۔ درون خانہ قادیانی قیادت کی اخلاقی باختگی کو دیکھا تو تڑپ گئے۔ مذہب کے نام پر اس حرام کاری و حرام خوری کو برداشت نہ کر سکے۔ غیرت و حمیت کے پیش نظر قادیانیت پر تین حرف بھیج کر مسلمان ہو گئے۔ اپنے مسلمان ہونے کی روداد میں لکھتے ہیں کہ ”میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ قادیانیت، مذہب کے لبادہ میں اتنا خطرناک اور شرمناک مذہب ہوگا۔ یہ سوچتے سوچتے صرف ایک رات میں میرے سر کے تمام بال گر گئے اور میں مستقل گنجا ہو گیا۔“ موصوف خانہ ساز نبوت کے گھر کے بھیدی تھے۔ لہٰذا جو کچھ دیکھا ”فتنہ انکار ختم نبوت“ نامی کتاب میں لکھ دیا۔ جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر مضمون اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے، چند سال ہوئے، ایک کتابچہ بعنوان ”دینی معلومات“ (بطرز سوال و جواب) ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا، تاکہ ربوہ کی نئی نسل میں ملعون مکائد، مذہبی عقائد بن کر ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائیں۔ یہ کتابچہ اس وقت شائع ہوا، جب آزاد کشمیر میں مکرم سردار عبدالقیوم خان کی صدارت میں ربوہ والوں کو قانونا غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اور اس وقت مسٹر بھٹو بڑا مضطرب ہوا تھا اور سردار صاحب مذکور کی معزولی پر کمربستہ ہو گیا تھا۔ کتابچے کا ایک نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے صفحہ نمبر 10 پر انیسواں سوال ہے۔

”قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک کتنی دفعہ آیا ہے؟ کسی ایک مقام کا ذکر کریں۔“

جواب: ”چار دفعہ محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم.

تبصرہ: جواب میں صرف چار کہا ہے کیونکہ سورہ الصف کی ساتویں آیت (61-7) کو مجرمانہ طور پر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی کی تھی۔

انی رسول اللّٰہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ و مبشرا برسول

یاتی منۢ بعدی اسمہ احمد.

اس آیت میں ”احمد“ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں لیکن منکرین ختم نبوت کے سربراہ ثانی نے اپنی دیوار گریہ کو سہارا دینے کے لیے اس کو اپنے باپ، مرزا غلام احمد، پر چسپاں کر دیا اور یہ اب تک اس منکر گروہ کا عقیدہ ہے۔ ایک عامی بھی جانتا ہے کہ احمد سے کسی بھی طرح، غلام احمد نام مراد نہیں ہو سکتا۔ ہاں! افتراء کے لیے ہر دروازہ کھلا ہے۔

سوال نمبر 22۔ ”قرآن کریم میں جن جن انبیاء کے اسماء کا ذکر ہے، بیان کریں۔“ (ص 10)

جواب: حضرت آدم علیہ السلام سے فہرست شروع کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے بعد لکھا ہے۔ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس سے ان کی مراد مرزا غلام احمد ہے) (دینی معلومات) اس جواب میں عیاں ہے کہ منکرین ختم نبوت مرزا غلام احمد کو ”حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام“ تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ، یہ قرآن کریم میں درج ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ قرآن کریم میں اضافہ کی ابلیسی جسارت ہے۔ اصل میں یہ افتراء مذکورہ بالا آیت سے تراشا گیا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ”**مبشراۢ برسول یاتی منۢ بعدی اسمہ احمد**“ کہہ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کی بشارت خدا کی طرف سے دی تھی۔

اس افتراء سے اظہر من الشمس ہے کہ یہ لوگ ”غلام احمد“ کو احمد تسلیم کر کے نہ صرف انبیاء کی صف میں کھڑا کرتے ہیں بلکہ اس کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر کھڑا کرتے ہیں بلکہ ایک لحاظ سے، اس کو ”افضل“ قرار دینے کی ملعون کوشش کرتے ہیں کہ اس کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ اس طرح تو مرزا غلام احمد اپنے مریدوں کے نزدیک خاتم النبیین ہوا۔ معاذ اللہ خشیۃ اللہ بالائے طاق رکھ کر امت محمدیہ کو ”کافر“ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا یہ عیارانہ انداز کہ وہ (مرزا غلام احمد قادیانی) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ”غلامی“ سے حضرت عیسیٰ کی پیش گوئی کا مصداق بنا، فحش اور فاش ضلالت ہے۔ احمد کے مقدس نام کو غصب کرنا خدا اور اس کے رسول کو چیلنج کرنا ہے۔ ایسے آدمی کو ”غلام احمد“ کہنا ایسی ہی بات ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے بیباک منکر کو ”غلام اللہ“ کہا جائے۔

کہاں حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام! اور کہاں مرزا غلام احمد، ؎ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

قرآن کریم کی تحریف و تحویل پر قناعت نہیں کی بلکہ مکہ مبارکہ اور مدینہ منورہ کے تقدس پر بھی چھاپہ مارا اور دینی شعور سے کاملاً عاری جماعت کے سامنے خطبہ میں کہا گیا کہ اب معاذ اللہ حرمین شریفین کی چھاتیوں میں روحانی دودھ خشک ہو گیا ہے۔ اب یہ ”قادیان“ میں ملے گا۔ جب رعونت اور فرعونیت دل و دماغ میں مستولی ہو تو دشمن ایمان و آگہی بننے اور یاوہ گوئی میں کوئی روک نہیں ہوتی۔ یہ نا محمود ”خلیفہ“ ابرہہ کا المناک اور عبرت آموز انجام بھول گیا کہ مکہ معظمہ پر حملہ کی پاداش میں اس کا کیا حشر ہوا۔ اس ”خلیفہ“ کو

اپنے نام سے کوئی نسبت نہ تھی، اس سے تو بڑھ کر ابرہہ کا ہاتھی تھا جو حملہ کے لیے نہ بڑھا۔ الحاج محمد اسحاق صاحب نے نوائے وقت مورخہ 21 اکتوبر 1977ء میں ایک ایمان افروز مقالہ بعنوان ''قصہ ابرہہ کے ہاتھیوں کا'' میں لکھا:

> ''ابرہہ کے لشکر میں تیاریاں ہونے لگیں۔ ابرہہ نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام کچھ مفسرین نے محمود لکھا ہے، ہراوّل دستے میں رکھا۔ لشکر کی کمر بندی ہو چکی تو مکہ کی سمت کوچ کا حکم ہوا۔ عین اسی وقت سردار عرب نفیل بن حبیب نے جس کے ساتھ راستے میں ابرہہ کی جنگ ہوئی تھی اور اب بطور قیدی اس کے ساتھ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی (محمود) کا کان پکڑ کر کہا۔ ''محمود بیٹھ جاؤ اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا، تو خدا تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے۔'' یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا۔ ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا۔ اب ہزار جتن فیل بان کر رہے ہیں۔ لشکری بھی کوششیں کرتے کرتے ہار گئے۔ ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں۔ سر پر آنکس پڑ رہے ہیں۔ ادھر ادھر بھالے اور برچھے مار رہے ہیں، آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں۔ غرض تمام جتن کر لینے کے باوجود بھی ہاتھی نے جنبش تک نہ کی۔ پھر بطور امتحان اس کا منہ یمن کی طرف کر کے چلانا چاہا تو جھٹ کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا۔ شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا۔ مشرق کی طرف جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگ گیا۔ پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں بیٹھ گیا۔ فیل بانوں نے اسے پھر مارنا پیٹنا شروع کر دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔''

منکرین ختم نبوت کے محمود کے کان تو ابرہہ کے ہاتھ میں تھے، اس نے تو مکہ معظمہ کی طرف ہی حملہ کرنے کے لیے دوڑنا تھا، اس کو تو، لارڈ کچنر کا سمندر میں غرق ہونا بھول گیا۔ پہلی عالمی جنگ میں لارڈ کچنر نے عربوں کو دھمکی دی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کو اصطبل بنا دے گا، معاذ اللہ۔ اس دھمکی کے بعد ''لوسی ٹانیا'' جہاز میں روس جاتے ہوئے شمالی سمندر میں بمع جہاز غرق ہو گیا۔ اس انجام کا نقشہ یوں ہوا۔

آسماں خاک ترا گورے نہ داد
مرقدے جز دریم شورے نہ داد

دوسری عالمی جنگ میں مسولینی نے مکہ معظمہ پر بم پھینکنے کی دھمکی دی۔ اس کو شکست فاش کا یہ انجام ہوا کہ اس کی قوم نے اس کو گولی کا نشانہ بنا کر الٹا لٹکا دیا اور عوام اس کی لاش پر تھوکتے رہے۔ مولف کے معزز و موقر دوست کرنل ڈاکٹر نور احمد صاحب نے مولف کو بتایا کہ انھوں نے خود مسولینی کی الٹی لٹکی ہوئی

لاش دیکھی (اس پر تھوکا گیا تھا) اس نا محمود کو بھی اگست 1947ء میں قادیان سے "نالہ دل دودِ چراغِ محفل" ہو کر ہندوؤں کا لباس پہن کر نکلنا پڑا اور دنیا سے رخصت ہونے سے سات آٹھ سال پہلے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر پیوند خاک ہوا۔ گویا ہٹلر اور مسولینی کا سا انجام ہوا۔

یہ ایسا بے لگام تھا اور گستہ مہار تھا کہ ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں یہ کہا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا نبی آ سکتا ہے۔ اس کو زمیندار اخبار نے ہوا دی اور ہندوستان کے سارے اسلامی اخبارات اور رسائل اس پر لعن طعن کی بارش کرنے لگے اور جماعت میں بھی اس ملک گیر اشتعال سے خوف پیدا ہوا تو پھر ڈھیلے منہ سے کہہ دیا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن وہ کرے گا نہیں۔ منیر ٹربیونل میں بھی پہلی پیشی پر جب اس پر سوال ہوا کہ کیا وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معصوم عن الخطاء تسلیم کرتا ہے تو اس نے مبہم سا جواب دیا لیکن آتش احتجاج سے خوف زدہ ہو کر دوسرے دن بیان کی نفی کر دی۔ اس نے انکار ختم نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے جماعت کے ذہن کو مفلوج کر کے بڑی شدادی کا کاروبار چلایا۔ بفرض محال یہ دل سے اپنے باپ کے "دعاوی" کا قائل ہوتا تو اس کے پاس رہتے ہوئے اخلاق سوزی کا ڈرامہ نہ رچاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی پولیس افسر کے پڑوس میں رہ کر آدمی محتاط رہتا ہے۔ چونکہ دل ہی دل میں باپ کے الہاموں کو ابہام ہی سمجھتا تھا، اس لیے بڑی سے بڑی بے باکی اور ناپاکی سے نہیں چوکتا تھا۔ مبینہ طور پر اپنی نجی مجلسوں میں تو صریح الحاد کی باتوں سے لذت یاب ہوتا تھا، کیونکہ اس کو جماعت کی طرف سے اعتراض کا خوف نہ تھا۔ اس نے جماعت کے لوگوں کو بے خبر رکھا اور جو باخبر تھے، ان کو بے بس کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کنچنی کے ناچ کو فن قرار دیتے ہوئے کہتا تھا کہ

"علم کی خاطر کوئی چیز بری نہیں۔" ("الفضل" 3 دسمبر 1955ء)

یہی بات اس نے حکیم نور الدین کی طرف منسوب کر کے کہی کہ انھوں نے بھی کنچنی کے ناچ کو ایک طرح کا علم قرار دیا اور دیکھنے کی ترغیب دی۔ ("الفضل" 3 دسمبر 1955ء)

اسی اعتراف معاصی کی رو میں اس نے یہ بھی کہا:

"مجھ پر حملے کرتے ہیں میں کہتا ہوں میں نے کب اپنے آپ کو پاک کہا ہے۔"

("الفضل" 2 فروری 15ء)

خدا کی خدائی میں گناہ کا خاصہ ہے کہ گناہ ہی گناہگار پر سوار ہوتا ہے۔ گناہ پر سوار کرنا اور اس کو اپنے اندر سمیٹے رکھنا فطرتاً ناممکن ہے۔ اس ضمن میں غالب کا کہنا بالکل صحیح ہے ۔

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

معصیت کے ارتکاب سے چند لمحوں کی نشاط تو ہوتی ہے، اس کے محو ہو جانے کے بعد سوز غم، دل

و دماغ پر محیط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اشخاص (Schizo Phrenia) شقاوت ذہنی کے مریض ہوتے ہیں۔

افشاء راز کے سارے جھروکے اور دریچے بند کرنے کی پیہم سعی میں ایک اور ذہنی عارضے کے شکار ہو جاتے ہیں، وہ ہے (Paranoia) (خبط فضیلت) وہ زندگی کے سنگین حقائق اور ان کے عواقب سے خیالی طور پر بچنے کے لیے (Grandiose Delusion) جلال اوہام کے مریض ہو جاتے ہیں۔ انہی ذہنی عوارض سے ان کے اندر (Sadism) (ایذا رسانی کی لذت) کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے طفیل وہ اپنے حلقہ بگوشوں کو لذت ایذا طلبی (Masochism) کا عادی بنا دیتے ہیں۔ یہی وہ ساری کیفیات تھیں جو مرزا محمود کے وجود میں پیدا ہوئیں۔ انہی کے نتیجہ میں جماعت جمود و خمود میں مبتلا ہو کر ایک متحرک لاش ہو کر رہ گئی اور نادانوں نے اس کو تنظیم کا نام دیا حالانکہ یہ انسانیت کی تجہیز و تکفین تھی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کا خلیفہ اپنی ناپاکی کا اقرار کر کے بھی یہ کہہ گزرتا ہے:۔

"جو شخص مجھے ناکام بنانا چاہتا ہے وہ اسلام کے غلبے کو روکتا ہے۔"

("الفضل" 18 اگست 1956ء)

"میرا مقابلہ کرنے والا دہریت سے ورے نہیں رہتا۔"

("الفضل" 15 اگست 1937ء)

یہ ذہن کا فالج نہیں تو اور کیا ہے!

میکاؤولی نے آمر (وہ آمر کو Prince کہتا ہے) کے متعلق لکھا کہ اس کو اپنے تحفظ کے لیے لومڑی اور شیر کے خواص پیدا کرنے چاہئیں۔ شیر پھندوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور لومڑی اپنے آپ کو بھیڑیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے آمر کو یہ خواص اس طرح پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ محسوس ہوں یعنی جب پھندے کا خوف نہ ہو تو شیر بنا رہے جب پھندا نظر آئے تو لومڑی کی مکاری کو شیوہ بنا لے۔

یہی حال مرزا محمود کا تھا جب بے خوفی کی لہر آتی تو روحانی طور پر افضل اکابر کی تحقیر کرتا، جب احتجاج کا پھندا یا قانون کا دام ہمرنگ زمیں اس کو نظر آ جاتا تو گنہگار بن جاتا۔

چونکہ جماعت میں سربراہ اوّل حکیم نور الدین کا احترام بہت تھا اس سے خائف ہو کر اس نے لومڑی کے انداز اختیار کر لیے اور اپنے پیشرو کی جو اس کا خسر بھی تھا، مذمت کئی حیلوں سے کرتا۔ اس نے کہا:

"خلیفہ اوّل کے زمانے میں، میں لنگر خانے کا افسر تھا اور یہ بات بھی جانتا ہوں
اور دوسرے سب لوگ بھی جانتے ہیں کہ خلیفہ اوّل کے گھر لنگر سے کھانا جایا کرتا تھا
مگر ہمارے گھر میں کبھی لنگر خانے کا کھانا نہیں آیا۔"

("الفضل" 31 اگست 1938ء، خطبہ)

> "خدا تعالیٰ نے نوح جیسے نبی کی پروا نہیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ (حکیم نور الدین) کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔" ("الفضل" 2 اگست 1956ء)

سربراہ ثالث کا چچا اور ایم ایم احمد کا باپ (بشیر احمد، ایم۔ اے) "قمر الانبیاء" کہلاتا تھا اور اس کے بڑے بھائی سربراہ ثانی نے کمربستہ ہو کر اس کے ساتھ ایسا کمر توڑ سلوک کیا کہ وہ اس دکھ کی آگ میں پگھل گیا۔ اس کے تنومند بیٹے کو اپنا داماد بنا کر بے اولاد رکھا۔ اس داماد کی چھوٹی بہن سربراہ ثانی یعنی اپنے تایا محمود کی بہو تھی۔ اس کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوائی۔ اسی "قمر الانبیاء" کے دوسرے بیٹے کے نکاح کا مقاطعہ کیا اور اس کو نکاح خواں نہیں ملتا تھا۔ یہ اس خاندان کا حال ہے جو "خاندان نبوت" کہلاتا تھا۔ یہ سب انہی باطل ادعاؤں پر خدائی تعزیر تھی۔

سربراہ ثالث کے پھوپھی زاد بھائی، داماد نے اس کی پانچ بچوں والی بیٹی کو طلاق دے کر جماعت سے باہر شادی کر لی اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے درون خانہ کی عفونتوں کی خبر اولوالامروں کو پہنچا دی۔ اس مہم جو، جوان کے بزرگ بھائی نے خود مولف کو بتایا کہ جو اس نے کیا وہ شریعت کے مطابق کیا ہے اور اس کی خبر رسانی کی تردید نہ کی۔ گویا خانگی مناقشت نے زور پکڑ رکھا ہے۔

مذکورہ بالا "قمر الانبیاء" نے اپنے والد پر کتاب بعنوان "سیرت مہدی" لکھی اور اس میں لوگوں کی روایتیں درج کیں۔ اپنی والدہ کی طرف سے "خلوت صحیحہ" کی تفصیل بھی درج کی۔ یہ حال ہے اس "اولاد مبشرہ اور ذریت طیبہ" کا! کوئی ماں خلوت صحیحہ کی تفصیل اپنے بیٹے کو کیسے بتا سکتی ہے! "سیرت مہدی" کی پہلی جلد حکماً واپس لی گئی لیکن جماعت کا یہ حال رہا ہے۔

دیکھ جو کچھ سامنے آئے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر ذہن تصویر کا

یہ سب انکار ختم نبوت کی پھٹکار ہے۔

جماعت "احمدیہ" ربوہ نے اپنی پرانی روایات کے پیش نظر ایک بار پھر ایسا موضوع پیدا کیا، جو تمام عالم اسلام کے لیے نہ صرف موجب کرب قلق ہے بلکہ اس سے اختلاف کا ایک نیا باب وا ہو گیا۔ روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت مورخہ 3 جولائی 1959ء میں مرزا بشیر احمد (جو خلیفہ محمود کے بھائی تھے) نے ایک طویل مضمون میں اس بات کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ صلح حدیبیہ کے غم میں نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی تھی، حالانکہ قرآن کریم میں اس کو فتح مبین کہا گیا ہے اور انگریز مستشرق مانٹ گمری واٹ نے اس کو "Non Aggression Pact" قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس میثاق حدیبیہ میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینے میں اسلامی نظام کو مستحکم کرنے کا موقعہ ملا اور یہودیوں کے فتنے کا سدباب کیا۔ مکے کے کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیغ تدبر سے ذبح ہو کر واپس لوٹے۔ اس کے عرب قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے۔

(Muhammad At Med.......P.49)

مرزا بشیر احمد نے کوئی چوبیس خطرناک بیماریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تمام عوارض انبیاء کو ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔

ہم اس مضمون کا ضروری حصہ من وعن درج ذیل کرتے ہیں۔ قارئین خود اس امر کا اندازہ لگا لیں گے کہ موجودہ حالات میں ایسے موضوع پر قلم اٹھانا کن ناگفتہ بہ حالات پر منتج ہوا کرتا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

> ”بالآخر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خدا تعالیٰ کے ایک عالیشان نبی بلکہ افضل الرسول اور خاتم النبیینؐ تھے، آپ کو نسیان کا عارضہ کیوں لاحق ہوا جو بظاہر فرائض نبوت کی ادائیگی میں رخنہ انداز ہو سکتا ہے، تو اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض ٹائی فائیڈ سے فوت ہوئے تھے۔ سل، دق، دمہ، نزلہ، کھانسی، نقرس، دوران سر، پھوڑے، پھنسیاں، آنکھوں کا آشوب، جسم کے درد، جگر کی بیماری، دانتوں کی تکلیف، اسہال کی بیماری، انتڑیوں کی بیماری، گردے کی بیماری، پیشاب کی بیماری، اعصابی تکلیف، ذکاوت حس، گھبراہٹ اور بے چینی، دماغی کوفت، نسیان، حوادث کے نتیجہ میں چوٹیں اور زخم، لڑائی کی ضربات وغیرہ وغیرہ سب کی زد میں آ سکتے ہیں اور آتے رہے ہیں۔
>
> آپ بعض اوقات نماز پڑھاتے ہوئے رکعتوں کی تعداد کے متعلق بھی بھول گئے اور لوگوں کے یاد کرانے پر یاد آیا۔
>
> آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کبھی عام اور وقتی نسیان ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد کچھ عرصہ کے لیے بیماری کے رنگ میں نسیان ہو گیا۔“

مرزا بشیر احمد نے اپنے مضمون میں جن چوبیس بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے در پردہ اپنے معذور بھائی خلیفہ کی علالت کا دفاع کیا ہے، میاں صاحب اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ان انبیاء کے اسماء گرامی بھی درج کرتے، جن کو یہ بیماریاں لاحق ہوتی رہی ہیں۔ مرزا بشیر احمد کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد بیشتر حلقوں نے اس کے خلاف اپنی آراء کا اظہار کیا تھا۔ ہفت روزہ ”چٹان“ کے مدیر شہیر آغا شورش کاشمیری نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر، جس محتاط انداز میں حکومت وقت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے، اس سے زیادہ محتاط طریق اس بارہ میں اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

”چٹان“ مورخہ 4 ستمبر 1959ء کے اداریہ کا نوٹ درج ذیل کیا جاتا ہے:

> ”مرزا بشیر الدین محمود بڑے زمانے سے بیمار ہیں۔ عمر کے ساتھ مختلف بیماریوں

نے گھیر رکھا ہے۔ انہی بیماریوں میں نسیان اور اس کے ہم قافیہ عوارض بھی شریک ہیں چونکہ آپ نے اپنے معتقدوں میں خاص قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل کر رکھا ہے، اس لیے اپنی بیماریوں کی صفائی میں عجیب وغریب تاویلات وتعبیرات گھڑ رہے ہیں۔ ہمارے نوٹس میں ایک دوست 13 جولائی 1959ء کا الفضل کا شمارہ لائے ہیں۔ اس شمارہ کے پورے چار صفحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امراض کی حدیثیں زیر بحث لا کر نہایت ہوشیاری سے مرزا محمود کی ان بیماریوں کا دفاع کیا گیا ہے، جن کے احساس سے آپ کے پیروؤں کی ایک جماعت اعتقاداً متزلزل ہے۔ ہم محکمہ تعلقات عامہ کے افسروں سے صرف یہ التماس کریں گے کہ جس باریک بینی سے ان کی احتسابی نگاہیں دنیوی خداوندی کے معترضین کی زبان وقلم کا جائزہ لیتی ہیں، اگر اسی نسبت سے ایک جھجھلتی ہوئی نگاہ اس مقالہ پر ڈال چکے ہوتے تو ہم ان ملفوف الفاظ میں عرض کرنے کی جسارت نہ کرتے۔

''الفضل'' کو اپنے امام کی مدح وستائش کا پورا حق حاصل ہے لیکن ان بیماریوں کو بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سے ملا کر ان کے تقدس کا ناد پھونکنا، نہ صرف بے ادبی ہے بلکہ اس سے ہم ایسے لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے، جن عاجزوں کی معراج یہ ہے کہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتوں سے مماثلت دیتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتے ہیں کہ شاید ہم اس قابل بھی نہیں ہیں۔

نسبتے خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
ز آنکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

(''چٹان'' مورخہ 14 ستمبر 1959ء)

مرزا بشیر احمد نے تمام بحث نسیان پر کی ہے اور یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ خلیفہ کو محض ذرا سا نسیان ہو گیا ہے، جو نعوذ باللہ رسالتماب کو بھی ہو گیا تھا، حالانکہ جو حدیث مرزا بشیر احمد نے پیش کی ہے، وہ پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ جب حضور علیہ السلام کو یہود کی اس ناپاک سازش کا علم ہوا تو حضور نے خود جا کر اس جگہ کو پامال کروایا اور لوگوں کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ سحر کے نتیجہ میں حضور کو کوئی نسیان کی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ صد افسوس کے مرزا بشیر احمد نے چودہ سو سال بعد وہی تاثر پیدا کرنا چاہا ہے، جو اس زمانہ کے شرپسند یہودیوں نے پیدا کرنا چاہا تھا۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مرزا بشیر احمد چاہتے تھے کہ انبیاء کی طرف سل، دق منسوب کر کے خلیفہ کی بیماریوں کا دفاع کیا جائے، مگر کیا وجہ ہے کہ وہ خلیفہ کی اصل بیماری ’’فالج‘‘ اور اس کے جنسی محرکات کا ذکر کرتے ہوئے کتراتے ہیں، جس میں ان کے بھائی نام نہاد ’’مصلح ربانی خلیفہ ثانی‘‘ بطور عذاب مبتلا ہیں۔ اگر مرزا بشیر احمد کو بھی اس بارہ میں نسیان ہو گیا ہے تو وہ ’’الفضل‘‘ کے فائل کھول کر دیکھیں، جن میں جا بجا فالج کا چرچا ہے اور پھر ایک اور مضمون لکھا ہے کہ انبیاء (نعوذ باللہ) مدقوق اور مسلول ہی نہیں، مفلوج بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ سل اور دق کے مریض کو تو حکماء، عامتہ الناس سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ماموریں کو ہمہ وقت بندگان خدا سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے اور فریضہ تبلیغ میں شب و روز مشغول رہتے ہیں تو پھر یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے منافی نہیں ہے کہ وہ ایسے متعدی مرض میں مبتلا شخص کو ہدایت کے لیے مامور فرمائے جو خود مدقوق و مسلول ہو اور دوسروں کے لیے باعث خطرہ۔

دراصل مرزا بشیر احمد خدا تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرنا چاہتے ہیں، جو شان خداوندی کے خلاف ہے اور رسول کی ذات پر وہ بیماری چسپاں کرنا چاہتے ہیں، جو شان رسالت کے منافی ہے۔

اس کفر کاری اور جہنمی جسارت کا خدا نے یہ انتقام لیا کہ مرزا بشیر احمد خود اور اس کا بڑا بھائی خلیفہ اور سب سے چھوٹا بھائی مرزا شریف احمد گوناگوں عوارض اور امراض میں مدتوں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ چھوٹے بھائی کا تو یہ حال تھا کہ وہ لوگوں سے مانگ کر پیتھے ڈین کا چسکا پورا کرتا تھا۔ مولف کو لاہوریوں کے امیر نے بالمشافہ بتلایا کہ یہ شخص آیا اور نڈھال ہو رہا تھا۔ انجمن کے خزانے سے اس کو رقم خطیر دی۔ یہ اس بیٹے کا حال تھا، جس کے متعلق اس ’’الہام‘‘ کو اچھالا جاتا ہے۔ ’’بادشاہ آتا ہے‘‘ وہ متعدد اشخاص کا مقروض تھا اور جن لوگوں نے کسی حیلے بہانے کے چکر میں آن کر اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی جمع شدہ فنڈ کی رقوم اس کو بطور ’’قرضہ حسنہ‘‘ دی تھیں، وہ ’’قرضہ سیئہ‘‘ ہو کر ان کی موت کا پیغام بن گئیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مزعومہ اور ملعونہ فہرست امراض بنانے والوں کے درون خانہ کا اگر طبی محاسبہ ہو تو محاسبہ کرنے والے طبیب ورطہ حیرت میں غرق ہو کر رہ جائیں۔

محترم قارئین، یہ تھے وہ اسباب، جن کی بنا پر میں قادیانی مذہب پر تین حرف بھیج کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ الحمد للہ۔

* * *

بریگیڈیئر (ر) احمد نواز خان

میں قادیانیت سے تائب کیسے ہوا؟

یہ حقیر پر تقصیر، راقم الحروف اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتا ہے کہ تیس سال تک قادیانی فتنے کا شکار رہنے کے بعد رب جلیل نے اپنے حبیب حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے روشنی دکھا دی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھتے ہوئے ایک روز دل کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ پھر رب جلیل نے مختصر سے مطالعے کا سامان کر دیا تو اس سارے ڈرامے اور قصے کو سمجھنے میں دیر نہ لگی اور میں تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر لحاظ سے فضل و کرم ہے۔ سات بیٹے اور تین بیٹیوں میں سے تینوں بیٹیاں آرمی میڈیکل کور میں (دو لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر اور ایک میجر ڈاکٹر) ہیں۔ تین بیٹے، الحمدللہ، فوج میں (دو بریگیڈئر، ایک لیفٹیننٹ کرنل) دو وزارت خارجہ میں، ایک پی آئی اے میں اور ایک، الحمدللہ، یو این او میں ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ سب اپنی اولاد سمیت پابند صوم وصلوٰۃ اور سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکے اور سچے غلام ہیں۔ الحمدللہ، چھ بچوں کا نکاح مسنونہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہونے کا اعزاز ملا۔ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا سب کچھ ہے، لیکن سب سے بڑی دولت وہ سکون ہے جو قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہونے کے بعد دل کو ملی کہ میں اور میری نسلیں اندھیروں سے نکل آئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوری حصار میں آ گئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ اور چھاؤں میں آ گئے!!

قبل از قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول فرمانا ہمارا ایمان ہے۔ امت مسلمہ میں کوئی صاحب علم اس بات کا منکر نہیں ہوا، البتہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ”نزول عیسیٰ علیہ السلام سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اوصاف کا مالک اور ان سے مشابہت تامہ رکھنے والا ایک شخص پیدا ہوگا، آسمان سے نازل نہ ہوگا۔“ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے اس موقف اور ان کے اس دعوے کہ میں (مرزا غلام احمد قادیانی) ہی عیسیٰ علیہ السلام ہوں، دونوں میں کوئی منطقی تعلق نہیں ہے۔ اس بحث کو سر دست ایک طرف رکھیں کہ مسلمانوں کا موقف درست ہے یا مرزا قادیانی کا قول۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا مرزا صاحب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے یا نہیں۔

چنانچہ، بالفرض نزول عیسیٰ علیہ السلام سے مراد ان سے مشابہت رکھنے والی شخصیت کا ظہور مراد لے لیا جائے، تو بھی مرزا صاحب کو اس کی مثل یا مصداق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دونوں کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور مشابہت نام کی کوئی شے نہیں۔ قرآن و حدیث میں بعد از نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو اوصاف اور کارہائے نمایاں ہوئے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ اور ساتھ ہی مرزا صاحب کے ساتھ تقابل پیش خدمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن و حدیث میں جہاں بھی ذکر ہوا ہے، وہاں ان کا اسم گرامی عیسیٰ بن مریم آیا ہے۔ ان کے ماموں کا نام ہارون (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے مختلف ہیں) اور ان کے نانا کا نام عمران ہے۔ (سورۃ آل عمران و سورہ مریم) جبکہ مرزا قادیانی کے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور والدہ کا نام چراغ بی بی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں نکاح کریں گے۔ (الخطط مقریزی ج ص 350) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اردن میں آباد ہے اور وہیں ان کی قبر شریف ہے۔ اس کے برعکس مرزا صاحب کا نکاح ہندوستانی قوم میں ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول شام میں ہوگا اور ان کی سرگرمیوں کا مرکز مشرق وسطیٰ ہوگا۔ (ابو داؤد ج 4 ص 17، مستدرک حاکم ج 2 ص 295) جبکہ مرزا صاحب نے مشرق وسطیٰ میں قدم بھی نہیں رکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمانے کے بعد حج و عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے اور مدینہ منورہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار شریف پر حاضری دیں گے۔ وہ مقام فج الروحاء، جو مدینہ منورہ سے بدر کی جانب ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے، سے احرام باندھیں گے۔ (مسند احمد ج 2 ص 290) مرزا صاحب نے نہ تو حج کیا اور نہ عمرہ ادا کیا اور نہ ہی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دی۔ یہودیوں کے ساتھ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاد کریں گے۔ یہاں تک کہ کوئی ایک یہودی بھی باقی نہیں بچے گا۔ (بخاری مع فتح الباری ج 6 ص 75) یہودیوں کے ساتھ جہاد تو درکنار مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی کا یہ عالم ہے کہ اسرائیل کے شہر حیفہ میں قادیانیوں کا مرکز اب بھی قائم ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو تمام عیسائی اسلام قبول کرلیں گے اور صلیب کی پرستش ترک کردیں گے۔ دنیا میں مسلمان ہر طرف اس طرح ہوں گے، جیسے پانی سے لبالب برتن۔ (مسند احمد ص 430 ابو داؤد ج 4 ص 17) مرزا صاحب کے زمانے میں عیسائیت کو خوب تقویت ملی اور یہود کی قوت میں بھی اضافہ ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد دنیا میں مکمل امن قائم ہو جائے گا اور تمام جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دونوں عالمی جنگیں مرزا صاحب کی پیدائش کے بعد ہوئی ہیں۔ صرف بھارت اور پاکستان کی آپس میں تین جنگیں ہو چکی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد دنیا میں اس قدر خوشحالی ہو جائے گی کہ کوئی صدقہ و

خیرات قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ صرف امیر ہی ہوں گے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے، غریب کوئی نظر نہ آئے گا۔ (صحیح مسلم ج 2 ص 193، مسند احمد ج 3 ص 345)

اس کے برعکس مرزا صاحب کے زمانے میں پوری دنیا میں اور بالخصوص مسلمانوں میں تنگدستی و بدحالی کا دور دورہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوراک وہ چیزیں ہوں گی جو آگ کی نہ پکی ہوں گی۔ (کنزالعمال ج 6 ص 126) جبکہ مرزا صاحب بھنا ہوا گوشت بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے۔ (مسند احمد ج 2 ص 437) جبکہ مرزا صاحب کی جائے وفات لاہور (پاکستان) ہے اور مقام قبر قادیان (ہندوستان) میں ہے۔

وصال شریف کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کل عمر 120 سال ہوگی۔ (کنزالعمال ج 6 ص 120) دوبارہ نازل ہونے کے بعد دنیا میں 40 سال قیام کریں گے۔ (ابوداؤد ج 2 ص 246) اس کے برعکس مرزا صاحب کی پیدائش 1833ء میں ہوئی اور 66 برس کی عمر میں 1908ء میں وفات پائی۔ مجددیت کا دعویٰ 1884ء میں، مسیحیت کا دعویٰ 1891ء میں اور نبوت کا دعویٰ 1901ء میں کیا، لہٰذا کسی بھی لحاظ سے مرزا صاحب کی عمر نہ تو 120 سال بنتی ہے اور نہ 40 سال۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد آثار قیامت واضح ہو جائیں گے۔ ایک دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینہ کے برابر اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور پھر باقی ایام معمول کے مطابق ہو جائیں گے۔ (مسند احمد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب آپؑ کے جانشین کی، جو عرب کے قبیلہ بنی تمیم میں سے ہوں گے، وفات ہو جائے گی تو اس کے تین سال بعد قرآن مجید لوگوں کے سینوں سے محو ہو (بھول) جائے گا اور مصاحف (کندہ یا لکھے ہوئے قرآن پاک) بھی اٹھا لیے جائیں گے۔ (الحاوی للسیوطی ج 2 ص 89)

مرزا صاحب کی وفات اور پھر ان کے جانشین نورالدین صاحب کی وفات کے اتنا عرصہ بعد یہ آثار نظر نہیں آئے۔

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور زندہ آسمانوں پر اٹھائے نہیں گئے ہیں اور قیامت سے قبل بعینہٖ نازل نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے ساتھ مکمل مشابہت رکھنے والی ایک شخصیت کا ظہور ہوگا تو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے، مماثلت بالکل نہیں ہے۔

ان کھلے ہوئے اعلانات و اعترافات کے بعد کون ہوش مند شخص ہے جو مرزا قادیانی کو ایک سچا مبلغ دین یا مصلح قوم خیال کر سکتا ہے؟ اور ان کے، ایک نہایت ہی خطرناک سرکاری ایجنٹ ہونے میں شبہ کر سکتا ہے؟ جو اقتباسات مرزا قادیانی کی تحریرات سے درج کیے گئے ہیں۔ وہ چاول کی دیگ میں ایک دانہ کی مثال ہیں۔ ان کی کتابیں اس قسم کے خیالات، اعلانات اور فرمودات سے بھری پڑی ہیں، لہٰذا ان مسائل کو، جنھیں مرزا قادیانی نے مسلمانوں کے عقائد کی تخریب کے لیے محض اس نیت سے گھڑا کہ انگریز حکومت کی اس وقت کی پالیسی کو کامیاب کریں، دینی مسائل قرار دینا اور ان کی صحت و عدم صحت کی بحث میں پڑنا، دراصل، کار فضول ہے۔ مرزا صاحب کی حیثیت، گورنمنٹ کے ایک ایجنٹ سے زیادہ تحقیق نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا جو لوگ مذہبی حیثیت سے مرزا قادیانی کے دام فریب کا شکار ہو چکے ہیں، انھیں اپنی آنکھیں کھول لینی چاہئیں۔

رب جلیل ان تمام لوگوں کے لیے بھی ایسا ہی انتظام فرما دے جو اس وقت تک اس گمراہی کا شکار ہیں اور ان کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان کا سامان فرمائے، انھیں غور و فکر کی توفیق اور پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں سر رکھ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کا توشہ ملے، آمین۔

❀ …… ❀ …… ❀

ائیر کموڈور (ر) رب نواز

بھٹکا ہوا آہو حرم آشنا ہوتا ہے

برادر بزرگ بریگیڈیر (ریٹائرڈ) احمد نواز نے مجھے حکم دیا کہ میں بھی آگ سے نکل کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورانی سائے میں آنے کا شکر ادا کرتے ہوئے اس موضوع پر لکھوں۔ الحمدللہ ہم سب بہن بھائی اکتیس سال پہلے برادر بزرگ کی وساطت سے قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر سے ان سب بہن بھائیوں کی راہنمائی فرمائے جو محض غلط فہمی کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسلام کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

"ارشادات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں، اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ عمر دنیا کے اختتام کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور امت محمدیہ میں شامل ہو کر اپنے برکات و فیوض سے امت کو مستفیض فرمائیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ مغالطہ، وہم یا شک ہو جائے کہ یہ صورت تو ختم نبوت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد کسی نبی کے تشریف لانے کے کیا معنی؟

پہلی نظر میں یہ شک وزنی نظر آتا ہے، لیکن غور کیجیے تو صرف سطحی سوچ اور قلت فکر کا نتیجہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ختم نبوت کی تشریح کے سلسلے میں مسلمان علماء و فضلاء نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہوسکتی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو ابتداءً یہ منصب عظیم عطا فرما کر اور سند نبوت دے کر نہیں بھیجا جا سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی نبی بھی دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لا سکتے۔ بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو تاج نبوت سے سرفراز فرما کر ہدایت مخلوق خدا کا کام سپرد فرمائیں، جو پہلے ہی منصب نبوت پر سرفراز ہو چکے ہوں، انھیں دنیا میں دوبارہ بھیج دینے کو بعثت نہیں کہتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے ہو چکی اور وہ بنی اسرائیل میں اپنا کام انجام دے کر زندہ آسمان پر تشریف لے گئے، جیسا کہ قرآن مجید سے صاف عیاں

ہے۔ نہ انھیں طبعی موت آئی، نہ شہید کیا جا سکا۔ اب اگر وہ دوبارہ آسمان سے دنیا میں تشریف لائیں تو یہ ختم نبوت کے منافی کیوں ہے اور اس سے سلسلہ نبوت کا جاری رہنا کس طرح لازم ہوتا ہے؟

مثال ذیل، جواب کی مزید وضاحت کر دے گا۔ ایک شخص کسی صوبہ کا گورنر مقرر ہوتا ہے اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد کسی دوسرے ملک چلا جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد وہ اس صوبہ میں پھر آتا ہے مگر گورنر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے، تو کیا اس سے موجودہ گورنر کے عہدہ اور اعزاز میں کوئی فرق پیدا ہو جائے گا؟ یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس صوبہ میں اس وقت دو گورنر موجود ہیں؟ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سند نبوت تو بدستور برقرار رہے گی، مگر اس سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب ختم نبوت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے گا۔

یہیں، ہمیں شکوک اور مغالطے پھیلانے والوں کے لیے ایک دوسرے جواب کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بحیثیت نبی کے نہ ہوگی، بلکہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے ہوگی۔ وہ نہ تو کوئی نئی کتاب لائیں گے نہ کوئی دوسری شریعت، بلکہ قرآن مجید اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر عمل فرمائیں گے۔ یہاں تک کہ انجیل جو خود ان پر نازل ہوئی تھی، کی بجائے قرآن مجید ہی پر عمل کریں گے۔ ایسی حالت میں اس کا وہم کرنا بھی نادانی ہے کہ ان کا تشریف لانا ختم نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا خاص مقصد مسیح دجال کو قتل کرنا اور اس کے شر سے امت محمدی کو محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی حکمران کسی خاص مجرم کو سزا دینے یا گرفتار کرنے کے لیے کسی خاص شخص کو مامور کرے، اس مدت کے لیے اس شخص کے لیے اس ملک کے کسی حصے میں جانے سے اس کے حاکم کی حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ جب تک اس حصہ ملک میں ہے، اس وقت تک اسی حاکم کے ماتحت سمجھا جائے گا اور اسے حاکم کسی حالت میں بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فتنہ دجال کے خاتمے کے لیے تشریف لائیں گے اس حالت میں ان کی حیثیت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرد کی ہوگی۔ اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

دلیل ختم نبوت

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے کی نعمت سے نوازا ہے، وہ اگر سوجھ بوجھ سے کام لے تو اسے نظر آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ختم نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہونے کے بجائے اس کی مزید تائید کر رہی ہے اور عقیدۂ ختم نبوت کی ایک مستقل نشانی ہے۔ اپنے ذہن

سے سوال کیجئے کہ قتل دجال اور اس کے فتنے کے خاتمے کے لیے خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہی کی کیا ضرورت ہے؟

اگر اس کار عظیم کے لیے نبوت ہی کی معجزانہ قوت درکار تھی تو کسی نئے نبی کی بعثت سے بھی یہ فائدہ حاصل ہوسکتا تھا۔ مسیح بن مریم علیہما السلام کا نزول ہی اس کے لیے کیوں تجویز فرمایا گیا؟

اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک قدیم نبیؑ کو بھیجنے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ باب نبوت بند ہو چکا ہے۔ یہ منصب عظیم اپنے جن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا، وہ اس پر فائز ہو چکے، یہی وجہ ہے کہ ایک اہم جزوی کام کے لیے جو نبوت کی معجزانہ قوت کا محتاج تھا، کسی نئے نبی کے بجائے ایک قدیم نبی کو دوبارہ بھیجا جا رہا ہے۔

دوسری طرف اس حقیقت کی نقاب کشائی فرما دی گئی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اس قدر بلند و برتر ہے اور خاتم النبیین کا تاج کرامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر اس قدر موزوں ہے کہ اگر کوئی قدیم نبی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تشریف لائیں تو وہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت اختیار کر لیں گے اور ان کو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کرنا پڑے گی۔

یہ مفید اور دلچسپ نکتہ بھی یاد رکھئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا سے جانے کے بعد بھی اعلیٰ درجہ کی حیات طیبہ حاصل رہتی ہے۔ شہدا کو صریح طریقہ سے قرآن حکیم نے احیاء یعنی زندہ کہا ہے، بلکہ انھیں مردہ کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صدیقین کی حیات ان سے بھی اعلیٰ اور قوی تر ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ تو سب سے زیادہ اعلیٰ وقوی تر ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے سب انبیاء علیہم السلام، از حضرت آدم علیہ السلام تا خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زندہ ہیں۔ چنانچہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضراتؑ نے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا بھی مسجد اقصیٰ میں کی تھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں امامت فرمائی تھی، تو کیا ان کا وجود ختم نبوت کے منافی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ثانی بھی ختم نبوت کے منافی نہیں اور نہ ہی یہ سلسلہ نبوت جاری کرنے کا کوئی ثبوت ہے۔ ہم نے ''ظہور ثانی'' کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے، نکتہ یہ ہے کہ دوسرے انبیاء و مرسلین کی طرح موجود اور زندہ تو وہ اب بھی ہیں، لیکن اس دنیا کے اشخاص کے سامنے ظاہر نہیں ہیں، ان کا ایک ظہور ہو چکا ہے اور دوسرا ظہور قیامت کے قریب ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ محض دوبارہ ظہور سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی یا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ ختم نبوت کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی نئے شخص کو مرتبہ نبوت پر سرفراز نہ فرمایا جائے گا، کوئی شک یا مغالطہ پیدا نہیں ہوتا۔

پہلے یا بعد میں

جی چاہتا ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ دیر اور غور کریں تا کہ ایک مغالطہ سے نجات حاصل کر لیں۔

بے شک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اس وقت ہوگا، جب دنیا اپنی حیات ناپائیدار کے آخری دن بسر کر رہی ہوگی، لیکن کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے عقیدۂ ختم نبوت پر کوئی حرف آ گیا ہے!

آپ فرمائیں گے کہ ہاں، میں کہوں گا نہیں۔

یہ ایک مغالطہ اور نظر کی غلطی ہے۔ جس میں عام لوگ مبتلا کر دیے جاتے ہیں، حقیقت اس کے خلاف ہے، یعنی نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ظہور یقیناً ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زمانے کے لحاظ سے مقدم کہنا چاہیے۔ اگر یہ نظریہ، جو بظاہر بہت عجیب محسوس ہوتا ہے صحیح ہے اور میں ثابت کروں گا کہ یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کے بعد ہیں۔ اس کے بعد ختم نبوت کے بارے میں جو مغالطہ پیدا ہوا تھا، وہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس مغالطے کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر موت جسمانی طاری نہیں ہوئی، بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی حیات طیبہ جس کی ابتداء ان کی پیدائش کے وقت سے ہوئی تھی، آج تک زندہ اور جاری ہے اور اس وقت تک زندہ و جاری رہے گی، جب تک وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح جسمانی طور پر بھی انتقال نہ فرما جائیں۔ ان کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کا زمانہ، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ان کی اس عمر طویل کا ایک حصہ ہوگا، نہ کہ کوئی جدید پیدائش۔ ان کی اس طویل عمر کے ایک حصے میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت، جب بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہوئی تو کیا کوئی سمجھ دار شخص کہہ سکتا ہے کہ محض طول عمر کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہ لحاظ زمانہ موخر (یعنی بعد کے) ہیں؟

حضرت عزیز علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہے، جن پر موت طاری کر دی گئی تھی اور ایک سو سال کے بعد انھیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ سو سال کی مدت بہت ہوتی ہے، اس میں حضرت عزیز علیہ السلام کی اولاد اور اولاد در اولاد کا خاصا سلسلہ وجود میں آ گیا۔ کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے حضرت عزیزؑ کی یہ اولاد ان سے عمر میں بڑی تھی یا ان پر زمانہ کے اعتبار سے مقدم تھی یا ان کا وجود ان کی اولاد کے بعد ہوا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس سے زیادہ صاف ہے۔ ان پر تو موت بھی نہیں طاری ہوئی، وہ اسی حیات قدیمہ کے ساتھ اب بھی موجود ہیں۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنے

والا کہنا، کھلی غلطی ہے۔ یقیناً وہ خاتم النبیین سے پہلے ہیں اور ان کا یہ تقدم اس وقت بھی قائم رہے گا، جب وہ قیامت کے قریب آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے، مگر چونکہ یہ زمانہ نزول و وفات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کا ہوگا، اس لیے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی تشریف لائیں گے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے وہ بعد میں نہیں، بلکہ پہلے ہیں۔ ان کی پیدائش بعثت، دعوت، ہر چیز کو نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش، بعثت، دعوت، سے پہلے ماننے کے بعد محض ان کی عمر طویل کی وجہ سے انھیں موخر کہنا مغالطہ ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد سرے سے مغالطے اور شک کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے اور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ختم نبوت پر صرف حرف اس صورت میں آسکتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی پیدائش، یا بعثت کا ثبوت مل سکے اور یہ ایسی ناممکن بات ہے، جس کا ثبوت تا قیامت نہیں مل سکتا۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت

اگرچہ بہ حیثیت مسلمان ہمیں اس جستجو کی کوئی ضرورت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے میں کیا راز اور حکمت ہے؟ ہمارا کام یہ ہے کہ اس خبر پر ایمان لائیں اور یہ یقین کریں کہ رب حکیم وعلیم کے نزدیک اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی جس کا علم ہمارے لیے کچھ ضروری نہیں، لیکن اگر قرآن وحدیث میں غور کرنے کے اصول دین کے مطابق کوئی حکمت سمجھ میں آرہی ہو تو اس کا اظہار صرف جائز ہی نہیں، بلکہ انشاء اللہ بہت نفع بخش اور فائدہ مند بھی ہوگا۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت جن مقاصد کے لیے ہوئی تھی، ان میں ایک نمایاں مقصد خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت وخوشخبری دینا بھی تھا۔

یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی مگر اس کی سماعت کرنے والے قلیل تھے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی (جھٹلایا) اور صرف تکذیب ہی نہیں بلکہ آپؑ کے جانی دشمن ہو گئے اور آپؑ کو شہید کر دینے کا عزم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی سازش کو ناکام بنا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ یہود ناکام و نامراد رہے مگر ان کی عداوت میں کمی نہ ہوئی، یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، سے بھی انھیں سخت عداوت ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ: آپ اہل ایمان کے سب سے بڑے دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے۔ (المائدہ)

آسمان پر جانے سے قبل حضرت عیسیٰ السلام برابر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و بعثت کی بشارت وخوشخبری دیتے رہے اور اپنے اس مقصد بعثت کو پورا کرتے رہے۔ اگر بالفرض

وہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ اس مقصد بعثت کو کس طرح پورا کرتے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ لوگوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور اسلام محمدی پر عمل کرنے کی دعوت دیتے، گویا ان کی بشارت وخوشخبری کا عنوان یہ ہوتا ہے کہ لوگو! میں، جن نے نبی کی تم سے پیش گوئی کی تھی، وہ یہی ہیں، یہی خاتم النبیین ہیں، ان پر ایمان لاؤ اور ان کی شریعت پر عمل کرو۔

اس عنوان سے بشارت دینے کا موقع حضرت مسیح علیہ السلام کو اب تک نہیں ملا۔ قیامت کے قریب جب فتنہ دجال ظاہر ہوگا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا موقع عطا فرمایا جائے گا کہ وہ اپنے مقاصد بعثت میں اس مقصد عظیم کی تکمیل فرمائیں اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ان عنوان سے بشارت دے سکیں کہ لوگو! خاتم النبیین وسیدالاولین وآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو۔ انہی کے متعلق میں نے تم سے پیش گوئی کی تھی اور انہی کی اتباع و پیروی اس وقت رضا الٰہی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ خود اہل ایمان کو بھی اس وقت بشارت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ وہ دجال کی کامیابیوں اور اس کی شدید فتنہ انگیزی کی وجہ سے، جن کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہوگا، بہت دل شکستہ ہوں گے۔ ایسی حالت میں مسیح علیہ السلام کی بشارت ان میں نئی روح پھونکے گی، ان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہوگا اور انھیں سکون قلب حاصل ہوگا۔ ادھر ان کا یہ فائدہ ہوگا، ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ایک فریضہ رسالت سے عہدہ برا ہوں گے۔ احادیث میں فتنہ دجال کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے، اس پر غور کرنے سے نزول مسیح علیہ السلام کا ایک دوسرا راز بھی کھلتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ ”دجال“ یہود میں سے ہوگا اور اس فساد عظیم کا سرچشمہ بھی اسی قوم میں ہوگا، جنھیں **الا انھم ھم المفسدون** (البقرہ) (خبردار ہو جاؤ کہ یہی لوگ مفسد ہیں) کی سند قرآن مجید نے دی ہے۔ ان کی فساد انگیزی اور فتنہ پردازی کا آخری اور مکمل ترین نشان دجال کا ظاہر ہونا ہوگا۔ یہود کو جو دشمنی وعداوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے، اس کے پیش نظر رب جلیل نے ان کے اس آخری فتنے کو حضرت عیسیٰؑ ہی کے دست مبارک سے خاک میں ملوانا مناسب سمجھا، تا کہ یہ ذلیل ومفسد قوم، یہود، حد درجہ ذلیل وخوار ہو۔

ایک تیسری حکمت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ یہود دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب (پھانسی) دے کر شہید کر دیا۔

قرآن مبین کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے، نہ انھیں سولی دے سکے، بلکہ انھیں شک وشبہ ہو گیا۔ (النساء: 157)

موجودہ عیسائیت بھی یہودیت کی ایک شاخ ہے، اس لیے وہ بھی صلیب مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیے جانے) کی تعلیم دیتی ہے۔ دنیا کے آخری دور میں قرآن مجید کی اس صداقت اور یہود و نصاریٰ کی اس غلطی و گمراہی کے اظہار و ثبوت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بہ نفس نفیس تشریف لانا، بہت ہی مناسب، پر از حکمت اور موجب ہدایت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، قرآن مجید کی تصدیق اور نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دلیل و نشانی کے طور پر ہوگی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ صلیب عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ، موجودہ عیسائیت کے عقائد کی ریڑھ کی ہڈی ہے، جو یہود کی عیاریوں کی وجہ سے عیسائیوں میں رائج ہو گیا۔ اسی پر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، جس نے اس قوم میں آخرت فراموشی، کا مرض پیدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا خود اس جھوٹے عقیدہ کو پھانسی دینے کے مترادف ہے۔ اس واضح دلیل، بلکہ مشاہدے کے بعد ان گمراہ لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا اور اسلام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنا ان کے لیے ضروری و لازم ہو جاتا ہے۔

* * *

میجر جنرل (ر) فضل احمد

شرار بولہبی سے چراغ مصطفوی ﷺ تک

سولہ سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مجھ گنہگار اور میری آل اولاد پر احسان عظیم فرمایا۔ ہمیں دھوکے، فریب اور کفر کے اندھیاروں سے نکال کر مشرف بہ اسلام فرما دیا۔ اس عنایت پر کتنا اور کس طرح شکر ادا کیا جا سکتا ہے! ریٹائرمنٹ کے بعد گذشتہ بارہ سال سے بیرون ملک خصوصاً افریقہ میں تحفظ ختم نبوت کے فرض سے وابستہ ہوں۔ اللہ کریم نے وہاں بڑے باوقار اور انتہائی وسیع روزگار و کاروبار کا بندوبست بھی فرما دیا ہے۔ اللہ جانتا ہے، اسی ایک نکتے نے مجھے کفر کے اندھیاروں سے اسلام کی نورانی بہاروں میں پہنچا دیا۔ یہ معروضات ان خواتین و حضرات کے لیے ہیں جو بدقسمتی سے ابھی تک جھوٹ و جعلسازی کے اس جال میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بھی مجھ جیسا کرم فرما دے، دین اسلام کی نعمتیں اور غلامی رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتیں ان کا مقدر بنا دے۔ آمین! بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

مسلمان ہونے کے لیے متعین و مقرر عقائد اور احکام و ہدایات کا قبول کرنا اور ان کو برحق ماننا ضروری اور لازمی ہے، اسی کے ساتھ بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی کسی چیز کا منکر نہ ہو، جو نا قابل شک، یقینی اور قطعی طریقہ سے اور مسلسل تواتر سے ثابت اور معلوم ہو اور امت کے عوام تک کو معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعلیم امت کو دی تھی۔ علماء اور فقہاء کی خاص اصطلاح میں ایسی چیزوں کو ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات کہ اللہ ہی وحدہ لاشریک اور معبود ہے اور یہ کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں اور قیامت وآخرت برحق ہے، قرآن پاک اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہدایت ہے، پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں، جن کے بارے میں ہر وہ شخص جس کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ بھی علم اور واقفیت ہے، یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں کی امت کو تعلیم دی تھی، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، تو مسلمان ہونے کے ناطے یہ ضروری ہے کہ ایسی کسی بات کا انکار نہ کرے، کیونکہ ایسی ایک بات کا انکار بھی، بلاشبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا انکار ہے، جس کے بعد اسلام سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن باتوں کی تعلیم و ہدایت ایسے یقینی اور قطعی طریقہ

سے مسلسل تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں اور جن کو امت کے عوام بخوبی جانتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبوت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہوگا۔ جس قطعی اور یقینی طریقہ سے اور جس درجہ کے تواتر کے ساتھ امت کو یہ معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی وحدانیت، اپنی رسالت، قیامت وآخرت اور قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے اور پانچ نمازوں کی فرضیت اور خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی تعلیم دی تھی، ویسے ہی قطعی اور یقینی طریقہ سے اور اسی درجہ کے تواتر کے ساتھ یہ معلوم اور ثابت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی بھی قسم کے نبی کے مبعوث نہ ہونے کی بات پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ بتلائی تھی اور اس طرح بتلائی تھی کہ اس سے زیادہ وضاحت وصراحت کا کوئی امکان نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت سے لے کر ہمارے دور تک، امت کا اس پر ایمان اور اتفاق ہے کہ جس طرح توحید ورسالت، قیامت، آخرت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا منکر، پنجگانہ نمازوں اور کعبہ کے قبلہ ہونے کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا اس کے دعوے اور دعوت کو قبول کر کے اس پر ایمان لانے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کے ساتھ مرتدوں والا معاملہ کیا جائے گا۔ امت کی پوری تاریخ میں عملاً بھی بھی ہوتا رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہؓ کرام نے نبوت کے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں بھی فیصلہ کیا، حالانکہ تاریخی روایات میں محفوظ ہے کہ وہ لوگ توحید اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائل تھے۔ ان کے ہاں اذان ہوتی تھی اور اذان میں ''اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ'' اور ''اشھد ان محمد رسول اللّٰہ'' بھی کہا جاتا تھا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ کی بنیاد صرف یہ نہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' فرمایا گیا ہے، بلکہ اس مسئلہ ختم نبوت اور خاتمہ سلسلہ رسالت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور جو اس لفظ ''خاتم النبیین'' کی تشریح کرتے ہیں اور پھر مسلسل تواتر اور امت کا اجماع اور اس پر کاربند رہنا...... ان سب چیزوں کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت وہی ہو گئی ہے جو عقیدہ توحید ورسالت، قیامت اور آخرت اور نماز پنجگانہ کی فرضیت کی ہے اور ایسے کسی بھی مسئلہ کا انکار خواہ کسی دلیل کے ساتھ ہو، دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ان عقائد ومسائل کا دلائل سے انکار کر کے بھی اگر کوئی فرد مسلمان کہلوانے کی ضد کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے بنیادی عقائد وتعلیمات اور ''ضروریات دین'' کی بھی کوئی متعین حیثیت نہیں ہے۔ جس کا جو جی چاہے، مطلب گھڑ لے!

* * *

حسن محمود عودہ

زنجیریں پگھلتی ہیں!!

میری پیدائش حیفہ (فلسطین) میں 1955ء میں قادیانی ماں باپ کے گھر ہوئی۔ بدقسمتی سے میرے آباؤ اجداد مرزا غلام احمد قادیانی کی حقیقت کے بارے میں کچھ جانے بغیر 1928ء میں قادیانیت کو قبول کر بیٹھے، جو کہ ہمارے ملک میں ہندوستانی مبلغین کے ذریعے سے پہنچی تھی۔ انھیں یہ بتایا گیا کہ یہ اسلام کی اصلاح کے لیے آسمانی دعوت ہے اور مرزا غلام احمد کی صورت میں مسیح موعود اور مہدی موعود ظاہر ہو گئے ہیں۔

میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ قادیانیت ہی صحیح اسلام اور قادیانی ہی سچے مسلمان ہیں اور دوسرے لوگ کافر، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ہم مرزائیت کے بارے میں صرف مرزائی علماء کی تحریرات پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ نظریہ پختہ ہو گیا کہ قادیانی ہونے کی حیثیت سے میں ہی برحق ہوں اور جو لوگ مرزا غلام احمد مسیح موعود، مہدی موعود پر ایمان نہیں لاتے، وہ باطل پر ہیں۔ میں نے مرزائیت کے بارے میں مرزائی لٹریچر ہی پڑھا تھا۔ مسلمانوں نے مرزائیت اور مرزا غلام احمد کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ میرے علم میں نہیں تھا۔

مرزائیت کے اندرونی ماحول اور مرزائیوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں بات لمبی ہو جائے گی۔ مجھے اس بارے میں وسیع تجربہ حاصل ہے۔ مختصراً یہی کہہ سکتا ہوں کہ مرزائی ایسے پُرگھٹن ماحول میں رہتے ہیں، جہاں کسی فرد پر دوسروں کے اخلاق و اطوار مخفی نہیں ہیں۔ میں اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہیں سمجھتا اور مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی قادیانی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ قادیانی جماعت نے کسی بھی جگہ پر ایک اچھی جماعت ہونے کی مثال پیش کی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرزائیت کے ماحول کا فساد، بہت سے مرزائیوں سے مخفی نہیں ہے۔

ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے میں سویڈن چلا گیا، جہاں خلیفہ ثالث مرزا ناصر سے 1978ء میں دو مرتبہ میری ملاقات ہوئی۔ اس وقت خلیفہ کے ساتھ ملاقات میرے لیے ایک اہم اور خاص واقعہ تھا۔ خلیفہ کے مقربین میں جگہ حاصل کرنے کے لیے میں نے سویڈن کو

خیر باد کہا اور قادیان چلا آیا جو کہ مرزائیت کا پہلا ہیڈ کوارٹر اور اس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی جائے پیدائش ہے۔

1979ء میں، میں نے قادیانی مبلغ بننے کے لیے قادیان میں تعلیم کا آغاز کیا۔ خلیفہ اور دوسرے ذمہ دار لوگ میرا خاص خیال رکھتے تھے، کیونکہ میں قیام پاکستان کے بعد پہلا اور مرزائیت کے آغاز کے بعد دوسرا یا تیسرا عرب طالب علم تھا، جو قادیان میں قادیانیت کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میں مرزا غلام احمد کی عربی تصنیفات کے مطالعہ کے علاوہ اس کی اردو تصانیف کو سمجھنے کے لیے اردو زبان بھی سیکھتا تھا۔

قادیان میں میرا قیام تقریباً سات ماہ رہا۔ چھ ماہ ''بیت الضیافۃ'' میں اور ایک ماہ غرفۃ الریاضۃ میں۔ یہ وہی کمرہ ہے جہاں مرزا قادیانی نے نصف برس تک مسلسل روزے رکھنے کے دوران اپنے خود ساختہ دعویٰ میں تمام انبیاء سے ملاقات کی۔

مجھے کہا گیا کہ مرزا کا گھر، جو ''شعائر اللہ'' میں سے ہے، اس میں قیام سے بڑی برکتیں ملیں گی۔ مرزا کا گھر ''بیت الذکر'' ''بیت الفکر'' ''بیت الدعا'' اور ''مسجد مبارک'' وغیرہ نام کے کمروں پر مشتمل ہے۔ بیت سے مراد ایک الگ کمرہ ہے۔ بیت الدعا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو مرزا نے دعاء کے لیے مخصوص کیا تھا۔ بیت الفکر ایک دوسرا کمرہ ہے جس کو اس نے فکر یعنی تالیف و تصنیف کے لیے خاص کیا تھا۔ ''بیت الذکر'' وہ ذکر کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ اس کا نام ''مسجد مبارک'' بھی ہے۔ اس کے دروازہ پر لکھا ہے۔ ''من دخله كان امنا'' اور کمرے کی اندرونی طرف دیوار پر لکھا ہے۔ (بشارة تلقاها النبيون) وہ بشارت جو نبیوں کو ملی۔ مسجد کے ساتھ ایک کمرہ ہے جس کا نام ایه الحجر الاحمر ہے، ایک اور کمرے کا نام ''حقیقت الوحی'' ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کمرے ہیں۔ قادیان میں اپنی تعلیم کی یہ مختصر مدت گزارنے کے بعد میں حیفہ واپس چلا گیا، تا کہ قادیانی مبلغین کی مدد کروں۔ پھر ایک سال کے بعد مجھے مرزائی لڑکی سے شادی کرنے اور دوسری مرتبہ سالانہ جلسہ میں، جو مرزا کی وصیت کے مطابق ہر سال منعقد ہوتا ہے، شرکت کرنے کے لیے دوبارہ قادیان جانا تھا۔ پھر حیفہ واپس آنے کے بعد 1984ء میں مجھے مرزائی خدام کا اور میری اہلیہ کو لجنۃ اماء اللہ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ 1985ء میں خلیفہ رابع مرزا طاہر نے مجھے مرزائی مبشر مقرر کیا اور لندن میں خلافت کے نئے مرکز میں بلا لیا۔ 1986ء کے شروع میں میرے لندن پہنچنے کے فوراً بعد خلیفہ نے پہلی دفعہ اپنی جماعت میں عربی سیکشن کی بنیاد رکھی اور مجھے اس کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ 1988ء میں خلیفہ نے مجھے اپنی تقاریر و خطبات کو عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے منتخب کیا اور عربی زبان میں ایک ماہنامہ مجلہ شائع کرنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔

ان ذمہ داریوں کے علاوہ میں تبلیغی اور تدریسی کاموں میں بھی مشغول رہا۔ مثلاً برطانیہ آنے والے مبلغین کو لیکچرز دینا، برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کو دعوت مرزائیت دینے کے لیے تبلیغی مجالس منعقد کرنا،

ان مجالس میں، میں نے مسلمان علماء اور طلبہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی کی سچائی کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا، جس سے میرے ذہن میں ایسے سوالات پیدا ہوئے، جن کی وجہ سے مجھے مرزا غلام احمد کی شخصیت و دعوت کے بارے میں اپنے مطالعہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ یہ میرے ترک مرزائیت کی اسباب میں سے ایک تھا۔

ایک، اور سبب، میرا شخصی تجربہ اور مرزائی نظم و ضبط کا مشاہدہ تھا۔ خلیفہ اور داعین پر مشتمل اس نظام کے مشاہدے سے مجھے یقین ہو گیا کہ مرزائیت حق سے بہت دور ایک گمراہ تحریک ہے۔ ادارے میں میرے عملی تجربہ کے اضافہ کے ساتھ ساتھ مرزائی عقائد اور نظام کے بارے میں میرے شکوک و شبہات بھی بڑھتے گئے۔

جون 1988ء میں مخالفین مرزائیت کے نام مرزا طاہر کی ''دعوت مباہلہ'' بھی قابل ذکر ہے۔ اس وقت سے میں منتظر تھا کہ مرزائیت کی حقانیت پر کوئی آسمانی نشانی اور معجزہ ظاہر ہوگا۔ حتیٰ کہ خلیفہ نے پہلی نشانی کے ظہور کا اعلان کیا۔ یعنی صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید کر دیے گئے۔ صدر پاکستان نے اگرچہ دعوت مباہلہ کو قبول کیا نہ اس پر کوئی توجہ دی، لیکن پھر بھی مرزائی (اپنے علم میں) ان کی شہادت کو آسمانی نشان سمجھتے تھے۔ جن مسلم علماء نے دعوت مباہلہ کو قبول کیا تھا اور انسانیت پر مرزائیت کی گمراہی کو آشکارا کیا تھا، وہ صحیح سالم زندگی بسر کر رہے تھے۔ مرزائیوں کے اس طرز عمل پر مجھے حیرت ہوئی اور اس حیرت میں اضافہ، تب ہوا جب خلیفہ طاہر نے اس ''آسمانی نشانی'' کے ظہور پر، خوشی کے اظہار کے طور پر، ''ٹل فورڈ'' میں، جہاں میں مقیم تھا، مرزائیوں میں تقسیم کرنے کے لیے مٹھائی بھیجی۔

اس وقت سے میں اس دعوت مباہلہ کے اصل مقصد کے بارے میں متلاشی ہوا کہ آیا، یہ حقیقت مباہلہ ہے یا محض ڈھونگ؟ خدا سے دعا مانگی کہ **اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه.**

میں دس جون کے اعلان مباہلہ اور اس کے وقت کے تعین کے پس پردہ اسباب پر غور کرتا رہا۔ مرزا طاہر احمد نے اعلان مباہلہ سے قریباً ایک سال قبل اعلان کیا تھا کہ اس نے پیرس میں ایک خواب دیکھی ہے، جس میں کہا گیا ہے **Friday the 10th** (دس تاریخ کو جمعہ کا دن) چنانچہ مرزائی 10 تاریخ والے ہر جمعہ کے دن کسی خاص اور اہم واقعہ کے رونما ہونے کے منتظر رہتے، تا آنکہ خلیفہ نے 10 جون 1988ء بروز جمعۃ المبارک اس انگریزی خواب کو پورا کرنے کے لیے دعوت مباہلہ دی۔ یہ میرے غور و فکر کا ایک پہلو تھا، دوسرے پہلو سے میں نے دنیا میں مرزائیت کے اندرون خانہ نظر ڈالی۔ 1989ء میں، جو مرزائیت کی تاسیس کی صدی پورا کرنے کا سال تھا، میں نے دیکھا کہ ادارہ اپنی سو سالہ کاوشوں کے نتائج کی پردہ پوشی کے لیے نئے اعلانات میں مشغول ہو رہا ہے، جس سے مجھے مرزائیت کے دھوکہ، گمراہی اور خلق خدا کے لیے

ضلالت ہونے میں شک بھی نہ رہا۔ خلیفہ اور ادارہ کی خاص کوشش یہی تھی کہ وہ ہر متعلق و غیر متعلق کے سامنے اپنی سو سالہ کامیابیوں کا اظہار کریں۔ اس صورت حال میں حقیقت کو سمجھ لینا مشکل نہ رہا اور پھر میں جماعت مرزائیہ کے اندرونی و بیرونی احوال سے بخوبی واقف بھی تھا۔ اب میں نے مرزائیت کو ایک نئے نقطہ نگاہ سے دیکھا۔ میں نے مرزا قادیانی کے قبل ازاں تسلیم شدہ دعاوی کو پرکھا اور اس کے بارے میں علماء اسلام کی تحریرات کا مطالعہ کیا، چنانچہ مجھ پر چند ایسے امور واضح ہوئے، جن سے میں پہلے واقف نہیں تھا یا یوں سمجھیں کہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ مرزائیت سے میرے ذہنی و قلبی بُعد کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا۔ جن اشکالات سے میرا واسطہ پڑا، ان میں سے چند یہ ہیں:۔

1- سچا مرزائی بننے کے لیے اپنی آمدنی کا 6.25 فیصد جماعت کو ادا کرنا لازمی ہے۔

2- مقبرہ الجنتہ میں جگہ حاصل کرنے کے لیے آمدنی کا کم از کم دس فیصد ادا کرنا ضروری ہے۔

3- مرزا کا ساٹھ سال سے متجاوز عمر میں ایک 17 سالہ نوجوان لڑکی سے نکاح پر اصرار کرنا اور یہ کہنا کہ ''یہ اللہ کا حکم اور ارادہ ہے'' اور پھر جب لڑکی نے اس کو ٹھکرا دیا اور نکاح نہ ہو سکا تو مرزائی یہ عذر کرنے لگے کہ اس پیشین گوئی کا نصف حصہ اس صورت میں پورا ہو گیا ہے۔

4- اس جماعت کی بنیاد پڑے ایک صدی گزر گئی، لیکن اس کا اندرونی ماحول فساد اور خرابی کی نذر ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ یہ جماعت جب اپنی اصلاح پر قادر نہیں ہے تو اہل عالم کی اصلاح کیسے کرے گی؟

5- 99 فیصد مرزائی اسلام سے مرتد ہوئے ہیں، مرزا اپنے دعوے مسیحیت و مہدیت کے باوصف، غیر مسلموں کو تو اسلام میں داخل نہ کر سکا، البتہ مسلمانوں میں سے ہی اپنی ملت تیار کر لی۔

یہ اشکالات ''مشتے نمونہ از خروارے'' کا مصداق ہیں، بہر حال میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ طیبہ کے ساتھ مرزا کی سیرت کا موازنہ کیا تو مجھے شب و روز کا فرق نظر آیا۔ میں نے ترک مرزائیت اور قبول اسلام کا عزم صمیم کر لیا۔ جون 1989ء میں، میں نے اپنے والدین اور اقرباء سے مل کر انھیں اپنے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی۔

17 جولائی 89ء کو میں نے اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ مرکز الاحمدیہ میں اپنے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے مکان میں سکونت اختیار کی۔ میں نے پہلا کام یہ کیا کہ قریبی مسجد میں 21 جولائی 89ء کے خطبہ جمعہ کے بعد مرزائیت سے برات اور قبول اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد میں چند دوستوں سے ملا اور انھیں مرزائیت کے بارے میں اپنے تجربات اور مطالعہ سے آگاہ کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری اہلیہ، بیٹے، بعض رشتہ دار اور دوست بھی مرزائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ سویڈن میں محترم احمد محمود رئیس قادیانی جماعت، حیفہ میں میرے بھائی صالح عودہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ اور مراکش اور الجزائر کے

دیگر حضرات نے بھی ترک مرزائیت کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ **فالحمد للہ رب العالمین اللھم زد و بارک**۔ مرزائی جماعت کے عقائد، مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ مکرمہ حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ ہجرت کر کے کشمیر چلے آئے تھے اور وہاں ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پا گئے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے اور یہ کہ ان کا مثیل ''مرزا غلام احمد'' ہے اور اس کا لقب بھی مسیح موعود ہے، تو اگرچہ سبب ترک مرزائیت نہیں بنے۔ البتہ عقائد مرزا کی حقیقت جاننے میں بے حد مددگار ثابت ہوئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قبول اسلام (ظاہراً) کسی سبب پر موقوف نہیں، بلکہ قانون خداوندی ہے۔ **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام**، البتہ کسی آدمی کے لیے انکشاف حقیقت کو آسان بنا دینا بھی ہدایت ہی ہے۔ مجھ پر اللہ کی یہ رحمت ہوئی کہ اس نے مرزا قادیانی کی حقیقت کے بارے میں علم کو میرے لیے آسان کر دیا۔ مرزا قادیانی جس کو میں ''نبی'' اور صاحب وحی رسول سمجھتا تھا، اس کی ہر بات میرے لیے حق تھی۔ جن کے انکار کی میرے لیے کوئی گنجائش نہ تھی، میں نے سرے سے اس کے ایسے دعاوی کی جانچ ہی نہ کی۔

مثلاً یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سری نگر کشمیر کے علاقہ میں مدفون ہیں یا یہ کہ اللہ نے اسے خطاب کیا ہے کہ ''**اسمع ولدی انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی**'' ایک مخلص قادیانی یا جس کی ذہنی تربیت مرزائی طریق کار کے مطابق ہوئی ہو، وہ مرزا غلام لعین کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں تو کم از کم اسے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمتر سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔ **والعیاذ باللہ**۔ مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''خطبہ الہامیہ'' میں لکھتا ہے:۔

''ہمارے نبی کی روحانیت الف خامس میں اپنی مجمل صفات کے ساتھ طلوع ہوئی۔ اس وقت اس کی ترقی کی انتہا نہ ہوئی تھی، پھر کامل ہوئی اور یہ روحانیت الف سادس کے آخر میں یعنی اس وقت ظاہر ہوئی ہے، تا کہ اپنے کمال ظہور کو پہنچے اور اپنے نور کے غلبہ سے ہمکنار ہو۔ پس میں ہی وہ نور مظہر اور نور معبود ہوں۔ ایمان لاؤ اور کافروں میں سے نہ ہو اور جان لو کہ ہمارے نبی جیسے الف خامس میں مبعوث ہوئے تھے، اسی طرح الف سادس کے آخر میں مسیح موعود کی صورت میں مبعوث ہوئے ہیں، بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ کی روحانیت الف سادس کے آخر یعنی ان ایام میں پہلے سالوں سے زیادہ قوی اور کامل ہے۔''

مرزا غلام احمد قادیانی نے جان لیا تھا کہ وہ اپنے زمانہ کے عام فقراء اور اہل ثروت سے کیسے پیسے بٹور سکتا ہے۔ ایک ایسے زمانے اور ملک میں جہاں جہالت کا دور دورہ تھا، اس نے اسلام اور رسول اسلام کی مدح کے نام پر پیسے بٹورنے شروع کیے، لیکن اس میدان میں وہ تنہا نہ تھا۔ اس نے اپنے لیے ایک خاص بلند مرتبہ پسند کر لیا اور بزعم خویش ایک عام داعی دین سے آہستہ آہستہ مجدد، مہدی، مسیح، آدمؑ اور مافوق کی طرف ترقی کرتا چلا گیا۔ اس کے خوش حال اور مخلص پیروکار اسے خادم اسلام سمجھتے ہوئے اس کا دفاع کرتے رہے۔ وہ اس کے دعویٰ مسیحیت، مہدویت، رسالت، آخر الزمان، مثل محمد اور بروز جمیع انبیاء

میں چھپے ہوئے زہر سے غافل اور جاہل ہیں۔ بالاختصار، مرزا نے دین اسلام کی مدح وتوصیف کے ذریعہ سے پیروکاروں پر اپنے دعاوی کے زہر قاتل کو اسلام کے لبادے میں چھپانے کی کوشش کی۔ وہ جانتا تھا کہ عام مسلمانوں کو لوٹنا بجز اس ذریعہ کے ممکن نہیں ہے۔

یہ مرزائیوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ مرزا کے اسلام کی مدح میں چند اشعار اور اس کی ’’مزعومہ وحی الٰہی (مثلاً "I Love You" ’’انت منی وانا منک انت من ماء نا انت منی بمنزلۃ عرشی و غیرھا‘‘ کے بدلے میں اس کی نبوت مسیحیت اور مہدویت پر ایقان کر بیٹھے، جب کہ بفضل اللہ، مسلمانوں کی اکثریت نے اس کے مذکورہ دعاوی کو قبول نہیں کیا ہے۔ بہت سے عیسائیوں نے بھی اسلام، رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کی مدح میں لکھا ہے، مگر مسلمانوں نے صرف حق کو قبول کیا اور ہمیشہ باطل کی تردید کی ہے۔

میں نے مرزائیت کو اس کے مخصوص منہج کی وجہ سے یا اس سبب سے ترک نہیں کیا ہے کہ اس جماعت میں عموماً گھٹیا قسم کے لوگ کام کرتے ہیں، بلکہ ان میں اچھے آدمی بھی ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ مرزا غلام احمد سے دھوکہ کھا گئے۔ ان مرزائیوں سے گذارش ہے کہ وہ مرزائیت اور مرزا کے بارے میں مسلمانوں کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور خدا سے ہدایت طلب کریں۔ **انہ ھو الھادی وھو السمیع المجیب.** مرزائی حضرات جان لیں کہ خلیفہ کے حکم کی اطاعت میں مسلمانوں کی ہر قسم کی تحریرات کو نظر انداز کرنے سے ان کے لیے حقیقت کو معلوم کرنا آسان نہیں ہوگا۔ مرزائی، تاحال اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ وہ صرف اپنے آپ کو برحق اور باقی سب کو، جن میں مرزا غلام احمد کے منکرین بھی ہیں، باطل پر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اسلام سے ہٹ کر اپنا ایک علیحدہ جماعتی تشخص بنایا ہے۔ جس کو احمدیت یا بقول بعض ’’اسلام صحیح‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق، مرزائی کا مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ، مرزائی عورت کا مسلمان سے نکاح معصیت اور مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا منکرات میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کے نزدیک جو مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کی اتباع نہیں کرتا، ’’غیر احمدی‘‘ یا دوسرے لفظوں میں کافر ہے۔ مرزا اور مرزائیت کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ہی متعدد اسلامی تحریکات نے مرزائیوں کے بارے میں ’’غیر مسلم‘‘ ہونے کے فتوے صادر کیے۔ مرزائیت کے مستقبل پر ان فتوؤں کا بڑا اثر پڑا ہے، کیونکہ عالم اسلام اور دنیا پر، مرزائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے، ان فتوؤں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی وجہ سے مرزائیت کی ترقی رک گئی ہے اور مرزائی دعوت وتبلیغ سے ہٹ کر اپنے مسلمان ہونے کے دفاع کی کوششوں میں لگ گئے ہیں۔ اگر وہ مرزا غلام احمد کو چھوڑ کر صرف اسلام پر راضی ہوتے، تو انھیں اس دفاع کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

میں مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں سوچتا تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان

جو کلمہ پڑھتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے احکام بجالاتے ہیں، آخر یہ سب لوگ قادیانیوں کے نزدیک کافر کیوں ہیں؟ مرزا قادیانی کی تصویر کا دوسرا رخ آج تک ہم سے چھپایا گیا تھا۔ خاندان مرزا اور قادیانی قیادت کے بارے میں تصورات اور عقیدت کی دنیا بہت حسین تھی، لیکن جب عملاً واسطہ پڑا اور قریب سے دیکھا تو عقیدت کا یہ محل لرزنے لگا۔ دل نے گواہی دی کہ جو لوگ دنیا بھر کی دینی اور روحانی قیادت کے دعویدار ہیں، ان کی اپنی زندگی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسرائیلی حکومت کے ساتھ قادیانی جماعت کے مرکز ''حیفہ'' کے بہت خوشگوار مراسم ہیں۔ اسرائیلی پولیس اور رضا کار فورس میں سینکڑوں قادیانی نوجوان کام کرتے ہیں۔ حیفہ کا قادیانی مرکز اسرائیلی حکومت کا وفادار ہے۔ تنظیم آزادی فلسطین کے ساتھ قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اسے دشمنوں اور مخالفوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ قادیانی مراکز اور عبادت گاہوں کی تعمیر میں اسرائیلی حکومت فنڈز بھی فراہم کرتی ہے اور ہر طرح کا تعاون بھی میسر آتا ہے۔

* * *

احمد ہاریادی

میں نے مرزائیت کیوں چھوڑی؟

میں کدیری شرقی جاوا انڈونیشیا میں 1952ء میں پیدا ہوا۔ پیدائشی مسلمان تھا، کدیری میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے شرقی جاوا کے مرکزی شہر سرابیا کا سفر کیا۔ 1971ء میں وہاں بشیر کن نامی ایک قادیانی سے ملاقات ہوئی جو اصلاً پاکستانی تھا مگر اب انڈونیشیا کا رہائشی ہے۔ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتب پڑھنے کے لیے دیں۔ دینی معلومات نہ ہونے اور دین کی طرف میلان کے باعث اس کی کتابوں کو ہی دین سمجھا اور کسی قدر متاثر ہونا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ قربت بڑھتی گئی تا آنکہ دسمبر 1973ء میں اس نے نہایت عیاری سے مجھ سے قادیانیت کی بیعت کا فارم پر کرایا اور میں نے بنڈونگ کے مربی میاں عبدالحیٔ، جو پاکستان سے مبعوث تھے، کے ہاتھ پر بیعت کی اور باقاعدہ قادیانی سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ میری تربیت شروع ہو گئی اور ایک ہفتہ بعد جکارتہ میں خدام الاحمدیہ کا معلوماتی مقابلہ ہوا جس میں ملک بھر کے قادیانی نوجوان شامل ہوئے۔ اس میں مجھے بھی بطورِ خاص شریک کیا گیا۔ میں اس مقابلہ میں اوّل آیا۔ مجھے بہت سارے انعامات سے نواز کر میری حوصلہ افزائی کی گئی۔ میری معلومات اور قادیانیت سے دلچسپی کے باعث قادیانی مبلغین اور مربیوں نے ربوہ پاکستان میں قادیانی مبلغ کے کورس کے لیے بھیجنے کی ترغیب دی اور کوشش کی، مگر انہی دنوں ربوہ اسٹیشن پر نشتر کالج ملتان کے مسلمان طلبہ پر ”ختم نبوت زندہ باد“ کے نعرہ کی پاداش میں قادیانیوں کی جانب سے تشدد کا واقعہ رونما ہوا اور 1974ء کی تحریک شروع ہو گئی۔ یوں میں پاکستان ”مربی کورس“ کے لیے نہ جا سکا۔ بہر حال میں نے اپنے شوق سے قادیانیت کی اچھی طرح معلومات حاصل کر لیں اور میں مقامی علماء کے پاس جا جا کر بحث ومناظرے کرنے لگا۔ ظاہر ہے ان علماء کو قادیانی دجل وفریب سے چنداں واقفیت نہ تھی اور میں قادیانی لٹریچر ازبر کر چکا تھا۔ اس لیے مجھ سے کوئی جیت نہ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ انڈونیشیا کے بہت بڑے عالم اور مفسر جناب علامہ حاجی عبدالمالک کریم اللہ المعروف حمکا سے میں جا الجھا اور انھیں بھی اپنے خیال میں لاجواب کر دیا۔

اگست 1975ء میں مجھے قادیانی اور ربوہ کا سفر کیے بغیر اطلاع دی گئی کہ تمھیں صومالیہ کے جزیرہ سوماترا کا مبلغ بنا دیا گیا ہے۔ میں مبلغ بن کر صومالیہ چلا گیا۔ 1975ء سے 1977ء تک میں وہاں کا

مبلغ اور مربی رہا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے صومالیہ سے جکارتہ کا مبلغ بنا دیا گیا۔ اسی اثناء میں مجھے مرزا بشیر الدین محمود کے ترجمہ قرآن کو عربی سے انڈونیشی زبان میں منتقل کرنے والی تحقیقی کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا گیا۔ میں جکارتہ میں ہی تھا کہ 1979ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر مجھے ربوہ پاکستان اور پھر قادیان بھیجا گیا، جہاں میں نے قادیان اور ربوہ میں بہشتی مقبرہ دیکھا اور میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اپنی عقیدت ومحبت کے آنسو بہائے اور خوب رویا۔ اس کے بعد میں جکارتہ آ گیا۔ تین سال وہاں مبعوث رہنے کے بعد مجھے مشرقی جاوا کے جزیرہ بالی میں مربی مقرر کیا گیا۔ وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ چھ ماہ تک وہاں رکھا گیا۔ یہ 1980ء کی بات ہے، اس کے بعد مجھے جزیرہ لمبو کا مربی بنایا گیا۔ یہ جزیرہ بالی کی شرقی جانب ہے، جس میں سو فیصد مسلمان آباد ہیں۔ اس جزیرہ میں میرا تقریباً 70 علماء سے تین مسائل میں مناظرہ ہوا یعنی:

1- حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام

2- کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے؟

3- کیا مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ مہدی ومسیح موعود میں سچا تھا یا نہیں؟

ان علماء کو میں نے مناظرہ کے بعد ایک خط کے ذریعہ دعوت مباہلہ دی۔ میرا وہ خط میرے اس رسالہ کے صفحہ 40 پر درج ہے، جس میں، میں نے قادیانیت قبول کرنے اور چھوڑنے کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ (میرا یہ رسالہ انڈونیشی زبان میں مطبوعہ موجود ہے)

بہر حال وہاں کے مقامی علماء اس فتنہ سے کما حقہ واقفیت نہ رکھنے کی بناء پر مباہلے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ایک سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ اسی اثناء میں حاجی عرفان نامی ایک عالم سے ملاقات ہوئی۔ ان سے مناظرہ ہوا اور پھر میں نے اس کو بھی دعوت مباہلہ دی اور کہا کہ مرزا غلام احمد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ اپنے دعویٰ میں سچا تھا یا جھوٹا؟ حاجی عرفان صاحب نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی سو فیصد جھوٹا، دجال، کذاب اور مرتد تھا۔ میں نے ان سے کہا، کیا آپ سو فیصد یہی اعتقاد رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں مجھے سو فیصد یقین ہے۔ اس پر میں نے کہا آپ اس پر حلف اٹھائیں اور ٹھیک یہی مطالبہ حاجی صاحب نے مجھ سے کر دیا چونکہ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعوؤں میں سچا ہے، اس لیے میں نے حلف اٹھایا اور کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے تمام دعوؤں میں سچا تھا۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر تین مہینے کے اندر اندر ایسا عذاب نازل کرے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اس پر حاجی عرفان صاحب نے یہ قسم اٹھائی کہ اگر میں اپنے اعتقاد میں جھوٹا ہوں تو تین مہینے کے اندر اندر مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہو جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ اسی کے ساتھ میں نے حاجی عرفان کا ہاتھ پکڑ کر کہا اگر تین مہینے کے اندر اندر تجھ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ ہوا تو آپ میری گردن کاٹ سکتے

ہیں۔ اس پر میرے اور ان کے حلف کی تحریر تیار کی گئی اور دونوں کے دستخط لیے گئے اور اس مباہلہ کی تقریباً چار ہزار فوٹو اسٹیٹ تیار کی گئی۔ یہ چودہ جولائی 1983ء کا قصہ ہے۔

اس کے ایک دن بعد یعنی 15 جولائی 1983ء کو میں نے مرزا طاہر احمد کو خط لکھا اور اس میں، میں نے حاجی عرفان سے اپنے مباہلہ کی روئیداد لکھی اور مباہلہ پر مبنی تحریر کا فوٹو بھی اپنے خط میں بھیج دیا۔ اس پر مرزا طاہر احمد نے جواب دیا کہ:

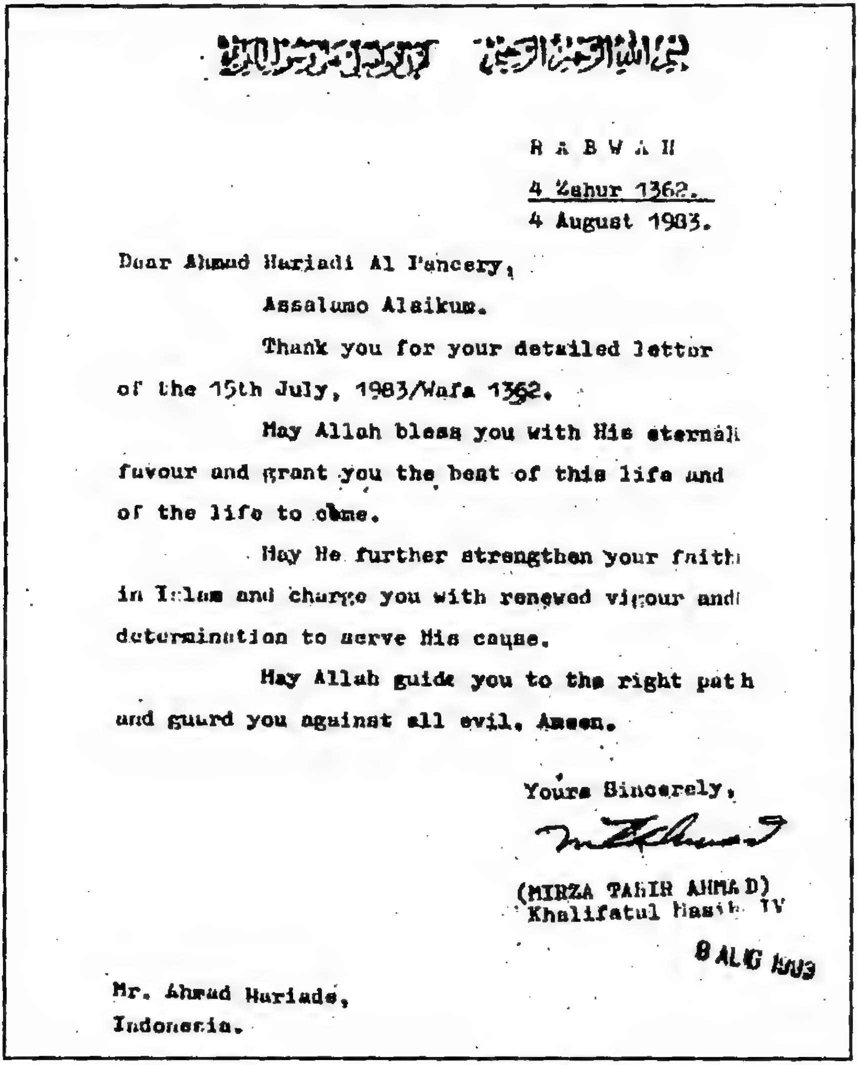

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

RABWAH
4 Zahur 1362.
4 August 1983.

Dear Ahmad Hariadi Al Pancery,

Assalamo Alaikum.

Thank you for your detailed letter of the 15th July, 1983/Wafa 1362.

May Allah bless you with His eternal favour and grant you the best of this life and of the life to come.

May He further strengthen your faith in Islam and charge you with renewed vigour and determination to serve His cause.

May Allah guide you to the right path and guard you against all evil. Ameen.

Yours Sincerely,

(MIRZA TAHIR AHMAD)
Khalifatul Masih IV

8 AUG 1983

Mr. Ahmad Hariade,
Indonesia.

"اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام پر مضبوطی عطا فرمائے۔ صراط مستقیم عطا فرمائے اور برائیوں سے بچائے۔"

اس سے میرا اعتقاد و عقیدہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا کہ خلیفہ صاحب نے میرے لیے دعا فرمائی ہے، میں ضرور کامیاب ہوں گا اور میرا دشمن تین ماہ کے اندر اندر ہلاک ہو گا۔ میں نے اس خط کے بعد اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا مانگی کہ یا اللہ، حاجی عرفان عذاب میں مبتلا ہو جائے اور میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے معتقدین سے کہا کہ تم اس مباہلہ کی کامیابی کے لیے صدقہ کے بکرے ذبح کرو۔ چنانچہ اس قادیانی مرکز، جس میں، میں رہتا تھا، 17 بکرے ذبح کیے گئے اور رو، رو کر دعا الگ کی گئی۔ میں رات کو تہجد میں خوب دعا کرتا اور یہ بھی کہتا اے مقلب القلوب! حاجی عرفان کا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف دل پھیر دے ورنہ اسے عذاب میں مبتلا کر دے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے چونکہ اس وقت مرزائی تعلیمات کا مجھ پر خوب خوب اثر تھا۔ اس لیے اپنی ہدایت کے بجائے مخالف کی ہلاکت کی دعا مانگتا رہا چونکہ میرے اور حاجی عرفان کے مباہلہ پر مشتمل چار ہزار فوٹو اسٹیٹ ملک بھر میں پھیل چکی تھیں اور اس حق و باطل کے معرکہ کی خبریں خوب گرم تھیں کہ تین ماہ تک حاجی عرفان ہلاک نہ ہوا تو وہ میری گردن کاٹ سکے گا۔ اس لیے تین ماہ گزرنے سے ایک ہفتہ قبل پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور پولیس اسٹیشن لے جا کر مجھے وہ تحریر دکھائی، جس میں، میں نے لکھا تھا کہ اگر میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں تو میری گردن کاٹ دی جائے اور کہا، کیا یہ تیری تحریر ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ اسی طرح حاجی عرفان سے کہا کہ اگر احمد ہاریادی غائب ہو گیا، یا اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے؟

تین ماہ پورے ہو گئے تو میں نے ایک ایسے قادیانی سے جو حاجی عرفان کا پڑوسی تھا، پوچھا کہ حاجی عرفان کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے ابھی ابھی اسے دیکھا ہے، وہ اپنے گھر کے سامنے اپنے شاگردوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس پر میرے دل میں خیال آیا کہ ایسے کیوں ہوا؟ میں غلطی پر ہوں یا مرزا غلام احمد قادیانی کی وحی غلط تھی کیونکہ مرزا صاحب کا الہام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "میں اس کو ذلیل کروں گا، جو تیری اہانت کرے گا" اس وعدہ الٰہی کے باوجود مرزا صاحب کے اس دشمن کو اللہ تعالیٰ نے آخر کیوں ہلاک نہیں کیا؟ چنانچہ رفتہ رفتہ میرے دل میں قادیانیت کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور آہستہ آہستہ میرے دل سے قادیانیت نکلنے لگی۔ پہلے اس کی حقانیت پر سو فیصد یقین تھا، تو اب اسی فیصد پھر پچاس فیصد تک رہ گیا۔ جب میرے مغلوب ہونے کی اطلاع قادیانی مرکز کو ہوئی تو مرکز کی جانب سے مجھے کہا گیا کہ تم جزیرہ لمبو سے جزیرہ مالی کی طرف چلے جاؤ مگر میں نے قادیانی مرکز کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور میں نے جزیرہ لمبو کو نہیں چھوڑا اور میں حاجی عرفان صاحب کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ نہ آئے۔ یہاں تک کہ مباہلہ کی تاریخ سے دو ہفتے اوپر ہو گئے تو حاجی

عرفان اپنے سینکڑوں ساتھیوں کے ہمراہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا اور آپ کا مباہلہ ہوا تھا۔ مدت مقررہ تین ماہ گزر گئے اور مجھ پر اللہ کا عذاب نازل نہیں ہوا۔ آپ نے کہا تھا اگر تین ماہ کے اندر اندر مجھ پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہوا تو میں آپ کی گردن کاٹ دوں۔ لہٰذا اپنی گردن لایئے تا کہ میں اسے کاٹ کر یہ اعلان کر سکوں کہ آپ جھوٹے ثابت ہوئے اور مرزا غلام احمد کذاب، دجال اور مرتد تھا۔ اس پر میں نے آگے سے جوابی تقریر شروع کر دی۔ حاجی عرفان نے کہا میں تمہاری تقریر سننے نہیں آیا۔ حسب معاہدہ گردن لایئے تا کہ میں اسے کاٹ کر اعلان حق کر سکوں۔ بہرحال حسب معاہدہ میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ قریب تھا کہ حاجی عرفان صاحب میری گردن کاٹ دیتے، مگر انھوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے پُر امید ہوں کہ تجھے ہدایت نصیب ہو جائے۔ اس لیے میں تیری گردن نہیں کاٹتا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا اگر تم اس کی گردن نہیں کاٹتے تو ہم اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔ حاجی عرفان نے ان کو بھی منع کر دیا۔ اسی اثناء میں فریقین کے تحفظ کے لیے پولیس آ گئی۔ مجھے اور حاجی عرفان کو گرفتار کر کے لے گئی۔

اس سانحہ کے بعد میرے دل میں شکوک وشبہات نے کثرت سے جنم لینا شروع کر دیا کہ ایک طرف تو مرزا غلام احمد ''کشتی نوح'' میں لکھتا ہے کہ ''میری روح ہر اس قادیانی کی مدد کو آئے گی، جو مخلص ہو گا'' اور یہاں باوجود اخلاص کے، میں بری طرح شکست کھا چکا ہوں۔ مگر مرزا صاحب کی روح نے آ کر میری مدد نہیں کی۔ اس ذہنی کشمکش کے طوفان بلاخیز کے سامنے میں مجبور ہو گیا اور قادیانیت کی صداقت کی فلک بوس عمارت مجھے زمین بوس ہوتی نظر آئی۔ میں تین دن کے بعد مجبوراً جزیرہ لمبھو سے جزیرہ مالی چلا گیا۔ اب میں قادیانیت کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر حالات اور معاملات سے اس قدر مجبور تھا کہ چاروں طرف سے مجھے مشکلات نظر آتی تھیں کہ کہاں سے کھاؤں گا؟ گھر کہاں سے لاؤں گا، بچوں کا کیا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ گویا میں ہر طرف سے قادیانی حصار میں جکڑا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں مجھے جزیرہ مالی سے جاوا شرقیہ کے شہر مادیون کے مربی بن جانے کے احکامات موصول ہوئے اور میں بادل نخواستہ وہاں چلا گیا۔ اب مجھ میں وہ جذبہ نہیں تھا جو اس سے قبل تبلیغ قادیانیت کے سلسلہ میں اپنے اندر پاتا تھا۔ جبراً وقہراً اور اپنی مجبوری کی وجہ سے میں بہرحال ان کے ساتھ چل دیا۔ مگر دل کی خلش اور قلق کے باعث میں اس جستجو میں تھا کہ کوئی ملازمت مل جائے تو میں اس منحوس جماعت کو چھوڑ کر ترک قادیانیت کا اعلان کر سکوں۔ اس سلسلہ میں، میں نے پانچ بار برونائی کا سفر کیا۔ قادیانی مرکز کی جانب سے مجھے بار بار روکا گیا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر آپ ملک سے باہر نہیں جا سکتے۔ میں نے ان کی ایک نہ سنی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے مجھے مالیزیا میں ملازمت مل گئی اور میں ''مؤسسہ الارقم بالدعوۃ'' یعنی اسلامی فاؤنڈیشن میں صرف ونحو کا استاد مقرر ہو گیا۔ اس وقت میں نے وہاں کے اخبار الوطن اور ہفتہ وار جریدہ اسلامیہ اور روزنامہ سینگاپور کے صحافیوں کے سامنے قادیانیت سے برات کا اعلان کر دیا۔ یہ تین سے گیارہ اپریل 1986ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد

قادیانیوں کی جانب سے ہر طرح کا رابطہ ختم ہو گیا اور میں نے اپنے قادیانیت سے نکلنے کی وجوہات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟'' اس میں، میں نے واضح کیا کہ دس سال تک قادیانی مبلغ ہونے کے باوجود میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟ میں نے اس کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا:

1- قادیانیت سے قبل کے حالات
2- قادیانیت میں داخل ہونے کے بعد کے حالات
3- قادیانیت سے نکلنے کے اسباب و وجوہات

یہ کتاب انڈونیشی زبان میں 76 صفحات پر مشتمل مطبوعہ موجود ہے۔ اس میں، میں نے مرزا طاہر احمد کو دعوت مباہلہ بھی دی ہے۔

دو سال تک، میں ملائیشیا میں رہا۔ اسی اثناء میں میری یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس کے تمام تر مصارف رابطہ عالم اسلامی انڈونیشیا نے برداشت کیے۔ اسی بناء پر رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل جناب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے رابطہ عالم اسلامی انڈونیشیا کو لکھا کہ اس شخص سے ہر طرح کا تعاون کیا جائے اور اس کے تمام مصارف رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے پورے کیے جائیں۔ میں واپس انڈونیشیا آ گیا اور مجھے رابطہ کی جانب سے مبلغ نامزد کر دیا گیا۔ تب میری اور مرزا طاہر احمد کی خط و کتابت شروع ہو گئی اور میں نے مرزا طاہر احمد کو دوبارہ مباہلہ کا چیلنج دے دیا:

مرزا طاہر احمد کو مباہلہ کے چیلنج کا خط

جناب مرزا طاہر احمد صاحب خلیفہ رابع مسیح کذاب، حال ساکن لندن

1- اس بناء پر کہ میں نے اپنی کتاب ''میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟'' میں آپ کو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔

2- آپ نے 4 اور 10 جولائی 1988ء کے خطبات جمعہ مسجد الفضل لندن میں اس کا تذکرہ کیا تھا کہ میں، عالم اسلام کے علماء اور خصوصاً علماء پاکستان سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ آپ نے علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اور اسی مناسبت سے آپ نے مباہلہ کی ایک تحریر علماء اسلام خصوصاً علماء پاکستان کے نام بھیجی تھی۔ اسی طرح اس کی ایک کاپی آپ نے مجھے (احمد ہاریادی) کو بھی بھیجی تھی کہ میں اس پر دستخط کر کے آپ کے ساتھ مباہلہ کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جاؤں۔

3- مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب ''انجام آتھم'' ص 65-66 میں لکھتا ہے کہ مباہلہ پر طرفین کی جانب سے دستخط ہو جانے کے بعد ایک سال کے اندر اندر جھوٹے پر اللہ کی لعنت کا ظہور ہو جاتا ہے۔

4- مرزا غلام احمد قادیانی اکثر و بیشتر اپنے مخالفین کو مباہلہ کا چیلنج دیا کرتا تھا۔

ان چار نکات کی بنیاد پر، میں آپ کے پاس مباہلہ کی تحریر کی ایک مختصر کاپی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس پر فوراً دستخط کر دیں تا کہ اسے اخبارات و رسائل میں شائع کیا جائے تا کہ پوری دنیا پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ میں تمہیں اس تحریر پر فوراً دستخط کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اگر آپ نے دستخط نہ کیے تو آپ قسم میں حانث ہو جائیں گے۔ آپ دستخط کر کے مردانگی دکھائیے۔ ہیجڑوں کا کردار ادا نہ کیجئے۔

جب آپ مباہلہ کی تحریر پر دستخط کر لیں تو اس کا فوٹو فوراً مجھے بھیج دیں تا کہ اسے شائع کیا جا سکے۔

اگر آپ مباہلہ کے سلسلہ میں جکارتہ آنا چاہیں تو آپ کے آنے جانے کا ٹکٹ میرے ذمہ ہوگا۔ اگر اس مقصد کے لیے ہمیں اپنے مستقر لندن میں بلانا چاہیں تو ہم اپنے ٹکٹ پر وہاں حاضر ہونے کو بھی تیار ہیں۔

سنئے! میں آپ کے جواب کی انتظار میں رہوں گا۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اپنی قسم سے منحرف نہیں ہوں گے۔

احمد ہاریادی سابق قادیانی مبلغ انڈونیشیا
17 محرم 1408ھ مطابق 20 اگست 1988ء

مرزا طاہر کو مباہلہ کا چیلنج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”میں احمد ہاریادی دس سالہ سابق قادیانی مبلغ، اس خط مباہلہ کے ذریعہ اعلان کرتا ہوں اور قسم اٹھاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعت احمدیہ اپنے دعویٰ نبوت و رسالت میں جھوٹا، مفتری اور کذاب و دجال تھا اور وہ اپنے الہامات میں (جن کے بارے میں وحی کا دعویدار ہے) بھی جھوٹا اور مفتری تھا۔ یہ سب اس کے اپنے ذاتی خیالات و اوہام تھے۔ اگر میں اپنے حلف مباہلہ میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“

احمد ہاریادی، انڈونیشیا
20 اگست 1988ء مطابق 17 محرم 1409ھ

میں نے دعوت مباہلہ اور اپنے خط کے ساتھ مرزا طاہر احمد کو ایک تحریر بھیجی کہ اگر آپ مجھ سے مباہلہ کے لیے تیار ہیں تو تحریر پر دستخط کر دیں:۔

”میں طاہر احمد مسیح کا چوتھا خلیفہ اور عالمی جماعت احمدیہ کا سربراہ احمد ہاریادی کے اس خط کے جواب میں قسم کھاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعت احمدیہ، جس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا، اپنے دعویٰ میں سچا تھا اور اس نے جو کچھ بیان کیا، وہ اللہ کی جانب سے سچی وحی تھی۔ وہ اس کے ذاتی خیالات و اوہام نہیں تھے، اس لیے میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک احمد ہاریادی پر عنقریب اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مار پڑے گی اور وہ اس مباہلہ نامہ پر دستخط کرنے کے بعد ایک سال کے اندر اندر ذلیل و رسوا ہو کر

مرجائے گا اور اگر اس پر ایک سال کے اندر اندر مصیبت (عذاب) نازل نہ ہوئی تو میں اور پوری دنیا کے تمام احمدی، قادیانی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ پھر ہم سب دین اسلام میں (جو کہ حق ہے) شامل ہو جائیں گے۔"
طاہر احمد، خلیفہ مسیح رابع

اس کے جواب میں مرزا طاہر کی طرف سے ربوہ کے وکیل تبشیر منصور احمد نے انڈونیشیا کے قادیانی امیر کو لکھا:

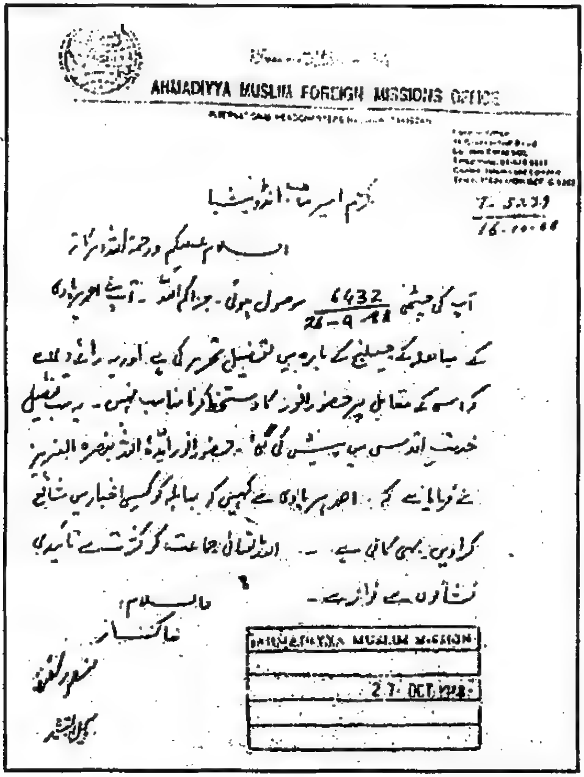

AHMADIYYA MUSLIM FOREIGN MISSIONS OFFICE

T-5339
16-10-88

مکرم امیر صاحب انڈونیشیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی چٹھی 6432/26-9-88 موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ۔ آپ نے احمد ہاریادہ کے مباہلہ کے چیلنج کے بارہ میں تفصیل تحریر کی ہے اور یہ رائے دی ہے کہ اس کے مقابل پر حضور انور کا دستخط کرنا مناسب نہیں۔ یہ سب تفصیل خدمت اقدس میں پیش کی گئی۔ حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ احمد ہاریادہ سے کہیں کہ مباہلہ کو کسی اخبار میں شائع کرا دیں یہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو کثرت سے تائیدی نشانوں سے نوازے۔

والسلام
خاکسار
منصور احمد
وکیل التبشیر

AHMADIYYA MUSLIM MISSION
27 OCT 1988

دوسری طرف مرزا طاہر نے انڈونیشیا کی تمام قادیانی جماعتوں کو لکھا کہ ہر نماز کے بعد احمد ہاریادی کی ہلاکت کی دعا کریں اور ہر مرکز ایک ایک بکرا ذبح کرے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کئی سو بکرے ذبح کیے گئے۔

اس کے بعد میں نے انڈونیشیا کے قادیانی مراکز کو تقریباً ایک سو خطوط لکھے کہ مرزا طاہر احمد کو، میں نے مباہلہ کا چیلنج دیا ہے مگر وہ میرے مقابلہ پر نہیں آتا۔ مرزائیوں نے مرزا طاہر احمد کو لکھا کہ اگر آپ سچے ہیں اور احمد ہاریادی جھوٹا ہے اور وہ مباہلہ کا چیلنج بھی آپ کو دے چکا ہے تو اس پر اللہ کا عذاب کیوں

نازل نہیں ہوتا اور وہ ہلاک کیوں نہیں ہوتا؟ اس پر مرزا طاہر احمد اور قادیانی مربی انھیں جواب دیتے رہے کہ عنقریب احمد ہاریادی پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

لیکن جب انڈونیشی قادیانیوں کی جانب سے میرے اور حاجی عرفان کے مباہلہ کے نتیجے میں میری شکست اور میرے قادیانیت سے تائب ہونے اور حاجی عرفان کی فتح کے سلسلہ میں مرزا طاہر پر دباؤ بڑھا تو مرزا طاہر نے نہایت غصہ میں انڈونیشیا کے قادیانیوں کے نام اردو زبان میں پندرہ صفحات پر مشتمل ایک خط بھیجا اور لکھا کہ لازم ہے کہ یہ احمدیوں کو پڑھ کر سنایا جائے کہ میں احمد ہاریادی کے مباہلے سے بری ہوں۔ میرا اور احمد ہاریادی کا مباہلہ نہیں ہوا بلکہ یہ ملعون انڈونیشی احمدیوں کا فعل ہے۔ یہ انھوں نے مباہلہ کیا تھا۔ لہٰذا میں اس سے بری ہوں۔

میری مباہلہ والی کتاب شائع ہوئی تو میں نے قادیانی مراکز میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ نسخے بھیجے تاکہ ان کو حقیقت معلوم ہو سکے۔ اس کتاب میں، میں نے واضح کیا میرا حاجی عرفان سے مباہلہ ہوا۔ میں نے شکست کھائی، اس لیے قادیانی مذہب جھوٹا ہے پھر میں نے مرزا طاہر کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر وہ آج تک میرے مقابلہ میں نہیں آیا۔

خلاصہ یہ کہ پوری مرزائی امت نے میرے خلاف بددعائیں کیں، کئی سو بکرے ذبح کیے گئے کہ کسی طرح ہمارے گلے کا کانٹا احمد ہاریادی مر جائے اور ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں لیکن آج تک میں الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ ہاں البتہ میرے اس مباہلہ کے بعد مرزا طاہر احمد کی بیوی اور قادیانی مراکز انڈونیشیا کے امیر محمود احمد چیمہ کی بیوی مرگئی۔

یہ میری صداقت اور مرزا طاہر کے جھوٹے ہونے کی واضح دلیل ہے۔ بہرحال میں اس کے بعد برمنگھم میں بارہویں عالمی ختم نبوت کانفرنس 1997ء میں بھی مرزا طاہر احمد کو رو در رو مناقشہ، مناظرہ اور مباہلہ کا چیلنج دے چکا ہوں۔ اب میں اس تحریر کے ذریعہ پھر مرزا طاہر احمد کو چیلنج دیتا ہوں۔ اگر وہ یہاں انڈونیشیا میں آنا چاہیں تو اس کے سفر کے تمام مصارف ہمارے ذمہ ہوں گے۔ بڑے شوق سے آئے اور اگر وہ یہاں آنا پسند نہ کریں تو ہمیں جہاں فرمادیں، اپنے اخراجات پر آنے کو تیار ہیں۔

فان لم تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة.

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا.

میں ایک بار پھر موجودہ قادیانی خلیفہ کو مباہلہ کا چیلنج دیتا ہوں اور انھیں دعوت دیتا ہوں کہ چند روزہ عیش کی خاطر اپنی آخرت برباد نہ کریں بلکہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہوکر اپنے آپ کو جہنم کی آگ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه اجمعین.

* * *

ڈاکٹر عبداللہ خان اخترؒ

قبول اسلام کی ایمان پرور سرگزشت

جناب عبداللہ خاں اختر جتوئی بلوچ ضلع مظفر گڑھ کے قصبہ جتوئی میں زیر تعلیم تھے کہ ایک قادیانی ٹیچر نے قادیان بھیج دیا۔ تعلیم حاصل کر کے باہر کے ملکوں میں قادیانیت کے مبلغ بن کر گئے۔ پاکستان میں بھی قادیانیت کے منادر رہے۔ 1953ء میں مرزا محمود نے عدالتی تحقیقات میں پیش ہو کر جو بیان دیا، وہ بیان، قادیانی تعلیمات سے انحراف تھا۔ عبداللہ اختر سمجھ گئے کہ قادیانیت فراڈ ہے۔ نئے سرے سے قادیانیت کا مطالعہ کیا اور مسلمان ہو گئے۔ مسئلہ ختم نبوت اور مرزائیت، حیات عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا قادیانی کا انکار و اقرار، مرزا کی خطرناک بیماریاں، مرزا اور غیر محرم عورتیں، مرزائیت سے توبہ کے اسباب، مرزا کے شیطانی الہام و شیطانی تحریریں وغیرہ متعدد کتابچے تحریر کیے۔ کچھ عرصہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ بھی رہے۔ قصبہ جتوئی میں انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

سب سے پہلے میں اس وحدہ لاشریک خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی بے حد حمد اور تعریف کرتا ہوں کہ جس نے مجھے 22 سال تک مرزائیت جیسی گمراہ کن اور اسلام دشمن تحریک میں رہنے کے بعد سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق بخشی۔ گویا کہ میں معصیت اور گنہگاری کے سمندر کی لہروں میں تھپیڑے کھا رہا تھا جبکہ اس کے دست رحمت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کنارے پر لا کھڑا کیا۔ پھر میں اس پاک ذات پر لاکھوں درود اور سلام بھیجتا ہوں جو کہ تمام دنیا اور مافیہا بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے، جن کی ذات بابرکات کے طفیل تمام جہان آباد کیے گئے اور وہ تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں اور خداوند تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں، جن کا دیا ہوا ضابطہ حیات، قیامت تک کے لیے اور اس کے بعد بھی تمام جن وانس کی ہدایت ونجات کا موجب ہے، جن کے نام کا ہلالی جھنڈا قیامت تک لہراتا رہے گا، جن کے بعد کسی اور نبی، رسول اور پیشوا کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جن کی پاک زندگی کا ایک ایک لمحہ ہر ذی شعور انسان کو درس ہدایت دے رہا ہے۔ الحمدللہ میں نے ان کے پاک دامن کو پھر سے پکڑ لیا ہے۔

اے میرے پیارے خدا تو رحیم و کریم ہے تو مجھ پر احسان فرما اور میری 22 سالہ ان سرگرمیوں کو معاف فرما دے جو میں نے تائید مرزائیت میں صرف کی ہیں۔ میں تیرے دربار میں کھڑا ہو کر سچے دل سے

پھر توبہ کرتا ہوں کہ تو میری توبہ کو قبول فرما اور اے میرے پیارے محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے پھر سے اپنے دامن رحمت میں جگہ دیں اور اے میرے پیارے مسلمان بھائیو! میں آپ سب سے بھی معافی چاہتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری توبہ کی قبولیت کے لیے دعا کریں، تاکہ میرے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں اور آئندہ تائید اسلام میں ہی میری تمام زندگی صرف ہو اور قیامت کے دن ان لوگوں میں شامل ہو کر اٹھوں، جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ آمین۔

میں اپنا مختصر سا تعارف کرانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ میں جتوئی ضلع مظفر گڑھ کا رہنے والا ہوں اور جتوئی بلوچ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ جب میں مقامی سکول کی آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا، تو میرا انگلش ٹیچر قاضی ظہور اللہ صاحب، کسی غلط فہمی کی بناء پر مرزائی ہو گیا اور جلسہ پر قادیان بھی گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے مرزائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ کرنا، خدا کا ایسا ہوا کہ میں مڈل کا فائنل امتحان دے کر مارچ 1931ء میں بذریعہ چودھری محمد عبداللہ خان صاحب، برادر حقیقی سر ظفر اللہ خان صاحب، قادیان چلا گیا اور ظاہری حالات دیکھ کر میں نے بیعت کر لی۔ مگر میرے رہبر اس ٹیچر صاحب نے مرزائیت سے توبہ کر لی۔ تکمیل تعلیم کی غرض سے میں "مدرسہ احمدیہ" میں داخل ہو گیا اور ساتویں جماعت تک تعلیم پائی، جس میں دنیاوی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم بھی حاصل کی۔ ترجمۃ القرآن، تفسیر، ادب، صرف ونحو کے علاوہ احادیث اور فقہ کی کتب بھی ختم کیں۔ اسی دوران، مطالبہ تحریک جدید کے جواب میں، میں نے بھی غیر ممالک میں جا کر تبلیغ کرنے کے لیے اپنا نام پیش کر دیا۔ چنانچہ مشرقی ممالک میں جانے والے مبلغین کے گروپ میں مجھے سنگاپور اور ملایا، میں برائے تبلیغ بھیج دیا گیا۔ ساڑھے تین سال تک تبلیغ کرنے کے بعد واپس قادیان آیا اور تھوڑا عرصہ بعد ایک معزز خاندان میں میری شادی ہو گئی اور مختلف اداروں میں کام کرتا رہا۔ پاکستان بن جانے پر میں نے مظفر گڑھ میں آباد ہو کر پاکستان میڈیکل ہال کھولا اور پھر جتوئی چلا آیا۔ اتنے میں ربوہ بھی مرکز بن چکا تھا اور اپنے بال بچے لے کر وہاں چلا گیا اور پھر بطور مبلغ کام کرنے لگا۔ ضلع سرگودھا میں جگہ جگہ جلسے کرائے، مناظرے کیے اور خوب زور وشور سے مرزائیت کا پرچار کرتا رہا۔ اتنے میں تحریک ختم نبوت 1953ء شروع ہو گئی۔ تحریک کے ایام میں بھی، میں نے تائید مرزائیت میں بہت نمایاں کام کیا، مگر میرے دل میں ایک خلش سی ضرور پیدا ہوئی اور دماغ، نظر ثانی کرنے کی طرف مائل ہوا۔ چنانچہ میں نے خالی الذہن ہو کر لٹریچر کا دوبارہ مطالعہ شروع کر دیا۔ تحریک کے بعد مارشل لاء بھی ہٹ گیا تھا کہ میں نے رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں کوٹ مومن کی جامع مسجد میں ترک مرزائیت کا اعلان کر دیا۔ پھر 22 سال بعد چار بچے اور ایک بیوی لے کر اپنے وطن میں واپس آ گیا ہوں۔

قادیانیوں ہی کی مصدقہ کتب سے میں انشاء اللہ ثابت کروں گا کہ سکھوں اور انگریزوں سے مل

کر، پنجاب میں، مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ اور اس کے چچا غلام محی الدین اور اس کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر، کس طرح نہتے مسلمانوں پر وار کرتے رہے اور ان کے مال، جان اور عزت کو کس طرح برباد کرتے رہے اور سکھوں اور انگریزوں کی فوج میں داخل ہو کر کس طرح ہزاروں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارتے رہے۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے آخری شہید حضرت شاہ اسمٰعیلؒ شہید، جنھوں نے سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا، ان کو بھی، انھیں کے ہاتھوں جام شہادت پینا پڑا اور ضلع ہزارہ میں اب تک ان کے خون کا قطرہ قطرہ یہ گواہی دے رہا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی کتاب ''سیرۃ مسیح موعودؑ'' میں تاریخی طور پر فخر کے ساتھ مندرجہ ذیل واقعات درج کرتے ہیں:۔

> ''آخر اپنی تمام جاگیر کھو کر عطا محمد بیگوال، سردار فتح سنگھ آہلووالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور 12 سال تک امن وامان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے، جو رام گڑھیہ ل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا، غلام مرتضیٰ کو واپس قادیان بلا لیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔''
>
> (گویا سکھوں کے مخالف مسلمانوں کو ہمیشہ تہ تیغ کرتا رہا۔ ناقل) پھر لکھتے ہیں۔
>
> ''نونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمات پر مامور رہا۔ 1841ء میں یہ جرنیل دنچوار کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا۔''

یعنی جہاں بھی مسلمان سکھوں کے خلاف سر اٹھاتے تھے، ان کو ختم کرنے کے لیے قادیانی نبی کے باپ ہی کو بھیجا جاتا تھا اور وہ ان کو تہ تیغ کیے بغیر واپس نہ آتا تھا۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں:۔

> ''اور 1842ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدے میں اس نے کارہائے نمایاں کیے اور جب 1848ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار (سکھوں، ناقل) کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے (مسلمانوں کے خلاف، ناقل) لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی (مرزائے قادیان کے چچا) غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لیے دیوان مولراج کی امداد کے لیے ملتان کی طرف جا رہا تھا تو غلام محی الدین...... نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ ''باغیوں'' (مسلمان مجاہدین، ناقل) سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے چناب کے

> کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا، جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی (مجاہد، ناقل) ڈوب کر مر گئے۔"

مندرجہ بالا واقعات تو صرف سکھوں کے عہد حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تو اسلام دشمنی کا صرف ایک نمونہ ہے، دوسرا نمونہ جو کہ انگریزوں کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے، ذیل میں درج کرتا ہوں:

> "الحاق کے موقع پر اس خاندان کی جاگیر ضبط کی گئی مگر 700 روپیہ کی پنشن غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گرد و نواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے غدر 1857ء کے دوران بہت اچھی خدمات کیں، غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کیے اور اس کا بیٹا غلام قادر، جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا۔ جبکہ افسر موصوف نے تریموگھاٹ پر 46 نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو، جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے، تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی، جس میں یہ لکھا ہے 1857ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔"
>
> "نظام الدین کا بھائی امام الدین (مرزائے قادیان کا چچا زاد بھائی، ناقل) جو 1904ء میں فوت ہوا۔ دہلی کے محاصرے کے وقت ہاڈسن ہارس (رسالہ) میں رسالدار تھا اور اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا۔"

(سیرۃ مسیح موعود، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد، ص 6 تا 8)

اب آپ مرزا غلام احمد صاحب کا اپنا بیان پڑھیے، جو اس نے، اپنے باپ کی اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے اعتراف پر اپنی کتاب "البریہ" میں لکھا ہے اور اس کے لڑکے مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے اپنی کتاب سیرۃ المہدی کے صفحہ 120 پر درج کیا ہے:۔

> "میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ 1857ء میں انھوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے، بعوض خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج، ان کو ملی تھیں۔"
>
> "غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لیے

حکام وقت ڈپٹی کمشنر اور کمشنر ان کے مکان پر آ کر ان کی ملاقات کرتے تھے۔"

اب ناظرین کرام پر یہ بات آشکار ہو چکی ہے کہ قادیان کا خاندان محض اپنی جاگیر اور جاہ و جلال کی خاطر مسلمانوں کے خون کا سودا پہلے سکھوں سے اور پھر انگریزوں سے کرتا رہا اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی طرف سے نبرد آزما رہا۔ لہٰذا جہاں مرزائے قادیان کے والد اور دوسرے بزرگوں نے مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی تھی، وہاں خود مرزا صاحب نے بھی یہی فرض ادا کیا مگر دوسرے طور و طریقہ سے جیسا کہ خود بھی لکھتے ہیں "سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے" اب میں مرزا صاحب کی اپنی اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے متعلق ٹھوس واقعات کی بناء پر کارروائیوں کو درج کرتا ہوں۔

تعلیم

مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب "سیرۃ مسیح موعود" کے صفحہ 14 پر اپنے نبی باپ کی تعلیم کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:۔

> "جب آپ بچہ ہی تھے تو آپ کے والد نے ایک استاد آپ کی تعلیم کے لیے ملازم رکھا جن کا نام فضل الٰہی تھا۔"
>
> "اس کے بعد دس سال کی عمر میں فضل احمد نامی ایک استاد ملازم رکھے۔"
>
> "اس کے بعد سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں مولوی گل علی شاہ آپ کی تعلیم کے لیے ملازم رکھے۔"

ظاہر ہے قریباً 25 سال کی عمر تک مرزا غلام احمد صاحب، دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرتے رہے تاکہ بڑے ہو کر اپنے اکتسابی علم کے زور سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لاسکیں اور تلوار کے ذریعے نہیں بلکہ قلم کے زور سے مسلمان قوم کو انگریزوں کا مطیع اور فرمانبردار بنا سکیں۔

ملازمت

اب میں وہ واقعہ درج کرتا ہوں جس کی بنا پر انھوں نے سیالکوٹ میں ملازمت اختیار کی۔ آپ یہ واقعہ پڑھیے اور داد دیجیے کہ کس طرح نبی بننے والے شخص نے پنشن کا 700 روپیہ چند دنوں میں ناجائز طریقوں سے اڑا کر ختم کیا اور پھر اپنی بداعمالیوں کے پیش نظر گھر واپس نہ آیا بلکہ سیالکوٹ میں ایک معمولی ملازمت اختیار کی۔

ان کا لڑکا مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سیرۃ المہدی کے ص 43-44 پر اپنی والدہ کی روایت یوں درج کرتا ہے:

> "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح

> موعود تمھارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے، باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھرتا رہا۔ پھر جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر چلا آیا۔ مسیح موعود اس شرم سے گھر نہیں آئے...... اس لیے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔"

مجھے اس روایت پر حاشیہ آرائی کرنے کی ذرا بھی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ ہر شخص اس کا مفہوم اور مطلب خود ہی سمجھ سکتا ہے اور اندازہ لگا سکتا ہے کہ کیا نبوت جیسا اعلیٰ ترین اور پاکیزہ درجہ کو حاصل کرنے والوں کے اعمال اور کردار نعوذ باللہ ایسے ہی ہوتے ہیں؟

اب میں یہ بیان کرتا ہوں کہ سیالکوٹ میں کس طرح انھوں نے عیسائی مشنری سے ساز باز کی اور خفیہ طور پر کس طرح مسلمانوں میں سے مسئلہ جہاد کے مٹانے کی ذمہ داری اپنے سر پر لی اور کس طرح خفیہ طور پر تنخواہ بھی وصول کرتے رہے اور پھر ان کی عربی زبان کی لیاقت کا انگریزوں کو کیونکر پتہ چلا اور وہ ان کو اپنا ایجنٹ بنانے کے لیے کیونکہ مجبور ہوئے، یہ سب کچھ آیئے پڑھیے۔

> "مرزا صاحب کی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے، مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں، ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے، ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب، جن کا نام پرکسن تھا، محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں کامل استعداد رکھتے تھے اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے، اس لیے بلا کر حکم دیا کہ جو بات ہم کہیں، عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب وہ دیں، اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کماحقہ ادا کیا اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔"

("سیرۃ المہدی" حصہ اول، ص 154-155)

جب مرزا صاحب کی لیاقت کا انگریزوں کو علم ہو گیا اور پھر ان کے خاندان کی مسلمانوں سے غداری اور انگریزوں کی سچی وفاداری کا جائزہ بھی لے لیا تو پھر ایک عیسائی مشنری مسٹر ریورنڈ بٹلر ایم۔ اے کی معرفت ان کی خدمات حاصل کیں۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب اپنی کتاب "سیرۃ مسیح موعود" میں لکھتے ہیں:

> "آپ کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ ریورنڈ بٹلر ایم۔ اے سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے، جن سے حضرت صاحب کے بہت سے مباحثات بھی ہوتے رہتے تھے۔

> جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لیے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کہ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ تو ریورنڈ مذکور نے کہا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے اور جہاں آپ بیٹھے تھے، وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب گورنمنٹ برطانیہ کی نئی نئی فتح کو پادری لوگ اپنی فتح کی علامت قرار دیتے تھے۔"
>
> "ریورنڈ بٹلر آپ کی نیک نیتی اور اخلاص اور تقویٰ کو دیکھ کر متاثر تھے۔" (نہیں نہیں!! بلکہ وہ مسلمانوں سے غداری اور انگریزوں سے وفاداری پر آمادگی سے متاثر تھے۔ ناقل)
>
> "اور باوجود اس بات کو محسوس کرنے کے کہ یہ شخص میرا شکار نہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ میں اس کا شکار ہو جاؤں اور باوجود طبعی نفرت کے جو ایک صید کو صیاد سے ہوتی ہے، وہ دوسرے مناظرین کی نسبت مرزا صاحب سے مختلف سلوک کرنے پر مجبور ہوئے اور جاتے وقت کچہری میں ہی آپ سے ملنے کے لیے آ گئے اور آپ سے ملے بغیر جانا پسند نہ کیا۔"

امید ہے کہ ناظرین کرام اس نکتہ کو سمجھ گئے ہوں گے کہ مسٹر بٹلر، جو کہ ولایت واپس جا رہا تھا، مرزا صاحب سے مکمل معاہدہ کیے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ آخر کار تکمیل معاہدہ کے بعد بٹلر تو ولایت چلا گیا اور مرزا صاحب ملازمت چھوڑ کر گھر آ گئے اور دوسری خفیہ ملازمت کا چارج لے لیا۔

مرزا محمود صاحب آگے لکھتے ہیں:۔

> "قریباً چار سال آپ سیالکوٹ میں ملازم رہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ۔ آخر والد صاحب کے لکھنے پر فوراً استعفا دے کر واپس قادیان آ گئے۔"

("سیرۃ مسیح موعود" ص 16 تا 18)

خفیہ ملازمت

آپ حیران ہوں گے کہ خفیہ ملازمت کا یہاں کوئی ذکر تک نہیں، آپ یونہی الزام لگا رہے ہیں۔ لیجئے وہ بھی، میں درج کر دیتا ہوں۔ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے "سیرۃ المہدی" حصہ اوّل کے صفحہ 48 پر لکھتے ہیں:۔

> "بیان کیا مجھ سے جھنڈا سنگھ ساکن کاہلواں نے کہ میں بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ جاؤ غلام احمد کو

> بلا لاؤ، ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے۔ اس کا منشا ہو تو کسی اچھے عہدہ پر ملازم کرا دوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا "میں تو نوکر ہو گیا ہوں۔" بڑے مرزا صاحب کہنے لگے، اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا "ہاں! ہو گیا ہوں۔" بڑے مرزا صاحب نے کہا: "اچھا اگر نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔"

اب ملازمت کا اقرار تو موجود ہے مگر نہ بڑے مرزا صاحب نے پوچھا کہ کیا ملازمت ہے اور نہ ہی چھوٹے مرزا صاحب نے بتایا کہ میں کس کام پر ملازم ہوں، کیونکہ جھنڈا سنگھ کے سامنے بھید کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ چونکہ ملازمت سخت خطرناک اور خفیہ تھی، اس لیے اس سے قبل اس کا ذکر انھوں نے اپنے باپ سے بھی نہیں کیا تھا، تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔ اب آپ یہ بھی سوال کریں گے کہ ان کو تنخواہ کتنی اور کیسے ملتی تھی۔ لیجیے وہ بھی میں درج کر دیتا ہوں۔ دیکھیے مرزا صاحب نے اس راز کو چھپانے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے؟ پہلے خواب اور پھر الہام کا لبادہ اوڑھ کر مخلوق خدا کو الو بناتے رہے ہیں۔

مرزا بشیر احمد ایم۔ اے اپنی کتاب "سیرۃ المہدی" حصہ سوم ص 101-102 پر درج کرتے ہیں:

> "مرزا دین محمد صاحب ساکن لنگروال ضلع گورداسپور نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود نے مجھے صبح کے قریب جگایا اور فرمایا کہ مجھے خواب آیا ہے۔ میں نے پوچھا کیا خواب آیا ہے؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ میرے تخت پوش کے چاروں طرف نمک چنا ہوا ہے۔ میں نے تعبیر پوچھی تو کتاب دیکھ کر فرمایا کہ کہیں سے بہت سا روپیہ آئے گا۔ اس کے بعد میں چار دن وہاں رہا۔ میرے سامنے ایک منی آرڈر آیا جس میں ہزار سے زائد روپیہ تھا۔ مجھے اصل رقم یاد نہیں۔"
>
> "ہم نے دیکھا تو منی آرڈر بھیجنے والے کا پتہ اس پر درج نہیں تھا۔ حضرت صاحب کو بھی پتہ نہیں لگا کہ کس نے بھیجا ہے۔"

اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تھا؟

ممکن ہے کہ کوئی سر پھرا مرزائی یہ کہہ دے کہ اللہ میاں نے اپنے نبی کو خفیہ طور پر روپیہ بھیجا تھا، تو میں عرض کرتا ہوں کہ مرزا صاحب کا اللہ میاں اگر ان کو روپیہ بھیجتا تو وہ "ٹیچی ٹیچی" فرشتہ کے ہاتھ بھیجتا نہ کہ منی آرڈر اور ڈاک خانہ کے ذریعہ بھیجتا۔ لہٰذا میرا دعویٰ ہے کہ یہ ایک ہزار سے زائد روپیہ کا منی آرڈر اس ملازمت کی تنخواہ تھی، جس کا اقرار گزشتہ روایت میں مرزا صاحب نے اپنے باپ کے سامنے کیا ہے۔ چونکہ

ملازمت بھی خفیہ تھی، اس لیے لازمی تھا کہ تنخواہ بھی خفیہ طریقے سے ادا ہوتی۔

اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ملازمت کیا تھی؟ اس کا جواب خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات پیش کرتی ہیں۔ آپ یہ تو پڑھ ہی چکے ہیں کہ سیالکوٹ سے آنے کے بعد وہ ہر وقت کتابوں ہی کے مطالعہ میں الگ ہی الگ بیٹھ کر مستغرق رہتے تھے۔ اب ان کی سب سے پہلی کتاب ”براہین احمدیہ“ چھپی ہے۔ اس میں اپنی خفیہ ڈیوٹی کو یوں ادا کرتے ہیں:۔

> ”یہ امر قابل تذکرہ ہے جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیے کہ مسلمانان ہند، ایک وفادار رعیت ہے۔“ ”کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے اس دعویٰ پر اصرار کیا کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیر خواہ نہیں ہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔“
>
> ”افسوس کہ بعض کوہستانی اور بے تمیز سفہاء کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔“ ”لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدوین سے دور اور مجبور ہیں۔“ ”پس ظاہر ہے کہ ان کی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ کہ شرعی پابندی سے اور ان کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ جو ہمیشہ جانثاری سے خیر خواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ 1857ء میں جو فساد ہوا، اس میں بجز جہلاء اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ نیک بخت مسلمان جو باتمیز تھا، ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا، بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مدد دی۔ چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش خیر خواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بہم پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کیے تھے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھ کر خیر خواہی دکھلائی۔“
>
> ”بہر حال مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ متحد ہو کر خیر خواہی ظاہر کریں۔“
>
> ”ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ...... زندگی بسر کرتے ہوں اور جس کی عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں ہدایت اور نیکی پھیلانے کے لیے کامل مددگار ہو، قطعی حرام ہے۔“

''سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور، کلکتہ اور بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان، جن کی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو۔ اس امر کے لیے چن لیے جائیں کہ اطراف و اکناف کے اہل علم کہ اپنے مسکن کے گرد و نواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں، اپنی اپنی عالمانہ تقریریں جن میں برطبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے، جو مسلمانان ہند کی مربی و محسن ہے، جہاد کرنے کی صاف صاف ممانعت ہو۔ ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت سواہیر بھیج دیں کہ جو بموجب قرارداد بالا اس خدمت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں اور جب سب خطوط جمع ہو جائیں کہ جو مکتوبات علمائے ہند کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے، کسی خوشخط مطبع میں بصحت تمام چھاپا جائے اور پھر دس بیس نسخہ جات اس کے گورنمنٹ میں اور باقی نسخہ جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان، خاص کر سرحدی ملکوں میں تقسیم کیے جائیں اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کماحقہ کھل جائے گی اور بعض کوہستانی جہلاء کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کی وعظ و نصیحت کے ہوتی رہے گی۔ بالآخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالیٰ کی نعمت سمجھیں۔''

''اور اس کا شکر بھی ادا کریں لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گزار ہوں گے، اگر وہ اس سلطنت کو، جو ان کے حق میں خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے، نعمت عظمیٰ یقین نہ کریں۔''

''پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کے لیے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔''

''حقیقت میں خداوند کریم و رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے ایک باران رحمت کر کے بھیجا۔''

''کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جائز ہو سکتی ہے حاشا وکلا ہرگز نہیں۔''

''ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج یہی ایک سلطنت ہے جس کے سایہ عاطفت میں بعض بعض...... مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں جو کہ دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ممالک میں جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظوں سے برافروختہ ہوتے ہیں اور سنت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین، موحدین کے شہروں میں اور موحدین،

مقلدین کے بلاد میں دم نہیں مار سکتے۔"

> "آخر یہی سلطنت ہے جس کی پناہ میں ہر ایک فرقہ امن و امان اور آرام سے رائے ظاہر کر سکتا ہے۔" "سلطنت انگلشیہ کی آزادی نہ صرف ان خرابیوں سے خالی ہے بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجہ غایت ناصر و موید ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس خداداد نعمت کی قدر کریں۔" (الملتمس۔ غلام احمد عفی عنہ)

یہی وہ ملازمت تھی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا، جس کی تنخواہ جناب مرزا جی صاحب، ایک ہزار سے بھی زیادہ ماہوار پاتے تھے۔ یہ تو ابتداء تھی، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا علماء کرام اور دیگر مسلمانوں نے اس تحریر کو پڑھ کر مرزا صاحب کی تجویز کو پسند کر کے قبول کیا یا اس کو پڑھ کر دکھ اور قلق محسوس کیا اور ایسی تحریرات سے نہ صرف بیزاری کا اظہار کیا بلکہ ایسی کارروائیوں کو روکنے اور بند کرنے کے لیے سخت خطوط بھی لکھے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ

> "تھوڑا عرصہ گزرا کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے، اعتراض کیا ہے اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احساس اٹھاوے، اس کے ظل حمایت میں باامن اور آسائش رہ کر اپنا رزق مقسوم کھاوے، اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے، پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے۔" ("براہین احمدیہ" حصہ چہارم)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب رزق مقسوم بھی انگریزوں کا کھاتے تھے اور انھیں کے انعامات متواترہ سے پرورش بھی پاتے تھے۔ اس لیے اگر وہ اس کو آسمانی رحمت سمجھتے تھے تو ان کو یہ مدح اور توصیف بھی زیب دیتی تھی۔ مگر کیا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی انگریزوں کا یہی سلوک تھا؟ بلکہ اس کے برخلاف مسلمانوں کی تمام سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہادر شاہ کو قید کر دیا تھا۔ ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کی سلطنت کا حامی تھا، قتل کر دیا۔ ان کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دیا تھا اور شاہی خاندان کے افراد جو بچ رہے تھے، در در کی بھیک مانگ رہے تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں کے بچے بچے کو انگریزوں نے اپنا دشمن جان کر کچل ڈالا تھا تاکہ کوئی مسلمان دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے جذبات کب ٹھنڈے ہو سکتے تھے۔ جس قوم نے ایک ہزار سال متواتر ہندوستان پر عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کی ہو، اس کے بعد یکدم انگریزوں نے نہ صرف ان کی سلطنت چھین لی بلکہ اقتصادی لحاظ سے

بھی اس کے معاشرہ کو تہس نہس کر دیا اور اس کے مقابلہ میں اس قوم کو ان پر مسلط کر دیا جس پر بڑی شان و شوکت سے حکومت کر چکے تھے، وہ کس طرح انگریزوں جیسی مکار اور دجال صفت قوم کی غلامی میں رہ کر خوش ہو سکتے تھے۔ مرزا صاحب کی اس تحریر نے ان کے زخموں پر نمک پاشی کی مگر چونکہ حکومت وقت مرزا صاحب کی پشت پناہی کر رہی تھی، اس لیے مسلمان بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ باوجود تمام مشکلات کے مسلمانوں کے دلوں میں رہ رہ کر ایک ولولہ ضرور اٹھتا تھا اور انگریزوں کے خلاف بسا اوقات علم جہاد بلند کرتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ 1857ء میں بھی اسی جذبہ کے ماتحت علم جہاد بلند کیا تھا۔ مگر مرزا صاحب نے ان کو "جہلاء اور بدچلن" کے خطاب سے نوازا ہے کیونکہ مرزا صاحب کا خاندان اور خود مرزا صاحب تو مسلمانوں کے خون کا سودا انگریزوں کے ساتھ کر چکے تھے اور اس کے عوض پنشن، تنخواہیں اور دیگر مراعات حاصل کر رہے تھے۔ اس لیے باوجود یہ کہ تمام علمائے کرام اور دیگر مسلمانوں نے مرزا صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے سخت بیزاری کا اظہار کیا تھا، مگر مرزا صاحب نے اپنے کام کو جاری رکھا کیونکہ وہ دنیوی مفادات کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ نمک حلالی اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کرنے پر مجبور تھے۔ ذرا مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل تحریرات کو پڑھیے اور ان کو ان کی اس جسارت پر داد دیجیے۔ لکھتے ہیں:

> "اب اے بھائیو! ایک دوسرا کام ہے جو میں شروع کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ یقین سمجھیں، سرکار انگریزی اس درخت کی طرح ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہو اور ہر ایک شخص جو میوہ چینی کے قواعد کی رعایت سے اس درخت کی طرف ہاتھ لمبا کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی پھل اس کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ ہماری بہت سی مرادیں ہیں جن کا مرجع اور مدار خدا تعالیٰ نے اس گورنمنٹ کو بنا دیا ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ وہ ساری مرادیں اس مہربان گورنمنٹ سے ہمیں حاصل ہوں گی۔"

("تبلیغ رسالت" جلد پنجم ص 4)

> "اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ششم ص 65)

> "میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب الاطاعت اور شکر گزاری کے لائق گورنمنٹ انگریزی ہے۔" ("تبلیغ رسالت" جلد ششم، ص 114)

> "ہم اس گورنمنٹ سے دلی اخلاص رکھتے ہیں اور دلی وفادار اور دلی شکر گزار ہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد ششم ص 115)

اگرچہ مرزا صاحب کی مکاری، قوم فروشی اور غداری اظہر من الشمس ہے مگر دیکھیے مرزا صاحب انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا چالیں چلتے رہے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ میں بھی مسلمان بادشاہوں کی

طرح انگریزوں کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جائے، لکھتے ہیں کہ

"ہم رعایا کی یہ تمنا ہے کہ جس طرح اسلامی ریاستوں میں ان سلاطین کا شکر کے ساتھ خطبہ میں ذکر ہوتا ہے ہم بھی...... اور بلاد کے مسلمانوں کی طرح یہ دائمی شکر جمعہ کے ممبروں پر اپنا وظیفہ کرلیں کہ سرکار انگریزی نے...... ہم پر بھی عنایات کی نظر کی ہے۔"

"بالآخر ہم رعایا کی دعا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو خدا تعالیٰ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔" ("تبلیغ رسالت" جلد پنجم، ص 10)

پولیٹیکل خیرخواہی

"گورنمنٹ کی خوش قسمتی سے برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں سے ایسے لوگ معلوم ہو سکتے ہیں جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں، اس لیے ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیرخواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو، ان شریر لوگوں کے نام ضبط کیے جائیں جو اپنے عقیدہ سے اپنی مفسدانہ حالت کو ثابت کرتے ہیں۔" ("تبلیغ رسالت" جلد پنجم، ص 21)

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تمام مسلمانوں میں سے اوّل درجہ کا خیرخواہ گورنمنٹ انگریزی کا میں ہوں، کیونکہ تین باتوں نے مجھے خیرخواہی میں اوّل درجہ پر بنا دیا ہے۔ اوّل والد مرحوم کے اثر نے، دوم اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے، تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔" ("تبلیغ رسالت" جلد ششم، ص 53)

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر قوم ہے وہ صورت چنگیز
وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

(اقبال "ضرب کلیم" ص 51)

"آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا ہے اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔"

"سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امن اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔" ("تبلیغ رسالت" جلد نہم، ص 47)

> ''یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے، ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کی انتظار ہے۔'' ''اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے۔'' (''تبلیغ رسالت'' جلد نہم، ص 83)

اگر میں مرزا صاحب کی اسلام دشمن اور انگریز نواز تحریرات کو درج کروں تو بہت بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی۔ لہٰذا اس کو مختصر کر کے مرزا صاحب کی صرف ذیل کی تحریرات پر ختم کرتا ہوں، جن کی وجہ سے میں نے مرزائیت سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

''تریاق القلوب'' کے ص 25-26 پر مرزا صاحب یوں رقمطراز ہیں:

> ''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں اس سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔''
>
> ''اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔''
>
> ''میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری جماعت کی پناہ اس سلطنت کو بنا دیا ہے۔ یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہمیں حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے نہ مدینہ میں اور نہ سلطان روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ میں۔''

اب مرزا صاحب نے واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا کہ ان کی ڈیوٹی انگریزوں کی طرف سے یہ مقرر ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کے خیال کو مٹا کر انگریزوں کی اطاعت کا جذبہ ان کے دلوں میں بٹھا دے۔ لہٰذا انھوں نے اپنی ڈیوٹی کو واقعی ایمانداری سے ادا کیا ہے۔

آخر میں، میں یہ بھی ثابت کر دیتا ہوں کہ یہ مرزائیت کا پودا خود انگریزوں نے لگایا تھا اور وہ ہمیشہ اس کی آبیاری بھی کرتے رہے ہیں تا کہ مسلمانوں میں ہمیشہ انتشار کا منبع جاری رہے اور ہماری حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر جاری و ساری رہے۔

مرزا صاحب اپنے قلم کو ہر بار سے رقمطراز ہیں کہ..........

''سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے وفادار اور جانثار ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیرخواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون اور جان دینے سے فرق نہ کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گزشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی فوری عنایت اور خصوصیت توجہ کی درخواست کریں۔''

(''تبلیغ رسالت'' جلد ہفتم، ص 19-20)

* * *

محمد صالح نور

قادیانیت، حقائق نامہ

جناب محمد صالح نور بڑے عالم، فاضل اور ذہین و متین انسان ہیں۔ وہ خاندانی اور وراثتی قادیانی تھے۔ مرزا محمود کی اوباشیوں کو دیکھا تو دل پارہ پارہ ہو گیا۔ قادیانیت کو چھوڑ کر لاہوری گروپ سے جا ملے۔ مرزا محمود کی ایسی خبر لیتے کہ اسے کسی سمت چین نصیب نہ ہوتا۔ زندگی بھر مرزا محمود کی کرتوتوں سے قادیانی قوم کو باخبر کرتے رہے۔ 1972ء کے صمدانی انکوائری کمیشن میں اپنا بیان ریکارڈ کرایا جو قادیانی مظالم کی آنکھوں دیکھی کہانی ہے۔ حضرت مولانا تاج محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق تھا۔ ان کی وفات کے بعد مولانا تاج محمودؒ کے بیٹے صاحبزادہ طارق محمود صاحب ربوہ گئے۔ صالح نور لاہور سے اپنے کسی عزیز کو ملنے کے لیے ربوہ آئے ہوئے تھے۔ ان حضرات کا پتہ چلا تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکز، ''مسجد محمدیہ'' میں آئے۔ صاحبزادہ طارق محمود صاحب سے بغلگیر ہوئے۔ اتنا روئے کہ وہاں موجود حضرات کی بھی چیخیں نکل گئیں۔ بعد میں قدرت حق نے کرم کیا۔ قادیانیت کی طرح مرزائیت (یعنی لاہوری گروپ) کو بھی چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ متعدد رسائل و کتب تحریر کیں جو زیادہ تر لاہوری قادیانی اختلافات پر مشتمل ہیں۔ ملازمت کے لیے سعودی عرب چلے گئے تھے۔ قدرت حق انھیں ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

میں ایک قادیانی گھرانے میں، 1927ء میں، پیدا ہوا۔ میرے والد محمد یامین قادیانی تھے۔ میں ربوہ میں، تحریک جدید میں، نائب وکیل التعلیم کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ 1948ء میں قادیان (بھارت) سے پاکستان آیا اور ربوہ کے نزدیک ''احمد نگر'' میں رہائش اختیار کر لی۔ 1949ء میں ربوہ قائم ہوا تو میں وہاں منتقل ہو گیا۔ بعد ازاں، جب قادیانی جماعت نے مرزا بشیر الدین محمود کے ایما پر مجھے ربوہ سے نکال دیا تو میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ قصور آ گیا۔ ربوہ سے نکالے جانے کے بعد میں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ اب میں قادیانی نہیں، مسلمان ہوں۔

قادیان کی آبادی ملی جلی تھی۔ ہندو اور سکھ بھی قادیان میں رہتے تھے، لیکن قادیانی اکثریت میں تھے۔ جب میں ربوہ آیا تو یہ ٹاؤن کمیٹی تھی، جس کے سربراہ مرزا ناصر احمد کے بھائی تھے۔ ربوہ کی نواحی بستیوں میں غیر احمدی آبادی زیادہ ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر قادیانی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو

ربوہ میں لائیں، تاکہ انھیں قادیانیت قبول کرنے کی ترغیب دیں۔

میں نے تحریک جدید کے علاوہ کسی دوسرے شعبے میں کام نہیں کیا، البتہ جب میں قادیان میں تھا تو میں نے بطور رضاکار، کار خاص کے سربراہ، جسے محتسب کہا جاتا ہے، کے ساتھ کام کیا تھا۔

قادیانی تنظیمیں

انجمن احمدیہ، 1906ء میں، قادیان میں قائم کی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد انجمن کا مرکز، قادیان سے ربوہ منتقل ہوگیا۔ احمدیہ جماعت کو چار طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک حصہ عورتوں پر مشتمل ہے، اسے لجنہ اماء اللہ کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ انصار اللہ کہلاتا ہے۔ اس میں صرف مرد ہوتے ہیں، جن کی عمر چالیس سال یا اوپر ہو۔ تیسرا حصہ خدام الاحمدیہ ہے، جو 15 سے 40 سال کے درمیان عمر کے مردوں پر مشتمل ہے۔ چوتھا حصہ اطفال الاحمدیہ کہلاتا ہے۔ اس میں پندرہ سال سے کم عمر کے بچے ہوتے ہیں۔ ہر (Locality) میں ایک افسر ہوتا ہے، جسے زعیم کہتے ہیں، جو اپنی آبادی کے رہائشیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے اور ہر قابل ذکر واقعہ کی اطلاع امور عامہ کو دیتا ہے۔ ربوہ میں بھی ایسی ہی تنظیم ہے۔ ہر محلہ کی ایک انتظامیہ ہوتی ہے، جو زعیم کے تحت ہوتی ہے۔ ربوہ شہر میں تمام زعیم ایک صدر عمومی کے تحت ہوتے ہیں۔ ربوہ میں یہ تنظیمیں اس لیے قائم کی گئی ہیں کہ کمیونٹی کو مختلف سرکاری محکموں سے آزاد رکھا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ربوہ میں سوسائٹی اس قدر Exclusive ہوگئی ہے کہ باہر کا کوئی آدمی یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ اس سوسائٹی کے اندر کیا ہورہا ہے۔ خدام الاحمدیہ کے تمام ارکان پورے ملک سے ربوہ میں سال میں ایک مرتبہ تین چار روز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ وہاں خدام الاحمدیہ کو گھڑسواری، شوٹنگ اور تنظیمی امور میں تربیت دی جاتی ہے۔ امور عامہ اپنے انتظام کے لیے خدام الاحمدیہ کو بطور پولیس فورس استعمال کرتا ہے۔ 1956ء میں، جب میں ربوہ میں رہتا تھا، خدام الاحمدیہ کی تعداد ہزار، ڈیڑھ ہزار نوجوانوں پر مشتمل تھی، جبکہ ربوہ کی تمام آبادی پانچ سے چھ ہزار تک تھی۔ میں آخری مرتبہ تین سال قبل ربوہ گیا تھا۔ اب ربوہ کی آبادی تقریباً بارہ، تیرہ ہزار کے قریب ہوگی۔ یہ تعداد ربوہ کے واقعہ سے قبل تھی اور اب، اس واقعہ کے بعد بہت سے احمدی “ہجرت” کرکے ربوہ پہنچ گئے ہیں اور اب ان کی آبادی پچیس تیس ہزار کے قریب ہوگی۔ ربوہ میں ٹاؤن کمیٹی بھی ہے۔ یہاں جو لوگ زمین پٹہ پر حاصل کریں، اسے دفتر آبادی ربوہ میں ایک رجسٹر میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ “صدر انجمن احمدیہ” کی ایک برانچ ہے۔ ربوہ میں زمین کے سودوں کا اندراج گورنمنٹ کے مقرر کردہ رجسٹرار یا سب رجسٹرار کے دفتر میں نہیں ہوتا، بلکہ انجمن کے دفتر میں ہوتا ہے۔ انصار اللہ کو کوئی خاص کام سپرد نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ بوڑھے لوگوں پر مشتمل ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود خدام الاحمدیہ سے Manual Labour حاصل کیا کرتے تھے تاکہ ان میں پست ذہنیت پیدا ہو۔ اپنے لیے سیلاب زدگان کی امداد کرکے نام حاصل کرتے ہیں۔ دراصل، وہ خدمت خلق کا کام اپنے چہروں کی سیاہی دھونے اور اپنی

شہرت قائم کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

امانت کے شعبہ نے، جو تمام احمدیوں کے لیے بینک کا کام دیتا ہے، خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بیرون پاکستان، احمدیوں کو یہ ہدایات دیں کہ دوسرے بینکوں میں اپنی رقوم جمع نہ کرائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ربوہ میں بینک کھولنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ احمدیوں کو اپنے حسابات شعبہ امانت میں جمع کرانے پڑتے ہیں۔ دیگر بینکوں کی کسی بھی شاخ میں احمدی لین دین نہیں کرتے۔ یہ بینک بیرونی کرنسی کا کام نہیں کرتا۔ بیرونی کرنسی کا کام سٹیٹ بینک کی معرفت کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کے تحت دارالقضاۃ کا ایک الگ محکمہ ہے جو باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ دیوانی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ دارالقضاۃ میں ہوتا ہے، جبکہ فوجداری جھگڑوں کا تصفیہ امور عامہ کراتا ہے۔ امور عامہ کے شعبے کے سربراہ کو ناظر امور عامہ اور ان کے نائب کو نائب ناظر کہتے ہیں۔ جب میں ربوہ میں رہتا تھا، ان دنوں ان دونوں نظارتوں پر فوج کے ریٹائرڈ افسران فائز تھے۔ میجر ریٹائرڈ عارف زمان ناظر تھے اور کیپٹن خادم حسین نائب ناظر تھے۔ ربوہ میں تمام قابل دست اندازی کیسوں کی اطلاع ربوہ پولیس کو نہیں دی جاتی۔ بعض ایسے کیسوں میں امور عامہ اپنے ورشن دے کر پولیس کو رپورٹ دیتی ہے۔ امور عامہ یا کسی اور شعبے کی قانون میں کوئی اتھارٹی نہیں ہے کہ وہ قابل دست اندازی جرم کا فیصلہ کرے، لیکن اس کے باوجود امور عامہ اور دارالقضاۃ والے ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ گویا شعبہ امور عامہ پولیس کے فرائض انجام دیتا ہے۔ دارالقضاۃ کے فیصلوں کے خلاف اپیل ایک بورڈ کے پاس جاتی ہے اور خلیفہ وقت، آخری اتھارٹی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان عدالتوں کے فیصلوں کی نافرمانی کرے تو اس کا سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف تعزیری کارروائی بھی کی جاتی ہے، جس میں جماعت سے خارج کرنا شامل ہے۔ دراصل، پہلا قدم سوشل بائیکاٹ ہے۔ اگر اس سے معاملہ نہ سدھرے تو اسے ربوہ سے نکال دیا جاتا ہے اور آخری چارۂ کار کے طور پر اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ خلیفہ کے خاندان کے لوگ اس کارروائی سے مستثنیٰ ہیں۔

ادارہ اصلاح وارشاد کو پہلے ادارہ دعوت وتبلیغ کہا جاتا تھا۔ جب 1953ء کے بعد تبلیغ رک گئی تو اس کو ادارہ اصلاح وارشاد کہا جانے لگا۔ تحریک جدید کے بہت سے شعبے ہیں۔ وکیل المال، وکیل الایوان، وکیل التبشیر، وکیل التعلیم اور وکیل الزراعت۔ تبشیر مشنری باہر بھیجتے ہیں۔ ربوہ میں ایک محکمہ کار خاص امور عامہ کے محکمے کے تحت ہے۔ یہ جاسوسی کرنے والی تنظیم ہے۔ اس شعبہ پر خرچ ہونے والی رقم کا آڈٹ نہیں کیا جا سکتا۔

انتقامی کارروائیاں

تشدد کرنا ربوہ والوں کا عام اصول ہے۔ میں متعدد مظالم کا شکار رہا ہوں جو میرے خلاف احمدیہ

گروہ نے کیے۔ میں صرف ایک ہی نہیں، جسے ستایا گیا، بلکہ ہر روز کسی نہ کسی شخص کو ایسے مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

ان دنوں مجھے اس وقت کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی ذاتی زندگی کے متعلق ان کے کچھ ناگفتہ بہ حالات معلوم ہوئے تھے، جن کا ذکر میں نے اپنے دوستوں سے کیا تھا۔ جب مرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے میرے سمیت پچاس کے قریب افراد کے سوشل بائیکاٹ کا حکم دے دیا۔ مجھے جماعت سے خارج کر دیا گیا اور ملازمت سے الگ کر کے ربوہ سے نکال دیا گیا میرے بچوں کو روک لیا گیا۔ خلیفہ صاحب نے میرے سسر کو یہ فتویٰ دیا کہ یہ (میں) مرتد ہو گیا ہے، اس لیے اس کی بیوی اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ ہم پچاس آدمی ربوہ سے باہر آ گئے۔ میرے تمام رشتے دار ربوہ میں ہیں۔ ان سب کو بہت تکلیفیں دی گئیں۔ ان کی زندگیاں اجیرن کر دی گئیں۔ اس کے بعد جب کبھی میں ربوہ کسی مرگ یا کسی دوسرے موقع پر جاتا تو مسلح آدمی میرا پیچھا کرتے۔

1958ء تا 1959ء میں، میں سالانہ جلسے کے موقع پر ربوہ گیا تھا کیونکہ ان دنوں شادیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں اور ربوہ کے مکینوں کے تمام رشتہ دار وہاں ان تقریبات کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ مجھے میرے بھانجے نے بتایا کہ امور عامہ کے ملازموں کی طرف سے مجھے اغوا کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے، وہ ایک کار میں کچھ عورتوں کے ساتھ میرا تعاقب کریں گے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ نہ صرف مجھے ماریں گے، بلکہ میرے خلاف یہ الزام بھی لگائیں گے کہ میں نے ان عورتوں کو چھیڑا ہے، لیکن میں نے ایک ہوٹل میں داخل ہو کر اور دوسرے راستے سے نکل کر ایک دوست کے گھر میں پناہ لے لی۔ میرے ساتھ پروفیسر غلام رسول، محمد یوسف ناز اور چوہدری نور نبی بھی تھے۔ پروفیسر غلام رسول میرے ساتھ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے، مگر دوسرے دونوں کو پکڑ لیا گیا اور امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا۔ پروفیسر غلام رسول نے اس اغوا کی تحریری رپورٹ ربوہ چوکی کے ایس آئی کو دی۔ آدھ گھنٹے کے بعد میرے دوسرے ساتھی یوسف ناز اور نور نبی واپس آ گئے اور بتایا کہ عبدالعزیز بھانبڑی نے اپنے امور عامہ کے کارکنوں کو جھڑکا کہ انھوں نے ہم چاروں کو کیوں نہ گرفتار کیا۔ اس کے بعد دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔

1965ء میں میرے والد صاحب بیمار ہو گئے اور میں ربوہ میں ان کی خدمت کے لیے گیا۔ اس دوران میں قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے پیغام بھیجا کہ چونکہ میرے والد پرانے احمدی ہیں، اس لیے مرزا صاحب ان کی تیمارداری کے لیے آنا چاہتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ صالح نور (مریض کا لڑکا) مریض کے پاس موجود نہ ہو۔ اس پر میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ میرا بچہ میری خدمت کر رہا ہے، مرزا صاحب خود تکلیف نہ کریں۔

1967ء میں میری والدہ فوت ہو گئیں۔ انھیں میری جدائی کا بہت غم تھا، اسی غم میں وہ فوت ہو

گئیں۔ انھیں اس سے قبل فضل عمر ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ انچارج ڈاکٹر منور احمد، جو مرزا ناصر احمد کے بھائی ہیں، نے انھیں دیکھنے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ میری ماں تھیں۔ ان کا ہسپتال ہی میں انتقال ہوا۔ جب میں ہسپتال میں اپنی والدہ کو دیکھنے کے لیے گیا تو ان کی موت میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا، اس لیے انھیں کسی دوسرے ہسپتال میں منتقل کرنا ممکن نہ تھا، باوجودیکہ ان کو فضل عمر ہسپتال میں اس روز بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا، جس دن ان کی موت واقع ہوئی۔ ایک دوسرے موقع پر، میرے والد صاحب نے مرزا ناصر احمد سے درخواست کی کہ میری ہمشیرہ کا نکاح پڑھائیں۔ انھوں نے نہ صرف نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا، بلکہ حکم دیا کہ چونکہ صالح نور مرتد ہے، اس لیے جو اس کی ہمشیرہ کا نکاح پڑھائے گا، اسے ربوہ سے نکال دیا جائے گا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے ربوہ کے ہر شہری کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع امور عامہ کے شعبے کو فوراً مہیا کریں۔ اس شعبے کی کارکردگی کی ایک مثال یہ ہے کہ ربوہ میں ایک گھر میں رقعے موصول ہوتے تھے، جو عورتوں کو لکھے جاتے تھے۔ یہ شک ظاہر کیا گیا کہ میں یہ رقعے اپنے بھانجے عبدالجلیل ظفر کے ذریعے بھجواتا ہوں۔ اس شک پر اسے امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا اور خوب مارا پیٹا گیا۔ بعد میں امور عامہ والوں کو یہ علم ہو گیا کہ اس معاملے میں میرا ہاتھ ہے، نہ میرے بھانجے کا۔ اس وقت میرے بھانجے کی عمر تقریباً چودہ پندرہ سال تھی۔

میں نے احمدیہ کمیونٹی کی جانب سے ہراساں کیے جانے کے بارے میں متعدد افسروں کو درخواستیں بھی دی تھیں، لیکن کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب میں نے پولیس انسپکٹر انچارج لالہ تھانہ لالیاں حبیب اللہ خان کو یہ اطلاع دی کہ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو ہراساں کیا جا رہا ہے، تو اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر مجھے قتل بھی کر دیا جائے، تو ربوہ میں اسے ایک گواہ بھی شہادت کے لیے نہ ملے گا۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ ربوہ سے دور ہی رہوں یا پھر جب وہاں جانا ہو تو پولیس کی مدد بھی لے کر جاؤں۔ میں نے ،اس سلسلہ میں، پولیس اور فوج کے اعلیٰ حکام کو مارشل لاء کے دنوں میں کئی درخواستیں دیں، لیکن ان سب کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

1956ء سے اب تک 19 سال ہو گئے ہیں، میرے سسرال والے مجھ سے نہیں مل سکتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے ملے تو ان کا بھی وہی حشر ہو گا، جو میرا ہوا۔

قادیانی ظلم وستم

1954-55ء میں لائل پور (فیصل آباد) کے مولوی غلام رسول جنڈیالوی کا لڑکا اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ربوہ گیا۔ انھیں ریلوے سٹیشن پر خدام الاحمدیہ اور فرقان فورس کے ارکان نے پکڑ لیا۔ انھیں ”خدام“ نے جامع احمدیہ کے قریب اور پھر امور عامہ کے دفتر کے صحن میں سخت مارا پیٹا، یہاں تک کہ

ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، جس کے نتیجے میں مولوی غلام رسول کا لڑکا موقع ہی پر مر گیا، لیکن پولیس نے اس واقعہ کو دوسرا رنگ دے دیا اور پولیس مقابلہ ظاہر کر کے مقدمہ درج کر لیا۔ ربوہ، تھانہ لالیاں کی حدود میں واقع ہے اور متعلقہ پولیس افسر احمدیہ گروہ سے باقاعدہ وظیفہ پاتے ہیں۔

ربوہ میں رہنے والے میرے رشتہ داروں نے بتایا کہ ایک سال قبل ایک وکیل سیر کے لیے ربوہ گئے۔ ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کی گئی، ان کے کپڑے تک پھاڑ دیے گئے، اس شک کی بنا پر کہ وہ جاسوس ہیں۔ مولوی عبدالمنان عمر، جو خلیفہ اوّل مولوی نور الدین کے بیٹے ہیں، کو بھی ربوہ سے نکالا گیا۔ پچھلے بیس سال میں، وہ صرف دو تین مرتبہ ربوہ جا سکے، اس لیے کہ وہ جب بھی ربوہ جاتے ہیں، ان کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ مرزا بشیر الدین نے یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی احمدی ان کے اور ان کی بیوی کی طرف نہ دیکھے۔ جب وہ اپنی والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے آئیں اور کوئی ان کو سر راہ مل جائے، تو تھوک کر اپنا چہرہ پھیر لے۔ عبدالمنان نے مجھے خود بتایا تھا کہ خدام الاحمدیہ نے ان کے اغوا کا پروگرام بنایا تھا، مگر بروقت پتہ چل جانے سے انھیں تو نکلنے کا موقع مل گیا، لیکن مرزا رشید احمد کو وہاں سے نکلتے ہوئے غلطی سے اغوا کر لیا گیا۔ انھیں امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا اور پھر وہاں چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ہے۔

کچھ اختلافات کی بنا پر، دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین نے مولوی عبدالکریم مباہلہ کے، قادیان میں واقع، گھر کو نذر آتش کرا دیا تھا اور اس کو قادیان سے نکلوا دیا تھا۔ یہ واقعہ میرے بچپن کے دنوں کا ہے۔ مولوی عبدالکریم مباہلہ پر حملے بھی کیے گئے۔ مولوی صاحب اور خلیفہ صاحب کے درمیان اختلافات، بعض ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر، پیدا ہوئے تھے۔ مولوی عبدالحمید مباہلہ بھی احمدی تھے۔ چند سال بعد، ایک اور احمدی مسٹر فخر الدین ملتانی نے خلیفہ صاحب کے کردار کی بنا پر، ان پر بعض اعتراضات کیے تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ مرزا بشیر الدین خلافت چھوڑ دیں یا اپنی اصلاح کریں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا بشیر الدین نے فخر الدین ملتانی کو مروا دیا۔ ایسے ہی حالات میں شیخ عبدالرحمٰن مصری کو قادیان سے نکال دیا گیا۔

خلیفہ صاحب کے علم میں لائے بغیر ربوہ میں کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ وقت کے حکم کو، احمدی ہر دوسرے حکم پر فوقیت دیتے ہیں، خواہ وہ حکم ملک میں کسی بھی مجاز اتھارٹی کی طرف سے دیا گیا ہو۔ اگر کسی کو ربوہ سے نکالنے کا حکم دیا جائے اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے، تو اسے ربوہ شہر کی حدود سے باہر اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے اور اس کا مکمل سماجی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کا سائے کی طرح پیچھا کیا جاتا ہے۔ خدام الاحمدیہ کی طرف سے خلاف ورزی کرنے والے کو جسمانی سزا بھی دی جاتی ہے۔ ربوہ چھوڑنے تک ہی نہیں، بلکہ موت تک یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی غیر احمدی ربوہ میں ان کے عقائد کے خلاف کوئی نعرہ وغیرہ لگائے، تو امور عامہ کو رپورٹ کیا جاتا ہے۔ امور عامہ والے کوئی کارروائی کرنے سے پہلے خلیفہ صاحب کی منظوری لیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بطور پالیسی، ربوہ والے، قوت کا استعمال اپنے

مخالفین پر کرتے ہیں، اور اس پالیسی کی منظوری ہمیشہ خلیفہ وقت کی طرف سے حاصل رہتی ہے۔ اس معاملے میں، احمدی یا غیر احمدی میں تمیز نہیں کی جاتی۔ تشدد کے بہت سے واقعات ربوہ میں ہوئے، لیکن وہ مخفی رکھے گئے۔ جن لوگوں کو خلیفہ سے اختلاف ہوتا ہے، انھیں جماعت سے نکال دیا جاتا ہے۔ ایسے اختلافات کچھ وقفہ کے بعد ہوتے رہتے ہیں۔ اب بھی ربوہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں، جو تنظیم احمدیہ جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں۔

جن لوگوں کو جماعت سے نکالا گیا، ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

راجہ منور احمد ایم پی اے کے بڑے بھائی راجہ بشیر احمد رازی، پروفیسر غلام رسول ایم۔ اے گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، میاں عبدالمنان عمر مالک روزنامہ جمہور، عبدالوہاب عمر اور عبدالسلام عمر کو اپنے خاندانوں سمیت، عبدالرحمٰن خادم، مناظر ربوہ کے بھائی ملک عزیز الرحمٰن ایڈووکیٹ گجرات، پروفیسر فیض الرحمٰن فیضی، عطاء الرحمٰن، راحت ملک، چوہدری صلاح الدین خاں ناصر، جماعت کے تین مبلغین مرزا لطیف اکبر، مرزا سلیم اختر، مرزا شفیق انور (یہ تینوں بھائی ہیں)، محمد صادق شبنم گوجرانوالہ اور عبدالرب خان برہم لائل پور۔

قادیانی......اپنے عقائد کے آئینے میں

میں نے تمام احمدیہ لٹریچر پڑھا ہے۔ احمدیوں نے قرآنی آیات کی معنوی تحریف کی ہے اور تعبیر مختلف کی ہے۔ میں نے ایک احمدیہ مسجد کی تصویر دیکھی ہے، جو نائیجیریا میں بنائی گئی ہے۔ اس پر کلمہ اس طرح لکھا ہے۔

”لا اله الا الله احمد رسول الله“ ایسا اس لیے کیا جا رہا ہے کہ احمدی کمیونٹی افریقہ میں مرزا غلام احمد کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ پاکستان میں ان کا کلمہ وہی ہے، جو عام مسلمانوں کا ہے، لیکن نائیجیریا میں انھوں نے کلمہ تبدیل کیا ہے۔

عام مسلمانوں میں اس بات کا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ احمدی ربوہ اور قادیان کو مکہ اور مدینہ سے زیادہ متبرک سمجھتے ہیں۔ یہ بات بے بنیاد نہیں ہے، کیونکہ مرزا بشیر الدین نے کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ کے چشمے خشک ہو گئے ہیں اور قادیان اور ربوہ کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے صحیح پیروکار مکہ اور مدینہ کو قادیان پر فوقیت دیتے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہ مانے، خواہ ان کے بارے میں سنا بھی نہ ہو، وہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اس فتویٰ پر تمام احمدی عمل کرتے ہیں۔ اسی لیے سر ظفر اللہ نے قائداعظم کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

احمدیوں نے اپنا الگ کیلنڈر بنایا ہوا ہے، جس کے مہینوں کے نام اس طرح ہیں: نبوت، اخاء،

تبلیغ، امان، ہجرت وغیرہ۔ یہ درست ہے کہ احمدی، غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اس لیے وہ عام مسلمانوں کی مسجد میں نہیں جاتے۔ بیت اللہ میں بھی احمدی امام کعبہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ میرا ایمان ہے کہ جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے، وہ خود بخود اسلام کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

مسٹر احمد نور ایک کابلی احمدی تھے۔ انھوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک اور آدمی خواجہ اسماعیل، جو زندہ ہیں اور لندن میں رہتے ہیں، انھوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ بھی احمدی تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی احمدیوں نے نبی ہونے کے دعوے کیے، لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں۔

بیرون ممالک میں قادیانی مشن

عرب ممالک میں پہلے کچھ احمدیہ مشن قائم تھے، مگر جب عربوں کو ختم نبوت کے بارے میں احمدیوں کے عقیدے کا پتہ چلا، تو وہ مشن بند کرا دیے گئے۔ میرے علم کے مطابق انڈونیشیا اور ملائیشیا کے علاوہ، مشرق وسطیٰ کے تمام اسلامی ممالک میں احمدی مبلغوں کا داخلہ بند ہے۔ اس کی بڑی وجہ احمدیوں اور ان ممالک کے باشندوں کے درمیان ختم نبوت کے مسئلہ پر اختلاف ہے۔

احمدیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔ یہ تاثر، اس بنا پر، قائم کیا گیا ہے کہ اسرائیل میں احمدی مشن ہے۔ حیفہ (اسرائیل) میں قائم احمدی مشن جاسوسی کے مرکز کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان سے جو احمدی، اسرائیل جاتے ہیں، وہ ڈبل پاسپورٹ رکھتے ہیں۔ وہ پہلے کسی افریقی ملک میں پاکستانی پاسپورٹ پر جاتے ہیں، وہاں سے کسی دوسرے ملک کے پاسپورٹ پر اسرائیل جاتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے پاسپورٹ وہ خفیہ رکھتے ہیں۔ بیرون ملک جانے والے مبلغوں کو تمام ضروری معلومات احمدیہ جماعت مہیا کرتی ہے۔ پاسپورٹ رکھنے کا طریقہ ایسے ممالک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جن کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات نہ ہوں۔ حیفہ (اسرائیل) میں احمدی مشن ایک ماہوار پرچہ "البشریٰ" کے نام سے شائع کرتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولوی ابوالعطاء اللہ دتہ، مولوی محمد شریف اور حافظ بشیر الدین عبیداللہ رہے ہیں۔ اسرائیل جانے والے مبلغوں کو صرف عربی زبان سے واقف ہونا چاہیے اور احمدی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہونا چاہیے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، آج تک کوئی اسرائیلی یہودی مشن کے ذریعے احمدی نہیں ہوا۔

قادیانیوں کی پاکستان دشمنی

تقسیم ملک کے وقت، مرزا بشیر الدین اکھنڈ بھارت کے حق میں تھے۔ انھوں نے اپنے اس خیال کی تبلیغ کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے۔ ان کا اکھنڈ بھارت کا حامی ہونا اس خیال پر مبنی تھا کہ اس طرح ہندوؤں اور سکھوں میں تبلیغ کے زیادہ مواقع ہوں گے اور دوسرے یہ کہ احمدی زیادہ محفوظ ہوں گے۔

مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ نے یہ کہا تھا کہ خدام الاحمدیہ اسلام کی قوت ہے، اور یہ کہ احمدیہ جماعت بہت جلد برسرِ اقتدار آنے والی ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوجوان احمدیوں کو سول اور ملٹری کی مختلف سروسز میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ انجمن احمدیہ کی ہدایات کے تحت، اس پالیسی پر پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے عمل کیا جاتا رہا اور آج بھی اس پر عمل ہو رہا ہے۔

1956ء میں افواج پاکستان میں پچاس سے سو تک احمدی کمشنڈ افسران تھے۔ بعض احمدی افسروں کو ریٹائرمنٹ کے بعد ربوہ کی انتظامیہ میں ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ بیعت میں شامل ہونے سے ہر احمدی اپنے آپ کو ایک Brotherhood کا فرد سمجھتا ہے، اس لیے، احمدی اس رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری سمجھتے ہیں، خواہ یہ مدد جائز یا ناجائز طریقے سے ممکن ہو۔

احمدیہ کمیونٹی پاکستان کا انتظام سنبھالنے کی امید لگائے بیٹھی ہے۔ وہ ایک دن فاتحانہ طور پر قادیان میں داخل ہونے کی امید بھی لگائے بیٹھے ہیں۔ میں نے یہ بات مرزا بشیر الدین، مرزا ناصر احمد اور دیگر قادیانی رہنماؤں کی تقریروں سے اخذ کی ہے۔ ایک دفعہ سول ڈیفنس آفیسر بہاولپور رانا محمد یوسف، جو احمدی ہیں، نے دوران گفتگو مجھے کہا تھا کہ یہ ملک صرف اسی صورت بچ سکتا ہے، جب اس کا سربراہ، نہ صرف سخت گیر ہو، بلکہ اس کا تعلق خدا سے ہو۔ اس پر میں نے تجویز کیا کہ پاکستان میں ایسا آدمی تو صرف مرزا ناصر احمد، موجودہ سربراہ احمدیہ کمیونٹی ہے، تو انھوں نے میری اس بات سے اتفاق کیا۔ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے قادیانی جماعت ربوہ میں تیاریاں کر رہی ہے۔ کوئی غیر احمدی ربوہ میں رہائش نہیں رکھ سکتا، کیونکہ ربوہ کی کمیونٹی اپنی سرگرمیوں کو مخفی رکھنا چاہتی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود کی خواہش تھی کہ سیاسی غلبہ حاصل کیا جائے۔ آج کل کا ربوہ، انتظامی لحاظ سے، 1947ء سے قبل کے قادیان کا نمونہ ہے اور سیاسی برتری حاصل کرنے کے لیے، ربوہ کے لوگوں کے عزائم اسی طرح ہیں، جیسے قادیان کے لوگوں کے عزائم تھے۔ احمدیوں نے اقتدار میں شامل ہونے کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا تھا۔

احمدی عام مسلمانوں کو دشمن کہتے ہیں۔ ربوہ شہر میں، کاروبار میں بھی، کوئی غیر احمدی نہیں ہے، اس لیے کہ ایک احمدی کو، کاروبار میں بھی، غیر احمدی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

قادیانیوں نے، قیام پاکستان کے فوراً بعد، انجمن احمدیہ پاکستان کے نام سے ایک اور انجمن قائم کر لی اور سندھ میں واقع اصل انجمن کی تمام جائیداد قبضہ میں کر لی، کیونکہ ان دنوں کسٹوڈین مسٹر عبد اللہ خان تھے، جو احمدی ہیں اور سر ظفر اللہ خاں کے بھائی ہیں۔ پاکستان میں انجمن کی جائیداد، جو بھارت میں رہ گئی تھی، کے خلاف کوئی کلیم نہ دیا گیا کیونکہ خلیفہ صاحب کا یہی حکم تھا، البتہ، انھوں نے خود اپنی ذاتی جائیداد، جو بھارت میں چھوڑی تھی، اس کا کلیم دیا اور جائیداد حاصل کر لی۔ خلیفہ نے ہر احمدی کو یہ حکم دیا تھا کہ

قادیان میں چھوڑی ہوئی ذاتی جائیداد کا کلیم داخل نہ کریں، کیونکہ ہم جلدی قادیان واپس چلے جائیں گے۔

فرقان فورس، جس کا میں ممبر تھا، 1948ء میں کشمیر کے محاذ نوشیرہ پر لڑی تھی، میں وہاں اس محاذ پر تین ماہ تک لڑا تھا۔ ایک دو سال بعد اس کو جنرل گریسی نے ختم کر دیا تھا۔ اس پر، اس فورس کو پاکستانی فوج نے جو اسلحہ دیا تھا، وہ پرسانل آفیسر ریلویز میں غلام محمد اختر کی زیر نگرانی ایک ریلوے ویگن میں ربوہ لایا گیا۔ اس اسلحہ کو محمود مسجد کے قریب زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ ایک شخص ملک رفیق، جو میجر رفیق کہلاتا ہے، اس اسلحہ بارود کا انچارج تھا۔

حرف آخر

بعض حقائق پر سے عدیم کے باعث پردہ اٹھانے سے قاصر رہا ہوں۔ پھر اگر کوئی ایسا موقعہ پیدا ہوا تو انشاء اللہ العزیز لکھا جائے گا، ابھی بعض موضوع تشنہ رہ گئے ہیں جن کا اجمالاً ذکر کر دینا ضروری ہے، جو یہ ہیں:

1- جماعت ربوہ کا نظام سراسر ایک سیاسی نظام ہے۔

2- قادیانی خلیفہ کی جماعتوں کی عصمتوں اور امانتوں کے بارے میں رویہ۔

3- قادیانی خلیفہ اور خاندان خلافت کی مالی بے راہ رویاں اور دھاندلیاں۔

4- ربوہ میں ایک آمرانہ نظام اور اس کی چیرہ دستیاں۔

5- صدر انجمن احمدیہ قادیان جو 1906ء میں بنائی گئی اور وہ اب تک قادیان میں کام کر رہی ہے اور وہ ایک ہندوستانی انجمن ہے۔ اس کی تمام جائیداد جو پاکستان میں ہے، اس پر خلیفہ صاحب کا یا انجمن احمدیہ پاکستان کا ناجائز قبضہ۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بھارت میں اپنی جائیداد اس بنیاد پر واگزار کروائی کہ اس انجمن نے ایک لمحہ کے لیے بھی بھارت کو نہیں چھوڑا اور ادھر خلیفہ صاحب نے پاکستان میں اس انجمن کی تمام جائیداد پر اس بنیاد پر قبضہ کر لیا کہ وہ انجمن ہجرت کر کے پاکستان میں آ گئی ہے۔ سوچنے والوں کے لیے مقام حیرت اور جائے عبرت ہے کہ کیا یہی مومنانہ شان ہے، جس کا سبق تمام دنیا کو دیا جاتا ہے۔

6- انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں حکومت وقت کے قانون کی خلاف ورزی۔

7- سٹہ کا کاروبار جو خود خلیفہ صاحب کرتے رہے اور سودی کاروبار۔

8- انجمن کی بعض جائیدادوں پر خلیفہ صاحب کا بلطائف الحیل قبضہ اور جماعت کی خاموشی۔

9- 1953ء میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کو عقائد میں مناسب تبدیلی کی پیشکش اور احمدی نام حذف کر دینے کی خواہش کا اعلان اور تبلیغی ادارہ کے نام میں تبدیلی اور مبلغین کی بجائے مربیان کی تاویل لفظی۔

10- بیماری کے ایک طویل عرصہ میں خلیفہ صاحب کی عبادات سے محرومی اور ان کے تمام ان ساتھیوں کا، جن پر انھیں زندگی بھر ناز رہا، ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جانا اور ان کے دو چھوٹے بھائیوں کی وفات۔

11- خلیفہ صاحب نے جس قدر مبلغین یورپ، امریکہ اور افریقہ میں بھجوائے ہوئے تھے، ان میں سے ان لوگوں کا ستون سے علیحدہ ہو جانا، جن سے بہت بھاری توقعات وابستہ رکھی گئی تھیں اور جن کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

12- بے شمار قادیانیوں کا خلیفہ صاحب کے ظلم وستم کا نشانہ بننا اور جماعت اور مرکز سے علیحدگی اور مقاطعہ و بائیکاٹ کی صعوبتیں برداشت کرنا۔

ان موضوعات کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے لیے وقت اور فرصت چاہیے، اس لیے اشارۃً ذکر کر دیا گیا ہے۔

ورق تمام ہوا اور ”مدح“ باقی ہے
سفینہ چاہیے اس ”بحر بیکراں“ کے لیے

* * *

ڈاکٹر حافظ فدا الرحمان

قادیانیت سے واپسی

فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ڈاکٹر حافظ فدا الرحمان نے 29 مئی 1982ء کو اپنے کنبہ کے سات افراد سمیت مجلس تحفظ ختم نبوت ربوہ کے مرکز میں آ کر اسلام قبول کر لیا۔ وہ بستی رندان کوٹ چھٹہ، ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے بہاولپور قائداعظم میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ دو سال وکٹوریہ ہسپتال میں ملازمت اختیار کی۔ خیر پور میں میڈیکل آفیسر بھی رہے، پھر اپنی جماعت کے کہنے پر ربوہ فضل عمر ہسپتال آ گئے۔ انھوں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد، طاہرہ فدا، صفیہ ناز، اللہ نواز، رب نواز، شاہد نواز، حمیدہ ناز سمیت اسلام قبول کر لیا، جس کی خبر جملہ قومی اخبارات نے تفصیل کے ساتھ شائع کی۔ انھوں نے قادیانیت سے تائب ہونے کے اسباب پر مشتمل درج ذیل بیان لکھ کر روزنامہ "نوائے وقت" میں شائع کر دیا۔

میں ایک خاندانی مرزائی تھا۔ میرے خاندان کے بزرگوں نے ڈیرہ غازی خان سے پیدل چل کر قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر ہمارے یہ بزرگ اپنی آنے والی ہر نسل کو مرزائیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتے رہے۔ اس معاشرے کے لڑکے لڑکیاں جب کمسنی کے دور سے گزرتے ہیں، تو ان کو ربوہ کے جامعہ احمدیہ میں داخل کرا کے بقیہ تعلیم کی تکمیل تک پڑھاتے ہیں۔ اس جامعہ احمدیہ میں ایسی تعلیم دی جا رہی ہے کہ مرزائیت کے بغیر وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر کوئی لڑکا سمجھنے کی کوشش کرے بھی، تو وہ مفید نہیں کیونکہ ان کو ایسی ذمہ داریاں سونپ دی جاتی ہیں، جو ان کے ذہنوں کو مفلوج کر دیتی ہیں اور وہ انہی بندھنوں میں بندھ جاتا ہے۔

ربوہ میں ان کی انجمن کی تنظیم شروع ہوتی ہے۔ اس کی شاخیں غیر ملکوں میں بھی ہیں۔ ان کی مشنریاں بھی ہیں۔ وہاں رہنے والے بھی اس مرض میں مبتلا ہیں، پھر تمام لوگ جو خاندانی مرزائی ہیں یا ازسرنو مرزائی ہوتے ہیں، ان کی تمام جائیداد، ملازمتیں، کاروبار زندگی، اولاد کی تعلیم و تربیت، سب کچھ انہی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔

سارے کا سارا انتظام ان کے اشارے پر رقص کرتا ہے۔ لوگوں سے وقف زندگی کے فارم پر کروا

لیتے ہیں، جو ساری زندگی کے لیے ان کے زر خرید غلام ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ لوگ شریعت محمدی کو کیا جانیں، کیا سمجھیں، یہ لوگ حقیقتاً مجبور محض ہوتے ہیں۔

پھر کئی سادہ لوح، پڑھے لکھے لوگوں کو رشتوں کا لالچ، غیر ممالک بھجوانے کا لالچ، نقد رقم کی امداد کا لالچ دے کر اسلام سے منحرف و خارج کر لیتے ہیں۔ (توبہ نعوذ باللہ)

اگر میں ان چیزوں کی تفصیل عمر بھر لکھوں تو ختم نہ ہوگی۔ میں نے ربوہ میں آ کر قریب سے ان کو دیکھا۔ نتیجتاً میں نے مرزائیت ترک کر دی۔ میرا قلم اس کو "دجال" کا ہی صحیح نام دے سکتا ہے۔ اسی دجال کے دعوئی نبوت سے لے کر، آج تک کی تمام کتب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا مجموعہ ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک وجود رکھنے والے ایک آدمی نے کئی دعوے کیے ہوئے ہیں، جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں۔ مثلاً

1- دجال لکھتا ہے کہ میں خدا کی بیوی ہوں۔

2- "ایک غلطی کا ازالہ" کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ نیم بیداری کے عالم میں حضرت فاطمۃ الزہرا نے میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ (توبہ نعوذ باللہ)

3- میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ (نعوذ باللہ)

4- وہ درجات و کمالات عطا ہوئے کہ مجھے خدا نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیا۔ (نعوذ باللہ)

5- میں اپنے وقت کا نبی ہوں۔ (توبہ نعوذ باللہ من ذالک) ان کی تمام تر تصنیفات ایسی فحش و بے بنیاد باتوں پر مبنی ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر میں نے خفیہ طور پر تمام تاریخی اور عربی کتب، سیرت و تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ پچھلے دنوں ان دجالوں کے مکر و فریب کا نیا خطرناک اور بے دینیت کا پہلو سامنے آیا، جس نے ان کی بے دینی کو بے نقاب کر دیا۔ مرزا ناصر، چھوٹے دجال نے کشف کے طور پر مرزائیوں کو کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو گویا محمد رسول اللہ کاٹ دیا گیا ہے، جس کا زندہ ثبوت ربوہ کے ہر چوک میں بینر لگے ہوئے ہیں۔ کلمہ شریف کا دوسرا جزو محمد رسول اللہ کٹا ہوا ملے گا۔ توبہ توبہ، نعوذ باللہ۔

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ وجود ایک، دعوے کئی۔ اس قسم کا جھوٹ بولنے والا کبھی سچا نہیں ہو سکتا، اس لیے میں نے مرزا ناصر کو ایک خط لکھا کہ میں ختم نبوت کے سلسلے میں چند ایک سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے جواب دیں تو انھوں نے مرزا طاہر کو لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ایک مستقل آدمی کے پھسلنے و نکلنے کا خدشہ پیدا ہو رہا ہے۔ آپ ان سے فوری ملیں۔ لندن یا کسی دوسرے ملک کی پیشکش کریں۔ مرزا طاہر نے مجھے خفیہ طور پر بلا کر علیحدگی میں ملاقات

کی۔ میرے سوالات سننے کی بجائے دوسری مراعات دینے اور لالچ وغیرہ کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے بڑی جدوجہد کے بعد آخرکار متذکرہ چند سوالات کر ڈالے۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ میں ان کے دارالضیافت ربوہ میں مرزا کو، خارج از اسلام اور دجال وغیرہ کے الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے زبردست طاقت والے رب، مجھے سیدھا راستہ دکھا، تو رات کو خواب میں مجھے نیک بزرگ کی طرف سے اشارہ ملا، جو میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ **قولوا لا اله الا الله محمد رسول الله**. یہ آواز سنتے ہی میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اب مجھے درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اور فوراً مشرف بہ اسلام ہونا چاہیے۔ جب میرے اہل خانہ یعنی میری بیوی طاہرہ فدا، چھوٹے سالے، ساس وغیرہ، اس خواب و دیگر حالات سے آگاہ ہوئے تو سب کے سب اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ میں گھر والوں کی طرف سے بھی اطمینان پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے سیدھا مجلس تحفظ ختم نبوت ربوہ میں مسجد محمدیہ ریلوے سٹیشن پہنچا۔ وہاں قاری شبیر احمد، مولانا احمد یار چاریاری سے ملاقات ہوئی۔ ان بزرگوں کے ساتھ چل کر مجلس تحفظ ختم نبوت ربوہ کے دوسرے مرکز مسلم کالونی میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے پاس پہنچا۔ (اتفاقاً) علامہ مولانا محمد لقمان علی پوری، مولانا خدا بخش شجاع آبادی بھی موجود تھے۔ ان بزرگوں کی معرفت، میں دین کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس آیا۔ جلے والا نزد لالیاں مولانا احمد یار نقشبندی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنے مکان میں مجھے میرے اہل و عیال سمیت رکھا۔ رات کو جلسہ ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے، جو جلسے میں حاضر تھے، اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ میری تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

> "امت محمدیہ کا ایمان اس اساس پر قائم ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری نبی و رسول ہیں۔ آپؐ کے بعد مدعی نبوت و رسالت، سلسلہ وحی کے اجرا کا قائل کذاب و دجال ہے اور اسلامی تعزیرات کی رو سے سزاوار قتل ہے۔ امت محمدیہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں سب سے پہلے اس بات پر اجماع ہوا کہ مدعی نبوت، کافر اور قتال کے لائق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پہلا جہاد مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کے خلاف ہوا۔ برصغیر میں استعماری سازش نے مرزا غلام احمد قادیانی دجال سے دعویٰ نبوت کروا دیا۔ اس نے دعویٰ نبوت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ، عامۃ المسلمین پر سب و شتم کی بوچھاڑ کی اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، جس کے باعث امت مسلمہ نے بالاتفاق اسے کافر قرار دیا۔ مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ نے نہ صرف اس فتویٰ کی تصدیق کی بلکہ انگریزوں سے

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی کیا۔ میں شکر کرتا ہوں کہ اسلامیان پاکستان کی محنت بار آور ہوئی اور 1973ء کے آئین میں ترمیم کے ذریعے 7 ستمبر 1974ء کو نیشنل اسمبلی نے مرزا غلام احمد قادیانی دجال کے ہر دو گروپ، لاہوری و قادیانی کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے وطن عزیز پاکستان کی کرسی صدارت پر جنرل محمد ضیاء الحق کو متمکن کیا ہے۔ صدر مملکت خدا اور رسول اور قرآن و سنت کے شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے موید و داعی ہیں۔ میں حکومت پاکستان سے، استدعا کرتا ہوں کہ قادیانیوں کی تخریب کاری کا سدباب کریں اور برادران اسلام سے اپیل کروں گا کہ وہ سادہ لوگوں کو قادیانیوں کے شکنجے سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ دعا ہے کہ حق کا بول بالا ہو، کفر کا منہ کالا ہو۔ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دین کی خدمت کی توفیق اور استقامت عطا کرے۔ آمین۔

* * *

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل

(شعبہ عربی واسلامیات جامعہ ابادان، ابادان۔ نائیجریا)

گمراہی سے ہدایت تک

میں اللہ کے سامنے بہ قسم یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں قادیانی فرقہ اور ان کے مذہب قادیانیت کے خلاف، کسی قسم کا ذاتی بغض و کینہ نہیں رکھتا۔ میرا یہ پختہ ایمان ہے کہ ہر شخص ذاتی طور پر اپنے دین اور اپنے اختیار کردہ مذہب کے لیے اللہ کے سامنے خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ قادیانیت سے توبہ کے سلسلے میں میری اس تحریر کا اصل مدعا بالکل واضح الفاظ میں صرف یہ اعلان کر دینا ہے کہ میری تحقیق کے مطابق قادیانیت، اسلام نہیں۔ یہ اعلان اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اکثر و بیشتر مواقع پر، میں نے محسوس کیا کہ قادیانیت کے ساتھ میری وابستگی، دوسروں کو قادیانی مذہب اپنانے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

اس لیے جب قادیانیت کی اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی تو میں نے اپنی ذمہ داری اور بوجھ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور دل میں یہ بات آئی کہ اس حقیقت سے انھیں بھی باخبر کردوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر منکشف کیا ہے۔

موجودہ کاوش سے میرا مقصد دراصل یہ ہے کہ جو لوگ خلوص دل کے ساتھ قادیانیت کی حقیقت کے متلاشی ہیں، ان کو صحیح صورت حال سے آگاہ کروں...... اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو عقل سلیم عطا کرے اور صراط مستقیم دکھائے۔ میں ان کے حق میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ انھیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ غلط راستے کو ترک کرنے اور جھوٹ سے کنارہ کشی کرنے کے معاملہ میں شجاعت اور جرأت مندی سے کام لیں۔

> ترجمہ: ''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں، وہ ان سے اعراض کرے۔ ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔''

(الم السجدہ: 22)

> ترجمہ: ''آپ (ان سے) کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت، سب گئی

> گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہی کا) اور اس کے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں۔ سو (اس لیے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان کے (نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (بلکہ) ان کی سزا وہی ہو گی یعنی دوزخ، اس سبب سے کہ انھوں نے کفر کیا تھا اور (یہ کہ) میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔" (الکہف: 102-104)

ان دنوں ہندوستان کے مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کے خلاف عالمی سطح پر ایک زوردار شورش برپا ہے۔ آنجہانی مرزا صاحب نے 1908ء میں اپنی وفات سے قبل خود کو اور اپنے متبعین کو "احمدی" کے نام سے ممتاز کیا تھا (جو بعد میں دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے)۔ یہ شورش خاص کر ان مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیانی اسلام کے نام پر خفیہ طور پر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے مقامات کے مقابلہ میں پاکستان میں یہ تنازعہ اور اس کی تلخی زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ یہ صورت حال انھیں صرف مذہبی طور پر ہی نہیں بلکہ سیاسی طور پر متاثر کر رہی ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے نام سے ظاہر ہے، یہ ملک اسلام کے نام پر عالم وجود میں آیا۔ اسی وجہ سے پاکستان کے دستور کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ ملک کے اعلیٰ سیاسی منصب پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتا ہے۔ یہ دفعہ کسی مذہبی تعصب کے تحت شامل نہیں کی گئی۔ اس کا منشاء صرف اسلام کی مصلحتوں کا تحفظ تھا جو ہمیشہ سے پاکستان کا سرکاری مذہب رہا ہے۔

حصول آزادی کے بعد ہی سے پاکستان کے مسلمان، اپنی حکومتوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ قادیانیوں کا تعلق ایسی اقلیت سے ہے جس میں سے نہ وزیراعظم منتخب ہو سکتا ہے اور نہ صدر اور اس کا مطلب یہی تھا کہ پاکستان کی نظریاتی حدود کا بھی تحفظ ہو سکے۔

ساری دنیا میں مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نہ قادیانیت کو اسلام سمجھتی ہے اور نہ ان کو مسلمان مانتی ہے۔ آیئے دیکھیں کہ قادیانیوں کے خلاف دنیا کے مسلمانوں کے اس موقف کی حمایت یا مخالفت میں کیا کیا دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

بچپن میں میری تربیت کچھ ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ ہندو پاکستان کے قادیانی تبلیغی مشنوں کو میں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یہ مشن ہماری دینی سرگرمیوں کی نگرانی اور رہنمائی کرتے تھے۔ جب یہ جماعتیں ہمارے بزرگوں اور ان کی وساطت سے ہم تک پہنچیں تو اسی اعتماد کی وجہ سے ہم ان کی تمام باتوں پر پورا پورا یقین کر لیتے تھے۔

ان کے وعظ بظاہر قابل عمل معلوم ہوتے تھے اور ان کے استدلال کو ہم نیک نیتی کے ساتھ قبول کرلیا کرتے تھے۔ وہ لوگ ان مسائل میں اپنے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لیے اسلامی کتابوں کا حوالہ دیتے تھے اور ہم اپنے اعتماد کی وجہ سے ان حوالوں کی چھان بین کیے بغیر ہی، بے چون و چرا قبول کرلیا کرتے تھے۔

ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ہمیں مسلمانوں کے سواد اعظم سے بیگانہ کردیں، جن کی اسلامی طرز زندگی میں وہ کیڑے نکالا کرتے تھے۔ اس طرح اپنے زعم میں وہ قادیانیت کے نام پر ہمارے سامنے حقیقی اسلام پیش کرتے تھے۔

وہ اکثر ہمیں یہ تاثر دیتے کہ تقسیم ملک سے قبل ہندوستان میں اور اس کے بعد پاکستان میں قادیانیوں کو جس شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، وہ قادیانیت کی صداقت کا حتمی ثبوت ہے کیونکہ کوئی نبی خود اپنی ہی بستی یا اپنے ہی ملک میں آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ دلیل بھی ہمیں قابل فہم نظر آتی تھی۔ اس لیے پرخلوص اعتماد کے ساتھ ہم ان کے پیچھے چلتے رہے۔

اسی اعتماد کے ساتھ ہم نے قادیانی نوجوانوں کی کانفرنس سے 1972ء میں خطاب کیا تھا۔ بعد ازاں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی روشنی میں مجھے قادیانیوں کے ان دعوؤں کا، جو اس وقت تک مقبول ہوچکے تھے، ازسرنو جائزہ لینا پڑا تاکہ ان کے حوالوں کی مزید چھان بین کی جاسکے۔

میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ قادیانیوں کے خلاف روز افزوں مخالفت کے مقابلے کے لیے خود کو مضبوطی کے ساتھ تیار کروں۔ یونیورسٹی کے ایک استاد کی حیثیت سے مجھے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ قادیانیت کی جماعت میں، میں جو اعلانات کرتا رہتا ہوں، ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مستند اسلامی کتب کے حوالہ جات پر مبنی ہوں، مگر قادیانی تبلیغی مشن کے حوالہ جات کی اس چھان بین کے مایوس کن نتائج برآمد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے سامنے مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے دعوؤں اور ان کے مفروضہ مقاصد کی، خود انھیں کی خاطر میں نے، جتنی زیادہ چھان بین کی اتنی ہی وضاحت سے مجھ پر منکشف ہوا کہ قادیانی تبلیغی مشن دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے اور اپنے بہت سے متبعین کی لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اکثر وہ ایسے مصنفین کا حوالہ دیتے ہیں جو کھل کر قادیانی عقائد کے خلاف ہیں مگر یہ حوالے چالاکی کے ساتھ ایسے طور پر پیش کیے جاتے ہیں کہ محسوس ہو کہ یہ مصنفین قادیانی عقائد ہی کی حمایت کررہے ہیں۔ ایک قاری اور حقیقت حال کا متلاشی یہ بات صرف اسی وقت محسوس کرسکتا ہے جب وہ حوالہ جات کی بنیادی کتابوں کا خود مطالعہ کرے اور ان کے سیاق و سباق کو ذہن میں رکھ کر انھیں پڑھے۔ مثال کے طور پر دعوائے نبوت کی حمایت میں اکثر و بیشتر قادیانی اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب کی جاتی ہے ”یہ کہو کہ آپ نبیوں کی مہر

ہیں یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی زوجہ مطہرہؓ کی طرف منسوب یہ حوالہ صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی، امام مالک کی موطا یا مسند امام ابن حنبل یا مشکوۃ المصابیح وغیرہ حدیث کی ایسی کتابوں میں موجود نہیں ہے جو عالمی سطح پر مانی ہوئی حدیث کی کتابیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مجہول الاسناد اور ناقابل اعتبار ہے۔ نیز بخاری ومسلم کی احادیث متواترہ، مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔ مگر قادیانیوں کے یہاں، یہی حدیث بڑی گراں قدر سمجھی جاتی ہے، اس لیے مستند احادیث کو سامنے رکھ کر ہمیں اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قادیانی جماعت اس حدیث کا حوالہ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے دیتی ہے کہ "خاتم النبیین" سے مراد نبی آخرالزمان نہیں ہیں۔

ان کلمات کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمائی ہے جو صحیح مسلم، فضائل 26 میں موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر کے لیے چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ (تاکہ مکان کی تعمیر مکمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پر کیا اور مجھ سے ہی قصر نبوت مکمل ہوا اور میں ہی خاتم النبیین ہوں (یا) مجھ پر تمام رسل ختم کر دیے گئے۔

مذکورہ حوالہ جات اور دوسری مستند احادیث سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بھی یہی تھا کہ آپ افضل الانبیاء اور اللہ کے سارے نبیوں میں سب سے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کے لقب سے یاد کیا ہے اور اس پر قرآن مجید کا واضح اعلان موجود ہے:

> "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز خوب جانتا ہے۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے ذکر کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ آپؐ کا کوئی فرزند باقی نہ رہے۔ مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کے سیدالانبیاء ہونے کے باوجود آپ کے فرزند کا منصب نبوت پر فائز نہ ہونا آپ کی عظمت شان کے مناسب نہ تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ کو آپؐ

کے بعد کوئی اور نبی بھیجنا نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ آپ کے کوئی نرینہ اولاد باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ کے یہاں کسی فرزند کا زندہ نہ رہنا بھی اس بات کی ایک بین دلیل ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

چونکہ قادیانیوں کے ذہن سے یہ خیال مسلط رہا ہے کہ ہر قیمت پر مرزا غلام احمد کی نبوت ثابت کی جائے، اس لیے یہ لوگ نہایت عجیب وغریب طور پر اور بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے اس مقصد کی حمایت میں قرآن پاک کی بعض آیتوں کے معنی اور تفسیر، توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کی ہیر پھیر انھوں نے قرآنی آیت ومن یطع اللہ والرسول...... کے ترجمہ میں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ''اور جو کوئی اللہ اور اس کے اس نبی...... کی اطاعت کرتا ہے۔'' اس آیت کے جن کلمات کا ترجمہ قادیانی مشن ''اور اس کے اس نبی'' کی شکل میں کرتے ہیں، وہ قرآن کے عربی متن میں والرسول ہیں، جن کے معنی ہر اعتبار و معیار سے صرف ''اور رسول'' ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ قرآن کے سیاق وسباق سے انحراف کرتے ہوئے (قادیانی) تبلیغی مشن نے جو ترجمہ فی الواقع کیا ہے، وہ ان عربی کلمات کے ہو سکتے ہیں ''ورسولہ ہذا'' یعنی اس کا یہ رسول۔ اگر نام نہاد تبلیغی مشن کی اس کرتوت کا اس کے منطقی نتیجہ تک پیچھا کیا جائے تو اس کے معنی یہی نکلیں گے کہ قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بلاشبہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک سنگین جرم ہے۔ اس لیے کہ اگر صرف قادیانیوں کے ترجمہ کو شائع کیا جائے تو ان کلمات کی حد تک یہ ترجمہ متن سے بالکل مختلف ہو جائے گا۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ نائیجیریا اور دوسرے افریقی ممالک کے مسلمان جو قادیانی مشن کی رفاقت کا دم بھرتے ہیں، اپنی اس رفاقت پر نظر ثانی کریں، اگر وہ واقعی دل سے اس اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو روشناس کرایا۔

قادیانی مشن نے اس آیت شریفہ کے صرف ابتدائی حصہ میں اس لیے اضافہ کیا ہے کہ اپنے غلط ترجمہ کے ذریعہ پوری آیت سے اس کی چول ملا کر اسے اپنی غرض سے ہم آہنگ کر دیں۔ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے:۔

> ''اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔'' (النساء: 69)

اس آیت کی غلط تفسیر پیش کر کے قادیانی کہتے ہیں کہ خدا اور رسول کی اتباع کر کے کوئی شخص نبوت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے جو بھی نبی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مبعوث ہوں گے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر اور قرآن پر عمل

کریں، کیونکہ ان کو یہ روحانی مرتبہ براہ راست نہیں ملے گا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے طفیل میں ہی ملے گا۔

اس غلط تفسیر کرنے کا سبب صرف یہ ہے کہ اس متفقہ رائے کے خلاف، جس پر مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اجماع ہے اور جس میں خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک بھی شامل ہے، یہ ثابت کیا جا سکے کہ مرزا غلام احمد بھی، اللہ کے ایک رسول اور نبی تھے (نعوذ باللہ) یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قادیانی مشن نے دنیا والوں کو اس تفسیر سے آگاہ کیوں نہیں کیا جو قرآنی الفاظ کی مستند قاموس کی روشنی میں کی گئی ہے۔ مثلاً مفردات راغب یا اس کی روشنی میں جو قرآن و حدیث، مفسرین و محدثین کی مشہور و معروف کتابوں میں منقول ہے۔ قادیانی یقیناً اس تفسیر سے انکار نہیں کر سکتے جس کو اسلامی علوم اور تفسیر قرآن کے مستند علماء اس آیت کے بارے میں آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے احاطہ تحریر میں لا چکے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ابن کثیر (بیروت ایڈیشن 1969ء جلد 1، صفحہ 522) کہتے ہیں: ''یعنی جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام پر چلتا ہے اور ان چیزوں سے بچتا ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو اپنے عالیشان محل میں ان لوگوں کے ساتھ رکھے گا جس پر اس نے انعام فرمایا اور ان کو رفاقت عطا فرمائے ان نبیوں کی، پھر ان کے بعد مذکور صدیقین کی، پھر شہیدوں کی اور عام مومنوں کی جو متقی ہیں اور جو چھپ چھپ کر اور اعلانیہ نیک عمل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کی تعریف یوں بیان فرمائے گا: ''یہ بڑی اچھی رفاقت میں ہیں۔''

حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً مسلم، مسند احمد بن حنبل وغیرہ کی روایات میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے جو اس آیت کا شان نزول ہے۔ مدینہ کے انصار میں سے ایک شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جس کا چہرہ اداس تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اداسی کا سبب دریافت فرمایا۔

''اے رفیق میں کیوں تمھیں اداس دیکھتا ہوں؟''

''اے اللہ کے رسول میں کسی سوچ میں پڑ گیا ہوں۔''

''وہ کیا ہے؟''

ہم لوگ رات دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے روئے مبارک کو دیکھتے ہیں اور آپ کی صحبت سے مشرف ہوتے ہیں۔ شاید کل قیامت کو آپ نبیوں کے پاس اٹھ جائیں اور آپ تک ہماری رسائی نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت جبرائیلؑ وحی میں آیت لائے اور فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، روز قیامت انبیاء وغیرہم کے ساتھ ہوں گے۔ یہ ہے آیت کا شان نزول اور اس کی یہ سادی تفسیر۔ یہ اتنی واضح

ہے کہ کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

میری صرف یہی خواہش ہے کہ قادیانی حضرات مناسب انداز میں اس پر غور وخوض کریں اور ان مذہبی عقائد کو مسترد کر دیں، جن کے جال میں ان کے مبلغین نے بڑی کامیابی کے ساتھ انھیں پھنسا رکھا ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ کوئی شخص یا ایک جماعت جمہور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دھوکہ میں نہیں رکھ سکتی۔ کسی نہ کسی دن اس فریب کی قلعی کھل جائے گی۔ نائیجیریا کے قادیانیو! ذرا غور کرو اور نظر ثانی کرو (اپنے گمراہ کن عقائد پر) اب رہی بات اس قرآنی آیت کی:

> **یبنی ادم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون. (الاعراف:35)**

قادیانی مشن نے اپنے حوالہ میں جو اس کا ذکر کیا ہے، تو وہ بھی سیاق وسباق سے بالکل ہٹ کر غلط تفسیر بیانی کی ہے، ایک کہانی ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس غلط نظریہ کی پشت پناہی کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔

قرآن کی تکذیب اور معنوی تحریف کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا ایک دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ قرآن کی مخالفت کے علاوہ یہ عقیدہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول جو ابن ماجہ، الفتن 8 حنبل 4/278-357 اور 382 میں مروی ہے، یوں آیا ہے:

> ”میری امت کا اجماع غلطی پر نہیں ہوگا۔ تم معشر المسلمین پر سواد اعظم کے فیصلوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ جس شخص نے ایک بالشت کے برابر بھی امت سے کنارہ کشی اختیار کی تو اس نے گویا اسلام کے حلقے کو اپنی گردن سے اتار پھینکا۔“

یہ حدیث بھی حقیقتاً اس قدر واضح ہے کہ کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ قادیانیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اپنی لڑکیوں کی شادی مسلمانوں سے نہ کریں۔ یہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اپنے اس عقیدہ کی حمایت میں وہ اسلام کے اس حکم کا حوالہ دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کی شادی غیر مسلموں کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قادیانی لوگ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس عقیدہ کا جواز صرف اسی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ قادیانیت کو اسلام سے بالکل ہی مختلف مذہب قرار دیا جائے ورنہ بصورت دیگر یہ عقیدہ بالکل ہی ناجائز اور ناقابل دفاع ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر سعودی عرب کی حکومت یا کوئی اور حکومت قادیانیت کو غیر اسلام اور قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتی ہے تو کون ہے جو اس حقیقت کو مان لینے کے بعد بھی آسانی سے ان حکومتوں کو مورد الزام ٹھہرائے گا۔

قادیانیوں کی ایک دوسری خصوصیت جو انھیں مسلمانوں سے الگ تھلگ کر دیتی ہے، ان کی وہ

چالبازی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں پر مسلط کرتے رہتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ مسلمان ان کو منہ نہیں لگاتے وہ اپنی جماعت کے تعلیم یافتہ ارکان کو حکومت کی کلیدی اسامیوں پر فائز کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے افراد کی وساطت سے اسلام کے نام پر قادیانیت کے مفاد میں پوشیدہ طور پر بالواسطہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ قادیانی حضرات کے لیے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ دنیا کے سامنے اپنا موقف ظاہر کر دیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر وہ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ان کو مسلمانوں کی اجماعی رائے پر عمل کرنا ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کے تابع کے خیال سے دستبردار ہونا پڑے گا، دیگر باطل اور جھوٹے عقائد کو بھی یکسر چھوڑنا ہوگا۔ انھیں اسلام کو مستحکم اور متحد کرنے کے لیے دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش کام کرنا ہوگا۔ وہ اس فریضہ کو دوسرے مسلمانوں سے مل جل کر ہی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے گمراہ کن عقیدوں اور طرز عمل کے ذریعہ انھیں الگ تھلگ کر دیں۔ بخلاف اس کے اگر قادیانی کسی مخصوص جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ نئی پیداوار ہیں تو انھیں چاہیے کہ دوسرے مسلمانوں سے الگ رہیں اور اپنی امتیازی حیثیت کا اعلان کر دیں تا کہ جو لوگ قادیانیت اختیار کریں، ان کو شروع سے ہی اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ایک نئے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

قادیانیت کے نام کو چمٹائے رکھنے کے لیے یہ عذر کافی نہیں ہے کہ ایک طبقہ غلام احمد کو صرف مجدد مانتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ (اگر انھیں مجدد فرض بھی کر لیا جائے تو) اسلام میں صرف یہی ایک صاحب مجدد نہیں ہوئے ہیں۔ مختلف اوقات میں بہت سے مصلحین اسلام، غلام احمد قادیانی سے قبل آ چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اسلام کی مجموعی ترقی کے لیے خصوصی فرائض انجام دیے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام نے ایسی کوئی شرط عائد نہیں کی ہے۔ کوئی مصلح اپنی ایک خاص جماعت بنا کر اس کا کوئی خاص نام رکھ دے۔ غلام احمد سے قبل کبھی کسی سابق مجدد نے ایسا نہیں کیا۔ مثلاً اسلام کے سب سے رفیع الشان مصلح وہ حضرت امام غزالیؒ تھے۔ انھوں نے کبھی کسی خاص نام سے کوئی خاص جماعت نہیں بنائی (اس کے علاوہ اسلام کے کسی مجدد یا مصلح نے کبھی خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ نے اسے مجدد یا مصلح بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لقب تو ان کی زندگی میں یا وفات کے بعد ان کی دینی خدمات کے اعتراف میں، جمہور انھیں دیتی ہے جو شخص خود اس قسم کا دعویٰ کرے اور اپنی مجددیت کا ڈھنڈورا پیٹے، وہ یقیناً کوئی فریبی ہی ہو سکتا ہے۔

میں اس سے بخوبی واقف ہوں کہ جہاں تک نائیجیریا اور دوسری جگہ مثلاً لاہوری قادیانیوں کا تعلق ہے، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غلام احمد صرف ایک مجدد یا مصلح تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان،

دونوں جماعتوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت بھی ان دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرتی ہے اور اپنے اس موقف کی یہ دلیل پیش کرتی ہے کہ اگر ان دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی معتد بہ فرق ہے تو یہ دونوں ایک ہی مشترک نام یعنی ''احمدیت'' سے کیوں موسوم ہیں۔ سارے قادیانیوں کے نزدیک ''احمدیت'' (یا احمدی) کا نام بانی قادیانیت یعنی غلام احمد قادیانی کے نام پر ہی رکھا گیا ہے، ان کو ایک دوسرے نام ''قادیانی'' سے بھی یاد کرتے ہیں جو مرزا غلام احمد کی جائے ولادت ہندوستان کے قصبہ ''قادیان'' سے منسوب ہے۔

قادیانی اسے پسند کریں یا نہ کریں، قادیانیت یا تو معدوم ہو کر صرف تاریخ کی کتابوں میں باقی رہ جائے گی یا کسی اور مذہب کی شکل میں تبدیل ہو جائے گی۔

(لاہوری جماعت یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا بلکہ قادیانی جماعت نے غلام احمد کی تحریروں میں تحریف کر کے انھیں مدعی نبوت بنا دیا۔ اگر اسے صحیح فرض کر لیا جائے تو ایک جماعت دوسری جماعت کے نزدیک کافر ہو گئی۔ بایں ہمہ کسی جماعت نے دوسری جماعت کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں اپنی اپنی جگہ ایک ہی مقصد کی خدمت کر رہی ہیں۔

اگر یہ سچ ہے (بقول قادیانیوں کے) کہ قادیانیت عین اسلام ہے تو کیا وجہ ہے کہ قادیانی مسلمانوں کے درمیان قادیانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ کیا اس تبلیغی مہم سے ظاہر نہیں ہوتا کہ قادیانیت بذات خود ایک الگ مذہب ہے؟ اگر قادیانیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے تو ان کے مبلغ اپنے قادیانیوں کو یہ سبق کیوں پڑھاتے ہیں۔ ''کہ جب بھی کوئی احمدی کسی نئی جگہ جائے اور آس پاس کوئی دوسرا احمدی نہ پائے تو وہ اس وقت تک اکیلا ہی نماز پڑھتا رہے جب تک کہ دوسروں کو احمدی نہ بنا لے'' اور پھر بعد میں ایسے ''نو احمدیوں'' کے ساتھ باجماعت نماز کا اہتمام کر لے'' یہ ہیں وہ سوالات جو قادیانیت کے بارے میں، ذہن میں ابھرتے ہیں۔

میری تمنا ہے کہ نائیجیریا اور دیگر ممالک کے قادیانی غور وفکر کریں اور قادیانیت کے ساتھ اپنی وابستگی پر نظر ثانی کریں۔ اگر وہ واقعی حقیقی اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں تو گرہ باندھ لیں کہ اس سوال کا جواب ''قادیانیت'' نہیں ہے۔

اگر میرا موقف غلط ثابت ہو جائے تو میرے والد مجھے مردود اور عاق کر دیں، اجتماعی طور پر قادیانی مجھ پر لعنت بھیجیں اور مجھے سولی پر چڑھا دیں۔ بخلاف اس کے اگر میرا موقف درست ثابت ہو تو نائیجیریا کے سارے قادیانیوں پر، جن میں میرے خونی اور خاندانی رشتہ دار بھی شامل ہیں، واجب ہو جاتا ہے کہ (قادیانیت کے ساتھ) اپنے تعلق پر نظر ثانی کریں جیسا کہ میں نے خود کیا ہے۔

اللہ عزوجل کے حضور خشوع وخضوع کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ اللہ انھیں سچے اسلام کی راہ دکھائے اور اس پر گامزن ہونے کی انھیں توفیق دے۔

والسلام علی من اتبع الھدی (طہ:47)

اخیر میں نہایت سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ، میں ان سب لوگوں سے جو اسلام کی سچی محبت اور تلاش میں اب تک قادیانیت سے چمٹے ہوئے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ اچھی طرح یہ سمجھ لیں کہ کسی اعتبار سے بھی قادیانیت اسلام نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بانی نے اس کو قادیانیت کا نام دیا، یہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ شروع سے (اسلام سے جدا) یہ ایک نیا مذہب رہا۔ علاوہ بریں قادیانیوں کے چند بنیادی عقائد اور اعمال، قادیانیت کو اسلام سے بالکل جدا کر دیتے ہیں۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہر شخص اس معاملہ میں آزاد ہے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ بلاشک وشبہ، یہ قانونی قواعد وضوابط اور بنیادی انسانی حقوق کی قرارداد کے عین مطابق ہے۔ بایں ہمہ یہ بات بھی اہم ہے کہ ایک شخص کا ذہن اس کام کے بارے میں بہت صاف ہونا چاہیے جسے کہ وہ کر رہا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قادیانیت اسلام سے الگ کوئی اور ہی مذہب ہے۔ اس لیے اس کے کٹر پیروؤں کو قرآن کے اس ارشاد کو یاد رکھنا چاہیے اور اس پر غور وفکر کر لینا چاہیے کہ ”جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کا طالب ہو تو اس سے وہ مذہب قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں ہوگا؟

* * *

رشید احمد خالد

جب قدرت نے راہنمائی فرمائی

میرا نام رشید احمد خالد ہے۔ میں قادیانی گھرانے میں پیدا ہوا۔ قادیان کی کفریہ اور غلیظ فضا میں آنکھ کھولی۔ باپ سے مرزا قادیانی کے عقائد باطلہ اور خرافات وراثت میں حاصل کیں اور بالغ ہونے پر ایک کٹر اور متعصب قادیانی تھا۔ میں نے مرزائیت کا لٹریچر خوب پڑھا اور قادیانیت کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لیں۔ پاکستان بننے کے بعد میں دار الکفر ربوہ منتقل ہو گیا۔ یہاں میں نے بڑے زور و شور سے قادیانیت کا پرچار شروع کر دیا۔ میری خدمات کو دیکھتے ہوئے مجھے مرزا ناصر کے ذاتی سٹاف میں شامل کر لیا گیا۔ وقت گزرتا گیا اور میں کفر و الحاد کی دلدل میں دھنستا گیا۔ لیکن ایک اہم نکتہ بیان کرتا جاؤں، جس نے میری کایا پلٹ دی کہ قادیانی ہونے کے باوجود مجھے حضرت علی ہجویریؒ سے بے پناہ عقیدت تھی اور میں اکثر ان کے مزار اطہر پر حاضری دیا کرتا تھا۔ آج سے تقریباً تین سال پہلے مجھے درد گردہ شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے قادیانی ڈاکٹروں سے علاج کروایا لیکن تکلیف بڑھتی گئی۔ اس پریشانی کے عالم میں ایک رات سو گیا لیکن میرے بخت جاگ اٹھے۔ خواب میں مجھے حضرت علی ہجویریؒ کی زیارت نصیب ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا ”کیوں پریشان ہو“ میں نے نہایت مودبانہ انداز میں جواب دیا ”درد گردہ نے ناک میں دم کر رکھا ہے“ حضرتؒ نے دعا کی اور جب میں خواب سے بیدار ہوا تو درد گردہ سے مکمل نجات پا چکا تھا۔ ایک رات پھر مجھے حضرتؒ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضرتؒ نے پوچھا کیوں پریشان ہو“ میں نے جواباً عرض کیا بچوں کے کچھ معاملات ہیں۔ اس سلسلے میں بڑا فکر مند ہوں۔ حضرتؒ نے دعا فرمائی اور میری وہ مشکلات بھی چند دنوں میں حل ہو گئیں۔ ایک رات پھر حضرتؒ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضرتؒ نے مجھے حکم دیا کہ مرزائیت پر لعنت بھیج کر مسلمان ہو جا۔ صبح بیدار ہوا تو میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور میرے ساتھ میرے بیوی بچے بھی مرزا قادیانی پر لعنت بھیج کر مسلمان ہو گئے۔ ہمارے مسلمان ہونے کی خبر رائل فیملی پر برق بن کر گری اور جھوٹی نبوت کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی۔ قادیانی میری جان لینے کے درپے ہو گئے۔ قادیانی قواعد کے مطابق پہلے مجھے لالچ دیا گیا۔ میں نے انکار کر دیا، پھر دھمکایا گیا۔ خوفناک مستقبل کی پیشین گوئیاں کی گئیں۔ لیکن میں نے نبوت کے ان قزاقوں سے بانگ دہل

کہہ دیا کہ یہ گردن کوئی کفری گردن نہیں جو جھک جائے۔ اب اس جسم میں جناب خاتم النبین صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت سے بھرا ہوا خون دوڑتا ہے۔ یہ گردن کٹ تو سکتی ہے جھک نہیں سکتی اور میں نے نبوت کے لٹیروں کو للکار کے یہ بھی کہہ دیا کہ میں ربوہ نہیں چھوڑوں گا اور یہیں ختم نبوت کا مورچہ قائم کر کے تمہاری جعلی نبوت کا پول کھولوں گا۔ گھر کا بھیدی ہونے کے ناتے تمہاری سیاہ کرتوتوں سے لوگوں کو آگاہ کروں گا۔ میری کھری کھری باتیں سن کر قادیانیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور ایک رات جب میں چنیوٹ سے گھر واپس آ رہا تھا تو راستے میں مجھ پر فائرنگ کی گئی، لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ میں صاف بچ گیا۔ تھانے میں، میں نے ابتدائی رپورٹ درج کروادی اور ان کے خلاف تھوڑی بہت کارروائی بھی ہوئی۔

میں نے اب قادیانیوں کو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا ہے، میری ایک جان کیا، اگر رب العزت مجھے ہزار جانیں بھی عطا کرے تو میں آمنہ کے لال ﷺ کی ختم نبوت پر نچھاور کر دوں گا لیکن تمہاری انگریزی نبوت کا تعاقب کرنا نہیں چھوڑوں گا۔

کیونکہ میں قادیانیوں کا تربیت یافتہ آدمی تھا اور ان کے کفر و الحاد کے داؤ پیچ اچھی طرح سمجھتا ہوں، لہٰذا اب میں ان کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو رہا ہوں۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ اب تک میں تینتیس قادیانیوں کو اسلام قبول کروا چکا ہوں اور انشاء اللہ زندگی کے آخری سانس تک ہر قادیانی تک جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچاتا رہوں گا۔

* * *

محمد اللہ وسایا ڈیروی

میں مسلمان کیوں ہوا؟

جناب ایم اللہ وسایا ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ درزی کا کام کرتے تھے۔ آزاد خیال تھے، قادیانیت کے نرغے میں آ گئے۔ قادیانیت کی روحانی و مالیاتی برکات سے مستفید ہوئے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ''قادیانیت سے اسلام تک'' ایک کتابچہ تحریر کیا جو قادیانی عقائد کی بیخ کنی پر مشتمل ہے۔

مجھے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ میں ایک عرصہ تک ارتداد و ضلالت کے مہلک گڑھوں میں دھکے کھانے کے بعد اب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوں اور آج میں نے خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ختم نبوت مضبوطی کے ساتھ تھام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر میرا خاتمہ کرے! آمین!!...... ارتداد کی زندگی کا تفصیلی خاکہ پیش کرنے کے لیے دفتر درکار ہیں۔ یہاں پر مختصر طور پر یہ بات بیان کرنی ہے کہ میں نے مرزائیت سے توبہ کیوں کی؟..... اور وہ کون سے اسباب و علل ہیں جنھوں نے مجھے قادیانی کذاب کا دامن چھوڑ کر دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھامنے پر مجبور کیا......!

میں مغربی پاکستان کے ایک پسماندہ ضلع ڈیرہ غازی خان کا باشندہ ہوں۔ شہر میں گھڑیوں کی میری ایک دکان ہے۔ میں شروع سے ہی ان باتوں میں دلچسپی لیا کرتا تھا کہ ''مسلمان قوم'' چونکہ آج کل انتہائی پسماندگی اور ذلت کا شکار ہے، اس قوم کی اصلاح کے لیے ضرور کوئی نیا اقدام کرنا چاہیے......! اس سلسلہ میں دین و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ملک بھر میں جتنی جماعتیں اور تنظیمیں موجود تھیں، ان کی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ کرتا رہا...... مرزائی مبلغین جب ارتداد کی تبلیغ کرتے تو وہ بھی ''قوم'' کی اصلاح اور مسلمانوں میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کے عزائم کا اظہار کرتے۔ چنانچہ وہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی اور دوسرے مرزائی حضرات کے ایسے ایسے اقوال پیش کرتے جو ان ہی باتوں سے متعلق ہوتے......! ان لوگوں کی طرف سے ایسی باتوں کا اعلان میرے جذبہ عقیدت کو اور تقویت پہنچاتا۔ میں نے دل و دماغ سے یہ باور کر لیا کہ مرزائیت بھی ''اسلام'' ہی کی تبلیغ و اشاعت کا دوسرا نام ہے اور یہ گروہ بھی اسلام میں وہی مقام

رکھتا ہے، جو مقام دوسرے مسلمان فرقوں مثلاً دیوبندی، بریلوی وغیرہ کو حاصل ہے۔

ایک طرف عقیدت و احترام کا یہ عالم تھا کہ علماء کرام اور دوسرے لوگوں کی زبان سے مرزائیت کے بارے میں کوئی اختلافی کلمہ سننے کے باوجود میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ مخالفین مرزائیت کی بات سن کر مجھے تشویش لاحق ہو جاتی ...... ! اور میرے دل میں ہمیشہ یہ کھٹکا رہتا کہ اگر میں مر گیا تو میری نجات کی صورت کیا ہوگی ...... ؟ کیوں نہ اس بارے میں پوری تحقیق کر کے صحیح اقدام کر لیا جائے ...... !

یہاں ڈیرہ غازی خاں میں بہت سے علماء کرام اور ان کی مذہبی جماعتیں موجود ہیں، لیکن خدا بھلا کرے "کارکنان مجلس تحفظ ختم نبوت" کا کہ انھوں نے نہ صرف مسلم قوم کو مرزائیت کے پرفریب جال سے بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی، بلکہ ملک کو مرزائیوں کی غدارانہ سرگرمیوں سے محفوظ و مامون رکھنے کے لیے ایسی خدمات انجام دی ہیں کہ مورخ ان سنہری خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا ...... !

تلاش حق کے لیے میں نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے ارکان سے معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ انھوں نے پوری ہمدردی اور پرخلوص جذبات سے میری رہنمائی کی ...... !

پہلے مسئلہ ختم نبوت سمجھانے کے لیے مثبت طور پر مختلف کتابیں اور پمفلٹ مجھے مطالعہ کے لیے دیے ...... جب اس بارے میں میری دلچسپی بڑھ گئی تو میں نے حقیقت مرزائیت معلوم کرنے کے لیے مرزائیت کا لٹریچر پوری توجہ اور غور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا ...... !

چنانچہ جن باتوں کو محض جذبہ عقیدت میں اندھا ہو کر نظر انداز کر جاتا تھا، اب ان کی قباحت مجھ پر آشکار ہونے لگی اور اسلام، خدا، رسولؐ اور قرآن کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی یا دوسرے مرزائی حضرات جو گستاخانہ، اشتعال انگیز اور انتہائی فحش الفاظ استعمال کرتے تھے، اب وہ میرے لیے ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے۔

میں نے انتہائی غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ مرزائیت کوئی سچا مذہب تو درکنار ...... عام شریف انسانوں کا مسلک بھی نہیں ہو سکتا۔ مرزائیت کا لٹریچر گستاخیوں، اشتعال انگیزیوں اور فحش کلمات سے بھرپور ہے۔

مرزائیت کا اصلی چہرہ

مرزائیت کوئی خاص مذہبی فرقہ نہیں، بلکہ اسلام کے ایک ایک رکن، ایک ایک جزو اور اس کے ایک ایک تصور کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کے تحفظ اور اسلام کے خاتمہ کے لیے "مرزائیت" کو جنم دیا ...... پھر اس کی پرورش کے لیے اپنی مالی اور جانی امداد کے تمام دروازے کھول دیے ...... !

مسلمان ہندوستان میں چونکہ ایک "غلام" کی حیثیت سے زندگی کے انتہائی تلخ ایام گزار رہے

تھے۔ اس لیے وہ من حیث القوم تحریک آزادی وطن سے اپنی پوری توجہ فتنہ مرزائیت کے استیصال کی طرف تو مبذول نہ کر سکے، البتہ جزوی طور پر ایک جماعت ایسی ضرور رہی جو استخلاص وطن کی تحریک میں نمایاں خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ "مرزائیت" کے خلاف برسرپیکار رہی۔

"فتنہ مرزائیت" کے بارے میں چند نمایاں باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان پر خصوصی توجہ دینے کے بعد قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ اس قسم کے نظریات وعقائد کی موجودگی میں اسلام کا تقدس اور اس کی عظمت وشوکت کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟

خدا تعالیٰ

اسلام نے خالق کائنات خدا تعالیٰ کا تصور یہ پیش کیا ہے کہ وہ ایک ایسی پاک اور منزہ ذات ہے جس کے ساتھ کسی قسم کا عیب، برائی اور بے ہودہ پن کا تصور بھی گناہ عظیم ہے......!

خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی بھی ہمسر یا شریک نہیں۔ مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق، انسان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی "انسان" کی ادنیٰ صفت کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرے گا تو وہ خدا کے ہاں بہت بڑا مجرم ہوگا۔ مثلاً انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، نکاح کرتا ہے اور بچے جنتا ہے۔ اگر کھانے پینے اور بچے جننے کی صفت خالق کائنات "خدا تعالیٰ" کی ذات سے بھی وابستہ کردی جائے تو خدا تعالیٰ کا تقدس کہاں باقی رہا......؟

فتنہ مرزائیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے سب سے پہلے اسلام کے اس تصور کی اس طرح مٹی پلید کی کہ

> "خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ نکاح کیا اور پھر میرے ساتھ وہی کام کیا جو عام انسان اپنی عورتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بعد ازیں مجھے حمل ٹھہرا...... اور مجھے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑا جن سے عورتوں کا گزر ہوتا ہے! (ملخصاً)

...... چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مرید نے ایک ٹریکٹ بعنوان "اسلامی قربانی" میں لکھا ہے......!

> "حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور "اللہ تعالیٰ نے رجولیت" کی قوت کا اظہار فرمایا۔"
>
> (ٹریکٹ 34 "اسلامی قربانی" مصنفہ قاضی یار محمد قادیانی، مطبوعہ ریاض الہند پریس، امرتسر)

قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس قسم کے فحش کلمات وابستہ کیے جائیں تو خدا کی ذات کے متعلق اسلام کا بنیادی مقدس تصور کس طرح باقی رہ سکتا ہے......!

اسلام سے اختلاف رکھنے والے ”بعض کافروں“ نے خالق کائنات کے وجود سے تو انکار کیا ہے، لیکن آج تک خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس قسم کا گندا اور فحش تصور کسی نے بھی پیش نہیں کیا جو بے ہودگی مرزا غلام احمد قادیانی نے کی ہے۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ

خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایک مقدس عقیدے اور پاکیزہ نظریے کے بعد اسلام نے دوسرا تصور، انبیاء و رسل کے متعلق یہ پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی انبیاء و رسل مبعوث فرمائے ہیں اور ان تمام انبیاء کرام میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا آخری پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا۔ خدا نے آپ پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرما کر اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ انسانوں کی فلاح و نجات کے لیے جو کچھ میں نے نازل کرنا تھا، وہ کر دیا، اب حضرت محمد مصطفیٰ پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی ہے......!

قرآن مجید پر کتاب......اور اسلام پر اپنے دین کو مکمل کر دیا ہے!

گویا......اسلامی عقائد و نظریات میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کو ایک مرکزیت عطا فرمائی گئی ہے......! اگر پیغمبر علیہ السلام کی ذات کا واسطہ درمیان سے ہٹا دیا جائے تو نہ خدا کے متعلق صحیح تصور قائم رہتا ہے اور نہ ہی اسلام کا کوئی دوسرا نظریہ......! اسلام کی مرکزیت تباہ کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے سب سے شرمناک جسارت یہ کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق یہ تصور پیش کیا:

> ”جس ”محمد رسول اللہ“ کے ساتھ اسلام کی مرکزیت قائم ہے، وہ میں ہی ہوں۔“

چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل کے لیے مرزا غلام احمد نے سب سے پہلے ہندوؤں کے نظریہ تناسخ سے اپنی تائید حاصل کی اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک انسان بہت سی روحوں میں منتقل ہو کر ایک زمانہ گزر جانے کے بعد پھر اپنی پہلی شکل اور پہلی حیثیت میں رونما ہو سکتا ہے......!

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ”غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑہائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔
>
> (”تریاق القلوب“ ص 298، ایڈیشن سوم، مہتمم طبع و اشاعت بکڈپو قادیان)

مرزا غلام احمد نے نظریہ تناسخ کی تائید کے بعد اپنے لیے اس دعوے میں گنجائش پیدا کر لی کہ وہ

خود محمد رسول اللہ بن گئے۔

چنانچہ لکھا ہے:

> ”حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے لفظ ”رسول“ اور ”مرسل“ اور ”نبی“ کے موجود ہیں، چنانچہ میری نسبت یہ وحی اللہ ہے۔ محمد رسول اللہ (الآیہ) اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔“

(”ایک غلطی کا ازالہ“ مصنفہ مرزا قادیانی، ص 14)

> ”میں محمد مجتبیٰ ہوں اور احمد مختار ہوں۔“

(”تریاق القلوب“ ص 6)

مرزا غلام احمد قادیانی نے نظریہ تناسخ کی رو سے یہ دعویٰ کیا کہ جو ”محمد رسول اللہ“ ملک عرب میں پیدا ہوئے، جو پیغمبر آخر الزمان کی حیثیت میں مبعوث ہوئے تھے، وہ میں ہی ہوں۔

اس دعوے کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثانیہ میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے، اس ابہام کو ان واضح الفاظ سے دور کر دیا:۔

> ”ہمارا عقیدہ ہے کہ دوبارہ حضرت محمد رسول اللہ ہی آئے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ پہلے نبی تھے، تو اس بعثت میں بھی نبی ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ کے انکار سے پہلے انسان کافر ہو جاتا تھا تو اب بھی آپ کے انکار سے انسان ضرور ضرور کافر ہو جائے گا۔ ہم نے مرزا کو بحیثیت مرزا نہیں مانا، بلکہ اس لیے کہ خدا نے اسے محمد رسول اللہ فرمایا ہے۔“

(تقریر مفتی اعظم قادیانی جماعت مولوی سرور شاہ...... ”الفضل“ 27 دسمبر 1914ء ص 7)

> ”اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت اخرین منھم سے ظاہر ہے۔ پس مسیح موعود خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔“

(”کلمۃ الفصل“ ص 158)

گویا اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ہی دراصل مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں دوبارہ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس بعثت ثانیہ کے دعوے کے ساتھ ساتھ ان باتوں کی بھی تصریح کر دی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں بعثتوں پر ایمان لانا ضروری ہے،

لیکن ان دونوں بعثتوں میں ایک امتیاز اور خصوصیت یہ ہے کہ بعثت اولیٰ ناقصہ تھی اور بعثت ثانیہ تامہ اور اکمل ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کلام میں اس بات کا اعلان کیا ہے:

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

(''درثمین'' اردو، ص 112)

''حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت ان دنوں (مرزا غلام احمد کا زمانہ) میں بہ نسبت ان (حضور علیہ السلام کا زمانہ) سالوں کے اقویٰ و اکمل واشد ہے، بلکہ بدر کامل چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔''

(''خطبہ الہامیہ'' مصنفہ مرزا غلام احمد، ص 181)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کی جڑ کاٹنے اور اس کی مرکزیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے دوسرا انتہائی گستاخانہ تصور یہ پیش کیا کہ جس طرح ایک انسان ترقی کر کے خود ''محمد رسول'' بن سکتا ہے (نعوذ باللہ) بعینہٖ ایک انسان ترقی کے منازل طے کر کے اپنی محنت اور کوشش سے بڑھ بھی سکتا ہے۔

اس نظریہ کی تائید میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان نے اپنے ایک خطبے میں اعلان کیا ہے:

''اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بند نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔''

(خطبہ مرزا محمود، مندرجہ ''الفضل'' 16 جون 56ء، ص 8)

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے، حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے، کیونکہ اگر روحانی ترقی کی تمام راہیں ہم پر بند ہیں تو اسلام کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے اور پھر اس میں کوئی خوبی بھی نہیں کہ ایک کو بڑھا دیا جائے اور دوسرے کو بڑھنے نہ دیا جائے۔''

(بیان مرزا محمود، مندرجہ ''الفضل'' 17 جولائی 1922ء، ص 5)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر اس قسم کے گستاخانہ اور ناقابل برداشت حملے کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے تیسرا اقدام یہ کیا کہ اس نے اپنے پیروکاروں اور مریدوں کو وہی درجہ عطا کیا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار ساتھیوں اور فداکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے، چنانچہ مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

''جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا، درحقیقت سردار خیر المرسلینؐ کے صحابہؓ میں

داخل ہوا۔" ("خطبات الہامیہ" ص 171)

مرزائیوں میں مرزا غلام احمد کے اس اعلان کی رو سے ان لوگوں کو "صحابہ کرام" کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان میں سے جو مر گئے ہیں، ان کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ عنہم" لکھا جاتا ہے تاکہ مرزا غلام احمد کے صحابہ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے ساتھ مماثلت تامہ حاصل ہو جائے......!

اہانت و گستاخی

اہانت و گستاخی کا یہ پہلو یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ مرزا غلام احمد اور اس کی امت نے انبیاء کرام، بزرگان دین اور اولیاء کرام کی شان میں وہ وہ گستاخانہ اور اشتعال انگیز جملے استعمال کیے ہیں کہ ایک شریف انسان انھیں قطعاً برداشت نہیں کر سکتا......!

خوف طوالت کی وجہ سے یہاں پر چند حوالہ جات درج کر کے اس بحث کو ختم کیے دیتا ہوں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ جو لوگ حدود شرافت پھاند کر اس حد تک کمینگی اور سفلہ پن پر اتر آئیں، ایک عام شریف انسان...... ان کے ساتھ اپنی عقیدت کی گرہیں کب تک باندھ سکتا ہے......؟

حضرت مسیحؑ

مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی شان اقدس میں لکھا ہے:

> "یسوعؑ کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا، پھر افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا......!" (ضمیمہ "انجام آتھم" ص 7 "نور القرآن" 2، ص 12)

حضرت حسینؓ

> "تم نے مشرکوں کی طرح حسین کی قبر کا طواف کیا۔ پس وہ تمھیں نہ چھڑا سکا اور نہ مدد کر سکا۔ تم نے اس کشتہ سے نجات چاہی کہ جو نومیدی سے مر گیا اور بخدا اس کی شان مجھ سے زیادہ نہیں۔ میرے پاس خدا کی گواہیاں ہیں۔ پس تم دیکھ لو اور میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے۔ پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔ تم نے خدا کے جلال و مجد کو بھلا دیا اور تمہارا ورد صرف حسین ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے......!" (اعجاز احمدی، ص 80، "در ثمین" عربی، ص 241)

اب...... اس شخص کا اپنا کیریکٹر اور اخلاق ملاحظہ کیجیے جو (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ کا روپ

دھار کر قادیان میں مبعوث ہوا جو رسول کریم علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، جو ابن مریم اور حسین بن علی سے افضل ہے۔

> ”چونکہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں، اس لیے ان کو موسم سرما کی اندھیری راتوں میں غیر محرم عورتوں سے ہاتھ پاؤں دبوانا اور ان سے اختلاط و مس کرنا منع نہیں ہے بلکہ کار ثواب اور موجب رحمت و برکات ہے۔“

(”الفضل“ 20 مارچ 1928ء، ص 6 قادیان ”سیرۃ المہدی“ حصہ سوم، ص 210-212 ”الحکم“ 17 اپریل 1897ء)

اخلاق و کردار کے اعتبار سے اس قسم کا گھٹیا انسان، جو غیر محرم عورتوں سے پاؤں دبوائے، سرد اندھیری راتوں میں غیر عورتوں سے اختلاط و مس کرے، جب یہ کہے کہ میں ”محمد رسول اللہ“ ہوں تو خدا کے لیے بتایا جائے...... کہ اس گستاخانہ، اشتعال انگیز اور انتہائی ناگفتہ بہ حربے کی چوٹ کہاں جا کر پڑتی ہے......؟

ان باتوں سے اسلام کی عظمت کو کس طرح پارہ پارہ کیا گیا ہے۔

میں نے جب اس قسم کے فحش حوالہ جات دیکھے تو ایک ایک حرف پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ ان حوالہ جات پر نگاہ جما سکوں۔ میں نے انتہائی فکر و تجسس کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ دور حاضر میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت فتنہ مرزائیت کا استیصال ہے۔ جب تک یہ فتنہ موجود ہے، اسلام کی عظمت و شوکت کا باقی رہنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے......!

❀......❀......❀

عزیز احمد

نیا سفر

جناب عزیز احمد ٹھیکیدار چک جھمرہ ضلع فیصل آباد کے رہنے والے تھے۔ خاندان مسلمان تھا۔ 1927ء میں قادیانیت کے ہتھے چڑھ گئے۔ چک جھمرہ کی قادیانی جماعت کے روح رواں ہو گئے۔ اتفاق سے قادیانی ملازمین چک جھمرہ میں بسلسلہ ملازمت آئے۔ ان کے کرتوت دیکھے، وٹرنری ہسپتال کے اسسٹنٹ قادیانی کی ''پتنگ بازی'' ہائی سکول کے قادیانی ہیڈ ماسٹر کی اغلام بازی، ایک نام نہاد معزز چودھری قادیانی کی شراب نوشی اور ایک قادیانی عربی ٹیچر سودہ کی زنا کاری دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ قادیانیوں کی یہ حرام کاریاں دیکھ کر سوچتے تھے کہ شاید انفرادی کمزوریاں ہیں۔ ربوہ رہائش اختیار کی تو مرزا محمود سے لے کر اس کی بیوی تک، بازار و کوچہ سے لے کر محلات تک، مٹی سے لے کر اینٹ وگارا تک، پانی سے لے کر کیچڑ تک سب کو ان حرام کاریوں میں مبتلا پا کر عقیدت کی دیوار زمین بوس ہو گئی۔ ان کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا ٹھیکہ دیا گیا۔ ربوہ انجمن و مرزا محمود کے مالیاتی کرشموں کو دیکھا تو چیخ اٹھے۔ قادیانیوں نے ان کے خلاف اپنی عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ جس کے متعلق خود عزیز احمد لکھتے ہیں ''احمدی وکیلوں نے وہ جھوٹ بولے کہ کوئی بڑے سے بڑا مفتری اور کاذب آدمی دیدہ دلیری کے ساتھ شاید قتل کے مقدمہ میں بھی جھوٹ نہ بول سکتا ہو اور ہر جھوٹ بولنے کے بعد احمدی حضرات ایک خاص تمسخر اپنے ہونٹوں پر لاتے تھے اور اپنی داڑھیوں پر فخریہ اور فتح مندانہ انداز میں ہاتھ پھیرتے تھے۔ محترم جج نے مضحکہ خیز فیصلہ کیا۔ 1927ء میں قادیانیت کی خاطر ایمان کو چھوڑا تھا۔ 1947ء کے بعد عقیدت کی خاطر اپنے وطن چک جھمرہ کو چھوڑا۔ ربوہ میں قادیانی قیادت کی اخلاق باختگی، حرام کاری دیکھ کر 15 مارچ 1951ء میں قادیانیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ (خود ربوہ کی کہانی، ربوہ والوں کی زبانی) ایک کتابچہ میں یہ حالات تحریر کیے ہیں۔

خاکسار نے 1927ء میں جماعت قادیانی میں شمولیت کی۔ گو ہمارے خاندان میں بعض افراد کا اس جماعت سے تعلق تھا مگر ہمارے گھر میں مجھ سے ہی ابتداء ہوئی۔ میرے والد محترم میاں فضل کریم صاحب مرحوم منڈی چک جھمرہ میں ایک بہترین، نیک اور ذی عزت مسلمان تھے۔ شہر اور علاقہ کے ہندو اور مسلمانوں کو ان سے خاص عقیدت تھی مگر میرے احمدیت کو قبول کرنے سے مسلمان صاحبان کو مجھ سے دینی اور دنیاوی اختلافات پیدا ہوئے۔ میں نے اس مخالفت کے ان اثرات کو اہمیت نہ دی۔ اوائل میں تو

شاید میری قبول احمدیت محض رسمی ہو گی مگر متواتر قادیان میں آمد و رفت اور دیگر احمدی رشتہ داروں کے خوشگوار تعلقات سے متاثر ہو کر جماعت احمدیہ سے ایک عقیدت ہو گئی اور اس سلسلہ کو محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے ماتحت دنیاوی تکلیفات پر ترجیح دی اور ہر رکاوٹ کا مقابلہ کیا۔ اپنی اس چوبیس سالہ زندگی میں سلسلہ احمدیہ سے خلوص دل سے تعلقات رکھے۔ اپنے کئی عزیزوں، دوستوں اور ملازموں کا احمدیت سے تعارف کرایا اور حضرت مسیح موعود کی تائید میں تبلیغی اجلاس منعقد کرائے اور احمدیت کا پیغام عوام تک پہنچایا اور اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ تقسیم ملک سے پیشتر چک جھمرہ میں صرف خاکسار ہی مقامی احمدی تھا۔ چند احمدی ملازمین وقتی طور پر وہاں رہے اور ان کی نمونہ زندگی سے متاثر ہو کر اور کسی کو شامل ہونے کا موقع نہ ملا۔ ایک مویشی ہسپتال میں ویٹرنری اسسٹنٹ تھے۔ جن کو ''پتنگ بازی'' کا بہت شوق تھا۔ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب ایک بدترین اخلاق سوز فعل کے مرتکب رہے۔ ایک معزز چودھری صاحب نے ہمیشہ شراب نوش فرمانے کا شغل جاری رکھا اور اب موجودہ ایک عربی ٹیچر صاحب سود لینا معیوب خیال نہیں فرماتے بلکہ ان کی مقرر کردہ شرح سود ہے، مگر پٹھانوں کی طرح بہت زیادہ ہے۔ ایک محترمہ اور میرے دوست کے خانگی حالات بہت شرمناک رہے۔ موضع جنڑانوالہ ایک قریبی گاؤں کے مولوی نذیر احمد صاحب برق خاندانی احمدی نے، کئی ہندو اصحاب کو حضرت مسیح موعود کا خصوصی نمائندہ ظاہر کر کے بہت زیادہ لوٹا اور بدترین فعل کیے۔ میرے پاس ان کا ایک پارسی کے نام خط موجود ہے، جس میں کہ انھوں نے اس پارسی کو احمدیت میں شمولیت کی دعوت دی ہے اور اس کی چھوٹی بچی کا رشتہ خود اپنے لیے خداوندی حکم کے ماتحت طلب کیا ہے اور خود میں، ایک سو مردی طاقت موجود ہونے کا اظہار کیا ہے۔ اس خط سے ان لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خط عنقریب آپ حضرات کے مطالعہ کی غرض سے شائع کرا دیا جائے گا۔ غرضیکہ ان حالات کے ماتحت اور کسی مسلمان کو چک جھمرہ سے احمدیت میں شامل ہونے کا حوصلہ نہ ہوا اور میرے لیے مزید مشکلات کا سامنا ہوا۔ مگر ان احمدی حضرات کے افعال، میرے عقائد پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ انفرادی کمزوریاں سمجھ کر جماعت احمدیہ کی تعلیم پر شکر کیا اور احمدیت کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین کرتے ہوئے اپنے عقیدہ پر چٹان کی طرح قائم رہا۔ کراچی میں ایک بہت بڑے ڈاکٹر ہیں جو کہ حضرت مسیح موعود کے عزیزوں سے ہیں اور موجودہ خلیفہ صاحب کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔ انھوں نے خانگی حالات کے زیر اثر چند ذی عزت احمدیوں کو ہم خیال بنا کر ایک پارٹی بنائی ہوئی ہے جو کہ اس موجودہ قادیانی جماعت اور ان کے امیر کے خلاف زہر اگلتی رہتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پارٹی سے عدم تعاون رکھا اور کبھی بھول کر بھی ان کے بیانات پر یقین نہ کیا بلکہ ذی اقتدار کمزور احمدیوں کا ایک فتنہ سمجھا اور بعض گھریلو حالات کے غلط اثرات پر یقین کیا۔ میں بہر کیف ایک دنیادار انسان تھا۔ مگر دینی عقائد پر عمل کرنے کی تمنا ضرور تھی۔ گنہگار ضرور تھا مگر ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دینی اور دنیاوی برکات حاصل کرنے میں میری دعائیں شامل

رہیں۔ چنانچہ 1949ء کراچی میں مجھے اپنے نئے "مرکز احمدیہ ربوہ" میں ٹھیکیداری کا کام کرنے کی ترغیب دی اور وہاں پر ہونے والی تعمیری سرگرمیوں کا ذکر کیا اور ربوہ میں دینی اور دنیاوی لحاظ سے مجھے میرا مستقبل نہایت روشن دکھایا گیا۔

ربوہ جیسی مقدس جگہ پر سکونت اختیار کرنے اور بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے ذرائع پیدا ہونے پر ایک والہانہ خوشی ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے کاروبار کو سمیٹا۔ مکان وغیرہ فروخت کیا، دفتر اور کاروباری پلاٹ واقف کاروں کے سپرد کیا اور اپنے خانگی اور رہائشی سامان کو کھلے پلاٹ میں چھوڑ کر سالانہ جلسہ سے پہلے پہلے ربوہ آ گیا۔ ربوہ میں ابھی عمارتی نقشہ جات کی تکمیل ہونا باقی تھی۔ اس لیے عارضی طور پر ٹیوب ویل کا ایک سرکاری کام حاصل کر لیا اور اپنی رہائش ایک واقفیت کی بنا پر کسی دوست کے ساتھ ربوہ میں اختیار کر لی اور ہر رات کو خود بھی وہاں آ جایا کرتا تھا۔ ربوہ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے افسران اور ان کے متعلقہ عملہ سے بہترین تعلقات قائم کر لیے۔ گو ان کی طرف سے ناجائز فرمائشیں بھی ہوا کرتی تھیں اور میں محض تقدس کے ماتحت ان کی فرمائشیں پوری کر دیا کرتا تھا کیونکہ مذہبی طور پر ان لوگوں کو حق بجانب خیال کیا جاتا تھا۔ مگر قابل برداشت حد تک آخر کار مجھے ٹی۔ آئی ہائی سکول ربوہ کی عمارت بنانے کا ٹھیکہ مل گیا۔ تب میں نے اپنے میٹریل سے انجمن کی عارضی زمین پر اپنا رہائشی مکان تعمیر کر لیا اور اپنی مکمل ذمہ داری پر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ تب تک میرے محترم حضرت صاحب کوئٹہ تشریف لے جا چکے تھے۔ سرکاری کام کو اپنے منشی کے سپرد کیا جو کہ اس کام کو چلا نہ سکا اور میں نے اس کام پر توجہ دینا اپنے لیے ناممکن خیال کیا۔ کام بند کر دیا گیا۔ اب سلسلہ کے ان افسران سے بھی ویسی ملاقات کرنے کا وقت نہ ملتا تھا کیونکہ میرے نزدیک سب سے ضروری فرض، سلسلہ کی تعمیر پر نگرانی کرنا تھا۔ میرے اس فرض کے ماتحت ان افسران کو میرا وہاں ان کے در دولت پر حاضر نہ ہونا یقیناً ناپسند آیا اور تعمیر افسر صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے میرے دیے ہوئے ٹینڈر پر میرے نام کے کام کا ایک حصہ اپنے ایک دوسرے ٹھیکیدار کو خود بخود دے دیا اور تعمیر کا میٹریل براہ راست اس دوسرے ٹھیکیدار کو سپلائی کیا جاتا تھا۔ پانی کی بھی سخت تکلیف دی گئی۔ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے لیے میٹریل مجھے خود سپلائی کرنا پڑا، جو کہ معاہدہ کے خلاف تھا اور میرے لیے یہ کام سخت تکلیف دہ تھا کیونکہ ہر کام جس کو کرنا پڑا، وہ فوری ضرورت کے ماتحت ہوا اور بہت رکاوٹوں سے ہوا۔ افسران نے باقاعدہ مصدقہ طور پر کام کا ایگریمنٹ بھی نہ کیا حالانکہ بار بار تحریری طور پر اس ضرورت کا اظہار کیا مگر ہر وقت وعدوں پر ٹال مٹول ہوتی رہی۔ تعمیری کام میں جو مشکلات دی گئیں، مختلف افسران کو مختلف اوقات میں، موقع پر اس تکلیف کی اطلاع دی اور اس کے نقصانات کا اظہار کیا۔ حالانکہ بار بار تحریری طور پر اس ضرورت کا اظہار کیا مگر کسی نے کوئی توجہ نہ دی اور کسی طریقے سے بھی کوئی مشکل حل نہ ہوئی بلکہ میری ان

تکلیفات میں ہمیشہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس قسم کے تعلقات یہ احمدی حضرات مجھ سے چاہتے تھے، وہ مجھے یقیناً پسند نہ تھے کیونکہ محض ایمانداری اور نیک نیتی کے ماتحت اپنے مرکز میں کام شروع کیا تھا۔ اگر دنیادارانہ طریقہ پر ہی کام کرنا تھا تو پھر دنیا بہت تھی۔ اس مقام کو تو دین کا مرکز سمجھا اور دین داری طریقہ پر کام کرنا پسند تھا۔ میرے نظریہ میں یہ کام قوم کا تھا۔ انجینئرنگ کے لحاظ سے کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہو سکی اور اگر محض تعلقات اور میرے خوددارانہ رویہ کی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے شاکی تھے، تو مجھے ان کی خاطر کسی طرح بھی منظور نہ تھی۔ اب مجھے صرف حضور کا انتظار تھا۔ میرے خیال میں حضور کی آمد مبارک پر یہ تکلیفات فوری طور پر دور ہونا لازمی امر تھا۔

یہ افسران لوگ محض غلط فہمی کی بنا پر خود کو عوام پر ہر لحاظ سے فوقیت دیتے تھے اور عوام کی نسبت ان کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ ان کا طرز عمل ان کے مذہب سے جداگانہ تھا۔ ملک کے دیگر سرمایہ دار لوگوں سے ان کی ذہنیت ملتی جلتی ہے اور ربوہ کے افسران بغیر سرمایہ کے ہی احمدی عوام کو حقیر ترین مخلوق خیال کرتے ہیں، کیونکہ احمدیت کا ماحول بہر کیف امیرانہ ہے اور ان افسران کو تقریباً ہر وقت ایسے ہی لوگوں سے واسطہ رہتا ہے، اس لیے ان کی ذہنیت یقیناً سرمایہ دارانہ ہو چکی ہے، جس کو کوئی خوددار احمدی برداشت نہیں کرسکتا۔ چاہے وہ کس قدر غریب یا ان کے رحم پر ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی کوئی مومن اور نیک احمدی ان کے نمونہ زندگی کو دیکھ کر ان کو پسند کرسکتا ہے۔ ان لوگوں کے ظاہر و باطن میں ایک نمایاں فرق ہے۔ یہ لوگ نہ صرف اپنے ''امیر المومنین'' کو دھوکا دیتے ہیں، بلکہ یہ ہمیشہ ایک عورت کی طرح خود کو بھی دھوکے میں رکھتے ہیں۔ ان کی بول چال، شکل و شباہت، میل ملاپ، رہنے سہنے غرضیکہ ہر فعل اور حرکت میں تصنع اور بناوٹ ہے۔ یہ لوگ کسی ناواجب حرکت یا عمل کو ظلم اور بے انصافی خیال ہی نہیں کرتے۔ جس احمدی دوست کو میرے اس بیان سے اختلاف ہو، وہ اس کی صداقت کے امتحان کے لیے وہاں خود رہ کر دیکھے۔ وہاں رہنے سے اسے اس حقیقت کا پتہ بخوبی چل جائے گا۔

ٹی۔ آئی ہائی سکول ربوہ کی عمارت چھت تک پہنچ کر نامکمل رہ گئی کیونکہ چھت کا سامان انجمن نے جان بوجھ کر نہ منگوایا تھا۔ یہ ان لوگوں کی مکمل اور کامیاب سازش تھی کیونکہ ان کی سابق سب چالیں اور طرز حکومت، کام کو بند کرنے میں محض ناکام ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخری انسانیت سوز ان لوگوں نے یہ حرکت بھی کی کہ میری لاگت شدہ رقم کو تا اختتام عمارت روکنے کا اعلان کر دیا۔ یہ ان کی ایک گہری چال تھی۔ ایک ٹھیکیدار یا کسی تجارتی معاملہ میں ایک معقول رقم حقدار کو ادا نہ کی جائے تو یقیناً کاروباری صورت پر اس کا اثر بہت گہرا پڑے گا۔ حالانکہ عمارتی قانون کی رو سے اور ٹینڈر کی رو سے ان لوگوں کو میری لاگت معہ ہرجانہ کے ادا کرنی چاہیے تھی۔ مگر شاید ایسے لوگوں کو انسانیت برقرار رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ لوگ خود کو

مذہب کے اجارہ دار خیال کرتے ہیں۔ مذہبی طور پر یا اپنی الہامی کتاب کا صرف مطالعہ کر کے عوام کے سامنے اپنا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں اور شاید سننا بھی منظور نہ ہو بلکہ ان کے سامنے بیٹھنا ضروری خیال کرتے ہیں تا کہ یہ ضروری اور لازمی دنیاوی روزگار ہمیشہ قائم رہ سکے ورنہ ان کو نہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور نہ ہی اپنے امیر جماعت کی عزت کا پاس، غریب اور عوام احمدی کو تو ایک بدترین انسان بھی خیال نہیں کیا جاتا، چہ جائیکہ وہ زیادہ مخلص اور ایماندار اور ذمہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ان افسران کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی نو وارد احمدی کو ان کی سوسائٹی کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو سکے، ان کی زندگی کا کوئی پہلو اجالے میں نہ آ سکے، ہمیشہ اندھیرا رہے اور جو کوئی کچھ دیکھ پائے، اس کی زبان بند کر دی جائے اور دوسروں کی آنکھوں کو بند کر دیا جائے۔ اپنی طاقت پر ناز ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی گرفت کے منکر ہوتے ہیں غرضیکہ اسی دوران میں جونیئر کوارٹرز تحریک جدید کے ٹینڈر ہوئے۔ کم ریٹ ہونے کی بنا پر مجبوراً اس نئے محکمہ کو بھی میرا ٹینڈر ہی منظور کرنا پڑا۔ اس میں میٹریل ہمارے ذمہ تھا۔ اودرسیر صاحب نے تین دفعہ ٹینڈر کی رقومات میں کمی بیشی کرائی۔ ہر ٹھیکیدار کے لیے یہ ایک انوکھی بات ہو سکتی ہے مگر شاید ان کی روزمرہ کی عادت ہو۔

اس کل کام کا 1/3 حصہ مجھے ملا۔ 1/3 حصہ کرم نواب محمد احمد صاحب کو دیا گیا اور 1/3 حصہ خود تعمیر کمیٹی نے خود تعمیر کرنے کے لیے ریزرو رکھا مگر حسب قاعدہ خود شروع نہ کیا۔ اس میں بھی محکمہ کی خود بے ایمانی تھی۔ اگر وہ خود کام کرتے تو ان کا ایک نمونہ قائم ہو جاتا۔ مگر ان کی منشا تو ہمارے کاموں میں نقص نکال کر ہم کو بھگانے کی تھی اور روزانہ اجرت پر کام چلانا تھا، جس میں کہ ان لوگوں کو بے ایمانی کی بنا پر ایک معقول بچت ہوتی ہے، جیسا کہ اب کام ہو رہا ہے۔ یہی ان کی منشا تھی۔

ایگریمنٹ جونیئر کوارٹرز تحریک جدید ہونے کے دوسرے روز ہی دریائے چناب میں طغیانی آ گئی اور ربوہ کے چاروں طرف کے راستے بند ہو گئے۔ ایگریمنٹ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ارضی اور سماوی حادثات کی بنا پر ٹھیکیدار پابند اختتام کام وقت مقررہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ ''حضور'' بھی واپس سیدھے ربوہ تشریف نہ لا سکے۔ بلکہ ان کو ایک عرصہ تک لاہور رکنا پڑا۔ چنانچہ جب کار کے ذریعے سڑک کچھ آمد و رفت کے قابل ہوئی تو حضور تشریف لائے۔ کچھ روز ان کے آرام فرمانے کے بعد حضور کی خدمت میں عمارت سکول کی تکلیفات کا ذکر کیا۔ تین چار عریضے تحریر کرنے کے بعد جب حضور نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر دوبارہ ایک مکمل خط تحریر کیا۔ جس میں سب تکلیفات کی تفصیل دی اور اپنے کچھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ جس کو اصل پیمائش یا نرخ کے جھگڑے سے کوئی تعلق نہ تھا اور حضور سے عرض کی گئی کہ میٹریل کی سپلائی میں بے انصافی کر کے مجھے شدید نقصان پہنچایا گیا ہے۔ کوئی حق رسی نہیں ہوئی۔ سفر میں حضور کو اس لیے اطلاع نہیں دی گئی کہ مرکزی نظام کی برائیوں کی اطلاع حضور کی صحت پر مزید اثر انداز نہ ہو۔ حضور کی طبیعت متواتر ناساز رہی

ہے۔ میں نے اضافہ نہیں کرنا چاہا۔ اب حضور تشریف لے آئے ہیں۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر فرما دیں جو آزادانہ تحقیق کر کے تعمیری کاموں میں رکاوٹوں کی اصل وجوہات حضور کے سامنے پیش کرے۔ نیز مجھے سکول کی رقم کی ادائیگی کا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کے تحریک جدید کے کام بھی کرنا ہے۔ 4 اکتوبر 1950ء کو میں نے یہ خط لکھا۔ 6 اکتوبر کو مجھے حضور کے روبرو حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، سب رسومات ملاقات ادا کیں مگر مجھ اکیلے کو شرف ملاقات نہ بخشا گیا، بلکہ تحریک جدید کی تعمیر کمیٹی کے ساتھ ہی مجھے کمرہ ملاقات میں بلایا اور حضور نے بغیر مجھ سے کچھ دریافت کیے، مکرمی میاں عبدالرحیم احمد صاحب کو حکم دیا کہ عزیز احمد صاحب ٹھیکدار تصدیق شدہ احمدی ہیں؟ جواب ملا: حضور تعارف امور عامہ میں مصدقہ طور پر رجسٹرڈ ہیں اور تعمیری کمیٹی کے بھی منظور شدہ ٹھیکیدار ہیں۔ مقامی امیر جماعت چک جھمرہ نے بھی ان کی تصدیق کی ہے اور ربوہ کے فاضل جج نے بھی ان کو تصدیق کیا ہے اور محتسب صاحب نے بھی تحقیق کرنے کے بعد ان کا نام منظور فرمایا ہے اور یہ واقعی دیرینہ مخلص احمدی ہیں۔ کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہو سکا۔ حضور نے فرمایا کہ میاں عزیز احمد صاحب کے خلاف محکمہ قضا میں جونیئر کوارٹرز تحریک جدید ربوہ بروقت تعمیر نہ کرنے کے جرم میں ہرجانہ کا دعویٰ دائر کر دو۔ صاحب صدر نے فرمایا: بہت اچھا حضور۔

مگر چودھری مشتاق احمد باجوہ ایل۔ ایل۔ بی، جو انگلینڈ سے واپس تشریف لائے ہیں، نے عرض کی: حضور جس روز ایگریمنٹ ہوا ہے، دوسرے ہی روز دریا کی طغیانی کے باعث سب راستے مسدود ہو گئے تھے اور معاہدہ میں حوادثات ارضی وسماوی کی رو سے میعاد مقررہ پر اختتام کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔

حضور نے فرمایا کہ ”بجلی گر گئی تھی، جس کی وجہ سے میعاد بڑھ سکتی ہے؟“

مشتاق صاحب نے کہا کہ ”حضور پانی کی وجہ سے سب راستے بند ہو گئے تھے۔ بنیاد کے کام میں چونا روڑی میں ملایا جانا ضروری تھا جو کہ باہر سے لایا جاتا تھا۔ چنیوٹ میں بھی نایاب تھا، اس لیے کام میں روک واقع ہو گئی۔“

حضور نے فرمایا کہ ”نہیں ان کی نیت کام کو ختم کرنے کی نہیں ہے۔“

مشتاق صاحب نے کہا کہ حضور جب بھی راستے قابل گزر ہوئے ہیں، انھوں نے چونے کی گاڑی لالیاں سٹیشن پر اتروالی ہے اور بذریعہ ٹرک ڈھلائی کرائی ہے۔ اب تک روڑی و چنائی پتھر کا کام ہو چکا ہے، مزید کام جاری ہے اور سرگودھا میں لکڑی کا کام ہو رہا ہے۔ اصل میعاد مطابق معاہدہ اگر نہ بھی بڑھائی جائے تو 16 جنوری 1951ء ہے اور اب 6 اکتوبر 1950ء ہے۔

حضور نے فرمایا کہ جلسہ کی ضرورت کے ماتحت ہم کو یہ کوارٹرز 20 دسمبر 1950ء کو مکمل چاہئیں۔ معاہدہ کرنے والے افسروں نے غلطی کی ہے جو میعاد رکھی ہے، اگر یہ جلسہ تک کام ختم نہ کریں گے، تو بعد میں ہم ان کو کام کرنے ہی نہ دیں گے اور لیبر کو ان کے ہاں کام کرنے سے روک دیں گے اور پھر یہ اصل

میعاد تک کام کو کیسے ختم کر سکیں گے؟

کچھ وقفہ کے بعد مشتاق صاحب مایوس ہو کر بولے کہ حضور معاہدہ کے قانون کے مطابق قبل از میعاد دعویٰ نہیں ہو سکتا۔

حضور نے فرمایا کہ قانون ہم بتائیں گے، آپ دعویٰ کریں۔

مشتاق صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نواب محمد احمد صاحب جو کام چھوڑ ہی گئے۔

حضور نے فرمایا کہ ہاں ان پر دعویٰ کرنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ 8 اکتوبر کو جماعت احمدیہ کی خود ساختہ عدالت میں، مجھ پر دعویٰ ہو گیا۔ پورے تین دن تک مقدمہ کی کارروائی ہوتی رہی۔ صبح چائے سے لے کر نماز ظہر تک اور نماز عصر سے لے کر نماز عشاء تک مقدمہ کی سماعت فاضل جج نے کی۔

مدعی کی طرف سے تین احمدی وکیل عدالت عالیہ احمدیہ میں ساتھ پیش ہوتے رہے اور میں غریب اکیلا بغیر کسی جرم کے قید محض میں رہا۔ مدعی کے وکیلوں نے وہ جھوٹ بولے کہ کوئی بڑے سے بڑا مفتری اور کاذب آدمی، دیدہ دلیری کے ساتھ شاید قتل کے مقدمہ میں جھوٹ بول سکتا ہے اور ہر جھوٹ بولنے کے بعد وہ احمدی حضرات تمسخر اپنے ہونٹوں پر لاتے تھے اور اپنی مخصوص داڑھیوں پر فخریہ اور فتح مندانہ انداز میں ہاتھ پھیرتے تھے۔ محترم جج نے مضحکہ خیز فیصلہ کیا۔ پھر اس کی اپیل کو بھی غیر قانونی قرار دیا اور میرے اپیل میعاد کے مطالبہ پر بتایا گیا کہ یہ فیصلہ خود خلیفہ صاحب کے ایما اور منشا پر یوں کیا گیا ہے۔ اس لیے اپیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو فیصلہ ہوا، اس کے مطابق میں نے کام کو پورا کر دیا اور تب فیصلہ شدہ جرمانہ منسوخ سمجھا گیا۔ فیصلہ کیونکہ شرطیہ تھا، عاید کردہ شرط جب میں نے پوری کر دی تو پھر سب عدالتی کارروائی محض میری شخصیت اور میرے وقار کو برباد کرنے کی بنا پر کیا گیا ورنہ یہی حکم مجھے اگر معمولی حالت میں بھی دیا جاتا تو میں پھر بھی اس کی تعمیل کرتا، جبکہ ہر دو فریق احمدی خیال کیے گئے تھے۔ تو پھر اس بناوٹ اور دروغ گوئی کے کیا معنی تھے اور میرے اس جائز مطالبہ کو، جس کی بنا پر مجھ پر دعویٰ کیا گیا تھا، یعنی سکول رقم کی ادائیگی، وہ سو آج تک بھی نہ ہو سکی، بلکہ تحریک جدید کے کام کو چلانے کے لیے چودھری شریف احمد صاحب ٹھیکیدار 3 ایبٹ روڈ لاہور سے، جنھوں نے کہ بڑی جدوجہد اور خلوص دلی سے تعمیری کام شروع کیا تھا، نہایت اخلاق سوز اور وحشیانہ حرکات معزز احمدی افسران حضرات نے روا رکھیں اور ہم سے بصد مجبوری کام بند کروایا گیا۔

مندرجہ بالا ہر الزام کے ثبوت میں مصدق تحریریں موجود ہیں۔ احمدی حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ میں اپنے معزز احمدی حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ ربوہ کے مرکزی احمدی ملازمین اور افسران سلسلہ کے اخلاقی اور عملی نمونہ کو اگر نزدیک سے دیکھا جائے تو احمدیت کی تعلیم پر قطعاً کوئی عمل نہیں ہے۔ یا مجبوراً

یوں کہا جائے گا کہ تعلیم کو سمجھنا ہی مشکل ہے اور یہ تعلیم میں ہی کوئی خاص فرق ہوگا کیونکہ وہاں پر اکثریت ایسے احمدیوں کی ہے، جو وہاں پر منافقانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے دل احمدیت سے بیزار ہیں۔ بعض تو وہاں کی منظم برائیوں میں شامل ہیں اور بعض نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر احمدیت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ دنیاوی روزگار کا مسئلہ درپیش ہے، پھر رشتہ داروں کا بھی ایک ایسا جال ہے جس سے کہ نکلنا بہت مشکل ہے۔ افسران لوگ عوام کو بھائی تو درکنار انسان بھی خیال نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں ناجائز حکومت کرنے کا خبط سوار ہے۔ کوئی کسی کے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا۔ دھڑے بندیوں اور پارٹی بازیوں میں ہر ایک پھنسا ہوا ہے۔ وہاں پر جھوٹ، فریب، دھوکا، بے انصافی اور ظلم کا ایک منظم جال بنا ہوا ہے۔ قادیان میں جو تھوڑا بہت تقدس باقی رہ گیا تھا، افسوس کہ یہاں پر سب کچھ مفقود ہے اور خدا کے بندوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ مرزا صاحب کو سب کچھ علم ہے، ان سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

1- محمد علی صاحب ٹھیکیدار سیٹھ کو تقریباً آٹھ ہزار روپیہ کا نقصان دے کر باہر نکال دیا۔

2- لطیف احمد ٹھیکیدار کو بھی سیٹھ کے کاروبار میں سخت نقصان دیا اور اس سے بے انصافی کی۔

3- عبدالعزیز صاحب بھانبڑی نے کشمیری کو محض حضرت مسیح موعود کے نام کو بلند کرنے کی بنا پر اس قدر عبرتناک سزا دی کہ ربوہ کی پہاڑیاں بھی اس کی چیخ و پکار سے کانپ اٹھیں۔

4- پلاٹوں کی الاٹمنٹ میں اس قدر بے انصافی ہو رہی ہے اور عوام مکانات نہ ہونے کی وجہ سے زمین کے لیے نالاں ہیں۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہو رہی۔

5- بندوقوں کی جو پیشگی رقم لی گئی ہے، اس کی واپسی پر کبھی کسی نے غور ہی نہیں کیا۔

6- سندھ کی سٹیٹوں میں ظلم، بے انصافی اور پرلے درجے کی بے ایمانی ہو رہی ہے، بلکہ خود انجمن احمدیہ کو بہت بے دردی سے لوٹا جا رہا ہے۔

7- ربوہ کے افسران نے اپنی ناجائز آمدن کے معقول ذرائع بنا رکھے ہیں۔

8- خاندان مسیح موعود کے بعض حالات بہت حد تک قابل اعتراض ہو چکے ہیں۔

9- واقفین زندگی کے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا جاتا۔ جس کی بنا پر اکثر لوگ نالاں ہیں۔

10- بیرونی ممالک کے مبلغین کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا۔

11- جماعت ربوہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت اور محض دنیاداری پیدا ہو چکی ہے۔

12- ربوہ میں خاص طبقہ موجود ہے جو کہ احمدیت کا دشمن ہے لیکن بظاہر دوست ہے۔

13- میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے آخر وہ کس بنا پر ہوا ہے جبکہ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔

14- میرے تعمیر کردہ مکان کو میرے چھوڑ دینے کے بعد ٹٹیاں بنانے کے لیے کیوں تجویز کیا گیا۔

دعویٰ کے بعد جو سراسر ناواجب اور غیر منصفانہ سلوک ہمارے ساتھ افسران [illegible] نے روا

انسانیت کو بھی اس سے عار ہونی چاہیے۔ جن افسران کو حضور کی آمد سے پہلے ہم لوگوں سے زیادتی کرنے میں کچھ بھی حجاب تھا۔ حضور کے دعویٰ کرنے کے ارشاد ہونے پر اور حضور کے نظریہ کو دیکھ کر وہ لوگ بے انصافیوں، وعدہ خلافیوں اور مظالم ڈھانے میں بیباک ہو گئے بلکہ انسانیت کے دائرہ سے بھی باہر ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہمارا وقار، ہمارا حال، ہمارا گھر، ہماری آزادی سب کچھ چھین لی گئی۔ ہمارا تعمیری سامان ضبط کر لیا گیا۔ جو ہمارا سامان امیر محلہ نے اپنے پاس امانت رکھوالیا، وہ بھی واپس نہیں کیا گیا۔ ہمارا کام بند کر دیا، تحریک جدید کی پیائش اور کٹوتی، کوئی رقم بھی ادا نہیں کی گئی۔

اور بالکل یہی کچھ چودھری شریف احمد ٹھیکیدار 3 ایبٹ روڈ لاہور کے ساتھ ہوا۔ اس کی مکمل تحریرات کی نقل، جو اس نے دوران تعمیر سلسلہ کے ارکان کو ارسال کی تھیں، میرے پاس موجود ہیں۔

6 فروری 1950ء سے لے کر آج تک متعدد بار اخبار ''آزاد'' ''مغربی پاکستان'' اور ''زمیندار'' میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور نہ ہی ارباب حکومت نے ان مظالم کے انسداد کرنے پر توجہ دینی ضروری خیال کیا ہے۔ شاید جماعت احمدیہ سرمایہ داروں اور ذی اقتدار لوگوں کی جماعت ہے اور ان کے نزدیک ہر فعل قانون کی زد سے باہر خیال کیا گیا ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ اس قدر جابرانہ حکومت کا مظاہرہ کر سکیں۔ جماعت احمدیہ نے میری آواز کے خلاف آج تک ایک حرف بھی تردید میں تحریر نہیں کیا جس سے کہ صاف ظاہر ہے کہ میرے پاس صداقت ہے۔ میرے بیانات میں غلط بیانی کا شائبہ تک نہیں اور پھر کسی حد تک میرے پاس ان حقائق کی تائید میں تحریرات بھی موجود ہیں، جس سے کہ انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جماعت احمدیہ کی طرف سے تصدیق شدہ اور مہر شدہ ثبت کی گئی ہے۔ حضور نے اپنے ایک خطبہ میں خود میرے بیانات کی حرف بحرف تائید کر دی ہے اور جو کچھ کہ میں نے اس کی تائید اپنے الفاظ میں کی ہے۔

بہر کیف اس سلسلہ کی صداقت پر شک کرتے ہوئے 15 مارچ 1951ء کو احمدیت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ کسی دنیاوی غرض کے ماتحت نہیں، بلکہ جماعت مذکورہ کی دنیادارانہ رویہ سے متاثر ہو کر مگر میں جماعت کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آخر مجھے بھی احمدیت کبھی پیاری تھی۔ میں اس پر دل و جان سے فدا تھا۔ تیئس چوبیس سال کا عرصہ عمر کا ایک خاص حصہ ہوتا ہے۔ تمام عمر اس سوسائٹی اور اسی ماحول میں گزاری۔ کانوں نے یہی ایک آواز سنی تھی۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ کبھی ان کانوں میں اس کے خلاف آواز بھی قبول کی جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کی شان ہے۔

اللہ اکبر، بعض منافق اور بے ایمان احمدی کہیں گے کہ میرا ایمان پہلے ہی سے کمزور ہو گا۔ ان کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور ان کو فوراً خود اپنے گناہوں کا جائزہ کرنا چاہیے۔۔

مجھے علم ہے کہ بیرونی جماعتوں کے احمدی حضرات صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور ان کو مرکزی نام نہاد احمدیوں، افسروں اور اہلکاروں کا کچھ بھی علم نہیں اور وہ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت یہاں جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا ربوہ کے منافقین ظالموں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔ ان سے میری خاص طور پر درخواست ہے کہ میرے اس بیان کو کسی مخالف کا سمجھ کر پھینک نہ دیں بلکہ مطالعہ فرمائیں اور پھر اس کا امتحان کریں اور اگر یہ سب کچھ ٹھیک ہو تو پھر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ یہ ضرور ہوگا سوسائٹی کے لحاظ سے رشتہ داریوں کے تعلقات کی بنا پر اقتصادی طور پر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھ پر خود ان سب حالات نے اپنے اثرات ڈالے مگر خدا تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کر سکتا ہے۔ مومن کا ہر قدم خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت اٹھتا ہے اور پھر جو قدم اٹھتا ہے، وہ مضبوط ہوتا ہے، ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ مجھے بھی ربوہ کے ایک معمولی رشتہ دار نے منافقانہ زندگی گزارنے کی ترغیب دی تھی اور اپنی مثال پیش کی تھی مگر منافق سے کافر ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو احمدی اپنی زندگی منافقین میں گزار رہے ہیں، وہ اپنی زندگیوں پر اپنی اولادوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان سے انتقام لینے والا خود خدا تعالیٰ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے، گمراہی سے بچائے اور ہر مشکل کو آسان کرے اور آخرت نیک کرے۔ آمین، ثم آمین۔

* * *

رفیق احمد باجوہ

کلیجہ تھام لو پہلے، سنو پھر داستاں میری

جناب رفیق باجوہ خاندانی طور پر قادیانی تھے۔ بھٹو صاحب نے جب پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا تو یہ ان دنوں ربوہ تعلیم الاسلام کالج میں زیر تعلیم تھے۔ انھوں نے اس ادارہ کو سرکاری تحویل میں آنے کے فیصلہ کو دل سے قبول کر لینے کے لیے قادیانی قیادت پر زور ڈالا تو قادیانی قیادت ان کے خلاف ہو گئی۔ ربوہ میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ یہ خون آلودہ کپڑوں اور زخمی دل کے ساتھ مولانا تاج محمودؒ کے ہاں فیصل آباد آئے۔ حضرت مرحوم کے اخلاق محمدی کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ رفیق باجوہ کے خاندان کو ربوہ چھوڑ کر مجبوراً چونڈہ آبائی گاؤں جانا پڑا۔ بھائی پر ظلم و ستم کے قادیانی حادثہ کو دیکھ کر بہن بھی مسلمان ہو گئی۔ موصوف چونڈہ میں تھے تو قادیانی احمقوں نے ان پر پھر قاتلانہ حملہ کیا، قدرت نے کرم کیا، وہ بال بال بچ گئے۔ آغا شورش کاشمیریؒ اور مولانا تاج محمودؒ نے حکومت پنجاب کو متوجہ کیا تو قادیانیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ بڑے قد آور، خوش رو، چٹے گورے کڑیل جوان ہیں۔ بعد میں کینیڈا چلے گئے' آج کل سیالکوٹ سے ہفت روزہ ''صدائے آدم'' کے نام سے پرچہ نکالتے ہیں۔

میرے دادا چوہدری رحمت خاں باجوہ سفید پوش ضلع سیالکوٹ دوسرے کئی لوگوں کی طرح مرزائیت کا شکار ہوئے اور انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میرے والد چوہدری بشیر احمد باجوہ پیدائشی قادیانی تھے۔ انھوں نے مذہبی عقیدت کے جوش اور جنون میں مرزا بشیر الدین محمود کی اپیل پر بہترین سرکاری ملازمت چھوڑ کر مرزائیت کے لیے زندگی وقف کر دی اور معمولی تنخواہ پر گزر اوقات کرنا قبول کر لیا۔

میرے والد اور والدہ دونوں کے خاندان مرزائیت سے متعلق تھے، پھر میری پیدائش بھی ربوہ کے خالص مرزائی ماحول میں 1952ء میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ میرا مرزائی ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ میرے گھر والوں کے کہنے کے مطابق میرا نام بھی مرزا بشیر الدین محمود ہی نے تجویز کیا تھا۔

ایسے حالات میں، اکیس برس گزارنے کے دوران، میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں مرزائیت سے تائب ہو جاؤں گا اور یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی، اسی لیے میں ایک مخلص

مرزائی طالب علم کی حیثیت سے مذہبی اور جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ پہلے اطفال الاحمدیہ، جو مرزائی بچوں کی مذہبی اور جماعتی تنظیم ہے، اس کا ممبر رہا۔ اس کے بعد مرزائی نوجوان رضاکاروں کی تنظیم خدام الاحمدیہ میں سرگرم رکن رہا۔ میں جماعتی سرگرمیوں میں جیسے جیسے زیادہ حصہ لینے لگا، ویسے ویسے مجھے ربوہ کے ماحول کو ہمہ گیر طور پر دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ میں بھی دوسرے اندھے مقلدوں کی طرح اگرچہ مرزائیت کا بڑا فدائی تھی، لیکن جب میں یہ دیکھتا کہ دوسرے لوگوں اور مرزا صاحب کے خاندان کے لوگوں میں نمایاں فرق روا رکھا جاتا ہے تو ہلکی سی خواہش میرے دل و دماغ پر آ جاتی، جس کی تکلیف اور کڑھن میں محسوس کر کے سوچ میں پڑ جاتا۔

ہر بچے کے جذبات اپنے ماں باپ کے متعلق نازک ہوتے ہیں۔ قدرتی طور پر مجھے بھی اپنے والدین سے بے پناہ محبت ہے، جبکہ میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں اور انھوں نے مجھے بڑے پیار، محبت اور شفقت سے پالا۔ میرا اپنے والدین پر اس لیے بھی دل دکھتا کہ وہ ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ ہوتے ہوئے محض جماعت کے لیے نہایت عسرت اور قناعت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جب میں اپنے والد صاحب سے شاہی خاندان کے افسروں کا تحکمانہ سلوک دیکھتا تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، لیکن میں پھر اپنے دل کو تسلی دیتا کہ وہ ہمارے مذہبی پیشوا ہیں، ان میں روحانیت ہے اور وہ جماعت کے لیے قابل احترام ہیں، اس لیے خاموش رہتا۔ مرزا صاحب کے خاندان کے افراد کا اپنے آپ کو شاہی خاندان قرار دینا اور ربوہ کے دوسرے تمام مکینوں کا اپنے آپ کو خاندان غلاماں تصور کر لینا میرے دل میں ہر وقت کھٹکتا رہتا، پھر جبکہ میرے کانوں میں اس شاہی خاندان کے بعض شہزادوں کے ناگفتہ بہ حالات بھی پہنچنے لگے۔ میں میٹرک میں پڑھتا تھا کہ ایک روز مجھے ربوہ کے ہی ایک دوست نے ایک کتابچہ ”تاریخ احمدیت“ پڑھنے کے لیے دیا۔ معلوم ہوا کہ جماعت کے بعض لوگ مرزا محمود کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوئے اور وہ اس طرح کہ ان کے پاس خلیفہ صاحب کے بعض رنگین اور سنگین راز تھے، جن کی وجہ سے ان کی عقیدت خلیفہ صاحب سے ختم ہو گئی۔ مرزا محمود نے ان رنگین اور سنگین رازوں کے افشا کے ڈر سے اُن صاحبان پر قاتلانہ حملے کرائے اور انھیں قادیان اور ربوہ سے نکلنا پڑا۔ میرے ذہن میں یہ جستجو شروع ہوئی کہ وہ رنگین اور سنگین راز کیا تھے؟ جن کی وجہ سے عبدالرحمٰن مصری اور میاں عبدالمنان جیسی عظیم شخصیتوں کی عقیدت خلیفہ صاحب سے ٹوٹ گئی اور خلیفہ صاحب نے جماعت کے اتنے بڑے بڑے ستونوں کو قتل کروانے کی کوشش کی اور وہ جانیں بچا کر مرزائیت کے مراکز سے چلے گئے۔ میں نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کی، لیکن میں بھی دوسرے مرزائیوں کی طرح ربوہ کے مخصوص ماحول میں کنویں کا مینڈک ہی تھا، اس لیے کوئی مجھے کچھ کہہ دیتا اور کوئی مصلحت آمیز نصیحت کر کے خاموش کرا دیتا اور میں پھر خاموش ہو جاتا۔ ماں باپ کی جماعت کے ساتھ جو عقیدت تھی، اس کے پیش نظر بھی اور ان کے احترام اور

خوف کی وجہ سے بھی ان کے سامنے اپنے یہ خدشات نہ ظاہر کرتا تھا۔ اگر چہ میری جماعت کے متعلق سرگرمیاں جاری رہیں، لیکن میں ربوہ کے پورے ماحول میں گھل مل کر اس کا مزید مشاہدہ اور مطالعہ کرتا رہا۔

اب میں تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم تھا۔ اپنی افتادِ طبع کے باعث میری سرگرمیاں طالب علموں کے لیے بھی خیر خواہانہ اور رفاہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالب علموں میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ انہی دنوں مجھے ربوہ کے ایک اور دوست نے ایک اور کتاب پڑھنے کے لیے دی۔ یہ کتاب مظہر ملتانی کی لکھی ہوئی تھی۔ مظہر ملتانی قادیان کے رہنے والے، جماعت کے ایک “شہید” فخر الدین ملتانی کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی قادیان کے ماحول میں رہتے رہتے اور خلافتی ماحول کے قریب ہو کر بعض رنگین اور سنگین رازوں سے آگاہ ہو گئے اور اب پاکستان میں انھوں نے یہ کتاب “تاریخ محمودیت” شائع کی، جو کئی بار شائع ہو چکی ہے، جس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ مرزائیوں نے حکومت میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کتاب پر پابندی لگوا کر اسے خلاف قانون قرار دلوا دیا ہے اور اب یہ کتاب چوری چھپے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور لوگ اسے پڑھتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر میری اس کتاب سے دلچسپی بڑھ گئی اور میں نے بھی اسے چوری چوری اوّل سے آخر تک پڑھا۔ اس کتاب میں لگ بھگ تیس معتبر اور خالص باثر مرزائیوں کی مرزا محمود احمد خلیفہ ربوہ کے کردار کے متعلق موکد بعذاب اللہ شہادتیں درج تھیں۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن مصری صاحب کا دل دہلا دینے والا، مرزا محمود احمد خلیفہ کے نام خط درج تھا۔ یہ کتاب پڑھ کر مجھ پر ساری حقیقت حال واضح ہو گئی۔ میں بھی دوسرے مرزائیوں کی طرح اس کتاب کو غلط اور گمراہ کن کہہ دیتا، لیکن بعض چیزیں اور باتیں میرے علم میں مسلسل آ چکی تھیں، جن کا مجھ کو بالکل یقین حاصل ہو چکا تھا۔ میرے ان خیالات کا سلسلہ اس کتاب کے مندرجات سے بالکل جڑ گیا اور میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا۔ ربوہ میں شاہی خاندان کی ساری روحانیت اور پیشوائی مجھ پر روشن ہو گئی۔ مجھے بالکل یقین ہو گیا کہ یہ شاہی خاندان کے افراد کی فرعونیت اور دوسرے لوگوں کی غلامی، کسی مذہبی اور روحانی برتری یا کمتری کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ لوگ صرف دولت اور ربوہ میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر خدائی کر رہے ہیں اور یہاں رہنے والے لوگ محض پیٹ کی مجبوریوں کی وجہ سے ذلت اور خواری پر مجبور ہیں۔ اب میرا ذہن بالکل بغاوت پر آمادہ ہو گیا، اس لیے کہ میری طبیعت پیٹ کی خاطر یا محض اپنے والدین کی مجبوری کی خاطر جھوٹ کو سچ، سیاہ کو سفید کہنے کے لیے آمادہ نہ تھی۔

اسی دوران پیپلز پارٹی کی تحریک شروع ہوئی اور بھٹو صاحب نے “سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ” کا نعرۂ رستاخیز بلند کیا۔ یہ نعرہ میرے جذبات کے عین مطابق تھا کیونکہ میں بھی

ع   جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

کا قائل تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے مکان پر پیپلز پارٹی کا جھنڈا ربوہ کے خداؤں کی مرضی کے خلاف لہرا دیا۔

ربوہ کے شاہی خاندان اور اس کے کاسہ لیس حواریوں نے بہت کوشش کی لیکن میں نے جھنڈا اتارنے سے انکار کر دیا۔ یہ میری ربوہ کے خداؤں کے خلاف پہلی بغاوت تھی۔ مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ، اس سے پہلے اپنے سالانہ جلسہ میں سوشلزم کے خلاف فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ کسی مرزائی کو ربوہ میں کیسے جرأت ہو سکتی تھی کہ خلیفہ صاحب کی مرضی کے خلاف دم مار سکے، لیکن میں نے پیپلز پارٹی کی عوامی تحریک کے لیے یہ جھنڈا لہرائے رکھا اور ہمارے مکان چھوڑنے کے آخری دن تک یہ جھنڈا وہاں لہراتا رہا۔

پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ گئی اور اس سے پہلے ہی مرزا ناصر احمد صاحب اور ان کے حواری بھی بھٹو صاحب کے آستانہ عالیہ پر حسب عادت سجدہ ریز ہو چکے تھے کیونکہ ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنا اور اسے ھذا ربی کہنا ان کی عادت ہے۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا اور میں حکومت کے اس اقدام سے خوش تھا کہ کم از کم کالج کی فضا تو مرزائیت کی آمریت سے آزاد ہو گی اور یہاں ہم آزادی کی فضا میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں گے، لیکن ربوہ نے اپنی آہنی گرفت کالج پر مضبوط کی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر حکومت کے اس اقدام پر کڑھ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ طلبہ سے کالج کے واجبات اور ہوسٹل کے بقایا جات وصول کر کے ہڑپ کر رہے تھے۔ میں نے طلبہ سے مل کر اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی کہ اب کالج حکومت کی تحویل میں ہے اور اب یہ سرکاری ادارہ ہے۔ ربوہ والوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ طلبہ سے پچھلے بقایا جات وصول کر کے ہڑپ کریں۔ یہ سرکاری فنڈ ہیں، انھیں سرکاری خزانہ میں جمع ہونا چاہیے، لیکن پرنسپل ایک تو مرزائی اور دوسرا ان کا زرخرید، تیسرا اپنے بعض عیوب کی وجہ سے ان کا خوشامدی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوا، بلکہ اس نے ایک روز طلبہ سے خطاب کرنے کے دوران مرزائی غنڈوں سے مجھ پر حملہ کرا دیا۔ کالج کے تمام طلبہ، مرزائی غنڈوں کی اس حرکت سے مشتعل ہو گئے اور انھوں نے کالج میں ہڑتال کر دی۔

اب پرنسپل صاحب کے حواس گم ہو گئے۔ انھوں نے کالج میں جوڑ توڑ شروع کر دیے، لیکن وہ طلبہ کے اتحاد کو توڑنے میں ناکام رہے۔ اگلے روز تمام طلبہ، جن میں احمدی اور غیر احمدی سب شامل تھے، نے بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی جائے اور پریس کے ذریعہ حکومت کے نوٹس میں یہ معاملہ لایا جائے۔ چنانچہ طلباء کا ایک وفد دوسرے روز چنیوٹ پہنچا اور انھوں نے پریس کلب چنیوٹ میں قومی اخبارات کے نمائندگان کی ایک پریس کانفرنس طلب کی۔

یہ ناخوشگوار فریضہ طلبہ نے میرے سپرد کیا کہ میں ان کی طرف سے کالج میں روا رکھی جانے والی تمام بے قاعدگیوں اور دھاندلیوں پر روشنی ڈالوں۔ میں نے پریس میں وہ تمام چیزیں دے دیں جو کالج کے قومی تحویل میں آ جانے کے بعد مرزائیوں کی بے جا مداخلت، خیانت، خرد برد وغیرہ کی صورت میں کی جا رہی تھیں۔

تیسرے روز اخبارات میں ہماری پریس کانفرنس کی روداد شائع ہوگئی۔ پھر کیا تھا، ایوان خلافت ربوہ میں زلزلہ آ گیا۔ ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوگیا۔ احمدی طلباء کے والدین کی پیشیاں شروع ہوگئیں۔ ان سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔ سفارتی اور نظارتی سطح پر انکوائریاں شروع ہوگئیں اور بعض طالب علموں کے متعلق کالج سے اخراج اور دوسری سزاؤں کے فیصلے ہونے لگے۔ چوتھے روز ہمیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عبدالخالق وزیر تعلیم پنجاب لائل پور آ رہے ہیں۔ ہمارا ایک نمائندہ وفد، ان کی خدمت میں لائل پور پہنچا اور انھیں بتایا کہ تعلیم الاسلام کالج کس طرح فسطائیت کی زد میں ہے۔ حکومت کے قومی ملکیت میں لینے کی پالیسی کی مٹی پلید کی جا رہی ہے۔ طلبہ کے خلاف مختلف سزاؤں کے فیصلے ہو رہے ہیں اور خوف و ہراس کی فضا پیدا کی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالخالق نے طلبہ کی شکایات سن لیں اور گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے غالباً ربوہ کے لفظ سے مرعوب ہو کر ٹال دیا۔ وہاں سے واپسی پر طلبہ نے لاہور جا کر گورنر ہاؤس کے سامنے مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگلے روز سو طلبہ کا ایک نمائندہ وفد گورنر ہاؤس پہنچا اور اپنے مطالبات پہنچائے اور حکومت کو بتایا کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل صاحب ربوہ کے مذہبی دکانداروں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ کی نیشنلائزیشن کی پالیسی کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ خدارا حکومت کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ دوسرے روز وفد وزیر اعلیٰ سے بھی ملا اور ان کے سامنے بھی ربوہ میں طلبہ کے برخلاف کی جانے والی زیادتیوں پر احتجاج کیا۔ وزیر اعلیٰ نے طلبہ کے تحریری مطالبات پر پرنسپل صاحب کے نام پرزور نوٹ لکھا اور طلبہ کو دے دیا۔ وفد ربوہ واپس پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب تمام رہنما طلبہ کے خلاف تعزیری کارروائی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ادھر ربوہ کی ہامانی سرکار بد سے بدتر قسم کے فیصلے کر رہی ہے۔ جونہی طلبہ نے وزیر اعلیٰ پنجاب کا وہ حکم نامہ پرنسپل صاحب کو پیش کیا، پرنسپل صاحب آپے سے باہر ہوگئے اور اس حکم نامہ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

اب طلبہ نے سوچا کہ اس غنڈہ گردی اور ظلم سے بچنے کا اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے۔ طے پایا کہ طلبہ کا ایک وفد چنیوٹ کے مشہور عالم دین مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا تاج محمود، ایڈیٹر ''لولاک'' لائل پور کو ملے اور ان واقعات سے انھیں باخبر کیا جائے تا کہ وہ عوامی احتجاج کے ذریعہ ان ظالموں کو ظلم سے باز رکھیں۔ چنانچہ ایک وفد میری سرکردگی میں چنیوٹ اور لائل پور، ان حضرات کی خدمت میں پہنچا۔ اس وفد میں نصف احمدی طلبہ اور نصف غیر احمدی طلبہ شامل تھے۔ مولانا منظور احمد صاحب نے واقعات سن کر فرمایا کہ ہم اس ظلم کے خلاف عوام میں زبردست احتجاج کریں گے اور حکومت کو سٹیج کے ذریعہ ان واقعات سے آگاہ کریں گے۔ مولانا تاج محمود کے پاس جب وفد پہنچا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ لوگوں کی پریس کانفرنس کی رپورٹ اخبارات میں پڑھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اب آپ کی

خیر نہیں ہے۔ ربوہ کے مذہبی آمروں کے خلاف ربوہ کے اندر سے صدائے احتجاج بلند ہو اور پھر اس میں احمدی لڑکے شامل ہوں، مرزائیوں کے نزدیک قیامت سے کم نہیں ہے اور مرزائی اس قیامت پر کوئی بڑی قیامت بپا کریں گے۔ انھوں نے ہمیں بڑی شفقت اور پیار سے یہ باور کرایا کہ ہمارا یہ طریقہ جذبات اور محض جوش میں آ جانے کا طریقہ ہے اور اس راہ میں ہمارے لیے بڑے خطرات ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ آپ اس طرح احتجاج نہ کرتے، تھوڑا صبر سے کام لیتے تو شاید آپ لوگوں کو زیادہ پریشانی نہ ہوتی۔ پھر ہماری دلجوئی کے لیے اٹھے اور اپنا ایک فائل ہمیں دکھایا کہ میں نے آپ لوگوں کی پریس کانفرنس پڑھ کر ہی گورنر صاحب، صدر مملکت اور دوسرے متعلقہ وزرا اور حکام کو تار دے دیے تھے۔ یہ تار بڑے جچے تلے الفاظ میں مفصل قسم کے تار تھے۔ حکومت کو فوری طور پر مداخلت کرنے اور طلبہ کے حقوق کے تحفظ کی طرف متوجہ کیا ہوا تھا۔

مولانا بڑے بااخلاق طریقہ سے پیش آئے اور نصیحت کی کہ ہم اب بھی احتجاج کا انداز چھوڑ کر اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں، ورنہ نقصان کا خدشہ زیادہ ہے۔ اس دو گھنٹہ کی ملاقات میں جو بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی، وہ یہ تھی کہ مولانا، جماعت احمدیہ کے سخت خلاف ہونے کے باوجود یہ کوشش نہیں کر رہے تھے کہ ان طلبہ کو مرزائیوں کے خلاف بھڑکا کر استعمال کیا جائے۔ انھیں ہماری جانوں، تعلیم اور ہمارے مستقبل کی فکر زیادہ تھی۔ جب انھیں بتایا گیا کہ اس وفد میں احمدی طلبہ بھی شامل ہیں تو انھوں نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ آپ سب لوگ میری اولاد ہیں، ملک کا سرمایہ ہیں اور اس قوم کی متاع عزیز ہیں۔ جب وفد نے انھیں یقین دلایا کہ یہ سب احمدی طلبہ مرزائیوں کے اس وقت سخت خلاف ہیں، تو انھوں نے پھر بھی یہی کہا کہ ٹھیک ہے، یہ لوگ وقتی طور پر ان کے مخالف ہیں لیکن میں انھیں مرزائیوں سے لڑا کر انھیں قتل کرانے کا گناہ اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں مرزائیوں کا مخالف ہوں لیکن میری مخالفت ذاتی نہیں، مذہبی اور دینی عقیدوں کی وجہ سے ہے۔ میں اس مخالفت کو اصولوں کی بنیاد پر انسانیت، شرافت اور خود دین کی حدود میں رکھ کر جاری رکھے ہوئے ہوں۔

پھر مولانا نے نصیحت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ عزیزو! تم دراصل مرزائیوں کی تصویر کے اس رخ سے آگاہ نہیں ہو کہ وہ اپنی تنظیم میں اختلاف رائے رکھنے والوں سے کیا سلوک روا رکھتے ہیں؟ اس لحاظ سے ان کی ایک مستقل تاریخ ہے، جس کی تفصیل میں، میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ آپ میرے مہمان ہیں اور میں آپ کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتا، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اگر تم اس تاریخ سے واقف ہوتے تو تم اس طرح پریس کانفرنس اور مظاہرے نہ کرتے اور اختلاف رائے کا یا بیزاری کا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے۔ میں چونکہ مرزائیوں کی اس تاریخ سے آگاہ ہوں، اس لیے تمھیں یہ مشورہ دے رہا ہوں...... پھر مولانا نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ خود مرزائی مسلمان معاشرے میں انتہائی اختلاف رائے رکھنے کا حق مانگتے ہیں، مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں، اشتعال انگیز عقیدوں کا اظہار اور عبارتوں کا پرچار کرتے ہیں اور اگر

ان کے، اس اختلاف کے پیش نظر یا ان کی اس مردم آزاری کے پیش نظر انھیں کچھ کہا جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں کہ دیکھو مسلمان کتنے ظالم ہیں، ہمیں اختلاف رائے اور اختلاف عقیدہ کا حق نہیں دیتے، حکومت اور عوام میں مظلوم بننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن قادیان میں اور اب ربوہ میں اگر ان کے عقیدے رکھنے کے باوجود، ان کا ممبر اور وفادار ہونے کے باوجود کوئی ذرا سا اختلاف کر دے تو فوراً بائیکاٹ، اخراج اور قتل وغیرہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

مولانا یہ باتیں کر رہے تھے اور میں اس سوچ میں تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی خدا جانے کیسی بھیانک تصویر ہمیں ربوہ میں دکھائی جاتی رہی ہے۔ بہر حال میں مولانا کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ دوسرے ساتھی بھی بڑے مطمئن ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ہڑتال ختم کر دیں گے اور اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں گے اور اب آئندہ مرزائیوں کے خلاف اپنے اتحاد کو قائم رکھتے ہوئے اخلاقی جنگ لڑیں گے، جوش اور جنون کے بغیر تحریک آزادی کو جاری رکھیں گے۔

مولانا نے ہمارے ایک ایک کے نام اور پتے دریافت کیے اور تحریر کر لیے اور ہمارے ساتھ جو غیر احمدی طلبہ تھے، انھیں فرمایا کہ تم اپنی اس تحریک میں اپنے ساتھی احمدی طلبہ کے مذہبی جذبات کا احترام رکھتے ہوئے وہاں کام کرو۔ بڑی محبت سے چائے وغیرہ پلائی اور رخصت کر دیا۔

واپسی پر میں سارے راستے یہ سوچتا گیا کہ یہ لوگ ہیں جن کا نقشہ ہمیں کچھ کا کچھ بتایا جاتا رہا ہے اور ہم بھی انھیں خدا جانے کیا سمجھتے رہے ہیں، لیکن آج معلوم ہوا کہ یہ کتنے بلند اخلاق اور کشادہ ذہن لوگ ہیں اور جنھیں ہم پیشوا، مقتدا اور نبی زادے سمجھتے رہے ان کا اخلاق و کردار کیا ہے؟ ربوہ واپسی ہوئی۔ شام ہو گئی تھی۔ میں اپنے گھر پہنچا تو گھر کے سب لوگ پریشان تھے۔ یہ 12 دسمبر 1972ء کی شام تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہمارے ساتھ کچھ ہونے والا ہے کیونکہ صبح سے ہی ہمارے گھر کے اردگرد ربوہ کی سکیورٹی فورس گھیرا ڈالے ہوئے تھی۔ تھوڑی دیر گزری تو خدام الاحمدیہ اور ناظر امور عامہ کے پانچ سو غنڈوں نے میرے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ ان غنڈوں کی قیادت مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ کا ایک بیٹا مرزا لقمان احمد کر رہا تھا۔ غنڈوں کی صف اوّل میں ظہور احمد باجوہ ناظر امور عامہ، رشید غنی پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ، عزیز ساجد پرنسپل طبیہ کالج ربوہ، حمید اللہ صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ شامل تھے۔ یہ غنڈے بندوقوں، پستولوں، کلہاڑیوں اور ڈنڈوں سے مسلح تھے۔

غنڈوں کے ایک بڑے سرغنہ سمیع اللہ، جو نائی یا سیال ہیں، انھوں نے غنڈوں کو للکارا کہ اگر یہ لوگ کنڈا نہیں کھولتے تو دیواریں پھلانگ کر گھر میں داخل ہو جاؤ اور رفیق باجوہ کو قتل کر دو۔ غنڈے گھر کی چار دیواری پر چڑھ گئے، جس پر گھر کی باپردہ خواتین نے بے پردہ ہو کر چیخ و پکار کی اور غنڈوں کا مقابلہ کیا۔ کسی احمدی مومن کو ہم پر ترس نہ آیا۔ غنڈے دیواروں سے اتر گئے۔ مجھے میری والدہ نے گھر میں کہیں

چھپایا ہوا تھا۔ محاصرہ جاری رہا۔ کسی نے جب پولیس چوکی میں اس غنڈہ گردی کی اطلاع دی تو پولیس نے مداخلت کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ لالیاں تھانہ میں پولیس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا ربوہ کے آپریٹر نے فون کا رابطہ لالیاں سے کاٹ رکھا ہے۔ آخر رات 2 بجے کسی نہ کسی طریقہ سے میں گھر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور دسمبر کی سردی میں ربوہ سے دور ایک بستی میں جا کر رات کا بقیہ حصہ گزارا۔ اگرچہ میں تو ربوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور غنڈوں کے ہاتھ آنے اور قتل کیے جانے سے بچ گیا، لیکن جب غنڈوں کو معلوم ہوا کہ میں اندر نہیں ہوں اور نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں تو انھوں نے ہمارے گھر کا سارا سامان مکان سے نکال کر دروازے کے باہر لا کر رکھ دیا۔ گھر والوں کو اندر سے نکال کر باہر کر دیا۔ مکان کے دروازے مقفل کر دیے گئے اور میرے والد کو، جو پیدائشی احمدی اور اس بڑھاپے کی عمر تک مفلسانہ اور مخلصانہ زندگی بسر کر کے احمدیت کے لیے وقف تھے، ربوہ سے فوراً نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ والد صاحب بیچارے کہیں سے ٹرک لائے اور سامان لاد کر اپنے آبائی گھر چونڈہ میں بال بچوں کو لے کر چلے گئے۔

جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والدین کے ساتھ یہ سلوک ربوہ کے جھوٹے نبی زادوں نے روا رکھا ہے تو میں نے دل میں سوچا کہ اگر کوئی خطا ہو سکتی تھی تو میری تھی، لیکن میرے ماں باپ نے کیا قصور کیا تھا کہ ان سے یہ سلوک روا رکھا گیا۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قتل کرنے کے لیے غنڈوں کے سپرد نہیں کیا۔ اب مجھے یقین اور بالکل یقین حاصل ہو گیا کہ یہ ربوہ اور اس کی نبوت، مسیحیت اور روحانیت وغیرہ سے فراڈ اور خالص دکانداری ہے۔ مجھ پر مرزائیت کی ساری حقیقت واضح ہو گئی۔ مجھے مولانا تاج محمود کی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں کہ وہ کہتے تھے کہ "آپ لوگ اس جماعت کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہیں۔"

میں نے اگلے روز مولانا تاج محمود صاحب کو ایک چٹھی لکھی اور ایک آدمی کے ذریعہ پہنچائی اور تمام واقعات سے آگاہ کیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ ان جھوٹوں کو اب ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا ہے۔ مرزائیت سے توبہ کر لیتی ہے اور آئندہ زندگی مرزائیت کے اندھے کنویں کی بجائے عالمگیر سچائی کے علمبردار اسلام کی رہنمائی میں بسر کرنی ہے۔ جب اس مرد درویش مولانا صاحب کو میری مصیبت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے مجھے جواباً درج ذیل دستی خط تحریر کیا۔

16 دسمبر 1972ء

عزیزی رفیق احمد باجوہ صاحب طول عمرہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ آپ کا خط ملا۔ خدا کی قدرت ہے، آپ کا خط ملنے سے پہلے ہی میں سخت بے چین تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی جان بچ گئی۔ مجھے انتہائی دکھ ہے کہ آپ اور آپ کے والدین سے اس نام نہاد جماعت نے انتہائی ناروا سلوک کیا ہے۔ بد قسمتی سے میری اور آپ کی ملاقات چنیوٹ کی

پریس کانفرنس کے بعد ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں آپ کو پریس کانفرنس نہ کرنے دیتا، بلکہ یہ پریس کانفرنس ہم کسی اور ذریعہ سے کر لیتے۔ خیر جو اللہ کو منظور تھا، ہوا۔ مجھے خصوصاً آپ کے والدین کی پریشانی کا بھی بہت رنج ہوا ہے جو خواہ مخواہ ان ظالموں کے ظلم کا نشانہ بن گئے ہیں۔

ظہیر چٹھہ دو رات سے میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ زخمی ہوئے، اسی طرح غضنفر علی کو ضربات آئیں۔ ان دونوں کی طرف سے لالیاں تھانہ میں رپورٹ درج ہو گئی ہے۔ ایک وفد آج اسی معاملہ کو لے کر ملک معراج خالد سے بھی ملا ہے۔ رات میری ایس پی جھنگ سے بھی فون پر بات ہوئی ہے۔ آج ڈپٹی کمشنر صاحب چنیوٹ اور ربوہ پہنچا ہوا ہے۔ انھیں کہلوا کر بھیجا ہے کہ پہلے پرنسپل کو تبدیل کیا جائے، طلبہ کو تحفظ دیا جائے۔ جنھیں ضربات پہنچی ہیں، ان کے مقدمات درج کیے جائیں اور مجرموں کو سزائیں دلوائی جائیں۔

کل صبح ظہیر چٹھہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ لائل پور میں پریس کانفرنس کر کے سارے حالات پریس میں لا رہا ہے۔ آپ کے لیے دل مضطرب ہے، لیکن آپ اپنے والدین کے اطمینان کے بغیر نہ آئیں۔ ویسے میرے پاس آئیں تو آپ ان شاء اللہ حفاظت میں ہوں گے۔ ظہیر صاحب وغیرہ بھی آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔ جواب سے ضرور مطلع کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سرفراز فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے۔ والسلام

دعا گو

تاج محمود

مولانا کا یہ خط پڑھ کر کچھ دنوں بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت تک لالیاں کی پولیس، چنیوٹ کے حکام اور ضلع جھنگ کے افسران بالا ربوہ نوازی کا حق ادا کر چکے تھے۔ سرکاری کالج کے ربوائی پرنسپل نے چن چن کر لڑکوں کو کالج سے نکال دیا۔ ظہیر چٹھہ کو ہمدردی کے شیشہ میں اتارا اور لالیاں لے جا کر کالج چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اسلم وڑائچ نے گجرات کالج میں اور انور دیو نے سرگودھا کالج میں داخلہ لے لیا۔ مولانا نے بہت شفقت اور اخلاق سے اپنا گرویدہ کر لیا۔ میں نے ان کے ”لولاک“ میں اپنے اسلام قبول کر لینے اور مرزائیت کو ترک کر دینے کا اعلان بھی کر دیا۔ مولانا نے نصیحت کی کہ میں چونڈہ میں اپنے ماں باپ کی خدمت بجا لاؤں اور اپنی تعلیم کی تکمیل کروں۔ اب میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا ہوں اور اپنی تعلیم کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہوں۔

میرے چونڈہ میں جانے سے وہاں سے اللہ نے ایک چھوٹی سی مسجد کو مرزائیوں کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا ہے۔ میں اس میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہوں، ان میں جذبہ جہاد اور حب وطن اجاگر کرتا ہوں۔ اس مسجد میں چونڈہ کے علمائے کرام کا باری باری درس قرآن مجید ہوتا ہے۔ اللہ نے اس طرح مجھ پر مرزائیت کی حقیقت واضح کر دی اور مجھے حلقہ بگوش اسلام بنا دیا ہے۔

* * *

محترمہ بشریٰ باجوہ

الوداع قادیانیت!

میرے دادا چوہدری رحمت خان صاحب باجوہ سفید پوش چونڈہ نے مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور میرے والد صاحب نے مرزا بشیر الدین محمود کی اپیل پر سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر قادیانی جماعت کے لیے زندگی وقف کی۔ ربوہ کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے ہزاروں مواقع میسر آئے، شروع سے ہی ربوہ میں رہنے کے باعث ایک ہی قسم کا لٹریچر پڑھائے جانے کی وجہ سے ہمیں حقیقت حال سے بالکل بے خبر رکھا جاتا تھا۔ وہاں کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کے تحت "احمدیت" کی تبلیغ کی جاتی اور حضرت رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تقریبات میں شاذ و نادر ہی سرگرمی ہوتی اور وہ محض اخباری کارروائی کے لیے منعقد کی جاتی تھیں۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں طلباء کی تنظیم بنانے پر مرزا ناصر کے حکم سے 12 دسمبر 1972ء کو تقریباً تین صد (300) غنڈوں نے ربوہ میں میرے بھائی رفیق احمد باجوہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ کچھ غنڈوں نے باپردہ گھر کی چار دیواری پھاندی۔ مرزا ناصر احمد، جن کا دعویٰ ہے کہ جماعت احمدیہ تمام دنیا کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے بنائی گئی ہے، بالکل غلط ثابت ہوا۔ قادیانیوں کا کام محض لوگوں کو مذہب کی آڑ میں بے وقوف بنانا اور بلیک میلنگ اور ہٹلر کے نقش قدم پر چل کر ان پر تسلط قائم رکھنا ہے۔ اس پر میں نے پھر سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اسلامی تعلیمات کا موازنہ کیا تو مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ قادیانی ایک جھوٹے مذہب کے علمبردار ہیں۔

محکمہ امور عامہ، ربوہ شہر میں، عموماً، احمد کمیونٹی کے لیے وہی کام انجام دیتا ہے جو محکمہ پولیس انجام دیتا ہے۔ جب کوئی ربوہ کی انتظامیہ کے خلاف ہو جائے یا اس کے اندرونی معاملات کے خلاف آواز اٹھائے تو محکمہ امور عامہ اس کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اس کے لیے، ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ ایسے فرد کے خلاف نوجوان لڑکیوں کو چھیڑنے کا الزام عاید کرتے ہیں۔ امور عامہ کے پاس ایسی نوجوان لڑکیاں موجود رہتی ہیں، جو پولیس کے پاس جا کر رپورٹ لکھواتی ہیں کہ فلاں شخص نے ان کو چھیڑا ہے۔ امور عامہ والے بعض افراد کو اپنے دفتر میں لے جا کر ننگا کر کے تشدد کرتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کو چھیڑنے

کا بہانہ اس لیے کرتے ہیں کہ کوئی پولیس کو اپنے ساتھ ہونے والے تشدد کی شکایت نہ کرے۔ امور عامہ میں ربوہ میں رہنے والے ہر شخص کی فائل بنتی ہے، جس میں اس کی گھریلو، مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جب کسی کی قابل اعتراض سرگرمی کی اطلاع ملتی ہے، اسی وقت اس کی فائل کھل جاتی ہے۔

ربوہ میں اس کے علاوہ خدمت خلق کے نام سے ایک تنظیم ہے۔ پہلے اس کا نام حفاظت مرکز تھا۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت اور تمام آبادی کو بیرونی خطرہ سے بچاؤ کے لیے ان کی حفاظت کریں۔ کئی ایسے شعبے ہیں جن کا کام فنڈز اکٹھا کرنا ہے۔ اس طرح کا ایک شعبہ بیت المال ہے۔ اس کے علاوہ وکیل التبشیر اور وقف جدید جیسے محکمے بھی ہیں جو ربوہ میں کیے جانے والے فیصلے کو اندرون و بیرون ملک احمدیوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ فیصلے مذہبی بھی ہوتے ہیں اور سیاسی بھی۔ البتہ وقف جدید شہری تنظیموں سے Deal نہیں کرتا۔ شہری تنظیموں کے ساتھ رابطہ پرائیویٹ سیکرٹری ٹو سربراہ کمیونٹی رکھتا ہے۔ نظارت تعلیم کا شعبہ، تعلیمی اداروں کو کنٹرول کرتا ہے جو کمیونٹی کے تحت چلتے ہیں۔ ہنگامی حالات میں اس کے فرائض یہ ہوتے ہیں کہ تعلیمی ادارے بند کر کے ان اداروں میں زیر تعلیم طلبہ کو رضا کاروں کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ ربوہ میں ایک دفتر رشتہ ناطہ بھی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ احمدیوں کے آپس میں رشتے طے کرائے۔ اس شعبے کا کام یہ بھی ہے کہ اس بات کا اطمینان کر لے کہ کوئی احمدی لڑکی کسی غیر احمدی لڑکے کے ساتھ شادی نہ کرا لے۔ قواعد کے تحت ایک احمدی لڑکی کو، جو کسی غیر احمدی لڑکے سے شادی کر لے، بائیکاٹ وغیرہ کی سزا دی جاتی ہے۔

ربوہ میں ایک دفتر کمیٹی آبادی ہے۔ اس دفتر میں جائیداد غیر منقولہ کے سودوں کا اندراج ہوتا ہے۔ اس دفتر کی یہ ذمہ داری ہے کہ ربوہ کی جائیداد میں سے کوئی حصہ کسی غیر احمدی کے پاس نہ چلا جائے۔ خواتین کے دو شعبے قائم کیے ہیں۔ 15 سال سے اوپر کی عورتیں لجنہ اماء اللہ کی تنظیم سے منسلک ہیں۔ اس تنظیم کے تحت عورتوں کو اپنے گھروں میں بچوں کے اندر غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ دوسری تنظیم ناصرات الاحمدیہ ہے، جس میں پندرہ سال سے کم عمر کی بچیاں شامل ہیں۔

مورخہ 25 جنوری 1974ء کو چونڈہ کے مرزائی توہین قرآن، توہین مسجد اور توہین اسلام کے مرتکب ہوئے، جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ قادیانیوں کا واحد مقصد اسلام کو دنیا سے ختم کرنا ہے، اس لیے میں آج مورخہ 30 جنوری 1974ء کو واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہوئے مرزائیت سے توبہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو رہی ہوں۔

* * *

مولانا عبدالکریم مباہلہ

باطل سے حق کی طرف

میرے خیالات قیاس پر مبنی نہیں بلکہ تجربہ کی بناء پر ہیں، کیونکہ راقم الحروف خود عرصہ 16'17 برس قادیانیت کا شکار رہ چکا ہے۔ معمولی قادیانی نہیں بلکہ آنریری (بلا تنخواہ) مبلغ ہوتے ہوئے، میں قادیانیت کی تبلیغ کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر خداوند کریم کے فضل و احسان نے قادیانیت کی حقیقت کو مجھ پر آشکارا کر دیا اور اس گروہ کے اندرونی حالات نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا کہ یہ کوئی مذہبی جماعت نہیں بلکہ تجارتی کمپنی ہے۔ اس لحاظ سے مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں اور ناظرین سے درخواست کروں کہ وہ میرے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں۔

1- قادیانی کمپنی نے وفات مسیح علیہ السلام اور امکان نبوت کے مسئلہ کو صرف اور صرف اس لیے اپنے معتقدات میں شامل کر رکھا ہے تاکہ دنیا انھیں ایک مذہبی گروہ خیال کرے۔ قادیانی کمپنی کو خوب معلوم ہے کہ اس اختلاف کے موجد وہ خود نہیں بلکہ بہاء اللہ ایرانی یا ہمارے زمانہ کے چند نئی روشنی کے پروردہ لوگ ہیں۔ یہی وہ اشخاص ہیں جن کے خیالات کی روشنی میں قادیانی کمپنی نے اپنا مذہب یا بالفاظ دیگر کاروبار شروع کیا۔ ان مسائل پر قادیانی کمپنی نے اس لیے حد سے زیادہ زور دیا تاکہ دنیا یہی سمجھے کہ ان خیالات کی موجد یہی کمپنی ہے اور اہل اسلام اور قادیانیوں کا اختلاف ایک مذہبی اختلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پبلک یہ اندازہ ہی نہ کر سکے گی کہ یہ گروہ کوئی تجارتی گروہ ہے۔

قادیانی کمپنی کو اپنا کاروبار شروع کرنے کی جرأت اس بات سے ہوئی کہ انھوں نے ہندوستان کی حالت کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندوں کی یہ ذہنیت ہے کہ وہ ایک اشتہاری عامل کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور متعدد جھوٹے پیر ان کے مال و متاع پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو کیا یہ کوئی مشکل کام ہے کہ ایک دو باتوں کو بناء اختلاف قرار دے کر مذہب کے پردہ میں کاروبار شروع کر دیا جائے۔

2- قادیانی کمپنی نے ایک یہ چیز بھی اپنے لیے مفید خیال کی کہ ان ہر دو مسائل پر جب کبھی گفتگو ہو

گی تو اس میں صرفی، نحوی، لغوی، منطقیانہ، فلسفیانہ، غرضیکہ ہر قسم کی علمی بحث ہو گی۔ عوام الناس جو اس بحث کو سنیں گے، وہ ان علوم سے بے بہرہ ہوں گے، وہ کیا اندازہ کریں گے کہ درست بات کون کہہ رہا ہے۔ پس جھگڑا ہو گا، جو تیز و طرار، چالاک و ہوشیار ہو گا، پبلک اس سے متاثر ہو گی۔ پبلک کیا سمجھے کہ از روئے علوم اسلامیہ کون صحیح بات کہہ رہا ہے؟ اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حاضرین میں سے کوئی ایک آدھ ہماری طرف ہو جائے گا اور باقی ہمارے مخالف رہیں گے۔ بہرکیف سودا مہنگا نہ ہو گا۔ اگر اس زمانہ میں دہریت پھیل سکتی ہے اور لوگ خدا کے بھی منکر ہو سکتے ہیں تو کیا قادیانیت کا پرچار نہیں ہو سکتا۔

3- مذکورہ بالا امر کی وضاحت اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ وفات مسیح علیہ السلام یا امکان نبوت پر ایک قادیانی اور مسلمان عالم میں مناظرہ ہو، مناظرہ میں قرآن کریم اور احادیث کی رو سے بحث ہو گی۔ صرفی، نحوی، باتیں بھی ہوں گی۔ دونوں طرف کے مناظر اپنے اپنے دلائل پیش کریں گے۔ سامعین کون ہوں گے، وہ لوگ جو عربی علوم سے تہی دست ہیں۔ اب معزز ناظرین خیال فرمائیں کہ مناظرہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگ فیصلہ کر سکیں کہ حق و صداقت کس طرف ہے؟ لیکن غور فرمایئے کہ دونوں مناظروں کا مباحثہ وہ لوگ سن رہے ہیں، جو خود ان علوم کے ناموں سے بھی ناآشنا ہیں، جن کی رو سے بحث کی جا رہی ہے، چاہیے تو یہ، کہ مناظرہ سننے والے وہ لوگ ہوں جو دونوں مناظروں سے بھی زیادہ علم رکھتے ہوں، جو یہ فیصلہ دے سکیں کہ کون درست کہہ رہا ہے، مگر تعجب ہے کہ مناظرہ کی منصف وہ پبلک بن جاتی ہے، جو خود ان علوم سے قطعی ناواقف ہے۔

کیا اس امر سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ مروجہ سکولوں کی دسویں جماعت کا امتحان وہی لے سکتا ہے جو خود انٹرنس پاس ہو۔ اسی طرح ایف۔ اے کا امتحان، وہ لے سکتا ہے جو خود بی۔ اے ہو۔ بی۔ اے کا امتحان وہ لے سکتا ہے جو خود ایم۔ اے ہو۔ جب دنیاوی معاملات میں دنیا کا طرز عمل یہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں خود منصف بن بیٹھیں اور یہ خیال کر لیں کہ دینی مباحث کا فیصلہ ہم کر سکتے ہیں۔

4- میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ کے لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے اور مناظرہ کروا کر خود منصف بن جاتے ہیں کیونکہ بہت سے مقامات ہیں، جہاں قادیانیوں نے اپنا داؤ چلانا چاہا مگر وہاں کے لوگوں نے یہ کہا کہ ہم مناظرہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یہ مشکل ہے کہ ہم پہلے ان علوم کو حاصل کریں، جن کی رو سے مناظرہ ہو گا اور پھر تمہارا مناظرہ سنیں۔ یہ وہ زمانہ نہیں کہ ہر شخص علوم دینیہ سے واقفیت حاصل کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ ایک ثالث مقرر کرو جو غیر جانبدار ہو اور اس قابل ہو کہ تم دونوں کے بیانات کا موازنہ کر کے فیصلہ صادر کر

سکے۔ چنانچہ اس جواب پر قادیانی بھاگ اٹھے کیونکہ ان کا مقصود طلب حق تو ہوتا نہیں۔ اگر ہوتو وہ فوراً ثالث مان لیا کریں مگر ان کو اپنے دلوں کی حقیقت معلوم ہے، اس لیے ثالث کبھی نہ مانیں گے، بلکہ وہ تو جھگڑا چاہتے ہیں تا کہ جھگڑا میں اپنے فائدہ کی راہ اختیار کر سکیں۔

5- اگر کسی جگہ ثالث مقرر کرنے کے لیے قادیانی سے کہا جائے تو ان کے مناظر تقدس آمیز لہجہ میں کہا کرتے ہیں کہ اگر ان مسائل میں کسی عالم کو ثالث بنانے کی ضرورت ہے تو معاذ اللہ، یہ اسلام پر ایک خطرناک حملہ ہے۔ گو قرآن وحدیث کے علوم اس قدر مشکل ہیں کہ تم لوگ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے اور دو مناظروں کی گفتگو سن کر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ خداوند کریم نے قرآن کریم کو نہایت آسان بنایا ہے تا کہ ہر شخص با آسانی سمجھ سکے۔ پس کسی ثالث کی ضرورت نہیں۔ اگر تم ثالث کا مطالبہ کرو گے تو بالفاظ دیگر قرآن پاک پر ایک حملہ کرو گے گویا یہ ایسی کتاب ہے کہ اسے سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

اس سوال کا جواب اس مناظر کو یہ دینا چاہیے۔

1- جناب من! اگر آپ کا قول درست تسلیم کیا جائے تو آپ کو کیا ضرورت تھی کہ دس سال کے لمبے عرصہ میں مولوی فاضل بنتے۔ مناظرہ کرنے کی مشق کے لیے دو تین سال صرف کرتے۔ آخر آپ اتنے سال قادیان میں ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد مناظرہ کے لیے تشریف لائے ہیں تو کیا یہ قرآن پاک یا اسلام پر خطرناک حملہ نہیں کہ آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ ان علوم کو سمجھنے یا ان مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ آپ کو تیاری میں گزارنا پڑا۔ لطف تب تھا جب آنجناب بھی ہماری طرح ان باتوں سے بے بہرہ ہوتے اور پھر گفتگو کرتے۔ آپ کے عمل نے ہی ثابت کر دیا کہ ان مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے قابلیت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو بحث کرنے کے لیے ان علوم کی ضرورت ہے تو ہمیں فیصلہ کرنے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت کیوں نہیں؟

2- آپ کے تقدس آمیز وعظ کے چکمہ میں ہم نہیں آ سکتے۔ اگر کسی مریض کے علاج کے لیے ڈاکٹر بننے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی ضروری ہے، اگر مصنف بننے کے لیے علم ادب کی ضرورت ہے، اگر انسان کو اپنی روزی پیدا کرنے کے لیے کسی صنعت وحرفت کا سیکھنا ضروری ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ علوم دینیہ میں دخل دینے کے لیے کسی علم کی احتیاج کا اظہار کیا جائے۔ اگر ہم ان علوم سے ناواقف ہیں تو فیصلہ کا آسان طریق یہ ہے ایک ثالث کا تقرر ہو جو خود عالم ہو اور بہترین فیصلہ دے سکے۔

3- اگر تم بغیر ثالث گفتگو کرنا چاہتے ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں بشرطیکہ تم ایسے موضوع پر

بحث کرو، جس میں کسی علم کی ضرورت لاحق نہ ہو اور صرف اردو کا جاننا کافی ہو مثلاً مسئلہ "صداقت مرزا" کا موضوع ہے۔ مرزا قادیانی کی اکثر کتب اردو میں ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اس زبان کو سمجھتا ہے۔ اس موضوع پر مناظرہ کرو اور فیصلہ بالکل آسان ہوگا۔ آخر تم خود بھی تو یہی کہتے ہو کہ وفات مسیح علیہ السلام اور امکان نبوت کے مسائل مرزا قادیانی نے پیش کر کے اہل اسلام کو ایک خطرناک جہالت سے نکالنا چاہا ہے۔ پس مرزا کی صداقت پر بحث کر لو۔ اگر وہ سچا ثابت ہو گیا تو اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ وہ ان مسائل میں بھی سچا ہے یا نہیں آپ کے پیغمبر یعنی مرزا قادیانی کا یہ فتویٰ موجود ہے۔

> "ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا۔"

("چشمہ معرفت" صفحہ 222)

اس فتوے کی رو سے ہماری بات تم کو تسلیم کرنی پڑے گی کہ صداقت مرزا پر بحث کافی ہے۔

4- وفات مسیح علیہ السلام یا امکان نبوت کے مسائل پر تم کو بحث کرنے کی ضرورت صرف اس وجہ سے ہے کہ تم مرزا کی صداقت کو واضح کرو۔ وفات مسیح علیہ السلام ثابت کرتے ہو، اس لیے کہ مرزا مثیل مسیح علیہ السلام بن سکے، امکان نبوت ثابت کرتے ہو اس لیے کہ مرزا نبی یا پیغمبر بن سکے۔ آخر یہ ساری تکلیف صداقت مرزا کو منوانے کے لیے تو ہے۔ پس جو چیز تم نے ان مسائل کے بعد پیش کرنی ہے کیوں پہلے ہی اس امر پر بحث نہیں کرتے جو تمہارا اصل مقصود ہے، ناک کو ہاتھ لگانا ہے تو سیدھے لگاؤ، چکر ڈال کر ہاتھ لگانے سے کیا فائدہ؟ اگر تم صداقت مرزا ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری ہر بات سچی۔ ورنہ سب جھوٹ۔

5- اگر تم یہ کہو کہ صداقت مرزا کے سلسلہ میں بھی بعض معیار پیش ہوں گے جن میں پھر علوم کی واقفیت ضروری ہوگی۔ تو ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ مناظرہ میں صرف اردو اقوال پیش ہوں گے۔ اگر کوئی مرزا کی عربی عبارت ہوگی تو خود مرزا کا اردو ترجمہ پیش کریں گے۔ ہمیں عربی الفاظ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ہمارا مقصود تو صرف یہ ہے کہ ایسے طریق سے بحث ہو کہ حاضرین اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اردو عبارت میں کیا جھگڑا ہر شخص اردو عبارت کو دیکھ کر فیصلہ صادر کر سکے گا اور ہمیں کسی ثالث کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ کسی علم سے واقفیت کی احتیاج۔

پس یہ وہ طریق ہے جس سے ہر شخص قادیانیوں سے گفتگو کر سکے گا مگر آپ دیکھیں گے کہ قادیانی اس بات سے کیونکر بھاگتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کتب مرزا، تردید مرزا کے لیے کافی ہیں۔

6- قادیانیوں سے گفتگو کرتے وقت ہمیشہ یہ خیال رہے کہ قادیانی کبھی ایک بات پر نہ ٹھہرے گا۔ ہمیشہ ایک بات کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کرے گا اور بحث کو اس جگہ لے جائے گا، جہاں جھگڑا ہو اور گفتگو بغیر نتیجہ رہ جائے۔ پس ہمیشہ گفتگو کرتے وقت یہ مدنظر رکھئے کہ جو چیز آپ پیش کریں، آخر وقت تک اس بات کو دہراتے جائیں اور اس سے جواب کا مطالبہ کیجئے اور ہر وقت یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ گفتگو مختصر ہو اور ایک وقت میں ایک ہی بات ہو۔

قادیانی ہوشیار و چالاک پارٹی ہے، موقعہ کے مناسب حال چال چلنا ان کا دستور العمل ہے۔ جونہی ان کو معلوم ہو گا کہ ہمارا مدمقابل مسلمان ہمیں دندان شکن جواب دے گا، وہاں فوراً بحث سے گریز کریں گے اور یہ تقریر شروع کر دیں گے کہ اسلام مصائب میں گھرا ہوا ہے، مناظروں کو چھوڑ دو۔ آپس میں متحد ہو کر اسلام کی ترقی کی کوشش کرو، ہمارے خلیفہ نے اسلام کے درد سے متاثر ہو کر یہ حکم دے رکھا ہے۔

> ”میں ان کو نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اب تک ہماری جماعت سے ایک غلطی ہوئی ہے، میں نے بارہا اس سے روکا بھی ہے مگر اس جماعت نے جو اخلاص میں بے نظیر ہے، تاحال اس پر عمل نہیں کیا اور وہ یہ کہ مباحث کو ترک کرو۔ میرے نزدیک وہ شکست ہزار درجہ بہتر ہے، جو لوگوں کے لیے ہدایت کا موجب ہو، بہ نسبت اس صلح کے جو لوگوں کو حق سے دور کرے۔ پس ایک دفعہ پھر جب کہ ہمارے مبلغ تبلیغ کے لیے جا رہے ہیں، انھیں اور دوسروں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ مباحثات کو چھوڑ دیں اور ایسا طرز اختیار کریں، جس سے دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خدا تعالیٰ سے خشیت ظاہر ہو۔“ (”الفضل“ 11 جولائی 1925ء، صفحہ 4)

اس حکم کی رو سے ہم مناظرہ یا بحث نہیں چاہتے، پس قادیانیوں کے ہر ہتھکنڈا کو سمجھئے اور اسے کہئے کہ اگر اسلام کا فی الواقعہ درد ہے تو دیہات میں تمھارے آدمی روزانہ بحث و مناظرہ کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ وہاں لاعلمی ہے اور وہاں کے لوگ تمھیں اپنا شکار نظر آتے ہیں۔ تمہاری یہ چال صرف ”صداقت مرزا“ کی بحث سے فرار اختیار کرنے کے لیے ہے۔ رہا تمھارے خلیفہ کا حکم، سو تمہاری دورنگیاں ہم خوب جانتے ہیں۔ خلیفہ قادیان کا مذکورہ بالا حکم تم نے پیش کیا مگر اسی اخبار کے صفحہ 5 پر اس کا یہ قول بھی موجود ہے، جس سے صاف عیاں ہے کہ اس کا اصل مقصود کیا ہے؟

> ”مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مبلغ کی حیثیت سے نہیں جا رہے ہیں بلکہ مدبر کی حیثیت سے جا رہے ہیں، ان کا کام یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک میں کس طرح تبلیغ کرنی چاہیے۔“

اگر اسلام کا درد ہے تو آؤ سیدھی طرح مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے سے

تحریری توبہ نامہ لکھ دو۔ بہرکیف میں برادران اسلام سے یہ کہوں گا کہ وہ بھی کسی امر پر بحث کرنے سے پہلے دشمن کی چال سمجھا کریں۔ اگر قادیانی خود مناظرہ کا میدان گرم کرنے کی کوشش کرے تو آپ یہی حوالہ پیش کر کے دریافت کیا کریں کہ تمہارے خلیفہ کا تو حکم ہے کہ مناظرہ نہ کرو۔ تم کیوں ایسا کرتے ہو، اگر وہ خود ہی یہ معلوم کر لے کہ میرا مدمقابل دندان شکن جواب دے گا اور مناظرہ سے فرار اختیار کرے اور اسلام کے درد کا اظہار کرنا شروع کرے، تو آپ ان کے ساتھیوں کا حال بیان کریں جو عموماً قادیانی اخبار میں درج ہوتا ہے کہ فلاں جگہ مناظرہ ہوا۔ فلاں جگہ بحث ہوئی اور دریافت کریں کہ وہاں مناظرے کیوں ہوتے ہیں؟ صاف بات کیوں نہیں کہتے کہ تم مرزا کی کتابوں کے حوالہ جات سے گھبراتے ہو۔ ہاں اگر کوئی ناواقف حال مل جائے تو مناظرہ کی ڈینگ مارتے ہو۔ ایسے موقع پر اس موضوع پر گفتگو یہ ہوا کرے کہ حضرت! ہم آپ کی چالوں سے واقف ہیں وقت وقت کی چال چلنا آپ کا شیوہ ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

تم کوئی گفتگو کرو، تمہارا آخری نقطہ مرزا کی تبلیغ ہوگی۔ پس آؤ اسی موضوع پر گفتگو کر کے قصہ ختم کریں۔ بعض اوقات قادیانی مناظرہ سے انکارہ کیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ان کی رگ جوش مارا کرتی ہے اور مناظرہ کے لیے گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر جب سوال کیا جائے کہ اب کیوں بحث کرتے ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بحث نہیں تبادلہ خیالات ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ منٹ منٹ کے بعد اپنا رنگ بدلا کرتے ہیں۔ پس پوری ہوشیاری سے پہلے ان کی چال دیکھا کریں اور پھر گفتگو شروع کیا کریں۔

مذہب کے پردہ میں تجارت

میرے ذاتی تجربہ اور تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی گروہ کوئی مذہبی جماعت نہیں بلکہ ایک تجارتی کمپنی ہے، جس نے مذہب اور روحانیت کو اپنا سرمایہ تجارت بنا رکھا ہے۔ ہر آدمی ان کے کلام وعظ اور تحریروں سے یہ چیز باآسانی معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اپنی ہر بات کو تقدس آمیز لہجہ میں پیش کرنے کے عادی ہیں اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ وہ خود کو ایک باخدا گروہ ظاہر کریں۔ مگر ایک محقق بنظر غور حالات و واقعات پر غور کرے گا، تو اس پر، اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ اس کمپنی نے مذہب کی اوڑھنی اوڑھ کر تقدس و روحانیت کے پردہ میں ایک جال بچھا رکھا ہے۔ پبلک پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے قرآن کریم کا درس بھی ہے (جس کا مقصود من گھڑت تاویلات سے اپنے پیغمبر کی صداقت بیان کرنا ہوتی ہے) بعض اوقات بوقت ضرورت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بھی بیان کی جاتی ہے۔ تقدس سے بھرپور وعظ بھی ہوتے ہیں۔ غرضیکہ دینداری کی پوری نمائش ہوتی ہے لیکن اندرونی حالات و خیالات کی پڑتال کی جائے تو ایک اور ہی سین نظر آتا ہے۔ آپ اس نقطہ نگاہ سے دیکھیے کہ کیا یہ گروہ ایک مقدس

جماعت ہے یا یہ تمام کاروبار تجارتی اغراض پر مبنی ہے۔ مثلاً اس پاکٹ بک میں ان کے عقائد کا ذکر ہوگا۔ ان عقائد کی موجودگی میں اگر کوئی قادیانی آپ کے سامنے اتحاد اتحاد کی رٹ لگانی شروع کرے اور دردمندانہ الفاظ سے آپ کو متاثر کرنے کی کوشش کرے، تو آپ نے ان عقائد کو پیش کر کے مطالبہ کرنا ہوگا کہ تمہارے فتنہ انگیز عقائد کی موجودگی میں تمہارا یہ وعظ محض گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ جس طرح دوکاندار ہر گاہک کے مناسب حال گفتگو کرتا ہے اسی طرح تم اپنے عقائد کی رو سے اپنی جماعت کو تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے انتہائی کوشش صرف کرنے پر زور دیتے ہو اور دن رات انھیں تلقین کرتے ہو کہ ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتاریں اور یہ ثابت کر دیا کہ پہلا مسیح تو خود سولی پر چڑھنے کے لیے آیا تھا مگر یہ مسیح مخالفین کو سولی پر چڑھانے کے لیے آیا ہے۔ مگر مسلمانوں سے جب کلام کرتے ہو تو اتحاد اتحاد کی رٹ لگانا شروع کر دیتے ہو۔ اگر یہ دوکاندارانہ اصول نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح وہ تمام گالیاں جو مرزا قادیانی نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں دیں، قادیانی کہیں گے کہ یہ عیسائیوں کے یسوع مسیح کے متعلق ہیں۔ اس کے جواب میں آپ مرزا قادیانی کا وہ قول پیش کریں گے، جس میں وہ مکہ معظمہ کو ایک درخواست بھیجتا ہوا خود کو یسوع کی روح بتاتا ہے۔ ہر دو امور کا مقابلہ کر کے آپ ثابت کریں گے کہ قادیانیوں کا مقصود صرف مطلب براری ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنا ہوا تو کہہ دیا کہ ہم عیسائیوں کے مخالف ہیں۔ ان کو ساکت کرنے کے لیے اور اسلام کی حفاظت کے لیے ان کے یسوع مسیح کو گالیاں دی گئی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ لوگ کس بے باکی سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، ان کا علاج ہی یہی ہے۔ اگر عیسائیوں سے واسطہ پڑے، ان سے کوئی مطلب ہو تو قادیانی یسوع مسیح کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یسوع کی روح مجھ میں موجود ہے اور میں یسوع کے نام پر دنیا میں آیا ہوں اگر یہ وقت کی باتیں نہیں، تو اور کیا ہیں؟

جس چیز کو مفید سمجھا جاتا ہے، اس کو بیان کر دیا جاتا ہے، خواہ وہ پہلی باتوں کے صریح مخالف و متناقض ہی کیوں نہ ہو۔ قادیانی کمپنی کے اس طرز عمل کی تائید خود ان کے الفاظ میں سنئے۔ خلیفہ قادیان "نصائح مبلغین" کے صفحہ 20 پر اپنے مبلغوں کو ہدایات دیتا ہوا لکھتا ہے:

> "مبلغ کا فرض ہے کہ ایسا طریق اختیار نہ کرے کہ کوئی قوم اسے اپنا دشمن سمجھے۔ اگر یہ کسی ہندوؤں کے شہر میں جاتا ہے، تو یہ نہ ہو کہ وہ سمجھیں کہ ہمارا کوئی دشمن آیا ہے بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ ہمارا پنڈت ہے۔ اگر عیسائیوں کے ہاں جائے تو سمجھیں کہ ہمارا پادری ہے۔ وہ اس (مبلغ) کے جانے پر ناراض نہ ہوں، بلکہ خوش ہوں۔ اگر یہ اپنے اندر ایسا رنگ پیدا کرے تو پھر غیر احمدی بھی تمہارے شہر میں جانے پر کسی مولوی کو نہ بلائیں گے، نہ ہندو کسی پنڈت کو اور نہ عیسائی کسی پادری کو، بلکہ وہ

تمھارے ساتھ محبت سے پیش آئیں گے۔" ("نصائح مبلغین" صفحہ 20)

ان الفاظ سے قادیانی خلیفہ کا مطلب صاف اور واضح ہے، صریح الفاظ میں وقت وقت کی راگنی الاپنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ عجیب تر یہ کہ ایک طرف اس درجہ نرمی اور ملاطفت کی تعلیم اور دوسری طرف ہندو اور عیسائیوں کو بے نقط گالیاں دی گئی ہیں۔ وجہ صرف یہ کہ ان گالیوں سے مقصود مسلمانوں کو اپنی کار گزاری دکھا کر ان کی جیبوں کو خالی کرنا ہے۔ غرضیکہ اس کمپنی کا مذہب "بامسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام" کا مصداق ہے، جس کا انھوں نے خود بھی اقرار کیا ہے۔

قادیانی عقائد

اتحاد و اتفاق کا وعظ

قادیانی جب کبھی نو تعلیم یافتہ یا ان اشخاص سے جو قادیانیوں کے عقائد سے ناواقف ہوتے ہیں، ملتے ہیں تو انہی کے مذاق کے مطابق گفتگو شروع کرتے ہیں۔ ان کے وعظ کا ملخص یہ ہوتا، کہ اسلام چاروں طرف سے مصائب میں گھرا ہوا ہے، مسلمانوں پر تزلزل و ادبار کا دور دورہ ہے۔ ان حالات میں جو لوگ باہمی تکفیر بازی کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں، دراصل وہی اسلام کے جانی دشمن ہیں۔ آج وقت یہ ہے کہ آپس کے اختلاف کو بالائے طاق رکھا جائے، آپس میں کوئی جھگڑا نہ کیا جائے۔ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، ایک دوسرے سے متحد ہو کر غیروں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائے۔ تنگ خیالی کو دور کر دیا جائے۔ غرضیکہ ایسی تقریر کریں گے جو ایک ناواقف حال پر بھی اثر ڈالے کہ یہ قادیانی اسلام اور مسلمانوں کے مصائب سے پوری پوری ہمدردی رکھتے ہیں اور انھیں ان کی تکالیف کا اس قدر احساس ہے کہ شاید رات کی نیند بھی ان پر حرام ہو چکی ہے۔

چونکہ قادیانیوں کا یہ ہتھکنڈا آج کل عام ہے کیونکہ ان کے خیال میں کالجوں کے تعلیم یافتہ لوگ مذہب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ہی مذہب سے واقف نہیں تو ان کو قادیانیوں کے عقائد کا کیا علم ہو گا؟ اس لیے قادیانی ان کی مجالس میں، اور مسائل کو چھوڑتے ہوئے یہی حربہ اختیار کرتے ہیں، جس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مسلمان طالب علموں یا دوسرے ناواقف حال اصحاب کو متاثر کر کے علماء اسلام سے متنفر کیا جائے اور ان کے ذہن نشین کیا جائے کہ فساد کے بانی یہی "مولوی" ہیں، جن کا مشغلہ باہمی تکفیر بازی ہے۔ جب اس نفرت دلانے میں کامیابی ہو گی اور یہ لوگ اپنے علماء کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہی نہ ہوں گے تو ان کو آہستہ آہستہ اپنے رنگ پر لایا جائے گا اور قادیانیت کے پرچار میں بہت زیادہ آسانیاں ہو جائیں گی۔

چونکہ قادیانی آج کل زیادہ تر اس حربہ کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب سے

پہلے ان کے عقائد کو نقل کر کے دکھایا جائے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ تکفیر بازی کس کا مشغلہ ہے؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کو کون دائرۂ اسلام سے خارج بتاتا ہے؟ مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنا کون حرام سمجھتا ہے؟ مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ ناجائز اور ان کے معصوم بچوں کا جنازہ تک پڑھنا کون حرام بتاتا ہے؟

ان کے، ان عقائد کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکے گا کہ ان کا اتحاد کا وعظ کیا حقیقت رکھتا ہے، ان کا ہمدردانہ لیکچر دراصل شاطرانہ چال ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آج اتحاد کا کوئی دشمن ہے تو قادیانی، مسلمانوں کی مصائب پر خوشی منانے والا کوئی ہے تو قادیانی، مسلمانوں کو آپس میں لڑائی کرانے کی کوشش کرنے والا اگر کوئی ہے تو قادیانی، مسلمانوں کے خلاف اگر ایک کینہ توز جماعت پیدا کر رہا ہے تو قادیانی۔

ان عقائد کو قادیانیوں کے سامنے رکھئے اور مطالبہ کیجئے کہ کیا یہی آپ کے عقائد ہیں؟ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور اگر مگر کے صاف الفاظ میں بتاؤ کیا یہ تمہارے عقائد نہیں؟ اور کیا تم اس وقت تک ان پر قائم نہیں، اگر یہ درست ہے تو تمہیں مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے اور تم اتحاد کے حامی کیونکر ہو سکتے ہو۔ تمہاری لفظی ہمدردی اگر محض مکر و فریب نہیں تو اور کیا ہے؟

مسلمانوں سے قطع تعلق

"تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعوے اسلام کرتے ہیں، بکلی ترک کرنا پڑے گا۔"

(حاشیہ "تحفہ گولڑویہ" صفحہ 27)

"غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو۔"

("نہج المصلی" صفحہ 382)

تمام اہل اسلام کافر اور دائرہ اسلام سے خارج

"سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔"

("آئینہ صداقت" ج 30)

مسلمانوں کی اقتداء میں نماز حرام

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ ایک جماعت تیار کرے پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا، جس سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے، منشا الٰہی کی مخالفت ہے۔ میں تم کو بتا کید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔" ("الحکم" 7 فروری 1903ء)

''یاد رکھو کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے، تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر و مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔'' (حاشیہ ''تحفہ گولڑویہ'' صفحہ 27)

کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے، اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔'' (''انوار خلافت'' 90)

جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!

''باہر سے لوگ بار بار پوچھتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے، اتنی دفعہ میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!'' (''انوار خلافت'' صفحہ 89)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ حرام

خلیفہ قادیان لکھتا ہے کہ میرے باپ سے:

''ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اوّل نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی، باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔''

(''انوار خلافت'' ص 94)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ جائز نہیں

''غیر احمدیوں کو لڑکی دینے سے بڑا نقصان پہنچتا ہے اور علاوہ اس کے کہ وہ نکاح جائز ہی نہیں۔ لڑکیاں چونکہ طبعاً کمزور ہوتی ہیں، اس لیے وہ جس گھر میں بیاہی جاتی ہیں، اس کے خیالات و اعتقادات کو اختیار کر لیتی ہیں اور اس اپنے دین کو تباہ کر لیتی ہیں۔'' (''برکات خلافت'' 73)

''حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے۔'' (''برکات خلافت'' ص 75)

''جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً مسیح موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے

کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو، مگر تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو۔"

("ملائکۃ اللہ" ص46)

مسلمانوں کی نماز جنازہ ناجائز

مرزا قادیان کا اپنے فوت شدہ بیٹے سے سلوک

خلیفہ قادیان اپنے باپ کے متعلق روایت کرتا ہے:

> "آپ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا، جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق کرتا تھا۔ جب وہ مرا تو مجھے یاد ہے آپ ٹہلتے جاتے اور فرماتے کہ اس نے کبھی شرارت نہیں کی تھی بلکہ میرا فرمانبردار ہی رہا۔ ایک دفعہ میں بیمار ہوا اور شدت مرض میں مجھے غش آ گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس کھڑے نہایت درد سے رو رہا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عزت کرتا تھا۔ لیکن آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا حالانکہ وہ اتنا فرمانبردار تھا کہ بعض احمدی بھی اتنے نہ ہوں گے۔ محمدی بیگم کے متعلق جب جھگڑا ہوا تو اس کی بیوی اور اس کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت صاحب نے ان کو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ اس نے طلاق لکھ کر حضرت صاحب کو بھیجی کہ آپ کی جس طرح مرضی ہے اسی طرح کریں۔ باوجود اس کے جب وہ مرا تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔"

("انوار خلافت" ص 91)

فرمانبردار بیٹے سے جس گروہ کے بانی کا یہ سلوک ہو، ایسے گروہ کی مسلمانوں سے جیسی ہمدردی ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی خلیفہ قادیان از خود ایک سوال پیدا کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔

> "غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر ہوئے، اس لیے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے وہ تو مسیح موعود علیہ السلام کا مکفر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟"

(حوالہ مذکور)

کسی مسلمان کا جنازہ مت پڑھو

> "قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو بظاہر اسلام لے آیا ہے لیکن یقینی طور پر اس کے دل کا کفر معلوم ہو گیا ہے، تو اس کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ (نا معلوم یہ حکم کہاں ہے) پھر غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔"

("انوار خلافت" صفحہ 92)

شعائر اللہ کی ہتک

تیرہ سو سال گزر چکے مگر اس قدر عرصہ میں شعائر اسلامی کی ہتک اور انتہائی توہین کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکا۔ مکہ و مدینہ کی فضیلت، مسلمہ چیز ہے۔ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں ان مقامات کی عزت و حرمت بیان فرمائی۔ مسلمانوں کی ان مقامات سے انتہائی محبت کا آج بھی یہ حال ہے کہ اطراف و اکناف عالم سے سینکڑوں نہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں فرزندان توحید ان شعائر اسلامی کی زیارت اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں، کیونکہ خداوند کریم نے حج کو ایک واجب توفیق پر فرض قرار دیا ہے اور صاف ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں مگر قادیانی کمپنی کا سرگروہ اپنے حالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:

> "قادیان تمام دنیا کی بستیوں کی ام (ماں) ہے، پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا، وہ کاٹا جائے گا، تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔" ("حقیقت الرویا" صفحہ 46)

سالانہ جلسہ دراصل قادیانیوں کا حج ہے

خلیفہ قادیان لکھتا ہے:

> "ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا ظلی حج ہے۔"

("الفضل" یکم دسمبر 1922ء)

اب حج کا مقام صرف قادیان ہے

> "ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔"

(ملخص از "برکات خلافت" صفحہ 5)

مسلمانوں سے انتہائی دشمنی کے ثبوت میں حسب ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔

مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنا

> ”انتقام لینے کا زمانہ۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا، اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا، مگر اب مسیح اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے۔ حضرت مسیح موعود نے مجھے یوسف قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں، مجھے یہ نام دینے کی کیا ضرورت تھی، یہی کہ پہلے یوسف کی جو ہتک کی گئی ہے، اس کا میرے ذریعہ ازالہ کر دیا جائے۔ پس وہ تو ایسا یوسف تھا، جسے بھائیوں نے گھر سے نکالا تھا مگر اس یوسف نے اپنے دشمن بھائیوں کو گھر سے نکال دیا۔ پس میرا مقابلہ آسان نہیں۔“ (”عرفان الٰہی“ صفحہ 94)

مخالفین کو سولی پر لٹکانا

> ”خدا تعالیٰ نے آپ (مرزا غلام احمد) کا نام عیسیٰ رکھا ہے۔ تاکہ پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکایا تھا مگر آپ زمانہ کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں۔“ (”تقدیر الٰہی“ صفحہ 29)

وہ نو تعلیم یافتہ اور قادیانیت کی حقیقت سے ناواقف مسلمان، جو قادیانیوں کے پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر، ان کے مصنوعی کارناموں کو بنظر استحسان دیکھنا شروع کر دیتے ہیں یا وہ مسلمان اخبارات، جو اپنی مخصوص اغراض کے لیے قادیانیوں کا پروپیگنڈا کرتے ہیں، ان کے متعلق خلیفہ قادیان کا حسب ذیل ارشاد سنئے اور اندازہ کیجئے کہ جس گروہ کا یہ خیال ہو کہ جب تک ایک شخص پکا قادیانی نہ ہو جائے، اس کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ ساری دنیا کو اپنا دشمن یقین کرنے کی تاکید کرے۔ ایسے گروہ کی مسلمانوں سے ہمدردی کی کیونکر توقع کی جا سکتی ہے۔

> ”ساری دنیا ہماری دشمن ہے، بعض لوگ (مسلمان) جب ان کو ہم سے مطلب ہوتا ہے تو ہمیں شاباش کہتے ہیں جس سے بعض احمدی یہ خیال کر لیتے ہیں کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔ حالانکہ جب تک ایک شخص خواہ وہ ہم سے کتنی ہمدردی کرنیوالا ہو۔ پورے طور پر احمدی نہیں ہو جاتا، وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ تمام دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں تاکہ ان پر غالب آنے کی کوشش کریں۔ شکاری (قادیانی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہیے اور اس امر کا برابر خیال رکھنا چاہیے کہ شکار (مسلمان) بھاگ نہ جائے۔ یا ہم پر ہی حملہ نہ کر دے۔“

(تقریر خلیفہ قادیان، مندرجہ ”الفضل“ 25 اپریل 1930ء)

> "تم اس وقت تک امن میں نہیں ہو سکتے، جب تک تمہاری اپنی بادشاہت نہ ہو۔ ہمارے لیے امن کی ایک ہی صورت ہے کہ دنیا پر غالب آ جائیں۔"

(خطبہ خلیفہ قادیانی، مندرجہ "الفضل" 25 اپریل 1930ء)

ان عقائد کی موجودگی میں قادیانیوں کو کیا حق ہے وہ اتحاد و اتفاق کا ڈھونگ رچا کر اپنی مخصوص اغراض، اپنی تبلیغ کا راستہ صاف کرنے کی کوشش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی سعی کریں، اس چیز کو اور زیادہ صاف اور اجلا کرنے کے لیے ہم خلیفہ قادیان کے دو اقوال نقل کرتے ہیں:

> "میں منافقت کی صلح ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو صاف دل ہو کر اور اپنی غلطی چھوڑ کر صلح کے لیے آگے بڑھے ہیں، اس سے زیادہ اس کی طرف بڑھوں گا۔"

("برکات خلافت" ص 27)

> "صلح اس وقت ہو سکتی ہے، جب کہ یا تو جو لیتا ہو، لے لیا جائے اور جو دیتا ہو، دے دیا جائے، کیونکہ یہ مخالف کی مخالف سے صلح ہے۔ بھائی بھائی کی صلح نہیں اور یا پھر وہ زہر جو پھیلایا گیا ہو، اس کا ازالہ کر دیا جائے۔"

("عرفان الٰہی" صفحہ 84)

ہر دو حوالہ جات اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ خود خلیفہ قادیان کے نزدیک صلح کا بہترین اصول کیا ہے۔ ان اقوال کی وضاحت کے لیے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ صلح کے یہ اصول خلیفہ قادیان نے کیوں بیان کیے۔

مرزائی جماعت دو پارٹیوں میں منقسم ہے (پارٹیاں تو بہت ہیں اور ان میں کئی انبیاء بھی پیدا ہو چکے ہیں مگر قابل ذکر یہی دو ہیں) ایک قادیانی، ایک لاہوری۔ لاہوری جماعت نے ایک مرتبہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ معمولی اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں آپس میں متحد ہونا چاہیے۔ یہ بات تھی بھی معقول۔ کیونکہ لاہوری جماعت مرزا کی تمام کتب پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کے تمام دعاوی کو تسلیم کرتی ہوئی اسے مسیح موعود اور مہدی موعود قرار دیتی ہے، ظاہر ہے کہ صرف مسئلہ نبوت کو چھوڑ کر باقی تمام امور میں ایک جماعت کا متحد ہونا، صلح کے راستہ کو کس قدر قریب کرنے کا موجب ہو سکتا ہے، مگر خلیفہ قادیان ان لوگوں کی صلح کو مخالف کی مخالف سے صلح بتاتا ہوا یہ شرط عائد کرتا ہے کہ صلح بھی ہو سکتی ہے جبکہ جو لیتا ہو، لے لیا جائے اور جو دیتا ہو، دے دیا جائے۔ یعنی وہ زہر جو پھیلایا گیا ہو، اسے دور کیا جائے۔ پھر کیا یہ امر موجب حیرت نہیں کہ جب قادیانی اس جماعت سے جو مرزا کو مسیح موعود مانتی ہے، صلح کے لیے اس وقت تک تیار نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اپنے پھیلائے ہوئے زہر کو دور نہ کرے، تو کیا مسلمان ہی ایسے سادے رہ گئے ہیں جو قادیانی کمپنی سے یہ مطالبہ کریں گے، ہماری تم سے صلح اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ تم اس زہر کو دور کرو

جوتم اپنے اقوال واعمال سے پھیلا چکے ہو۔ ایک طرف تم مسلمانوں سے بائیکاٹ کی تلقین کرتے جاؤ، انھیں دائرہ اسلام سے خارج بتاؤ، ان کا یا ان کے معصوم بچہ تک کا جنازہ حرام سمجھو لیکن ساتھ ساتھ اتحاد کی بھی دعوت دیے جاؤ۔ ہم تمھارے ہی اقوال کو دہراتے ہوئے تمھیں یہ جواب دینے کا حق رکھتے ہیں کہ ہمارا تمہارا اتحاد خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو، اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک تم علانیہ اپنے ان شائع کردہ اعتقادات کو واپس لینے کا اعلان نہ کر دو۔ ورنہ ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اتحاد واتفاق کا وعظ محض ایک چال ہے جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے چلی جارہی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض ناواقف لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں کے عقائد سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے خیالات سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ ہم اچھی بات کو اچھی کہیں۔ اگر قادیانی ایک اچھا کام کرتے ہیں تو ہم اسے اچھا کہیں، اگر وہ ایک نیک کام کی دعوت دیں تو ہمیں اس میں شریک ہونا چاہیے۔ مثلاً قادیانی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلسہ کرتے ہیں تو ہمیں اس نیک کام میں شامل ہونا چاہیے۔ اس خیال کی تردید میں ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ خود خلیفہ قادیان کا وہ جواب نقل کرتے ہیں، جو اس نے اس موقعہ پر، جب کہ اس کے سامنے لاہوری جماعت سے صلح کے سوال پر اس کے ایک مرید کے، اسی قسم کے شبہ کے جواب میں دیا اور یہ جواب اس شبہ کے ازالہ کے لیے اس قدر کافی ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی اور جواب کی ضرورت نہیں۔ سنئے خلیفہ قادیان ارشاد فرماتے ہیں:

> "یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ کی صبح کی نماز رہ گئی۔ اس پر وہ اٹھ کر اتنا روئے کہ روتے روتے شام ہوگئی اور اس گریہ وزاری کی حالت میں سو گئے۔ صبح ابھی اذان بھی نہ ہوئی تھی کہ انھوں نے رؤیا میں دیکھا ایک آدمی کہہ رہا ہے اٹھو نماز پڑھو۔ آپ نے دریافت کیا "تم کون ہو؟" اس نے کہا "میں ابلیس ہوں۔" آپ نے کہا "تم اور نماز کے لیے جگاؤ" ابلیس نے جواب دیا "کل مجھ سے غلطی ہوگئی جو میں نے تم کو سلائے رکھا، جس پر تم اس قدر روئے کہ خدا نے کہا کہ اسے ستر نمازوں کا ثواب دو۔ آج میں اس لیے جگانے آیا ہوں کہ تمھیں ایک نماز کا ثواب ملے، ستر کا نہ ملے۔" تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیز اچھی نظر آتی ہے وہ درحقیقت اپنے اندر برائی کا بیج رکھتی ہے۔" ("عرفان الٰہی" صفحہ 83)

دیکھیے، خلیفہ قادیان کس صفائی سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ نماز جیسے نیک کام کے لیے شیطان کا حضرت معاویہ کو جگانا نیک عمل شمار نہیں ہوسکتا۔

اس حوالہ کی موجودگی میں ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قادیانیوں سے ان کی منافقانہ

دعوت اتحاد کا یہ قطعی جواب دے سکے کہ تمہارا یہ اتحاد کا وعظ اور سیرت جلسوں وغیرہ میں شرکت کی دعوت اپنی اغراض مخصوصہ کے لیے ہے، ورنہ مسلمانوں سے تمھیں قطعاً کوئی ہمدردی نہیں اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ تمہارے عقائد تمھیں مجبور کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں سے دشمنی رکھو۔ اگر تمہارے قلب میں صفائی ہے تو آؤ اپنی نیک نیتی کا ثبوت یوں دو کہ اپنے ان تمام تفرقہ انگیز، اتحاد شکن عقائد سے بیزاری کا اعلان کردو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین

چونکہ قادیانی کمپنی کو معلوم ہے کہ مسلمان اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی کوئی تبلیغ قطعاً موثر نہیں ہوسکتی جب تک وہ مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلائیں کہ انھیں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہے۔ اس لیے قادیانی کمپنی اپنی غیر معمولی لفاظی سے مسلمانوں پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ انھیں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے سیرت النبی کے جلسوں کا بھی ڈھونگ رچایا تھا مگر مسلمان بھی حقیقت الامر سے واقف ہیں۔ قادیانی کمپنی کی تحریرات ان کے سامنے ہیں، جن کی موجودگی میں اس امر کو باور کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ قادیانی کمپنی کو آقائے دو جہاں پر ذرہ بھر بھی ایمان ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قادیانی کمپنی کا مقصد مذہب کے پردہ میں تجارت کرنا ہے، جس کے حصول کے لیے وہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال رہے ہیں، لیکن یہ جانتے ہوئے کہ مسلمانوں سے اپنے نئے معتقدات کا یکدم منوانا مشکل ہے، وہ نہایت گہری چالوں سے اپنے دلی اعتقادات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ذیل کے حوالہ جات اس بات کا بین ثبوت ہوں گے کہ قادیانی کمپنی کا مقصد وحدی، مسلمانوں کے دلوں سے آقائے نامدار کی عزت کو کم کرنا اور اپنے مرزا کی نبوت کا پرچار کرنا ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ (معاذ اللہ) مسلمان اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑ کر قادیانی نبوت کا رخ کریں اور اس چیز کو اپنے لیے سرمایہ نجات سمجھیں۔

قبل اس کے کہ ہم قادیانی کمپنی کے دلی معتقدات کو خود ان کے الفاظ میں نقل کریں، ہم ایک شبہ کا ازالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ قادیانی اپنے مرزا کے بعض ان اقوال کو پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کیا کرتے ہیں، جن میں مرزا قادیانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنی بعض کتب میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کا اظہار کیا ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے فی الواقعہ کوئی محبت ہے، کوئی ذرہ بھر بھی تعلق ہے بلکہ اس کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ ناواقف حال مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں لانے کا ذریعہ ہی یہ سمجھا گیا ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق کا اظہار کیا جائے۔

احباب کرام کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی قادیانی، مرزا کا کوئی قول ایسا پیش کریں، جس

میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا گیا ہو، تو فوراً اس کے اقوال پیش کر کے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ ان اقوال کی کیا تشریح ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی گئی ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ جو اقوال مرزا تم پیش کر رہے ہو، ان میں فی الواقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے، تب بھی اس کے بالمقابل حسب ذیل اقوال کی موجودگی میں تمھیں اس چیز کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اور کچھ نہیں تو دورنگی ضرور ہے، بیانات میں تضاد ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ہم اس شخص کے کسی قول کو قابل اعتنا کیوں سمجھیں، جس کے بیانات میں زمین وآسمان کا فرق موجود ہو۔

یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ ہم مرزا کے ان اقوال کو صحیح فرض کر لیں، جن میں آقائے نامدار سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے، ورنہ ہمارا اصل مقصود یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مرزا قادیانی کا مقصد وحید آہستہ آہستہ ترتیب وار اپنے نئے مذہب کی اشاعت کے لیے اپنے معتقدات کی اشاعت ہے۔ مرزا نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ تسلیم کیا اور 12 سال تک اسی عقیدہ پر قائم رہا۔ جب اس نے مریدوں کی ایک معمولی تعداد پیدا کر لی تو وفات مسیح کا پرچار شروع کر دیا، مگر اس خوف سے کہ مسلمان بدک نہ جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی عشق کا اظہار شروع کر دیا۔ (قادیانی جو اقوال مرزا آنحضرت کے عشق ومحبت کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں، وہ عموماً اسی زمانے کے ہیں) اور صاف الفاظ میں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت بند ہے۔ نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کا مترادف ہے۔ آنحضور کے بعد مدعی نبوت کافر ہے۔ چند سال اسی چیز کا اعلان ہوتا رہا اور آخرکار 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ غرضیکہ حسب ذیل اقوال سے ہم واقعات کی روشنی میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مرزا کے وہ اقوال جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اظہار کیا گیا، کچھ وقعت نہیں رکھتے کیونکہ جس کے دل میں سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرہ بھر بھی محبت موجود ہو، وہ اپنی زبان یا قلم سے ان خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا جو ہمارے پیش کردہ حوالہ جات میں بیان کیے گئے ہیں۔

اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے ہم پہلے موجودہ قادیانی خلیفہ (جو مرزا قادیانی کا بیٹا ہے) کے اقوال درج کرتے ہیں جو اپنے باپ کے دلی خیالات کی ترجمانی کماحقہ کر رہا ہے، کیونکہ باپ تو اپنی تبلیغ کے لیے زمین کو ہموار کرنے کا یہ فرض سرانجام دیتا رہا۔ قادیانی خلیفہ کے نزدیک اب وہ کام ہو چکا ہے، اس لیے وہ جن خیالات کی اشاعت کر رہا ہے، وہی اب قابل توجہ چیز ہے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (نعوذ باللہ) روح موجود نہیں

> ”دنیا میں نماز تھی مگر نماز کی روح نہ تھی، دنیا میں روزہ تھا مگر روزہ کی روح نہیں تھی، دنیا میں زکوٰۃ تھی مگر زکوٰۃ کی روح نہ تھی، دنیا میں حج تھا مگر حج کی روح نہ تھی، دنیا

میں اسلام تھا مگر اسلام کی روح نہ تھی، دنیا میں قرآن تھا مگر قرآن کی روح نہ تھی اور اگر حقیقت پر غور کرو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موجود تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح موجود نہ تھی۔''

(خطبہ خلیفہ قادیان، مروجہ ''الفضل'' 11 مارچ 1930ء)

مرزا قادیانی (معاذ اللہ) سردار دو جہاں سے افضل ہے

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاصل ہے۔''

(''قادیانی ریویو'' بابت ماہ مئی 1929ء)

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات کسی تشریح و توضیح کے محتاج نہیں، جس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہنی استعداد کی کمی اور مرزا کی فضیلت کا اظہار کیا گیا، وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کی عدم موجودگی بیان کر کے جس توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے، وہ بھی اس کمپنی کا حصہ ہے۔

اب ذیل کے دو حوالہ ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ اس کمپنی کے دلوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس درجہ محبت موجود ہے۔

''آپ کی طاقت کا یہ حال تھا کہ آپ نے باوجود عمر کے انحطاط کے سن کہولت میں متعدد شادیاں کیں۔ حتیٰ کہ آخری عمر میں آپ کے ازواج مطہرات کی تعداد نو تک پہنچ گئی، مگر اس سے بھی بڑھ کر حیران کن یہ بات ہے کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض مرتبہ آپ ایک ہی رات میں اپنی ساری بیویوں کے پاس سے ہو آتے تھے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آپ مشک و عنبر یا مقویات و محرکات کا استعمال نہیں کرتے تھے۔''

(''الفضل'' خاتم النبیین نمبر، 1930ء)

اس حوالہ کے الفاظ پر غور فرمایئے۔ آہ! قادیانی کمپنی اپنے اخبار کا خاتم النبیین نمبر شائع کرتی ہے اور مسلمانوں کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے کہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔ اس نمبر کا نام ایسا رکھا جاتا ہے جو مسلمان بآسانی دھوکہ کھا سکیں مگر اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے فضائل بیان کرنے کے بہانہ وہ ناپاک حملہ کیا جاتا ہے جو ایک ہندو یا عیسائی بھی نہیں کر سکتا۔ خضور۔ سلام کی جسمانی قوت بیان کرنے کے بہانہ کیا بات کہی گئی ہے، اس پر غور فرمایئے۔

دوستی کے پردہ میں انتہائی دشمنی اسی چیز کا نام ہے۔ مسلمان تو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا ہر لمحہ حیات مخلوق خدا کے لیے اسوہ حسنہ ہے اور آپ نے اپنی ازواج کے حقوق بھی ادا کیے، مگر قادیانی کمپنی اس کی پورے زور سے تردید کرتی ہوئی یہ کہتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (معاذ اللہ) یہ غلط فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی ازواج کے حقوق برابر ادا کیے اور حضور کا سلوک اپنی ہر بیوی سے یکساں تھا اور حضور باری باری ہر بیوی کے ہاں رہتے تھے۔

ان واقعات کو بیان کرنے کا اصل منشا کیا ہے؟ اور قادیانی کمپنی کن گمراہ کن خیالات کو پھیلانا چاہتی ہے؟ اور اپنے کن ناپاک افعال پر پردہ ڈالنے کے لیے ان باتوں کی اشاعت کرتی ہے، یہ ایک علیحدہ طویل باب ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

بہرکیف اس قول میں جس توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

> ''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔''

(ڈائری خلیفہ قادیان، مطبوعہ اخبار ''الفضل'' 17 جولائی 1922ء)

اس حوالہ میں جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے، وہ بالکل عیاں ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ یہ خیال پیدا کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی شخص بڑھ سکتا ہے۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے گا تو یہ عقیدہ بآسانی منوایا جا سکتا ہے کہ مرزا قادیانی (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہے اور اس کا درجہ و مرتبہ آنحضور سے زیادہ ہے۔

اور سنئے کہ کن الفاظ میں مرزا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر بتایا گیا ہے۔

> ''ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کر کھڑا کیا۔'' (''کلمہ حق'' صفحہ 113)

کیا ان حوالہ جات کی موجودگی میں کوئی قادیانی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرہ بھر بھی محبت موجود ہے اور سنئے:

> ''میرا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود اس قدر رسول کریم کے نقش قدم پر چلے کہ وہی ہو گئے، لیکن کیا شاگرد اور استاد کا ایک مرتبہ ہو سکتا ہے۔ گو شاگرد علم کے لحاظ سے استاد کے برابر بھی ہو جائے۔ ہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم کے ذریعہ سے ظاہر ہوا، وہی مسیح موعود نے بھی دکھایا۔ اس لحاظ سے برابر بھی کہا جا سکتا ہے۔''

(''ذکر الٰہی'' صفحہ 19)

آپ نے دیکھا کہ کس طریق سے برابری کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اور اپنی جھوٹی محبت کے اظہار کے لیے "شاگردی" کا لفظ استعمال کر کے ایک گنجائش پیدا کی گئی ہے مگر معاً بعد برابری کا دعویٰ بھی موجود ہے۔ "شاگردی" کا لفظ استعمال کر کے گمراہ کن خیالات کی اشاعت کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا درجہ پایا اور نہ صرف یہ کہ نبی بنا بلکہ مطاع کے کمالات کو ظلی طور پر حاصل کر کے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا۔"

("حقیقت النبوۃ" ص 257)

دیکھیے "شاگردی" کے لفظ سے "بعض اولوالعزم نبیوں" سے بھی آگے نکل جانے کے خیال کو کس رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اظہار کے پردہ میں کیونکر انبیاء علیہم السلام کی توہین کی گئی ہے۔

کیا ان حوالہ جات کی موجودگی میں کوئی عقل مند یہ باور کر سکتا ہے کہ قادیانی گروہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا کوئی ذرہ موجود ہے؟ کیا اس کمپنی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ مسلمانوں کو سیرت کے جلسوں میں شمولیت کی دعوت دیں اور اپنے اخبار کا خاتم النبیین نمبر شائع کریں۔

> خلیفہ قادیان قتل راجپال کے واقعہ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:
>
> "قتل راجپال محض مذہبی دیوانگی کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے، وہ بھی قانون کا دشمن ہے۔ جو لیڈران کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں، وہ خود مجرم ہیں۔ قاتل ڈاکو ہیں، جو لوگ توہین انبیاء کی وجہ سے قتل کریں ایسے لوگوں سے برات کا اظہار کرنا چاہیے اور ان کو دبانا چاہیے۔ یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لیے قتل کرنا جائز ہے، نادانی ہے۔ انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی سے نہیں ہو سکتی۔"

(خطبہ جمعہ خلیفہ قادیان، مندرجہ "الفضل" قادیان، 19 اپریل 1929ء)

اسی پرچہ میں آپ اپنے انتہائی تقدس کا اظہار کرتے ہوئے علم الدین کو دوزخی بتاتے ہیں۔

> "اس (علم الدین) کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے، جو اس کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں ملے گی ہی، لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے تمہیں چاہیے خدا سے صلح کر لو...... توبہ کرو، گریہ زاری کرو، خدا کے حضور گڑگڑاؤ۔ یہ احساس ہے جو اگر اس کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ خدا کی سزا سے بچ سکتا ہے اور اصل سزا وہی ہے۔" (حوالہ مذکور)

ہماری اس وقت بحث نفس فعل پر نہیں بلکہ ہمیں قادیانی کمپنی کی دورنگی بتانا ہے۔ اس جگہ یہ وعظ یہ تقدس مگر اس کے بعد کے حوالہ جات بتائیں گے کہ خلیفہ قادیان اپنی عزت کی حفاظت کے لیے کیا کرتا ہے اور ایک قاتل کو بہشتی بناتا ہے۔ بہر کیف باپ نے مسلمانوں کے میموریل کی مخالفت کی اور اس کتاب کی ضبطی کے مطالبہ کو شتاب کاری بتایا۔ بیٹے نے میاں علم الدین شہیدؒ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا، آپ نے ملاحظہ فرمالیا یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا، اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے۔

خلیفہ قادیان اور ”مباہلہ“

اخبار ”مباہلہ“ دسمبر 1928ء میں قادیان سے شائع ہوا۔ قادیانی کمپنی اور اس کے لیڈر کے اندرونی رازوں کو طشت ازبام کرنا شروع کیا اور قادیانیوں کے مسلمہ اصول ”مباہلہ“ (خداوند کریم کے حضور دو فریقوں کا بالمقابل بددعا کرنا) کے مطابق خلیفہ قادیان سے مطالبہ کیا کہ اگر ”مباہلہ“ کے بیان کردہ حقائق درست نہیں تو آؤ میدان مباہلہ میں نکلو اور اپنی روحانیت کا ثبوت دینے کے لیے خداوند کریم سے فیصلہ کی دعا کرو۔

قادیانی کمپنی نے ”مباہلہ“ کے مضامین کو خلیفہ قادیانی کی توہین بتایا۔ جب ماہ جون 1929ء کا پرچہ شائع ہوا تو قادیانی خلیفہ اور اس کے حواریوں نے اشتعال ظاہر کر کے ”مباہلہ“ پر دفعہ 144 کا نفاذ کرا دیا۔ اس کے بعد جب جنوری فروری 1930ء کا پرچہ شائع ہوا تو خلیفہ قادیان کی خوش قسمتی سے قادیان میں تھانہ قائم ہو چکا تھا اور خلیفہ قادیان کو اپنے دلی ارمان پورے کرنے کا موقع مل گیا۔ دن دہاڑے انھیں نہایت بے دردی سے پیٹا گیا۔ کارکنان ”مباہلہ“ کے قتل کی سازش ہوئی۔ بروقت اطلاع ہونے پر انھوں نے اپنا مکان چھوڑ دیا مگر قادیان سے نہ نکلے۔ آخر کار انسپکٹر پولیس نے دھوکہ دیا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے انھیں گورداسپور بلایا ہے۔ جب یہ لوگ گورداسپور گئے تو انھیں بتایا گیا کہ اب تم قادیان نہیں جا سکتے، اگر تم جاؤ گے تو پولیس تمہاری جانوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی۔

جب قادیانیوں کو یہ علم ہوا کہ اب یہ لوگ قادیان نہیں آ سکتے تو انھوں نے کارکنان مباہلہ کے مکانات نذر آتش کر دیے۔ پولیس نے کارکنان مباہلہ پر مقدمہ دائر کر دیا جو دو سال زیر سماعت رہا۔ انھی دنوں قتل کی واردات بھی ہوئی۔ ایک کرایہ دار قاتل مہیا کر کے حاجی محمد حسین صاحب شہید کو قتل کروا دیا گیا۔ مجھ پر قاتلانہ وار ہوا۔ قصہ مختصر یہ کہ قادیانی کمپنی نے ”مباہلہ“ کے مضامین کو خلیفہ قادیان کی ہتک اور توہین قرار دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس توہین پر قادیانی خلیفہ نے خاموشی اختیار کی؟ اس کے لیے ہم ذیل میں خلیفہ قادیان کے وہ اقوال جو اس نے خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے یا اپنے آرگن ”الفضل“ سے لکھوائے، درج کرتے ہیں۔ ان اقوال کو ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجیے کہ قادیانیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ زیادہ ہے یا خلیفہ قادیان کا۔ عشق رسول کے دعویٰ کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے یہی چیز کافی ہوگی۔

”یہ سوال (مباہلہ والوں کا خاتمہ۔ ناقل) ایک فرد (خلیفہ) کا سوال نہیں بلکہ جماعت کی عزت اور خلافت کے درجے کے وقار کا سوال ہے۔ پس یا تو جماعت اپنے اس حق کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اس تذلیل پر خوش ہو جائے یا پھر تیار ہو جائے کہ خواہ کوئی قربانی (قتل وغیرہ) کرنی پڑے اس حق کو لے کر رہے گی۔ اگر گورنمنٹ اس موقعہ پر خاموش رہے گی تو ہم مجبور ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ ایسے موقعہ پر لوگ تلوار بھی اٹھا لیتے ہیں۔ آغا خانیوں سے بعض لوگ باغی ہو گئے تو سخت خونریزی ہوئی، باغیوں کو جان سے مار دیا جاتا اور ہر مرنے والے کے سینے سے ایک خط ملتا جس میں لکھا ہوتا کہ یہ ہے بغاوت کا نتیجہ۔ اسی طرح بوہروں میں بھی فسادات ہوئے۔“ (یہ الفاظ خلیفہ قادیان کے ہیں)

(”الفضل“ 11 اپریل 1930ء)

”اگر ضرورت محسوس کی تو ہمارا چھوٹا، بڑا، جوان، مرد، عورت جو کر سکیں گے اس سے دریغ نہ کریں گے۔ اگر جماعت سوسائٹی میں باوقار رہنا چاہتی ہے تو اس سوال (مباہلہ کی سرکوبی، ناقل) کو ہر ایک جماعت کو خود اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔“

(حوالہ مذکورہ)

”ہماری جماعت ہر قربانی کر کے اپنا حق (عزت خلیفہ۔ ناقل) لے کر رہے گی۔ میری ہتک جماعت کی ہتک ہے، اس لیے اس کا حق تھا کہ وہ بولتی۔ ایک مرتبہ جوشیلے احمدیوں نے ایک کانسٹیبل کا مقابلہ کیا۔ میں نے اس وقت کہا کہ بہت ٹھیک کیا بلکہ اس کو اتنا مارنا چاہیے تھا کہ وہ معافی مانگتا۔“

(حوالہ مذکورہ)

”دنیا میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ خدا اور اس کے فرستادوں پر صدق دل سے ایمان لانے والوں نے ان کے اور ان کے جانشینوں اور متعلقین کے پسینہ کی جگہ خون بہانا اور ان کی عزت و حرمت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا سعادت دارین نہ سمجھا ہو۔“

”جماعت احمدیہ کا ہر فرد جہاں یہ اقرار کرتا ہے کہ آپ کی تعلیم کے مقابلہ میں ساری دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا، وہاں یہ بھی عہد کرتا ہے کہ آپ کی حرمت اور تقدس کے لیے اپنی جان بھی دینا پڑے گی تو دریغ نہیں کرے گا۔ اگر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ظالم اور جفا جو طاقت بھی اس کے عہد کا امتحان لینا چاہے گی تو

احمدی کہلانے والا کوئی انسان بھی اس سے منہ نہ موڑے گا اور مردانہ وار خوف وخطر کے سمندر کو عبور کر جائے گا، خواہ اسے اپنے خون میں سے تیر کر جانا پڑے، خواہ غازی بن کر سلامتی کے کنارے پہنچنے کی سعادت حاصل ہو۔"

"ہمارے اندر عزت کا وہ مادہ موجود ہے جو ذلت کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دیتا ہے، اب معاملہ (مباہلہ) آب از سر گزشت والا ہو گیا ہے۔" (مذکورہ حوالے دیکھئے)

"جماعت اپنے اندر پوری پوری غیرت رکھتی ہے۔ اب نتائج کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ ہم اپنی حفاظت خود کریں گے۔ ہم ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔"

("الفضل" 18 اپریل 1930ء)

"ہم ایسے قانون کی روح کو کچل دیں گے جو ہماری عزت کی حفاظت نہیں کرتا۔"

(حوالہ مذکورہ)

"ہم ناپاک اور گندی آوازیں زیادہ دیر تک نہیں سن سکتے، ہم اپنی حفاظت آپ کریں گے۔ جو شخص اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتا وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم اپنے دلوں سے خوف دور کرو اور اگر قانون ہماری حفاظت نہ کر سکا تو ہم خود کریں گے اور اس ہاتھ اور زبان کو روک دیں گے، جو ہماری عزت پر حملہ کرتا ہے۔"

("الفضل" 18 اپریل 1930ء)

"جو قوم عبداللطیف نعمت اللہ خان (قادیانی مبلغ) جیسے بہادر شہید پیدا کر سکتی ہے وہ کبھی اپنی بے عزتی برداشت نہ کرے گی اور اپنے مقدس امام کی خفیف سے خفیف ہتک برداشت نہ کرے گی اور جان و مال تک قربان کر دے گی۔ بدامنی، خونریزی کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ اگر کوئی ناگوار حادثہ رونما ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہوگی۔" ("الفضل" 15-23 اپریل 1930ء)

ان تحریروں میں کس درجہ اشتعال ہے اور اپنے مریدوں کو غیرت دلانے کے لیے کیا کچھ کہا گیا ہے، اس کے ثبوت میں بغیر کسی حاشیہ آرائی کے ان کی یہ تحریریں ہی کافی ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس اشتعال انگیزی کا کیا نتیجہ ہوا اور اس اشتعال انگیزی پر حکومت نے خلیفہ قادیان سے کوئی نوٹس لیا یا نہ لیا۔ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کی ازواج مطہرات پر ناپاک حملوں سے بھرپور کتاب شائع ہوتی ہے تو مسلمانوں کے میموریل کی بھی مخالفت ہوتی ہے مگر خلیفہ قادیان کی بقول قادیانی کمپنی کی ہتک ہوتی ہے تو خونریزی کا حکم اور قتل کی واردات بھی کروائی جاتی ہے۔

دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ قتل راجپال پر غازی علم الدین کی تضحیک کی جاتی ہے مگر جب

قادیانی قاتل مجھے قتل کرنے کے لیے آتا ہے اور دھوکہ دے کر قاتلانہ وار کرتا ہے اور حاجی محمد حسین شہید کو خنجر سے شہید کر دیتا ہے تو خلیفہ قادیان کیا کرتا ہے۔ اس کے لیے حسب ذیل قول ملاحظہ فرمائیے:

> ”ہر ایک احمدی جسے موجودہ فتن (مباہلہ) کا احساس ہو، 28 اپریل سے ہر پیر کے دن چالیس روز تک روزہ رکھے۔ اس سارے عرصہ میں خصوصیت سے دعائیں کی جائیں اور خدائے قادر کے حضور ایسے خضوع وخشوع سے ناصیہ فرسائی کرنی چاہیے کہ اس کا فضل وکرم جوش میں آ جائے۔ روحانی جماعتوں کی اصل بنیاد مجاہدوں پر ہی ہوتی ہے اور یہ پہلا مجاہدہ ہے۔“ (”الفضل“ 25 اپریل 1930ء)

نیز قاتل کا فوٹو شائع کر کے بعداد کثیر مریدوں تک پہنچایا جاتا ہے حتیٰ کہ خلیفہ قادیان کے آرگن ”الفضل“ 5 جولائی 1930ء میں بطور ضمیمہ بھی شائع ہوا۔ قاتل کو ”مجاہد“ کا خطاب دیا جاتا ہے اور اس کے جیل سے آئے ہوئے پیغام شائع ہوتے ہیں۔ (”الفضل“ 9 مئی 1930ء)

دعاؤں کی تاکید آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ قادیانی قاتل کو بچانے کے لیے ہزار ہا روپیہ خرچ کرنے کے باوجود جب اسے پھانسی ہوئی تو اس کی لاش کو بہشتی مقبرہ میں دفن کر کے اسے بہشتی ثابت کیا گیا، اس کے جنازہ کا اہتمام ہوا، ہر زن ومرد کو اس کے چہرہ کی زیارت کروائی گئی۔ خلیفہ قادیان نے اسے کندھا دیا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونا اس کے بہشتی ہونے کا ثبوت ہے یا نہیں یا یہ کہ بہشتی مقبرہ کیا بلا ہے اور قاتل کا پھانسی چڑھنا خلیفہ قادیان کی دعاؤں، مریدوں کے روزوں، قادیانی خلیفہ کی روحانیت اور قبولیت دعا کا درخشاں ثبوت ہیں۔ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ قادیانی کمپنی مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں لانے کے لیے عشق رسول کا دعویٰ کیا کرتی ہے۔ اپنے اخبار کے خاتم النبیین نمبر شائع کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لیے ہم نے مسلمانوں کو ان کے فریب سے بچانے کے لیے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ کمپنی دعویٰ عشق رسول میں جھوٹی ہے۔ ان کا قول وفعل متضاد ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قادیانی خلیفہ کی ہتک پر تو اس درجہ اشتعال انگیزی، پولیس سے اخبار پر مقدمہ چلانا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ضبط نہ ہونی چاہیے اور ایسا مطالبہ کرنے والے شتاب کار ہیں۔ غازی علم الدین اپنے جذبات پر قابو نہ پاتا ہوا ایک فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے گالیاں دی جاتی ہیں مگر اپنی عزت کے لیے ایک کرایہ دار قاتل مل جاتا ہے تو اس کے لیے دعائیں روزے اور بالآخر بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جاتا ہے۔

اس قدر حوالہ جات اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ قادیانی کمپنی کو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت ہے۔ اب ہم مرزا قادیانی کے وہ اقوال درج کرتے ہیں، جن میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری یا اپنی شان کی بلندی ظاہر کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین

کا ارتکاب کیا ہے۔

"منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد"

("تریاق القلوب" صفحہ 3)

"آدم نیز احمد مختار
در برم جامہ ہم ابرار
آنچہ داد است ہر نبی راجام
دادآں جام رامر ابتمام"

("درثمین" فارسی، صفحہ 163)

ترجمہ: میں آدم ہوں نیز احمد مختار ہوں میں تمام نیکوں کے لباس میں ہوں خدا نے جو پیالے ہر نبی کو دیے ہیں، ان تمام پیالوں کا مجموعہ مجھے دے دیا ہے۔

"انبیاء گرچہ بود اوند بسے
من بعرفان نہ کمترم ز کسے"

("درثمین" فارسی، صفحہ 163)

"زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم"

("درثمین" فارسی، صفحہ 165)

"روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار"

("درثمین" اردو، صفحہ 183)

"لہ خسف القمر المنیر وان لی غسا
القمران المشرقان اتنکر"

("اعجاز احمدی" صفحہ 71)

"اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔"

"تمام دنیا پر کئی تخت اترے، پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا۔"

("حقیقت الوحی" صفحہ 89)

"ان قدمی هذه علی منار / ختم علیها کل رفعة"

("خطبہ الہامیہ" صفحہ 35)

ترجمہ: "میرا قدم اس منارے پر ہے، جہاں تمام بلندیاں ختم ہیں۔"

"لولاک لما خلقت الافلاک"

("استفتا" صفحہ 85)

ترجمہ: "اگر تو (مرزا) نہ ہوتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔"

"وما ارسلنک الا رحمة للعلمین"

("انجام آتھم" صفحہ 78)

"(اے مرزا) ہم نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تجھے تمام انبیاء کے لیے رحمت بنائیں۔"

قادیانی نبی کی "درویشانہ" زندگی

مرزا قادیانی نے جس طریق اور جس ترتیب سے اپنے دعوؤں کو دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس موضوع کا مطالعہ آپ کی معلومات میں مزید اضافہ کا موجب ہوگا۔ مرزا قادیانی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کام سرانجام دیا، وہ اس امر کا بین ثبوت ہوگا کہ مرزا قادیانی کا اپنے تمام کاروبار سے اصل مقصد کیا تھا۔

مرزا نے اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل 20 دسمبر 1948ء کو ایک ٹریکٹ "الوصیۃ" نامی شائع کیا، جس میں بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی اور مریدوں کے ڈرانے اور خوف دلانے والے بہت سے الہامات درج کر دیے۔ بطور نمونہ ایک الہام ملاحظہ فرمائیے:

> "اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا، مجھے خبر دی اور فرمایا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس لیے ایک شدید زلزلہ کا آنا ضروری ہے لیکن راست باز اس سے امن میں ہیں۔ سو راست باز بنو! اور تقویٰ اختیار کرو۔ آج خدا سے ڈرو تا کہ اس دن کے ڈر سے امن میں رہو۔ ضرور ہے کہ آسمان کچھ دکھا دے اور زمین کچھ ظاہر کرے لیکن خدا سے ڈرنے والے بچائے جائیں گے۔"

("الوصیۃ" صفحہ 4)

اس وقت اس سے تو بحث نہیں کہ ہمیں نبی بھی وہ ملا جو بجائے خوشخبری دینے کے ساری عمر آفتوں اور مصیبتوں کی ہی خبر دیتا رہا کیونکہ یہاں ایک دوسری بحث مطلوب ہے۔ چونکہ مرزا کا ہر کام الہام پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے بہشتی مقبرہ کی بنیاد بھی الہام پر ہونی ضروری تھی۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

> "ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے۔ تب سے ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر مجھے ایک جگہ ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔"

("الوصیۃ" صفحہ 17)

مرزا قادیانی کا یہ رؤیا بھی نہایت عمدہ ہے۔ اس پر غور فرمائیں کہ پہلی قبر کی جگہ اور ہے اور چاندی کی قبر اور ہے اور بہشتی مقبرہ ایک تیسری جگہ ہے۔ اگر فرشتہ سچ کہتا ہے تو پہلی قبر کو بھی مرزا کی بتاتا ہے اور جلدی ہی دوسری قبر کو اور معا بعد بہشتی مقبرہ کی جگہ دکھاتا ہے۔ غرضیکہ تینوں جگہیں مختلف ہیں۔ چونکہ ہمیں رؤیا پر بحث نہیں کرنا، اس لیے ہم اس چیز کو بھی چھوڑتے ہیں کہ مرزا قادیانی کو رؤیا میں بھی چاندی ہی دکھائی دی، جو ظاہر کرتا ہے کہ مرزا قادیانی کے ذہن میں بہشتی مقبرہ بناتے وقت کیا چیز تھی۔ بہرکیف آپ بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھتے ہیں اور مریدوں کو اطمینان کے لیے فرماتے ہیں۔

> "اور چونکہ اس قبرستان کے لیے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ بہشتی مقبرہ ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا کل رحمۃ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے۔" ("الوصیۃ" صفحہ 18)

بہشتی مقبرہ کے متعلق آپ نے الہامات سن لیے، اب اس کام کی ابتداء ملاحظہ فرمائیے۔

> "اس لیے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے، جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں، اس کام کے لیے تجویز کی۔" ("الوصیۃ" صفحہ 17)

> "اس قبرستان کی زمین موجودہ بطرز چندہ میں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کے لیے کسی قدر اور زمین خریدی جائے گی، جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اس کے خوشنما کرنے کے لیے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کنواں لگایا جائے گا اور اس قبرستان کے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گزرگاہ ہے۔ اس لیے وہاں ایک پل تیار کیا جائے گا اور ان متفرق مصارف کے لیے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا۔ سو کل یہ تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لیے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لیے چندہ داخل کرے۔"

("الوصیۃ" صفحہ 19.18)

اس حوالہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بہشتی مقبرہ کے کاروبار میں بطور سرمایہ مرزا قادیانی نے ایک ہزار روپیہ دیا۔ یہ بحث ہم نہیں کرتے کہ یہ زمین تو بیوی کے پاس رہن کر دی تھی، جس کی معیاد 30 سال تھی، جو مرزا کی وفات تک ختم نہ ہوئی۔ اس لیے اپنی ملکیت سے زمین دینا کیا معنی رکھتا ہے نہ ہی ہمیں اس بحث کی ضرورت ہے کہ مرزا قادیانی کو اپنے یا اپنی بیوی کے باغ کی طرف جانے کے لیے پل کی ضرورت تھی، اس حوالہ کو تو ہم نے اس جگہ صرف اس لیے پیش کیا ہے کہ اس کاروبار میں ایک ہزار روپیہ کی زمین دی، اب دوسری شرط کا خلاصہ سنئے:

> ''دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو اپنی جائیداد کے دسویں حصہ یا اس سے زیادہ کی وصیت کر دے۔''

(''الوصیۃ'' صفحہ 19)

ابتدائی تین ہزار روپیہ کے مصارف بھی بہشتی ادا کریں اور دسویں حصہ کی وصیت بھی کریں۔ اب مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرماتے جائیے اور آخری نتیجہ ''قادیانی نبی کی درویشانہ زندگی'' بھی ذہن میں رکھئے۔

> ''تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو اور حرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔'' (''الوصیۃ'' صفحہ 20)

اس کتاب کے صفحہ 20 پر زیر عنوان ''ہدایت'' یہ درج ہے کہ وصیت موت سے پہلے لکھ کر قادیان بھیجی جائے۔ اس ہدایت کے یہ معنی ہیں کہ یہ بہشتی مقبرہ کا کام قادیان میں محدود نہ رہے بلکہ تمام علاقوں میں شروع ہو جائے۔ اس کتاب کے صفحہ 23 سے زیر عنوان ضمیمہ متعلقہ رسالہ ''الوصیۃ'' میں مختلف شرطیں درج ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

> ''وصیت کے اقرار نامہ پر دو گواہوں کے دستخط ہوں، دو اخباروں میں اس کا اعلان ہو، قانونی اور شرعی لحاظ سے وصیت درست ہو، بچے اس میں دفن نہ ہوں گے۔ اگر کوئی مرید طاعون سے مر جائے تو دو برس تک میت امانت رہے اور 2 برس کے بعد ایسے موسم میں میت قادیان لائی جائے جبکہ اس جگہ اور قادیان میں بھی طاعون نہ ہو، اگر کوئی مرید سمندر میں غرق ہوہ جائے تو بہشتی مقبرہ میں اس کے نام کا کتبہ لگا دیا جائے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہوگا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں۔''

حوالہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ طاعون سے خوف اور غرق ہونے والے کا روپیہ ہاتھ سے نہ جائے بلکہ قادیان ہی آئے اور سنئے:

> ''یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے۔''

(''الوصیۃ'' صفحہ 25)

ایک اور لطیف بات سنئے:

> ''اگر کوئی وصیت کرنے والا مجذوم ہو تو ایسا شخص اس قبرستان میں دفن نہ ہوگا لیکن اگر وہ وصیت پر قائم ہے۔ (یعنی روپیہ ادا کرتا ہے) تو اس کو وہی درجہ ملے گا جو دفن ہونے والے کو۔'' (صفحہ 26)

معزز ناظرین! دیکھا کیا عمدہ شرط ہے۔ خدا کے نزدیک تو مجذوم ہو یا طاعون زدہ سب ایک درجہ رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ نیک ہوں، لیکن یہ بہشتی مقبرہ مجذوموں سے نفرت کرتا ہے مگر باوجود اس کے روپیہ اس کا بھی وصول کرنے کی کوشش قابل دید ہے۔

یہ شرائط تو آپ نے سن لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنی جائیداد کا ایک حصہ جو دسویں حصہ سے کم نہ ہو، زیادہ بیشک ہو، قادیان کی نذر کیا جائے۔ وصیت کرنے والا نیک، متقی، پرہیزگار ہو۔ مرزا قادیانی نے اس کاروبار پر ایک ہزار روپیہ کی زمین بھی دے دی۔ (جس کی قیمت مرزا نے ہزار روپیہ بتائی، جو نہیں معلوم تھی کتنے کی) مرزا نے یہ سرمایہ لگایا اور اس سے فائدہ کیا تھا؟

ہمارے لفظوں میں نہیں اسی کتاب میں درج شدہ آخری شرط ملاحظہ فرمائیں جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

> ''(بیسویں شرط) میری نسبت اور میرے اہل وعیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے، باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو ان شرائط کی پابندی لازمی ہوگی اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا۔'' (''الوصیۃ'' صفحہ 26)

1- یہ استثناء کیوں رکھا؟ سنئے: اگر مرزا کا خاندان مریدوں کی طرح کم از کم 1/10 حصہ کی بھی وصیت کرتا تو بہت جلد ساری جائیداد ختم ہو جاتی۔ اس لیے مرزا قادیانی نے اپنا اور اہل وعیال کا استثناء رکھ لیا۔ رہے مرید، سو حساب لگالیں کہ ایک خاندان اگر دس ہزار کی جائیداد رکھتا ہے اور اس خاندان کے تمام افراد بیس نفوس ہوں۔ ہر ایک اگر اپنی اپنی وصیت کر دے تو کتنے عرصہ میں اس کی ساری جائیداد قادیان کی نذر ہو جائے گی۔ آہ! ہمیں نبی بھی ملا تو وہ، کہ زندگی میں بھی نہ چھوڑے اور بعد الموت بھی ہماری اس سے نجات نہ ہو۔

2- اس بیسویں شرط میں ''ان شرائط'' کے الفاظ ہیں یعنی اپنا اور اہل وعیال کا استثناء صرف اس شرط سے نہیں کہ وہ مال وجائیداد نہ دیں بلکہ ان تمام شرائط سے ہے، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، جن میں ایک شرط یہ ہے کہ متوفی متقی، پرہیزگار ہو۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اولاد کے لیے نیک ہونا

کیوں شرط نہیں، مریدوں کے لیے تو نیکی شرط ہے مگر مرزا اور اس کی اولاد کے لیے یہ شرط کیوں نہیں؟ کیا خدا کے ہاں صرف اس کی یہی نیکی کافی ہے کہ وہ مرزا کے خاندان سے ہے اور اس کے لیے دنیا کی سب برائیاں سب گناہ معاف ہیں۔

3- مرزا کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام نبیوں کا مظہر ہے اور تمام انبیاء کے نام اسے دیے گئے۔ کیا کسی نبی نے اس درجہ علم غیب کا دعویٰ کیا کہ وہ اس قسم کا بہشتی مقبرہ کھول دے؟

4- نیکی و عبادت کا علم تو ظاہری افعال سے نہیں ہوسکتا، بہشتی مقبرہ کے لیے شرط نیکی رکھی گئی ہے۔ کیا ثبوت ہے اس امر کا کہ مرزا یا اس کے کارکنوں کو اس درجہ علم غیب ہے کہ وہ انسان کی نیت کا علم رکھتے ہیں اور اس کی نیکی کا فتویٰ دے سکتے ہیں؟

5- جو زمین مرزا قادیانی نے بہشتی مقبرہ کے لیے مقرر کی تھی وہ تو ختم ہو چکی ہے، اب بہشتی مقبرہ کو اور وسیع کیا گیا ہے اور آئندہ بھی اور ملحقہ زمین خرید کر بہشتی مقبرہ وسیع کیا جاتا رہے گا۔ اس امر کی کیا گارنٹی ہے کہ اب جو زمین خریدی جا رہی ہے وہ بھی مریدوں کو جنتی بنا دے گی؟

6- اس امر کی کیا گارنٹی ہے کہ مرزا کے بعد جو لوگ جنت کے ٹوفکیٹ جاری کریں گے، ان کو بھی علم غیب کا وہ درجہ حاصل ہے جو مرزا کو حاصل تھا۔ اس امر کی کوئی حد بندی تو ہے نہیں کہ اتنے سالوں تک اس کمپنی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، جو جنت کا سرٹیفکیٹ جاری کر سکتے ہیں۔

7- بہشتی مقبرہ سے متصل ایک مسلمان (جو مرزا کا مخالف تھا) کی زمین تھی، اس نے اپنے وارثوں کو کہہ دیا کہ وہ اس کی قبر اس زمین میں عین اس جگہ بنائیں جہاں بہشتی مقبرہ کی حد ملتی ہے۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی ہدایت کے مطابق قبر وہاں بنائی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس کی زمین بہشتی مقبرہ کو وسیع کرنے کے لیے خرید لی گئی اور اس کی قبر بھی بہشتی مقبرہ میں آ گئی۔ کیا قادیانی بتا سکتے ہیں کہ وہ شخص جنتی ہے یا دوزخی؟ کیونکہ وہ تو مرزائی نہ تھا مگر مدفون ہے بہشتی مقبرہ میں۔

8- راقم الحروف بھی 18 سال قادیانی رہا اور بہشتی مقبرہ کا سرٹیفکیٹ (جو مقدمہ مباہلہ میں شامل مسل کر دیا گیا تھا) حاصل کیا تھا۔ اب مجھے قادیانی جنت میں جگہ تو نہ ملے گی مگر یہ بتاؤ کہ تمہارے علم غیب کا یہی حال ہے کہ تمہیں سرٹیفکیٹ جاری کرتے وقت اس بات کا بھی علم نہ تھا کہ میں قادیانیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں گا؟ اگر علم غیب کا یہی حال ہے تو تمہارے سرٹیفکیٹوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

9- اگر بہشتی مقبرہ جنتیوں کا مجموعہ ہے تو بچوں کو شامل کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیا اس کا باعث صرف یہ نہیں کہ تم سمجھتے یہ ہو کہ چند گز زمین بچوں کو بلا قیمت دینے سے خسارہ پڑتا ہے۔

10- اگر یہ بہشتی مقبرہ محض تجارتی کاروبار نہیں تو کیا وجہ ہے کہ مریدوں کے لیے تو یہاں تک سختی ہے

کہ ایک مرید کا روپیہ اگر قادیان والوں کو وصول ہو چکا ہے اور وہ سمندر میں غرق ہو جاتا ہے تو اس روپیہ میں اس کا بھائی بہشتی مقبرہ میں دفن نہیں ہو سکتا لیکن اپنے گھر کے لیے یہ حال ہے کہ مرزا اپنا ایک ہزار دے کر تو بہشت کا وارث ہو گیا مگر اس کی اولاد کے لیے بھی یہ روپیہ کفارہ ہو گیا۔ کیا کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی امت کو وہ حکم دیا ہو جس کے لیے وہ خود یا ان کا خاندان تیار نہ ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی عذاب سے بچنے کی شرائط سے مستثنیٰ نہ رہ سکا تو مرزا میں کون سی خصوصیت ہے کہ اس کی اولاد مستثنیٰ رکھی گئی۔

صاحبان! آپ نے دیکھا ایک ہزار کے سرمایہ سے کیسا کام ایجاد کیا کہ اولاد مالا مال ہو گئی۔

اب لوگوں کی جائیدادیں ہیں اور مرزا کی اولاد۔ اگر اس بات کو چھوڑ بھی دیا جائے کہ مرزا نے اپنی ساری جائیداد گروی رکھ دی تھی جو فک نہیں کروائی گئی، اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ ساری چیزیں انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے تھیں۔ تب بھی یہ ثابت ہے کہ کل جائیداد کتنی تھی اور ماہوار آمدنی کس قدر، لیکن موجودہ جائیداد کتنی ہے، اس کے لیے ذیل کا ایک نوٹس شاہد ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کی زمین مرزا کے لڑکوں نے 1920ء میں خرید کی۔ (1920ء کے بعد کی پیدا کردہ جائیدادیں علیحدہ رہیں۔)

نقل نوٹس

’’مورخہ 14 اکتوبر 1929ء

بخدمت جناب مرزا محمود احمد صاحب قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔

جناب من!

بہ مقدمہ مرزا اعظم بیگ بنام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب و مرزا بشیر احمد صاحب، مرزا شریف احمد صاحب حسب ہدایت مرزا عظیم بیگ ولد مرزا اکرم بیگ معرفت مرزا عبدالعزیز کوچہ حسین شاہ لاہور میں آپ کو مفصلہ ذیل نوٹس دیتا ہوں۔

-1 بروئے بیعنامہ مورخہ 21 جون 1920ء رجسٹری شدہ مورخہ 5 جولائی 1920ء مرزا اکرم بیگ ولد مرزا افضل بیگ و خاتون سردار بیگم صاحبہ بیوہ مرزا افضل بیگ ساکنان قادیان، تحصیل بٹالہ، ضلع گورداسپور نے کل جائیداد غیر منقولہ از قسم سکنی و اراضیات زرعی و غیر زرعی ہر قسم اندرون و بیرون سرخ لکیر واقعہ موضع قادیان معہ حصہ شاملات دیہہ و حقوق داخلی و خارجی متعلقہ جائیداد مذکور آپ کے و جناب مرزا بشیر احمد و مرزا شریف احمد صاحبان کے حق میں بیع کر دی اور زر قیمت مبلغ ایک لاکھ اڑتالیس ہزار روپیہ بیعنامہ میں درج کیا گیا ہے۔

-2 کہ مرزا اعظم بیگ پسر مرزا اکرم بیگ ہے اور بوقت بیع یعنی 21 جون 1920ء کو

نابالغ تھا اور وہ یکم جولائی 1910ء کو پیدا ہوا تھا اور یکم جولائی 1928ء کو بالغ ہوا تھا اور اپنے ماموں مرزا عبدالعزیز صاحب کے ہاں پرورش اور تعلیم پاتا رہا۔

3- کہ جائیداد بیعہ مندرجہ فقرہ (نمبر 1) جدی جائیداد ہے اور خاتون سردار بیگم صاحبہ کو کوئی حق نسبت جائیداد مذکور حاصل نہ تھا جو قابل بیع ہوتا۔

4- اور مرزا اکرم بیگ کو بلا ضرورت جائز جائیداد بیعہ مذکورہ کو بیع کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

5- جائیداد مذکورہ بلا ضرورت جائز فروخت ہوئی۔

6- کہ ادائیگی زر بدل کے بارہ میں سر دست مرزا اعظم بیگ کو کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا۔

7- مرزا اعظم بیگ جائیداد بیعہ مذکورہ واپس لینے کا مستحق ہے اور اس غرض کے لیے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ جائیداد بیعہ مذکور مرزا اعظم بیگ کو واپس کر دیں۔

8- اگر آپ نے جائیداد مذکورہ واپس نہ کی تو بعد از انقضائے ایک ماہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی اور آپ خرچہ مقدمہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

9- میں نے نوٹس ہذا کی ایک ایک نقل جناب مرزا بشیر و شریف صاحبان کو بذریعہ رجسٹر بھیج دی ہے۔

10- یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آئندہ تعمیرات و انتقالات نسبت جائیداد مذکورہ بند کر دیے جائیں۔"

یہ نوٹس آپ نے دیکھا۔ اب سنئے اس جائیداد کے علاوہ قادیان میں مرزا کا ہر ایک لڑکا جو جائیداد بنا رہا ہے، جتنی کوٹھیاں بنا رہا ہے وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ رہا نقد روپیہ، اس سے ہمیں بحث نہیں۔ ہم صرف موجودہ جائیداد کو لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک ہزار کے سرمایہ سے لاکھوں پیدا کرنے والی تجارت صرف یہی بہشتی مقبرہ ہے۔ بتائیے قادیانی نبی کی درویشانہ زندگی آپ نے کیسی ملاحظہ فرمائی۔

دوسرا نمونہ

مرزا کی ایک شادی بچپن میں ہوئی۔

> "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بڑی بیوی حضرت مسیح موعود کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمد، حضرت صاحب ابھی گویا بچے ہی تھے کہ مرزا سلطان احمد ہو گئے تھے۔"

("سیرت المہدی" صفحہ 41)

اس پہلی بیوی کے بعد آپ نے دوسری شادی کی اور پہلی بیوی سے جو سلوک کیا، وہ سنئے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعود کی اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے، جن کو عام طور پر لوگ پھجے دی ماں کہا کرتے تھے، (شاہی خاندانوں میں ایسے ہی نام ہوا کرتے ہیں) بے تعلقی سی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور اس کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھی (خدا کی قدرت پنجابی نبی اپنی بیوی کو بھی اپنے رنگ میں رنگین نہ کر سکا) اس لیے حضرت مسیح موعود نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی، ہاں آپ اخراجات باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ (اپنی صرف 15 روپیہ تنخواہ سے) والدہ صاحبہ (مرزا کی دوسری بیوی) نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد (پہلے اس لیے کچھ نرمی تھی کہ بدنامی نہ ہو اور دوسرا رشتہ ملنے میں رکاوٹ نہ ہو، اب دیکھئے کیا ہوتا ہے) حضرت صاحب (مرزا قادیانی) نے انھیں کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا، سو ہوتا رہا، (500 روپیہ ماہوار تنخواہ بخشی جاتی رہی) اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے، اس لیے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو گنہ گار ہوں گا (اب گناہ کا خیال آ گیا، ماشاء اللہ) اس میں اب دو باتیں ہیں، یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو، میں تمھیں خرچ دیے جاؤں گا۔ (خرچ کون دے گا، یہ تو ایک چال ہے۔ آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے) انھوں نے کہلا بھیجا (کرتی بھی بیچاری کیا، دو بچوں کی ماں اب طلاق لے کر کیا کرے گی) میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں (بیچاری کی شرارت ملاحظہ ہو مگر نبی کا حال دیکھئے۔ اب طلاق دینے کے بہانہ کی تلاش ہو گی اور بہانہ بھی ہو گا جس کو مذہبی رنگ دیا جائے گا) والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پھر محمدی بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کر کے (رشتہ دار تو نبی کی نبوت سے واقف تھے ورنہ مخالفت کیوں کرتے) محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرا دیا اور فضل احمد کی والدہ نے ان سے قطع نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ ہی (اس کا قصور کیا جب مرزا اس سے قطع تعلق کر چکا تھا، مباشرت ترک کر چکا تھا، اب اس پر شکوہ کیسا) تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دے دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے (اب بیٹا اپنا حق ادا کرتا ہے اور اس دھبہ کو یوں دور کرتا ہے) کہ حضرت صاحب کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار

> کے مطابق تھا، جو آپ نے 2 مئی 1981ء کو شائع کیا اور جس کی سرخی تھی: اشتہار نصرت دین و قطع تعلق از اقارب مخالف دین۔ اس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر مرزا سلطان احمد اور ان کی والدہ اس امر میں (محمدی بیگم کے نکاح میں) (ایک نہ شد دو شد نہ صرف بیوی اس معاملہ میں مخالف تھی بلکہ بیٹا بھی باپ کا مخالف تھا۔ اللہ اللہ نبی کی شان ہو تو ایسی ہو، بیٹا بھی باپ کا معتقد نہیں) مخالفانہ کوشش سے الگ نہ ہو گئے تو پھر آپ کی طرف سے مرزا سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوں گے اور ان کی والدہ کو آپ کی طرف سے طلاق ہو گی۔ والدہ صاحب فرماتی تھیں کہ فضل احمد نے اس وقت اپنے آپ کو عاق ہونے سے بچا لیا (مرتا کیا نہ کرتا، نبی کے عذاب سے بچنے کے لیے بیچارے نے کوئی ہتھکنڈا کھیلا ہو گا مگر بالآخر وہ بھی عاق کر دیا گیا تھا)۔"

("سیرت المہدی" صفحہ 23.22)

اب گزشتہ حوالے پھر ملاحظہ فرمایئے اور نتیجہ نکالیے کہ جائیداد کا گروی کرنا اپنی پہلی بیوی کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے تھا یا نہیں۔ کیا انبیاء انھیں اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔

تیسرا نمونہ

دیکھیے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے جائیداد کو گروی دکھانا، قادیانی نبی کا کیسا کمال ہے۔ ایک تیر سے دو شکار۔ اس کے ساتھ ہی ذیل کے دو حوالہ جات بھی دیکھیے کہ اب مرید کیونکر اس نبی کی سادگی کا اظہار کرتے ہیں:

> "ایک دفعہ کوئی شخص آپ (مرزا) کے لیے گرگابی لے آیا۔ آپ نے پہن لی مگر اس کے الٹے سیدھے پاؤں کا آپ کو پتہ نہیں لگتا تھا۔ کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے اور پھر تکلیف ہوتی تھی۔ بعض دفعہ آپ کا الٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر فرماتے: ان (انگریزوں) کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں (مگر دوسری طرف ہے کہ میں نے پچاس الماریاں ان کی تعریف میں بھر دی ہیں اور ان کے احسانات بے شمار ہیں۔ دو رنگی ہو تو ایسی ہو) والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی سہولت کے لیے الٹے سیدھے پاؤں کی شناخت کے لیے نشان لگا دیے تھے مگر باوجود اس کے آپ الٹا سیدھا پہن لیتے تھے۔"

(روایات مرزا بشیر، فرزند مرزا، مندرجہ "سیرت المہدی" صفحہ 53، حصہ اول)

> "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہا

> کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب (مرزا) کو ایک جیبی گھڑی تحفہ دی۔ حضرت صاحب اس کو رومال میں باندھ کر جیب میں رکھتے تھے۔ زنجیر نہیں لگاتے تھے اور جب وقت دیکھنا ہوتا تو گھڑی نکال کر ایک کے ہندسے یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور انگلی رکھ رکھ ہندسے گنتے جاتے تھے (تاکہ بھول نہ جائیں) گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ آپ کا جیب سے گھڑی نکال کر اس طرح شمار کرنا مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا۔"

("سیرت المہدی" حصہ اوّل، صفحہ 264)

ان حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ جوتی پہننی نہیں آتی، گھڑی دیکھنی نہیں آتی۔ "مقصود اظہار کمال سادگی ہے" مگر دوسری طرف انکم ٹیکس سے بچنے اور پہلی بیوی اور اس کے بچوں کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے جائیداد 30 سال کے لیے گروی رکھی جاتی ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ایک دینی ضرورت سے یہ زمین رہن رکھی گئی۔ نیز ایک طرف کہا جاتا ہے کہ ایسے مرید ہاتھ لگ گئے ہیں کہ 50 ہزار کی ضرورت ہو تو فوراً پوری ہو جائے۔ کیا یہ کام ہوشیار آدمی کے ہیں یا اس شخص کے کہ جسے گھڑی بھی دیکھنی نہ آتی ہو۔

چوتھا نمونہ

گھڑی دیکھنی نہیں آتی، جوتا پہننا نہیں آتا مگر دعا کروانے کوئی آئے تو ایک لاکھ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

> "بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پٹیالہ میں خلیفہ محمد حسین صاحب وزیر پٹیالہ کے مصاحبوں اور ملاقاتیوں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب ہوتے تھے۔ ان کا ایک دوست تھا جو بڑا امیر کبیر اور صاحب جائیداد اور لاکھوں روپیہ کا مالک تھا مگر اس کے کوئی لڑکا نہ تھا، جو اس کا وارث ہوتا۔ اس نے مولوی عبداللہ صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب سے میرے لیے دعا کراؤ کہ میرے لڑکا ہو جائے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ ہم تمھیں کرایہ دیتے ہیں، تم قادیان جاؤ اور مرزا صاحب سے اس بارہ میں خاص طور پر دعا کے لیے کہو۔ چنانچہ میں قادیان آیا اور حضرت صاحب سے سارا ماجرا عرض کر کے دعا کے لیے کہا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک تقریر فرمائی، جس میں دعا کا فلسفہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ محض رسمی طور پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دینے سے دعا نہیں ہوتی، بلکہ اس

کے لیے ایک خاص قلبی کیفیت کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب آدمی کسی کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے ان دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا تو اس شخص کے ساتھ کوئی ایسا گہرا تعلق اور رابطہ ہو کہ اس کی خاطر دل میں ایک خاص درد پیدا ہو جائے، جو دعا کے لیے ضروری ہے اور یا اس شخص نے کوئی ایسی دینی خدمت کی ہو کہ جس پر دل سے اس کے لیے دعا نکلے مگر یہاں نہ تو ہم اس شخص کو جانتے ہیں اور نہ اس نے کوئی دینی خدمت کی ہے کہ اس کے لیے ہمارا دل پگھلے۔ پس آپ جا کر اسے یہ کہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کے لیے ایک لاکھ روپیہ دے یا دینے کا وعدہ کرے۔ پھر ہم اس کے لیے دعا کریں گے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ اسے ضرور لڑکا دے گا۔ میاں عبداللہ کہتے ہیں، میں نے جا کر یہی جواب دے دیا مگر وہ خاموش ہو گئے اور آخر وہ لاولد ہی مر گیا اور اس کی جائیداد اس کے دور نزدیک کے رشتہ داروں میں کئی جھگڑوں اور مقدموں کے بعد تقسیم ہوئی۔"

("سیرت المہدی" صفحہ 238، مصنفہ بشیر احمد پسر مرزا قادیانی)

جوتا پہننا نہیں آتا، گھڑی دیکھنی نہیں آتی مگر ذیل کا پر لطیف حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ مدت کی بات ہے جب میاں ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہو گئی اور ان کو دوسری بیوی کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرتؑ صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں، آپ ان کو دیکھ لیں پھر ان سے جو آپ کو پسند ہو، اس سے آپ کی شادی کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت صاحب گئے اور دونوں لڑکیوں کو بلا کر کمرے کے باہر کھڑا کر دیا اور پھر اندر آ کر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں، آپ چل کے اندر سے دیکھ لیں۔ چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے ان کو دیکھ لیا اور پھر حضرت صاحب نے ان کو رخصت کر دیا اور اس کے بعد میاں ظفر احمد صاحب سے پوچھنے لگے کہ اب بتاؤ تمھیں کون سی لڑکی پسند ہے۔ وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے، اس لیے انھوں نے کہا کہ جس کا منہ لمبا ہے وہ اچھی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب تے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو دیکھا نہیں۔ پھر آپ خود فرمانے لگے کہ میرے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے، جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا کہ جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے

> وہ بیماری وغیرہ کے بعد عموماً بدنما ہو جاتا ہے لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ اس وقت حضرت صاحب اور میاں ظفر احمد صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لڑکیوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے اور پھر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا۔ جس سے ان کو کچھ معلوم نہ ہوا۔ مگر ان میں کسی کے ساتھ میاں ظفر احمد کا رشتہ نہ ہوا، یہ مدت کی بات ہے۔"

("سیرت المہدی" صفحہ 240-241)

کیا ان حوالہ جات سے یہ ثابت نہیں کہ سادگی کے قصے جعلی ہیں، ورنہ مرزا کی ہوشیاری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی جو شخص بہشتی مقبرہ کا کام چلا جائے، اس کی ہوشیاری سے کون انکاری ہو سکتا ہے۔

پانچواں نمونہ

یوں تو مرزا کو انبیاء سے افضل بتایا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برابری کا دعویٰ ہے، مگر واقعات کی روشنی میں حقیقت کو معلوم کیجیے۔

مرزا کی جائیداد اور سالانہ آمدنی کا حال تو آپ معلوم کر چکے ہیں مگر اب آپ ان کے اخراجات کا حال سنئے۔ مرزا کے ایک مرید نے ایک ٹریکٹ بعنوان "خطوط امام، بنام غلام" شائع کیا۔ اس میں مرزا کے چند خطوط اس نے درج کیے ہیں تاکہ مریدوں کو معلوم ہو کہ مشک و عنبر وغیرہ اشیاء کے لیے مرزا قادیانی صرف اسی پر اعتبار کرتے تھے۔ اس قادیانی کا مقصود تو اپنی تجارت ہے مگر آپ حضرات ان حوالہ جات کو اس نظر سے دیکھئے کہ کہاں وہ سالانہ آمدنی، جو آپ نے پیچھے ملاحظہ فرمائی اور کہاں یہ اخراجات۔ کیا ان اخراجات کو ماہواری آمدنی پورا کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا قادیانی کے یہ الفاظ کہ مریدوں کا روپیہ اس کے ذاتی مصرف میں نہیں آتا، یاد رکھیے اگر یہ درست ہے تو روپیہ آتا کہاں سے تھا؟

1- "پہلی مشک ختم ہو چکی ہے اس لیے پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ آپ دو تولہ مشک خالص دو شیشیوں میں علیحدہ علیحدہ یعنی تولہ تولہ ارسال فرمائیں۔"

(صفحہ 3.2)

2- "آپ بے شک ایک تولہ مشک بہ قیمت 36 روپے خرید کر کے بذریعہ وی۔ پی بھیج دیں...... ضرور بھیج دیں۔"

(صفحہ 3)

3- "ایک تولہ مشک عمدہ جس میں چھچھڑا نہ ہو اور اوّل درجہ کی خوشبودار ہو، اگر شرطی ہو تو

بہتر، ورنہ اپنی ذمہ داری پر بھیج دیں۔"

(صفحہ نمبر 3)

4- "آپ براہ مہربانی ایک تولہ مشک خالص جس میں ریشہ اور جھلی اور صوف نہ ہوں اور تازہ و خوشبودار ہو بذریعہ ویلو ارسال فرمائیں کیونکہ پہلی مشک ختم ہو چکی ہے۔"

(صفحہ 6)

چھچھڑا نہ ہو۔ چھچھڑا نہ ہو"

5- "پہلی مشک جو لاہور سے آپ نے بھیجی تھی وہ اب نہیں رہی۔ آپ جانتے ہیں ایک تولہ مشک خالص جس میں چھچھڑا نہ ہو اور بخوبی جیسا کہ چاہیے خوشبودار ہو ضرور ویلو کرا کر بھیج دیں۔ جس قدر قیمت ہو مضائقہ نہیں (مال مفت، دل بے رحم) مگر مشک اعلیٰ درجہ کی ہو۔ چھچھڑا نہ ہو اور جیسا کہ عمدہ اور تازہ شکل میں تیز خوشبو ہوتی ہے وہ اس میں ہو۔" (صفحہ 6)

6- "مشک خالص عمدہ جس میں چھچھڑا نہ ہو، ایک تولہ صفحہ 27 روپے کی آپ ساتھ لائیں۔"

(صفحہ 6)

مفرح عنبری

اور سنئے:

"میں اپنے مولا کریم کے فضل سے اس کو بھی اپنے لیے بے اندازہ فخر و برکت کا موجب سمجھتا ہوں کہ حضور (مرزا آنجہانی) اس ناچیز کی تیار کردہ مفرح عنبری کا بھی استعمال فرماتے تھے۔"

شاندار خیمے

"وحی الٰہی کی بناء پر مکان ہمارا خطرناک ہے، اس لیے آج 260 روپے خیمہ خریدنے کے لیے بھیجتا ہوں۔ چاہیے کہ آپ اور دوسرے چند دوستداروں کے ساتھ جو تجربہ کار ہوں، بہت عمدہ خیمہ معہ قناتوں اور دوسرے سامانوں کے بہت جلد روانہ کریں اور کسی کو بیچنے والوں میں سے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کسی نواب صاحب نے یہ خیمہ خریدنا ہے کیونکہ یہ لوگ نوابوں سے دو چند سہ چند مول لیتے ہیں۔"

یہ ہے قادیانی نبی کی درویشانہ زندگی کے چند نمونے، جو درج کیے گئے ہیں۔ یہی اس نبی کی

زندگی کا درخشاں پہلو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اب غور فرمایئے کہ یہی شخص آنحضرت کی برابری میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہم پیش کریں تو شاید قادیانی اعتبار نہ کریں۔ اس لیے ان کے ہی الفاظ درج کرتا ہوں۔ جو انھوں نے مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے لکھ دیے کہ مسلمان یہ خیال کریں کہ انھیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی تعلق ہے۔ گو اپنی سیاسی اغراض کو پورا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ الفاظ لکھے گئے ہیں مگر ہم الزامی رنگ میں قادیانیوں کے یہی الفاظ نقل کر کے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برابری کرنے والو، ہمارے پیغمبر اور اپنے نبی کا مقابلہ کر کے عبرت پکڑو۔

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمر اجازت لے کے اندر گئے، تو دیکھا کہ ایک کھجور کی چٹائی بچھائی ہوئی ہے، جس پر لیٹنے سے پہلوؤں پر ان پتوں کے نشان ہو گئے ہیں۔ حضرت عمر نے گھر کی جائیداد کی طرف نگاہ کی تو صرف ایک تلوار ایک گوشہ میں لٹکتی ہوئی نظر آئی، یہ دیکھ کر ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ خیال آیا ہے، قیصر و کسریٰ جو کافر ہیں، ان کے لیے کس قدر تنعم ہے اور آپ کے لیے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: میرے لیے دنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے کہ جس سے میں حرکت و سکون کر سکوں۔"

(منقول از اخبار "الفضل" قادیان خاتم النبیین نمبر مورخہ 6 نومبر، 1932ء صفحہ 7 کالم 3)

حضور علیہ السلام کے اہل بیت کی حالت

> "آپ چاہتے تو اپنی بیویوں کو سونے چاندی کے زیورات سے لاد دیتے اور اپنے رہنے کے لیے اعلیٰ درجہ کے محلات (قادیان کی طرح) بنوا لیتے۔ اپنے گھروں کو قیمتی اسباب سے آراستہ رکھتے لیکن آپ نے باوجود استطاعت اور باوجود عرب کے سب سے بڑے بادشاہ اور سردار ہونے کے فقیری کو امیری پر ترجیح دی۔ دنیا کا مال و دولت جمع کرنا اور اپنے گھروں میں رکھنا اپنے درجہ اور مقام کی ہتک خیال فرمایا۔"

(اخبار مذکور، صفحہ 4 کالم 1)

> "حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آلِ محمد (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویوں اور بیٹی) کے گھر میں اس وقت تک کہ آپ نے اس جہان سے انتقال فرمایا کسی نے متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔" (اخبار مذکور، صفحہ 40 کالم 2)

فحش کلامی

یوں تو مرزا قادیانی کی کوئی تصنیف بھی آپ لے لیں، اس میں اخلاق فاضلہ کے وہ نمونے آپ کو ملیں گے، جو کسی اور شخص کی تصنیف میں آپ کو ملنے مشکل ہوں گے، تاہم بطور نمونہ آنجناب کے مقدس کلام سے چند حوالہ جات نقل کرنے ضروری ہیں تا کہ ناظرین اس نبی کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ فرما سکیں۔

قادیانیوں کو یہ شوق تو ہر وقت دامن گیر رہتا ہے کہ وہ اپنے نبی کو تمام انبیاء کا مظہر ثابت کریں مگر اس طرف کبھی توجہ نہیں دیتے کہ مرزا کے اخلاق بھی اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ وہ تمام انبیاء کا مظہر ہے؟

کیا اس فحش کلامی کا ارتکاب دنیا کے کسی معمولی سے معمولی ریفارمر کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے اگر نہیں تو مرزا کو انبیاء کا مظہر بتانا قادیانیوں کی خوش فہمی نہیں تو کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اور خوش کلامی کی داد دیجئے۔

"کل مسلم یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریة البغایا.
یعنی ''تمام مسلم لوگ مجھ کو مانتے ہیں مگر زنا کار عورتوں کی ذریت (اولاد) نہیں مانتی۔''

(''آئینہ کمالات'' صفحہ 547)

"ان العدی صاروا خنازیر الفلا
ازواجھم من دونھن الا کلب"
یعنی ''ہمارے دشمن جنگلوں کے سور ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں۔''

(''نجم الہدیٰ'' صفحہ 10)

لدھیانہ کے ایک واجب العزت بزرگ، موحد دیندار، پرہیزگار، مولوی سعد اللہ نو مسلم، جو اسلام کی خاطر اپنی قوم اور قومی تعلقات سب چھوڑ کر اسلام میں آئے۔ اتفاق حسنہ یا شومئی قسمت سے مرزا کے مصداق نہ تھے۔ اتنے جرم پر مرزا نے ان کو مخاطب کر کے یوں لکھا:

"اذیتنی خبثا فلست بصادق
ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء"
''تو نے (اے سعد اللہ) مجھے تکلیف دی ہے۔ اے زانیہ کے بیٹے، اگر تو ذلت سے نہ مرے تو میں جھوٹا۔''

(تتمہ ''حقیقت الوحی'' صفحہ 15)

اور سنئے مرزا اپنی پیش گوئی پر ایمان نہ لانے والے تمام مسلمانوں کو ولد الحرام اور حرام زادے

قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> ”اب جو شخص اس کے برخلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کرے گا اور اپنی شرارت سے بار بار کہے گا کہ (پادری آتھم کے زندہ رہنے سے مرزا قادیانی کی پیش گوئی غلط اور) عیسائیوں کی فتح ہوئی اور کچھ شرم اور حیا کو کام میں نہیں لائے گا اور بغیر اس کے کہ ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رو سے جواب دے گا اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا، تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں پس حلال زادہ بننے کے لیے واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا جانتا ہے اور عیسائیوں کو غالب اور فتح یاب قرار دیتا ہے تو میری اس حجت کو واقعی طور پر رفع کرے۔ جو میں نے پیش کی ہے ورنہ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔“

(”انوار الاسلام“ صفحہ 20)

> ”اے بد ذات فرقہ مولویان! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا، وہی عوام کالانعام کو بھی پلا دیا۔“

(”انجام آتھم“ صفحہ 18)

> ”مگر کیا یہ لوگ قسم کھالیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں۔“

(ضمیمہ ”انجام آتھم“ صفحہ 25)

> ”ہمارے دعویٰ پر آسمان نے گواہی دی۔ مگر اس زمانے کے ظالم مولوی اس سے بھی منکر ہیں، خاص کر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرہ۔“

(ضمیمہ ”انجام آتھم“ صفحہ 46)

> ”اے بد ذات، خبیث، نابکار۔“

(ضمیمہ ”انجام آتھم“ صفحہ 50)

> ”اس جگہ فرعون سے مراد شیخ محمد حسین بٹالوی اور ہامان سے مراد نو مسلم سعد اللہ ہے۔“

(ضمیمہ ”انجام آتھم“ ص 56)

"نہ معلوم کہ یہ جاہل اور وحشی فرقہ اب تک کیوں شرم اور حیا سے کام نہیں لیتا"۔ .... "مخالف مولویوں کا منہ کالا کیا۔"

(ضمیمہ "انجام آتھم" صفحہ 58)

آپ نے مرزا کے اخلاق کا نمونہ تو ملاحظہ فرما لیا، اب تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے تا کہ آپ اس امر کی تصدیق کر سکیں کہ یہ فرقہ باطلہ کوئی مذہبی گروہ نہیں بلکہ تجارتی کمپنی ہے، جس کا کام وقت وقت کا راگ الاپنا ہے۔

مرزا لکھتا ہے:

"لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں، مومن لعان نہیں ہوتا۔"

("ازالہ اوہام" صفحہ 660)

اس ارشاد عالی کو ذرا گزشتہ حوالوں کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھیے اور سنیے:

"کسی کو گالی مت دو۔ گو وہ گالیاں دیتا ہو۔" (کشتی نوح)

اور دیکھیے:

"چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں، سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، اس لیے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے تا کہ ان میں عیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو اور لوگ ان کے فیض سے محروم نہ رہیں، یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو اور درشت بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے۔"

("ضرورۃ الامام" صفحہ 8)

مشتبہ اور نامکمل الہامات

1- "ایلی ایلی لما سبقتانی ایلی اوس۔" (تشریح از مرزا) آخری فقرہ اس الہام کا یعنی ایلی اوس بباعث سرعت ورود (نزول) مشتبہ رہا اور نہ اس کے کچھ معنی کھلے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

("البشریٰ" جلد 1 صفحہ 26)

2- "پریشن عمر پراطوس یا پلاطوس" (تشریح از مرزا) آخری لفظ پراطوس یا پلاطوس بباعث سرعت الہام دریافت نہیں اور عمر عربی لفظ ہے۔ اس جگہ پراطوس اور پریشن کے معنی دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔"

("البشریٰ" صفحہ 51)

3- "نتیجہ خلاف مراد ہوا یا نکلا۔" حضرت صاحب خود فرماتے ہیں کہ آخر کا لفظ ٹھیک یاد نہیں رہا اور یہ بھی پختہ پتہ نہیں کہ یہ الہام کس کے حق میں ہے۔

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 74-75)

4- "ینادی مناد من السماء." حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ایک اور عجیب اور مبشر فقرہ تھا، وہ یاد نہیں رہا۔

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 76)

5- "ویتبعیک (ترجمہ الہامی) تا دیر تر خواہد داشت" حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ 18 فروری 1903ء کو یکایک ایک مرض کا دورہ ہو گیا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک الہام ہوا، جس کا صرف ایک حصہ یاد رہا چونکہ بہت تیزی کے ساتھ ہوا، جیسے بجلی کوندتی ہے، اس لیے باقی حصہ محفوظ نہ رہا۔"

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 80)

6- "یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے، تبدیل ہونے والی نہیں۔" (فرمایا کہ) آج صبح جب میں نماز کے بعد ذرا لیٹ گیا، تو الہام ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ ایک حصہ اس کا یاد نہ رہا۔ ایک پہلی عربی کا فقرہ تھا اور اس کے بعد اس کا ترجمہ اردو میں تھا۔ وہ اردو فقرہ یاد ہے اور عربی فقرہ کچھ اس سے مشابہ تھا۔

تعهد و تمکن فی السماء. مگر وہ اصل فقرہ بھول گیا اور اس نسیان میں بھی کچھ منشائے الٰہی ہوتا ہے۔

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 81)

7- "بلا نازل یہ حادث یا، فرمایا کہ یہ الفاظ الہام ہوئے ہیں مگر معلوم نہیں کس کی طرف اشارہ ہے یاد نہیں رہا کہ یا کے آگے کیا تھا۔"

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 82)

8- "سلیم، حامدا، مستبشرا، سلامتی والا، حمد کرنے والا، بشارت دیا گیا۔" (تشریح) کچھ حصہ اس الہام کا یاد نہیں رہا۔

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 82)

9- "ایک عربی الہام تھا، الفاظ مجھے یاد نہیں تھے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مکذبوں کو نشان دکھایا جائے گا۔"

("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 94)

10- ”ایک دم میں دم رخصت ہوا۔“ فرمایا آج رات مجھے ایک مندرجہ بالا الہام ہوا، اس کے پورے الفاظ یاد نہیں رہے اور جس قدر یاد رہا، وہ یقینی ہے مگر معلوم نہیں کہ کس کے حق میں ہے، لیکن خطرناک ہے، الہام ایک موزوں عبارت میں ہے، مگر ایک لفظ درمیان میں بھول گیا ہے۔

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 117)

11- ”تین بکرے ذبح کیے جائیں گے۔“ فرمایا کہ ہم نے ظاہر پر عمل کر کے آج تین بکرے ذبح کرا دیے ہیں۔

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 105)

12- ”عورت کی چال۔ ایلی ایلی لما سبقتانی بریت۔“ یہ خیال گزرتا ہے کہ کوئی شخص زنانہ طور سے چھپا کر کوئی مکر کرے مگر یہ صرف اجتہادی رائے ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 117)

13- ”انا نبشرک بغلام حلیم نافلۃ لک. تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو تیرے لیے نافلہ ہوگا۔“ فرمایا کہ چند روز ہوئے یہ الہام ہوا۔ ممکن ہے کہ اس کی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 110)

14- ”راز کھل گیا۔ الذین اعتدو انکم فی البست (نوٹ از مرزا) کے ساتھ کا فقرہ بھول گیا ہے۔ واللہ اعلم۔“

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 129)

15- ”...... الہام کے الفاظ یاد نہیں رہے اور معنی یہ ہیں کہ فلاں کو پکڑ اور فلاں کو چھوڑ دے۔ یہ فرشتوں کو حکم الٰہی ہے۔“

(”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 129)

16- ”آثار صحت۔“ (”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 82) تشریح از مرزا۔ تصریح بالکل نہیں کہ یہ الہام کس کے متعلق ہے۔

گول مول الہامات

17- فرمین (ترجمہ) معقول آدمی۔ (”البشریٰ“ جلد 2 صفحہ 83)

18-	ہماری قسمت۔ آیت وار۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 92)
19-	چودھری رستم علی۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 94)
20-	قل مالک حیلۃ۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 96)
21-	معز صحت۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 99)
22-	دو شہتیر ٹوٹ گئے۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 100)
23-	رہا گوسفندان عالی جناب۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 101)
24-	آب زندگی۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 84)
25-	زندگیوں کا خاتمہ۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 102)
26-	لائف (ترجمہ) زندگی۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 106)
27-	25 فروری کے بعد جانا ہوگا۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 106)
28-	بشیر الدولہ۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 109)
29-	ایک دانہ کس کس نے کھانا۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 107)
30-	دو چار ماہ۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 114)
31-	خیر۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 119)
32-	مبارک۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 122)
33-	بادشاہ آیا۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 123)
34-	روشن نشان۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 123)
35-	ایک اور خوشخبری۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 124)
36-	ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہ رہے گا۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 124)
37-	تحفۃ الملوک۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 125)
38-	لاہور میں ایک بے شرم ہے۔	("البشریٰ" جلد 2 صفحہ 126)

خلیفہ قادیان کی دلچسپ خوابیں

مرزا قادیان کی خوابیں اور الہامات تو آپ نے سن لیے، اب بیٹے کی خوابیں بھی ملاحظہ فرمایئے:

> "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص خلافت پر اعتراض کرتا ہے۔ میں اسے کہتا ہوں، اگر تم سچے اعتراض تلاش کر کے بھی میری ذات پر کرو گے تو خدا کی تم پر لعنت ہوگی اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

(ارشاد خلیفہ قادیان، منقول از اخبار "الفضل" مورخہ 29 مئی 1928ء، وتفسیر سورۂ نور، صفحہ 73)

اس خواب کی تائید میں حسب ذیل حوالہ بھی یاد رکھنا چاہیے، جس میں آپ فرماتے ہیں کہ غلطی کو غلطی کہنا بھی جرم ہے۔

> ''خدا کا رسول غلطی کر سکتا ہے اور ہزار فیصلوں میں سے ایک فیصلہ اس کا نادرست ہو سکتا ہے تو میرے لیے ہزار میں سو کا غلط ہونا ممکن ہے لیکن باوجود اس کے اگر کوئی یہ کہتا پھرے کہ اس نے (خلیفہ قادیان نے) فلاں فیصلہ غلط کیا یا فلاں غلطی کی، چاہے وہ غلطی ہو پھر بھی اسے خدا تعالیٰ پکڑے گا۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ خلیفہ قادیان، منقول از ''الفضل'' مورخہ 4 نومبر 1927ء)

(فیصلہ کی غلطی تو ہوئی مگر غلطی کو غلطی قرار دینے پر مواخذہ کیونکر ہوگا)

یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ خلیفہ قادیان نے یہ وعظ اس وقت کیا، جب خلیفہ کی ذات پر بھیانک الزامات عائد کیے گئے۔

کمانڈر انچیف بننا

> ''قریباً تین سال کا عرصہ ہوا جو میں نے رؤیا میں دیکھا، کہ میں اور حافظ روشن علی صاحب ایک جگہ بیٹھے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے گورنمنٹ برطانیہ نے افواج کا کمانڈر انچیف مقرر فرمایا ہے اور میں سر اومور کرے سابق کمانڈر انچیف افواج ہند کے بعد مقرر ہوا ہوں اور ان کی طرف سے حافظ صاحب مجھے عہدہ کا چارج دے رہے ہیں۔''

(''برکات خلافت'' صفحہ 45)

خدا عورت کی شکل میں

> ''کچھ دن ہوئے ایک ایسی بات پیش آئی کہ جس کا کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اس وقت میں نے کہا کہ ہر چیز کا علاج خدا تعالیٰ ہی ہے، اسی سے اس کا علاج پوچھنا چاہیے۔ اس وقت میں نے دعا کی اور وہ ایسی حالت تھی کہ میں نفل پڑھ کے زمین پر لیٹ گیا اور جیسے بچہ ماں باپ سے ناز کرتا ہے۔ اسی طرح میں نے کہا: اے خدا میں چارپائی پر نہیں، زمین پر ہی سوؤں گا۔ اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اوّل نے مجھے کہا ہوا ہے کہ تمہارا معدہ خراب ہے اور زمین پر سونے سے معدہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا لیکن میں نے کہا آج تو میں زمین پر ہی سوؤں گا، یہ بات ہر ایک انسان نہیں کہہ سکتا بلکہ خاص ہی حالت ہوتی

> ہے۔ کوئی چھ سات دن ہی کی بات ہے، جب میں زمین پر سو گیا تو دیکھا کہ خدا کی نصرت اور مدد کی صفت جوش میں آئی اور عورت کی شکل میں متمثل ہو کر زمین پر اتری۔ ایک عورت تھی، اس کو اس نے سوئی دی اور کہا اسے مار اور کہو کہ چار پائی پر سو، میں نے اس عورت سے سوئی چھین لی اس پر اس نے سوئی خود پکڑ لی۔ مگر جب اس نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو زور سے سوئی گھٹنے تک لا کر چھوڑ دیا اور کہا دیکھ محمود! میں اسی وقت کود کر چار پائی پر چلا گیا اور جا کر سو رہا۔"

("ملائکۃ اللہ" صفحہ 70 مصنفہ خلیفہ قادیان)

دعوت مباہلہ

خلیفہ قادیانی خود کو خدا کا مقرب ظاہر کرتا ہوا پبلک کو اپنی مریدی کی دعوت دیتا رہتا ہے، جس کی بناء پر ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی لائف، اخلاق، چال چلن کو پرکھے، بدیں وجہ میں نے اور ان تمام اشخاص نے، جن پر خلیفہ قادیان کے اندرونی حالات کا راز طشت ازبام ہو گیا، خلیفہ مذکور کو ماہ اکتوبر 1927ء میں چیلنج دیا کہ وہ اپنی ذات پر عائد ہونے والے الزامات کے خلاف میدان مباہلہ میں آئے۔ (مباہلہ نام ہے دو افراد یا جماعتوں کا ایک دوسرے کے خلاف یہ بددعا کرنا کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو) اب بھی یہ چیلنج بدستور قائم ہے۔ خلیفہ قادیان نے اس دعوت مباہلہ سے بدیں الفاظ انکار کر دیا۔

> "مجھے کامل یقین ہے اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ ایسے امور کے متعلق مباہلہ کا مطالبہ کرنا یا ایسے مطالبہ کو منظور کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ شریعت کی ہتک ہے۔
>
> پس الفاظ قرآن کریم، فتوے رسول، عمل خلفائے رسول، اجماع امت کے بعد جو شخص ایک نیا طریق اختیار کرتا ہے، اس کی نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کی وجہ سے میں اس کا تابع نہیں ہو سکتا۔"

(مکتوب خلیفہ قادیان، مندرجہ جواب مباہلہ نمبر 1 صفحہ 2)

خلیفہ قادیان کے ارشاد گرامی کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کا فتویٰ سنیئے اور خیال فرمایئے کہ نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کا الزام کس پر عائد ہوتا ہے اور الفاظ قرآن کریم، فتویٰ رسول، اجماع امت سے خلیفہ قادیان زیادہ واقف ہے یا مرزا غلام احمد؟

> "سو واضح رہے کہ صرف دو صورت میں مباہلہ جائز ہے:
>
> 1- اس کافر کے ساتھ جو یہ دعویٰ رکھتا ہو جو مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اسلام حق پر نہیں اور جو کچھ غیر اللہ کی نسبت خدائی کی صفتیں میں مانتا ہوں۔ وہ یقینی امر ہے، یہ تمام خبر

تحقیقات طلب ہے۔

2- اس ظالم کے ساتھ جو ایک بے جا تہمت کسی پر لگا کر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً ایک مستورہ (عورت) کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ عورت زانیہ ہے کیونکہ بچشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شراب خوار ہے کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مباہلہ جائز ہے کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور رویت پر بنا رکھ کر، ایک مومن بھائی کو ذلت پہنچانا چاہتا ہے، جیسے مولوی اسمٰعیل صاحب نے کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے ایک دوست کی چشم دید بات ہے کہ مرزا غلام احمد یعنی یہ عاجز پوشیدہ طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے کچھ کچھ آئندہ کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو کہہ دیتا ہے کہ الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ اس عاجز کی دیانت اور صدق پر ایک تہمت لگائی تھی، جس کی اپنے ایک دوست کی رویت پر بنا رکھی تھی۔ لیکن اگر بنا صرف اجتہاد پر ہو اور اجتہادی طور پر کوئی شخص کسی مومن کو کافر کہے یا ملحد نام رکھے تو یہ کوئی تہمت نہیں، بلکہ جہاں تک اس کی سمجھ اور علم تھا، اس کے موافق اس نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی قطع اور یقین پر بنا رکھ کر دوسری کو مفتری اور زانی قرار دیتے ہیں۔“

(”الحکم“ 24 مارچ 1902ء)

مرزا غلام احمد نے ایک دوسری جگہ اسی عبارت کی ان الفاظ میں توضیح کی ہے اور اس جگہ استدلال بھی قرآن کریم کی آیت مباہلہ سے کیا ہے۔

”اس کے جواب میں میاں عبدالحق صاحب اپنے دوسرے اشتہار میں اس عاجز کو یہ لکھتے ہیں کہ اگر مباہلہ مسلمانوں سے بوجہ اختلافات جزویہ جائز نہیں تو پھر تم نے مولوی اسمٰعیل سے فتح اسلام میں کیوں مباہلہ کی درخواست کی، سو انھیں سمجھنا چاہیے کہ وہ درخواست کسی جزئی اختلاف کی بناء پر نہیں بلکہ اس افتراء کا جواب ہے، جو انھوں نے عمداً کیا اور کہا کہ میرا ایک دوست، جس کی بات پر مجھے بکلی اعتماد ہے، دو مہینے تک قادیان مرزا غلام احمد کے مکان پر رہ کر بچشم خود دیکھ آیا ہے کہ ان کے پاس آلات نجوم ہیں اور انھیں کے ذریعہ سے وہ آئندہ کی خبریں

بتاتے ہیں اور ان کا نام الہام رکھ لیتے ہیں، اب دیکھنا چاہیے کہ اس صورت کو جزئی اختلاف سے کیا تعلق ہے بلکہ یہ تو اس قسم کی بات ہے، جیسے کوئی کسی کی نسبت یہ کہے کہ میں نے اس کو بچشم خود زنا کرتے دیکھا ہے یا بچشم خود شراب پیتے دیکھا ہے۔ اگر میں اس سے بنیاد اختراع کے لیے مباہلہ کی درخواست نہ کرتا اور کیا کرتا۔"

("تبلیغ رسالت" جلد 2 صفحہ 3)

اس جگہ ہم اسی قدر حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ہمارا مقصود تو بطور نمونہ قادیانی عقائد اور خیالات کا ذکر کرنا ہے، جو ان حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہے۔

معزز ناظرین پر یہ امر واضح رہے کہ ہماری معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی گروہ کوئی مذہبی جماعت نہیں، بلکہ ایک تجارتی کمپنی ہے، جسے اسلام یا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے تردید مرزائیت کے لیے کتب مرزائیت کو کافی سمجھتے ہوئے ہر بات خود ان کے لٹریچر سے پیش کی ہے۔ قرآن پاک یا حدیث شریف اور اقوال بزرگان تو اس گروہ کے سامنے پیش کیے جا سکتے ہیں، جسے ان چیزوں کا ادب ہو لیکن جبکہ یہ گروہ اپنی من گھڑت تاویلات سے ثابت کر چکا ہے کہ نہ صرف قرآن پاک اور حدیث شریف سے انکار ہے بلکہ وہ اعتراضات سے تنگ آ کر مسلمانوں کی ہر بزرگ ہستی کی شان میں گستاخی پر اتر آیا کرتے ہیں، تو اندریں حالات کیا اس گروہ کے سامنے کلام پاک یا اپنے کسی بزرگ کا فرمان بیان کرنا ارتکاب گناہ کے مترادف نہیں؟

پس اس گروہ کے مناسب حال یہی چیز ہے کہ خود اس کے لٹریچر سے اس کی تردید کی جائے۔

* * *

منور احمد ملک

میں ایک احمدی تھا!!

پروفیسر منور احمد ملک (ایم ایس سی فزکس) شمسی توانائی کے معروف سائنسدان ہیں۔ وہ سولو ائیر کنڈیشننگ ٹائل، سولو شیٹ، سولو ٹائل، سولو واٹر کولر (واٹر پمپ) اور گلوبل وال کلاک کے موجد ہیں۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں ان کے کئی انٹرویوز اور فیچرز شائع ہو چکے ہیں۔ حکومت پنجاب ان کو کئی ایوارڈ دے چکی ہے۔ حال ہی میں وہ مادر ملت ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سارے انعام واکرام ان کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں۔

پروفیسر منور احمد ملک پیدائشی احمدی تھے۔ 42 سال احمدی رہے۔ اس دوران خدام الاحمدیہ میں ضلعی عہدوں پر فائز رہے۔ جماعت احمدیہ ضلع جہلم کے نائب امیر بھی رہے۔ 5 سال کی تحقیق کے بعد 1999ء میں اپنے بھائی، والد محترم سمیت 13 افراد کے ساتھ احمدیت کو ترک کر کے اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ ان کے بہت سے مضامین ان کی تحقیقی صلاحیتوں کے آئینہ دار اور جماعت کے خفیہ گوشوں کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے متعلق ان کے تجربات اور مشاہدات خاصے طویل ہیں۔ وہ ان کو تفصیل سے قلمبند کر رہے ہیں۔ ان کے قبول اسلام کا واقعہ خود ان کی زبانی سنیے۔

میں 1957ء کو محمود آباد جہلم کے ایک کٹر مذہبی اور احمدی گھرانے میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی مذہبی اور جماعتی کاموں میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ جوانی میں قدم رکھا تو احمدیت کا مخلص اور سرگرم رکن بن چکا تھا۔ بی ایس سی کرنے کے بعد میں جہلم سے لاہور چلا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں اڑھائی سالہ دور طالب علمی میں جماعتی کاموں میں دیوانہ وار حصہ لیا۔ اسی سرگرمی کا نتیجہ تھا کہ مجھے نیو کیمپس کے احمدی نوجوانوں کا قائد (زعیم) بنا دیا گیا۔ ساتھ ساتھ قیادت ماڈل ٹاؤن (اس وقت یہ قیادت مسلم ٹاؤن سے چونگی امر سدھو، ٹاؤن شپ اور گلبرگ تک کے علاقے پر مشتمل تھی) کا ناظم تعلیم بنا دیا گیا۔ اسی طرح خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کی قیادت میں نائب ناظر اصلاح وارشاد بنا دیا گیا۔ جب 1982ء میں مرزا طاہر سپین کی "بیت البشارت" کا افتتاح کرنے کے بعد پاکستان میں آئے تو انھوں نے ہلٹن ہوٹل (اب آواری ہوٹل) میں غیر از جماعت دوستوں سے ایک اہم خطاب کیا۔ اس وقت ہوٹل کی بیرونی سکیورٹی میرے ذمہ تھی: ر

20 نوجوانوں کی ٹیم کو میں لیڈ کر رہا تھا۔ گویا ضلع لاہور کی قیادت میں میری پہچان بن چکی تھی۔

1984ء میں راولپنڈی میں ایک سالہ سروس کے دوران راولپنڈی (ضلع جہلم، چکوال، راولپنڈی، اٹک، اسلام آباد، صوبہ سرحد، شمالی علاقہ جات، آزاد کشمیر پر مشتمل علاقہ) میں ناظم تعلیم بنایا گیا۔ اڑھائی سالہ چکوال کے قیام کے دوران نگران ضلع چکوال و ضلع جہلم بنایا گیا۔ 3 ماہ کے بہاولپور قیام کے دوران جماعت بہاولپور کی ضلعی قیادت میں مجھے بھی شامل کیا گیا۔

1989ء میں جہلم اپنے آبائی گاؤں محمود آباد آیا تو مجھے جماعتی قیادت میں جمود نظر آیا۔ میں 9 سال جہلم سے باہر رہا۔ اس دوران اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی اور جوانی کے سنہری دور کے نوخوبصورت سالوں کا زیادہ وقت جماعتی کاموں میں خرچ کر کے ایک مذہبی مبلغ بن چکا تھا۔ مقامی جماعت میں نظام جماعت بالکل معطل تھا۔ 40 اطفال، 45 خدام اور 50 انصار اللہ پر مشتمل جماعت میں نہ مجلس عاملہ تھی اور نہ تربیت کے لیے مربی۔ عبادت گاہ غیر آباد، عبادت گاہ کی زمین پر قبضہ گروپ کا قبضہ، چنانچہ دو سال میں مجلس عاملہ بنوائی، مربی منگوایا، مربی ہاؤس کے لیے اپنی ذاتی جگہ وقف کی۔ نمازوں میں زیادہ حاضری شروع ہوئی۔ میں نے قبضہ ختم کروایا۔ چندہ دہندگان کی تعداد 15 سے 62 کروائی۔ ان صحت مند تبدیلیوں کے لیے سخت محنت کرنا پڑی۔ اس کے ردعمل کے طور پر سخت مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مقامی قیادت میں الیکشن ہوئے تو مجھے نائب صدر جماعت محمود آباد چن لیا گیا۔ صدر کا انتخاب ہی نہ ہوا تھا۔ مجلس عاملہ کے انتخاب میں بڑا عہدہ نائب صدر ہی تھا جس کا انتخاب ہوا۔

اس ساری ''صحت مند تبدیلی'' کے لیے مجھے بار بار مرکز (ربوہ، چناب نگر) جانا پڑا۔ جماعت کی اعلیٰ قیادت سے بار بار ملاقات، گفتگو اور ڈیلنگ سے کچھ انکشافات ہوئے۔ سلطان محمود انور ناظر اصلاح وارشاد، سید احمد شاہ صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد، مرزا خورشید احمد، حافظ مظفر احمد صدر خدام الاحمدیہ، ناظر بیت المال (آمد) اور دیگر عہدیداراں سے ملاقات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جماعت کو نظام جماعت سے کوئی غرض نہ تھی نہ ہے۔ جماعتی قواعد وضوابط (نظام، قانون) 1962ء میں تیار ہوئے۔ مرزا ناصر اور مرزا طاہر احمد کے دور قیادت میں نہ صرف اسے اپ گریڈ نہیں کیا گیا بلکہ اسے دفن کرایا گیا اور آج کسی بھی ضلع کے امیر جماعت سے پوچھ لیں کہ کیا آپ نے نظام جماعت یا قواعد وضوابط صدر انجمن احمدیہ پڑھے ہیں؟ جواب نفی میں ہوگا۔

اس صحت مند تبدیلی کے لیے ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ردعمل میں ''سور ماؤں'' نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کا تذکرہ بہت لمبا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ میں اپنے حالات زندگی میں کر رہا ہوں۔ جماعت کو صرف چندوں سے دلچسپی ہے۔ چندہ عام، چندہ جلسہ سالانہ، چندہ تحریک جدید، چندہ وقف جدید، چندہ مجلس (خدام الاحمدیہ، انصاران، اطفال الاحمدیہ، ناصرات احمدیہ، لجنہ اماء

الله) چندہ تعمیر ہال، چندہ اجتماع، چندہ صد سالہ جوبلی، چندہ بوسنیا، چندہ افریقہ، چندہ ڈش انٹینا،" وغیرہ وغیرہ"

کسی بھی احمدی کی حیثیت اس کے تقویٰ، پرہیز گاری یا جماعت کے اخلاص کی بنیاد پر نہیں بلکہ چندوں کی ادائیگی پر ہے۔ جماعت پر عملاً شہزادوں (مرزا صاحب کی فیملی کے افراد) کا راج ہے۔ جماعت عملاً اسلام سے بہت دور جا چکی ہے۔ ہمیں بچپن سے باور کروایا جاتا رہا تھا کہ احمدیت اصل اسلام ہے۔ مرزا صاحب نے اسلام کو پھر سے زندہ کر دیا ہے، یہ ان کا بہت بڑا کمال ہے۔ مگر حیثیت بالکل اس کے برعکس نکلی۔ 1990ء سے 1995ء کے دوران میں جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا اور صحت مند تبدیلیوں کے لیے اپنی توانائی خرچ کرتا رہا۔ میرے ساتھ ملک بشیر احمد ولد فضل احمد بھی تھے۔ ہم دونوں نے اکٹھے مل کر اس مشن کو آگے بڑھایا۔ البتہ میرے بڑے بھائی ظہیر احمد بھی ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ 1993ء تا 1994ء میں نائب امیر جماعت ضلع جہلم بنایا گیا۔ نظارت امور عام، نظارت اصلاح و ارشاد، نظارت بیت المال کے NOC کے بعد لندن سے "خلیفہ وقت" کی طرف سے نائب امیر جماعت ضلع جہلم کے عہدے کے لیے منظوری ہوئی۔

1995ء میں، میں نے صبح خواب دیکھا کہ ہم دو آدمی ایک غیر آباد حویلی میں داخل ہوتے ہیں۔ حویلی میں خود رو جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے اندھیرا سا ہے۔ مجھے آواز آتی ہے تم اس دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ جونہی میں اس دروازے میں داخل ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو ایک بہت ہی اونچے ٹیلے (پہاڑ) پر پاتا ہوں۔ میرے سامنے دور میلوں گہرائی ہے۔ میرے قریب سے لے کر دور حد نگاہ تک تیز رنگوں والے خوبصورت پودوں کی کیاریاں ہیں۔ یہ پھول اور پھلدار درخت باقاعدہ لائنوں میں لگے ہوئے ہیں۔ بائیں سائیڈ سے میرے سامنے ایک سرخ مرچ پیش کی جاتی ہے اور مجھے کہا جاتا ہے کھاؤ۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا کہ یہ کڑوی لگو گی؟ جواب ملا چکھو تو سہی۔ میں نے تھوڑی سی توڑ کے چکھی تو وہ شہد کی طرح میٹھی تھی۔ آواز آئی جہاں کی سرخ مرچ اتنی میٹھی ہے۔ دوسری چیزیں کیسی ہوں گی۔" خواب ختم ہو گیا۔ میری سوچیں شروع ہو گئیں۔ ہم دو دوست مگر اس دروازے میں صرف میں اکیلا جاتا ہوں۔

چند دن کے وقفے سے دوسرا خواب آیا۔

"صبح کے 9 بجے کا وقت ہوگا۔ سورج تیز چمک رہا ہے۔ اس کی تیز سفید روشنی درختوں میں سے چھن چھن کرتی میرے سینے پر پڑ رہی ہے۔ میں ایک بار سورج کی طرف دیکھتا ہوں اور ایک بار سینے پر دیکھتا ہوں۔ وہاں پر پتوں کے سائے حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ میں غور کر رہا ہوں کہ میرے سینے پر اتنی تیز سفید روشنی پڑ رہی ہے۔"

یہ دونوں خوابیں نہ صرف میری زندگی میں تبدیلی کا سبب بنیں بلکہ تقریباً دونوں پوری ہو چکی ہیں۔ دوسری بار بار پوری ہوئی۔ اس لیے 1995ء ہی میں، میں نے فیصلہ کیا کہ جہلم سے گورنمنٹ کالج

گوجر خاں ٹرانسفر کروائی جائے۔ چنانچہ اگست 1995ء کو میں گوجر خاں کالج میں آ گیا اور اکتوبر میں بمعہ فیملی گوجر خاں شفٹ ہو گیا۔

1995ء تا 1999ء میں جماعت احمدیہ کے متعلق کافی غور کیا۔ اس جماعت میں 42 سال کی عمر گزار چکا تھا۔ بچپن (تربیت و تعلیم والی) جوانی (طاقت، جوش، اور عزم والی عمر) اور اب انصار اللہ کی حدود میں داخل ہو رہا تھا (40 سال کی عمر کے بعد احمدی خود بخود انصار اللہ تنظیم میں منتقل ہو جاتا ہے جو بوڑھوں کی تنظیم ہے)

1989ء میں، میں نے اپنے ماموں جو جماعت میں سیکرٹری مال اور گاؤں میں نمبردار تھے، پوچھا کہ جماعت احمدیہ بچوں کے اسلامی نام کیوں نہیں رکھتی؟ وہ میری اس بات سے چونکے، اور حیرانگی سے پوچھا کیسے؟؟ میں نے پوچھا کہ ذرا اردگرد کا جائزہ لے کر بتائیں کہ بچوں میں کسی کا نام محمدؐ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین ہو تو بتاؤ۔ یا بچیوں میں فاطمہ، خدیجہ، آمنہ یا عائشہ نام ہو تو بتاؤ۔ وہ حیران بھی ہوئے اور میری بات کو تسلیم بھی کیا۔ میں نے تجویز کیا کہ آپ اس بات کو آگے چلا کر جماعت کے افراد سے کہیں کہ وہ آئندہ ان ناموں کی طرف توجہ دیں۔ مگر اس طرف پیش رفت نہ ہوئی۔ البتہ 1990ء میں میں نے اپنے بھتیجے کے نام کا بلدیہ میں اندراج کرواتے ہوئے محمد کا اضافہ کرتے ہوئے ”محمد نفیس احمد“ لکھوا دیا۔

میرے دادا اور نانا دونوں مذہبی آدمی تھے۔ نانا اور دادا نے اپنے بچوں کے نام عائشہ، فاطمہ، آمنہ، محمد شریف، محمد ابراہیم، محمد اسماعیل اور محمد سلیم رکھے۔ تمام نام اسلام سے گہری عقیدت کے عکاس ہیں۔ مگر یہ بات 1918ء تا 1930ء کی ہے۔ جس وقت ابھی جماعت احمدیہ اسلام کے نام پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنے 51 سالہ دور میں جماعت کو نہ صرف منظم کیا بلکہ انتہا حد تک متعصب بنا دیا۔ آج پاکستان میں اس سے زیادہ متعصب کوئی اور فرقہ یا مذہب نہیں ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی جماعت کے 30 سال سے کم عمر افراد کے ناموں کا جائزہ لیں تو 98% کے نام محمدؐ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین، فاطمہ، عائشہ، آمنہ، خدیجہ وغیرہ کے علاوہ ہوں گے۔ ہمارے دادا اور نانا کی اولاد نہ صرف پیدائشی احمدی تھی بلکہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی تربیت یافتہ تھی۔ لہٰذا ان کے کسی بچے کا نام درج بالا ناموں سے نہیں ملتا۔ جماعت احمدیہ اسلامی ناموں سے دور جا چکی ہے۔ جب کسی احمدی پر اعتراض ہو تو فوراً کہتا ہے کہ ”احمد“ کا نام بھی تو اسلامی ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے اور بعد میں مرزا بشیر احمد اور مرزا بشیر الدین نے قرآن مجید میں آنے والے لفظ ”احمد“ سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی لیا ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب کا نام خدا نے ”غلام احمد“ رکھایا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کے ذریعہ پہلے ان کو ”غلام“ بنوایا۔ مگر افسوس کہ بعد میں یہ غلام کی چادر پھاڑ کر باہر نکلے اور خود ”احمد“ بننے کے دعویدار ہوئے۔ جماعت بار بار اس بات کا تذکرہ کرتی ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔

کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جو ان پر عمل کرے وہ مسلمان ہے۔ لہٰذا ہم (احمدی) ان پر ایمان رکھتے ہیں، عمل کرتے ہیں، لہٰذا ہم مسلمان۔ ہاں اگر ایک رکن کو نہ مانیں تو ضرور ہم کافر کہلائیں گے۔ مگر یہ فلسفہ تھا مرزا بشیر الدین کا جو انھوں نے تحریک ختم نبوت سے مقابلے کے دوران اپنی تحریر وتقریر میں دینا شروع کیا اور یہ 1934ء سے 1953ء تک رہا۔ مگر 1953ء سے 2000ء تک اگر آئیں تو اب جماعت زکوٰۃ اور حج دونوں ارکان کو چھوڑ چکی ہے۔ زکوٰۃ وہ واحد اسلامی چندہ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں نماز کے ساتھ ساتھ زور دیا گیا ہے۔ مومنوں اور مسلمانوں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

زکوٰۃ سے انکار

آج اگر ایک 40 سالہ احمدی سے پوچھیں کہ آج تک آپ کے پاس کتنی دفعہ جماعتی عہددار چندہ لینے آیا ہے اور کتنی دفعہ زکوٰۃ۔ اس کا جواب ہوگا کہ چندہ تو بے شمار وصول کیا گیا مگر زکوٰۃ ایک بار بھی نہیں۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے 21 سالہ دور کے ایک ہزار خطبوں میں کم از کم 20 خطبے وقف جدید کے چندہ کی اہمیت کے بارے میں، 20 چندہ تحریک جدید، 20 چندہ جلسہ سالانہ، 20 چندہ عام کے بارے میں دیے ہوں گے۔ مگر ایک خطبہ بھی زکوٰۃ کے متعلق نہیں دیا۔ ایک احمدی کی نظر میں کس چندے کی اہمیت ہوگی؟

بینکوں میں زکوٰۃ کے نظام سے احمدی باہر رہتے ہیں۔ وہاں لکھ دیتے ہیں کہ ہم احمدی ہیں، ہماری زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ نظام جماعت میں زکوٰۃ شامل نہیں ہے۔ انفرادی کے ساتھ ساتھ جماعتی سطح پر زکوٰۃ عملاً اور علماً ختم ہو چکی ہے۔

حج سے انکار

پانچ ارکان اسلام میں ایک رکن حج ہے۔ میں جب احمدی تھا تو غیر احمدی ہم پر اعتراض کرتے کہ آپ ربوہ میں حج کرنے جاتے ہیں، اس وقت ان کے اس الزام کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر جب خود غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ کیونکہ قادیان، پھر ربوہ اور اب لندن کے جماعتی جلسہ سالانہ میں احمدی حج سے زیادہ عقیدت کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کے 21 سالہ دور کے ایک ہزار خطبوں میں سے کم از کم 20 خطبے جلسہ سالانہ کی اہمیت، افادیت کے متعلق ہوں گے مگر حج کے متعلق ایک خطبہ بھی نہیں ہے۔ ایک 20 سالہ احمدی نوجوان جلسہ سالانہ کو اہمیت دے گا یا حج کو؟

ایک پاکستانی کے لیے کسی دوسرے ملک کا سفر کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا بھارت کا۔ پھر ایک سرکاری ملازم کے لیے مزید مشکل ہوتا ہے۔ مگر قادیان (بھارت) کے جلسہ کے لیے احمدی افراد (سرکاری ملازم) تمام پابندیاں توڑتے ہوئے بغیر NOC لیے خفیہ طور پر جعلی دستاویزات پر قادیان جلسہ پر جاتے

ہیں۔ ہر قسم کی پابندی ان کو قادیان جانے سے روک نہیں سکتی۔ یہ ہے عقیدت...... مگر جب کسی احمدی سے حج کے متعلق بات کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے حج کرنے پر پابندی ہے۔ یہاں ان کو پابندیاں نظر آتی ہیں۔ حقیقت میں ایک احمدی کی نظر میں حج کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ اگر کوئی احمدی حج کر آئے تو احمدی مولوی (مربی) اسے بے عزت کرے گا کہ تم نے وہاں نمازیں غیر احمدی (غیر مسلم) کے پیچھے پڑھی ہیں (خانہ کعبہ میں پڑھی جانے والی نمازیں) وہ تمہاری نمازیں نہیں ہوئیں۔ دوبارہ پڑھو۔ 1984ء سے ربوہ کا جلسہ لندن میں ہو رہا ہے۔ احمدیوں کی تو لاٹری نکل آئی۔ ایک تو پرانے اور اصلی آقا میسر آ گئے' دوسرے "ولایت" کے ویزے کھل گئے۔ یورپ کی عیش اور انگلینڈ کے مزے لینے کا بہانہ مل گیا۔ "گنجے نوں لت کاری آ گئی" جوق در جوق احمدی یورپ داخل ہونے لگے۔ ویزے لگے۔ لندن گئے۔ واپسی کا راستہ بھول گئے۔ دھڑا دھڑ وہاں سیاسی پناہ لینے لگے تو پابندیاں لگ گئیں۔ انگلینڈ والوں نے کہا "ہتھ ہولا رکھو" جماعت حرکت میں آئی۔ سیاسی پناہ کے لیے دوسرے یورپی ملکوں میں کھپایا جانے لگا۔ صورت حال یہ ہے کہ اگر 100 افراد نے لندن کے جلسہ میں شرکت کی ہے تو ان میں ایک بھی احمدی نے حج نہیں کیا ہوگا۔

1974ء میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں مرزا ناصر احمد اپنے چار دیگر سرکردہ احمدی افراد کے ساتھ شامل ہو کر احمدیت کا موقف پیش کرتے رہے۔ ان پانچ سرکردہ افراد میں مرزا طاہر احمد بھی شامل تھے۔ مرزا طاہر احمد کا شامل ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ پاکستان کے لاکھوں احمدی افراد میں سے یہ پانچ افراد سرکردہ اور راہنما پوزیشن میں تھے۔ یقیناً یہ مذہبی جماعت کے سرکردہ افراد ہونے کی حیثیت سے تقویٰ اور عبادات کے لحاظ سے سب سے آگے تھے۔ 1982ء میں مرزا طاہر احمد کا "خلیفہ" بننا مزید اس بات کا ثبوت تھا کہ جماعت تقویٰ عبادات کے حوالے سے ان کو سب سے آگے سمجھتی ہے۔ 1982ء تک مرزا طاہر احمد نے کتنے حج کیے ہوئے تھے؟

اس کے مقابل پر پاکستان کے کسی غریب علاقے کی عام سی مسجد کے امام کو دیکھ لیں۔ ذرا مالی حیثیت نے اجازت دی۔ فوراً حج کر آئے گا۔ موقع ملتا رہے تو حج پر حج کرتا رہے گا اور بیت اللہ سے عقیدت اور اسلام کے بنیادی ارکان حج پر عملاً ایمان کا مظاہرہ کرتا رہے گا۔

احمدی، حقیقت میں حج سے انکاری ہو چکے ہیں۔ شاید وہ وقت آ چکا ہے کہ ایک 10 یا 15 سالہ احمدی سے حج کے بارے میں پوچھیں تو وہ کہے گا کہ یہ تو مسلمان کرتے ہیں۔ ہم نہیں!! یہ جواب اب دستیاب ہے۔

مذہبی یا مالی تحریک

ایک طرف جماعت اپنی اساس مذہبی عقائد و نظریات پر رکھتی ہے تو دوسری طرف اہمیت اور ترجیح پیسے کو دیتی ہے۔ مذہبی عقیدت و تقویٰ، پرہیز گاری ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ اس کا دلچسپ عملی مظاہرہ

اس وقت سامنے آتا ہے۔ جب امیر جماعت یا کسی عہدہ دار کے انتخاب کا وقت آتا ہے۔

تمام بالغ احمدی افراد کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایسے تمام افراد جن کے ذمہ چھ ماہ سے زائد کا چندہ بقایا ہو' کو مجلس سے اُٹھا کر باہر نکال دیا جاتا ہے۔ وہ نہ ووٹ ڈال سکتے ہیں اور نہ ہی عہدہ دار بن سکتے ہیں۔ ان افراد میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری اور عبادات کے حوالے سے نمونہ ہوتے ہیں۔ مگر مالی کمزوری کی وجہ سے تسلسل کے ساتھ چندہ نہیں دے سکے اور اگر چھ ماہ سے زائد کا چندہ واجب الادا ہو' چاہے وہ ایک روپیہ ہی کیوں نہ ہو' ووٹ اور عہدے کے حق سے محروم کر دیے جائیں گے۔ اس کے مقابل پر ایسے افراد جن کو مذہب کے ساتھ دلچسپی نہیں۔ کبھی کسی جماعتی اجلاس میں شامل نہیں ہوتے۔ عبادات میں شامل نہیں ہوتے۔ مگر سیاسی ذہن رکھنے کی وجہ سے اپنے ذمہ کا دو چار سو چندہ دے کر ووٹ اور عہدے کا حق حاصل کر لیتے ہیں۔

الیکشن کا طریقہ کار بھی دلچسپ ہے۔ بغیر کسی تحریک کے' بغیر کسی پروپیگنڈہ کے، بغیر کسی منشور کے، ایک آدمی کسی دوسرے کا نام اس کی مرضی کے بغیر پیش کرے گا کہ فلاں عہدے کے لیے میں اس کا نام پیش کرتا ہوں۔ ایک اور آدمی اس نامزد فرد کی حمایت کرے گا۔ اس طرح کسی اور کا نام اس عہدے کے لیے پیش ہوگا۔ پھر ان کے درمیان ووٹنگ ہوگی۔ پھر جس کی برادری زیادہ ہوگی۔ جو زیادہ اثر ورسوخ والا یا ڈانگ مار، جاگیردار، سرمایہ دار ہوگا' اس کو ہاتھ اٹھا کر لوگ ووٹ دے دیں گے۔ دیں بھی کیوں نہ، ہر کوئی مقابلے کے لیے تیار تو نہیں ہوتا۔ ہر کوئی ووٹ نہ دے کر ناراضگی مول لے کر سکون سے رہ نہیں سکتا۔ اب جو عہدہ دار چنا گیا ہے۔ اس کی نہ کوئی کوالیفکیشن کی پابندی ہے۔ نہ نماز، روزہ یا عبادات کی پابندی ہے۔ نہ تقویٰ، پرہیزگاری شرط ہے، نہ جماعتی اخلاص اور مذہبی علم اس کے لیے ضروری ہے۔ ایسی صورت میں جو عہدے دار ''وجود'' میں آئے گا، وہ بے پناہ اختیارات کا مالک ہوگا۔ ایک ''مذہبی جماعت'' کا عہدہ دار مکمل طور پر غیر مذہبی سامنے آئے گا۔ اب وہ امیر جماعت ہے تو خدا سے کم پاور نہیں رکھتا۔ کیونکہ جماعتی فلسفہ کے مطابق وہ خلیفہ وقت کا ترجمان ہے اور خلیفہ وقت خدا کا نمائندہ ہے۔ اگر امیر کی بات نہیں مانو گے تو گویا خلیفہ کی بات نہیں مانی۔ اور اگر خلیفہ کی نہیں مانی تو گویا خدا کی بات نہیں مانی۔ اب یہ امیر جماعت خطبہ جمعہ' نمازیں اور دیگر عبادات پڑھانے کا پہلا حقدار ہے جبکہ مربی جو میٹرک کے بعد سات سال تک مذہبی علم حاصل کرتا ہے اور مکمل مولوی، مربی بن کر فیلڈ میں جاتا ہے تو امیر جماعت کو اس کے علم کے اوپر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اب ہر مذہبی بات پہلے امیر کی مانی جائے گی۔ جس کے پاس کوئی مذہبی علم نہیں ہے۔

یہی امیر جماعت جو مکمل طور پر غیر مذہبی لوگ ہوتے ہیں۔ خلیفہ وقت کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان غیر مذہبی لوگوں کے چناؤ سے ایک ''مذہبی شخصیت'' حکمران بنتی ہے۔ ان تقویٰ اور پرہیزگاری سے عاری افراد کے چناؤ سے غیر متقی شخص ہی سامنے آ سکتا ہے۔ گویا مذہب تو سیکنڈری چیز ہوگئی۔ دوسری طرف جماعت کا

تمام نظام چندہ کو جمع کرنے پر لگا ہوا ہے۔ میرے تجربے اور مشاہدے نے ثابت کیا ہے کہ جماعت کو صرف اور صرف چندہ جمع کرنے سے دلچسپی ہے۔

خلاصہ عرض ہے کہ جماعت عملی طور پر اسلام سے دور جا چکی ہے۔ نہ زکوۃ اور نہ حج، نہ اسلامی ناموں سے عقیدت اور نہ ہی اسلامی شخصیات سے لگاؤ۔

احمدی حضرات جماعت احمدیہ کی بنیاد سے قبل گزرے ہوئے اسلامی بزرگوں کو بھی عزت و عقیدت نہیں دیتے۔ عجیب بات ہے کہ برصغیر کے وہ مسلمان بزرگ جنھوں نے اسلام کی تعلیم و تبلیغ میں ساری زندگی گزار دی۔ ایک احمدی ان سے بھی تعصب رکھتا ہے۔ اگر یہ مذہبی جماعت ہو یا اسلامی تو یقیناً گزرے ہوئے مذہبی اور اسلامی بزرگوں کو عزت و عقیدت دے۔ مرزا صاحب نے جب اپنے سلسلہ کا آغاز کیا یا ''آغاز کی تیاری'' شروع کی تو اسلام کا نام استعمال کیا اور کچھ یوں کہا۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

مگر جب رونق لگ گئی اور ایک حلقہ بن گیا۔ جماعت بن گئی۔ امام مہدی اور مسیح موعود کے دعوے پرانے ہوگئے تو آگے بڑھے اور کہا۔

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اور مزید آگے بڑھے اور امتی نبی کا دعویٰ کر دیا۔ اب وہ کافی حد تک ''خود کفیل'' ہو چکے تھے۔ اب حضرت محمدؐ کی چھتری سے باہر نکلنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے شانِ رسول اقدس بیان کرنے کے لیے کوئی نظم یا نعت نہیں لکھی بلکہ نثر میں بھی خاصی کمی آ گئی یا ختم ہو گئی۔ مرزا طاہر احمد ایک شاعر بھی تھے۔ ہر جلسہ پر اپنی ایک دو نظمیں تیار کر کے پڑھواتے۔ مگر اپنی ایک سو سے زائد نظموں میں شاید ایک بھی نعت نہیں ہے۔ اگر ہو تو یقیناً میں اس کا متلاشی ہوں۔ کوئی احمدی مجھے دکھائے۔ جہاں تک جماعت کے عقائد کا تعلق ہے تو میرے احمدیت کے دور میں، میں اکثر یہ سوچتا کہ اگر امام مہدی، مسیح موعود جیسے جماعتی دعوؤں کو احادیث کے حوالے سے پرکھا جائے تو خاصی پوزیشن کمزور نظر آتی ہے کیونکہ درجنوں احادیث امام مہدی اور مسیح موعود (عیسیٰ ابن مریم) کو علیحدہ علیحدہ بیان کر رہی ہیں۔ جبکہ جماعت ایک اکلوتی حدیث پر تکیہ کر کے دونوں کو ایک وجود میں ظاہر کر رہی ہے تاکہ مرزا صاحب کو کسی اور شخص کی اطاعت نہ کرنی پڑے۔

کہتے ہیں ایک بوڑھی عورت کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ کوئی کہتا اسے ہسپتال لے جاؤ۔ کوئی کہتا مرہم پٹی کرو۔ کوئی کہتا اس کے گھر والوں کو خبر کرو۔ کسی دور کھڑے شخص نے کہا

کہ اسے دودھ میں جلیبی ڈال کر دو۔ مائی نے فوراً آنکھیں کھولیں اور کہا سب اپنی اپنی باتیں کر رہے ہو۔ اس دور کھڑے شخص کی بات بھی تو سنو۔

مرزا صاحب نے درجنوں احادیث جو امام مہدی اور عیسیٰ ابن مریم کو دو الگ وجودوں میں پیش کر رہی ہیں، کو چھوڑ کر ”دودھ جلیبی“ والی اکلوتی حدیث کا سہارا لیا۔ اگر اتنی زیادہ صحیح احادیث کی حیثیت نہیں تو ایک کی کیا ہو سکتی ہے؟

کئی درجن احادیث کھل کر اور تفصیل سے ختم نبوت کا مطلب حضور نبی کریمؐ کو آخری نبی ظاہر کر رہی ہیں۔ بلکہ احادیث کا واضح مطلب نبوت کا انقطاع ہے مگر ایک اکلوتی حدیث جس میں حضرت عیسیٰ کو نبی اللہ کہا گیا ہے، اس سے استدلال در استدلال کرتے ہوئے نبوت کے جاری ہونے کا راستہ کھولنے کی کوشش کی۔ حالانکہ واضح طور پر درجنوں احادیث نبوت کو حضرت محمدؐ کی خاتمیت تک محدود کر رہی ہیں۔ صحاح ستہ میں شامل اگر ان درجنوں احادیث سے نبوت بند نہیں ہو رہی تو ایک کمزور حدیث کے استدلال سے کیسے نبوت جاری ہوتی ہے؟

قرآن مجید کی بعض آیات کو احمدی نبوت کے جاری رہنے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر جب نبوت کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ تو مرزا صاحب کو لا کر فوراً بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عجیب ہے جن آیات کے زور پر نبوت کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ مرزا صاحب کو گزار کر کس ”زور“ پر دروازہ بند کر رہے ہیں۔ اب مرزا صاحب کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا امکان کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ اگر پہلے سے موجود احادیث اور قرآن کی آیات دروازہ نبوت بند نہیں کر سکیں تو مرزا صاحب کے آنے کے بعد کس حدیث یا قرآن کی آیت کے زور پر دروازہ بند کیا جا سکتا ہے؟

1995ء سے 1999ء تک میں نے ان باتوں پر غور کیا۔ پھر اپنے ماضی پر غور کیا تو عجیب شرمندگی سی ہوئی کہ میں نے اپنا بچپن اور جوانی کا سنہری دور سارا جماعتی کاموں اور سرگرمیوں میں ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ ایم ایس سی کے دوران پڑھائی پر لگایا جانے والا وقت جماعتی کاموں میں لگاتا رہا۔ آج مجھے کسی بھی نوکری یا مقابلے میں ایم ایس سی کے نمبر یا ڈویژن کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ جماعتی کریڈٹ تو کہیں شامل نہیں ہے۔ یہ سب کچھ پیدائشی احمدی ہونے کی وجہ سے ہوا۔ یعنی جیسی تربیت بچپن میں ہوئی اس لائن کو اپنایا۔ یہ تو خود احمدی جماعت کے سرکردہ افراد کا مجھ پر احسان ہے کہ انھوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔

مرزا صاحب کا شعر ہے۔

کیڑا جو دب رہا ہے گوبری تہہ کے نیچے
اس کے گماں میں اس کا ارض و سما یہی ہے

یہ شعر جماعت احمدیہ کے تمام افرد پر فٹ آتا ہے۔ یہ جماعت اب اسلام سے ناطہ توڑ کر تمام

اسلامی فرقوں سے بغض و عناد رکھتے ہوئے، پاکستان سے نفرت رکھتے ہوئے اور پاکستان میں رہتے ہوئے بھی غیروں کے ہمدرد ہوتے ہوئے اس شعر کے بہترین مصداق بن رہے ہیں۔

امام مہدی کا نزول اور غلبہ اسلام

اس جماعت کو وجود میں آئے ایک سو 14 سال ہو چکے ہیں مگر ابھی تک برصغیر پاک و ہند میں جہاں ان کے دو مراکز ہیں۔ جہاں ان کے چار "خلیفہ" رہے ہیں۔ جہاں ان کا آغاز اور بنیاد وابستہ ہے۔ یہاں ایک سو تیس کروڑ کی آبادی میں سے صرف تین چار لاکھ افراد احمدی ہو سکے ہیں۔ (یہ تعداد، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کو ملا کر بنتی ہے) یہ تعداد اتنی کم ہے جو بتانے کے قابل نہیں ہے۔

کیا یہ وہی امام مہدی، مسیح موعود، مجدد اور عیسیٰ ابن مریم ہے جس کے آنے سے اسلام نے غالب آنا تھا۔ جس کے انتظار میں نسلیں گزر گئیں۔ وہ کیا آیا کہ کانوں کان دنیا کو خبر نہ ہوئی۔ وہ ساری زندگی اخبارات کتابوں کے ذریعہ تمام تر کوششوں کے باوجود دنیا کو اپنا تعارف نہ کروا سکے۔ نہ کوئی انقلاب آیا نہ اسلام غالب آیا بلکہ چھ ارب کی آبادی میں سے ان کی زندگی میں ایک لاکھ بھی ان پر ایمان نہ لا سکا۔ یہ اس طرح ہے کہ ساٹھ ہزار کی آبادی میں سے صرف ایک آدمی بات مانے۔ اس مدعی کو کون سچا مانے گا یا اسے کون انقلاب سمجھے گا؟

مرزا صاحب اپنی ناقدری اور نامقبولیت سے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر گئے۔ پھر ان کے جانشینوں کے 90 سال بھی ان کی پہچان نہ کروا سکے۔ یہاں تک کہ ڈش انٹینا، سٹیلائیٹ، ٹی وی، ٹیلی فون اور دیگر ذرائع ابلاغ کے استعمال کے باوجود چھ ارب کی آبادی میں سے یعنی ساٹھ ہزار لاکھ میں سے پانچ لاکھ سے زائد نہ ہو سکے۔ ان میں سے بھی اکثریت پیدائشی احمدی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دنیا ان کو قبول نہیں کر رہی بلکہ نسل در نسل بات آگے چل رہی ہے جو مان چکے، ان کی اولاد پیدائشی احمدی ہونے کی وجہ سے اپنے باپ دادا کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کو ماننے والوں کی 99% تعداد مسلمانوں سے آئی ہے۔ گویا اسلام کو غالب کرنے والا دعویٰ قطعاً غلط ہو گیا۔ یہ بات تو تب بنتی اگر مرزا صاحب کے آنے سے غیر مسلم اسلام میں داخل ہوتے اور یوں اسلام ترقی کرتا اور چانس پیدا ہوتا کہ ان کے آنے سے اسلام غالب آ سکتا ہے جبکہ یہاں مسلمانوں کی ایک تعداد کو اسلامی قافلے سے نکال کر اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔ مرزا طاہر احمد نے گھبرا کر اس کمی کو پورا کرنے کے لیے 1982ء میں تبلیغ کے ہنگامی پروگرام بنائے۔ احمدیوں میں تبلیغ کا جنون پیدا کیا گیا مگر نتیجہ صفر نکلا۔ 1984ء میں لندن جانے کے بعد تبلیغ پر مزید زور دینا شروع کیا۔ دس سالہ کوششوں کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی وجہ سے گھبرا کر مرزا صاحب نے "کاغذی اور اعداد و شماری تبلیغ" شروع کی۔ 1993ء سے ہر سال ڈبل کا اعلان کیا جانے لگا۔ دو لاکھ سے چلنے والی سکیم 8 کروڑ تک پہنچ گئی اس دوران میں نے اس کی ساری حیثیت کھول دی کیونکہ میں خود اس نیٹ ورک کا حصہ

تھا۔ میرا مضمون اخبارات کے علاوہ انٹرنیٹ پر گیا تو مرزا طاہر احمد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے سخت برا بھلا کہا۔ مگر یہ مضمون اثر کر گیا۔ اگلے سال 16 کروڑ کا اعلان کرنے کی بجائے صرف 2 کروڑ کا اعلان ہوا۔ اگلے سال 2003ء میں 32 کروڑ کا اعلان کرنے کی بجائے صرف آٹھ لاکھ کا اعلان ہوا۔ ان شاء اللہ آئندہ اس سکیم کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یا پھر 2 یا 3 لاکھ کا اعلان کیا جائے گا اور جماعت کو باور کرایا جائے گا کہ اب کافی نئے احمدی ہو چکے ہیں اب ان کی تربیت کی ضرورت ہے، جبکہ حقیقت بات یہ ہے کہ نہ پاکستان میں نئے احمدی ہوئے ہیں نہ انگلینڈ میں، نہ کینیڈا میں اور نہ جرمنی میں اور نہ ہی انڈیا میں۔

جماعت کی اس موجودہ حالت، اسلام سے بیزاری، ارکان اسلام سے دوری، جماعتی سطح پر جھوٹا پروگرام اور نظام جماعت کی ابتری نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔ تب میری سوچیں مرزا صاحب کے دعاوی تک پہنچیں۔ پورا منظر (ایک سو سالہ) نظروں میں گھوم گیا۔ 1995ء تا 1999ء تک غور و خوض کے بعد احمدیت کو خیر باد کہہ کر 27 رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک 15 جنوری 1999ء کو اپنے بھائی، والد محترم، کزن سمیت 13 افراد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ الحمدللہ

* * *

شیخ راحیل احمد۔ جرمنی

کفر کے اندھیاروں سے اسلام کی نورانی بہاروں تک

شیخ راحیل احمد صاحب، پیدائشی احمدی تھے، جرمنی میں ایک لمبے عرصے سے رہائش پذیر ہیں۔ ایک ہنس مکھ، صحیح موقف پر ڈٹ جانے والے اور سچائی کی خاطر کسی بھی نقصان کی پرواہ نہ کرنے والے، منافقت سے پاک، نہایت زندہ دل، جرأت مند، مہمان نواز اور کھری بات کرنے والے شخص ہیں اور شاید انہی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو قادیانیت کی ظلمت سے نکال کر اسلام کی روشنی بخشی ہے۔ اپنے اہل خانہ کے لیے مشفق والد اور اچھے شوہر ہیں، مطالعہ کے بے حد شوقین، ان کی ذاتی لائبریری میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ کتب ہیں، حق کو پہچاننے کے بعد 23 اگست 2003ء کو ان کا جماعت احمدیہ کو چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں سمیت اسلام قبول کرنے کا اعلان جرمنی کی قادیانی جماعت کے لیے ایک اچانک دھماکے کی طرح تھا اور اس کے اثرات قادیانیوں میں بڑی دور تک محسوس کیے گئے۔ آیئے! ان سے اپنے قبول اسلام کی ایمان پرور روداد سنتے ہیں۔

میں قادیان میں 1947ء کے آخر میں احمدیوں کے گھر میں پیدا ہوا، اس کے بعد جب سے ربوہ (اب چناب نگر) آباد ہوا ہے، اس وقت سے مستقل رہائش وہیں رہی ہے اور میرا ایک ذاتی مکان بھی وہاں ہے۔ وہیں میں سکول میں گیا اور میٹرک ربوہ سے ہی کیا۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال تک ملتان میں رہا پھر 1964 سے 1980 تک کراچی میں رہا اور وہیں پرائیویٹ بی اے کیا۔ میری دادی جان کے والد شیخ اصغر علی صاحب بھنڈاری، مرزا صاحب کے "صحابی" تھے اور میری دادی جان 1900ء میں پیدا ہوئی تھیں اور پیدائشی احمدی تھیں، لیکن میرے دادا جان نے تقریباً 1913ء میں بیعت کی تھی۔ وہ 1930ء میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد میری دادی جان بجائے گوجرانوالہ اپنے سسرال میں جانے کے، اپنے والد کی ہدایت پر بچوں کو لے کر قادیان میں رہائش پذیر ہو گئیں جس وجہ سے میرے والد اور تایا کا پھر آگے ہمارا بھی اصل خاندان سے تعلق منقطع ہو گیا ہاں البتہ میرے پردادا شیخ نذر محمد صاحب تھانیدار، ساکن گلی شیخ جھنڈو، گوجرانوالہ اور ان کی باقی اولاد میں سے کوئی احمدی نہیں ہوا۔ میرے والد اور تایا اپنے مرنے تک مخلص احمدی رہے، دراصل ان کی تربیت بچپن ہی سے قادیان میں ہوئی۔ لیکن یہ ہدایت خدا نے میرے نصیب میں لکھی

تھی کہ باوجود ربوہ کے کے ماحول میں پڑھنے کے اللہ مجھے واپس اسلام میں لے آیا۔ **وما توفیقی الا باللہ العظیم۔**

میری اہلیہ کنجاہ ضلع گجرات کی رہنے والی ہیں (ویسے کنجاہ میں آٹھ دس گھر قادیانی تھے، ان میں اب شاید ایک گھر ہی قادیانی رہ گیا ہے اور باقی سب قادیانیت کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں پناہ گزیں ہو چکے ہیں) اور ان کے دادا اور نانا بھی مرزا صاحب کے ''صحابی'' تھے۔ یہ جماعت کے ایک بہت بڑے عالم مولوی محمد صادق سماٹری صاحب کی قریبی رشتہ دار ہیں جو کہ چالیس سال سے زیادہ انڈونیشیا، سماٹرا، اور سنگاپور وغیرہ میں قادیانیت کے مبلغ رہے اور مشہور ومعروف کتاب ''حقانیت احمدیت'' کے مصنف ہیں، اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ شخص جو 40 سال سے زیادہ عرصہ تک دوسروں کو قادیانی بناتا رہا، اس کا اپنا ایک بیٹا جو کہ جرمنی میں رہائش پذیر ہے، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قادیانیت پر لعنت بھیج کر مسلمان ہو چکا ہے اور بڑی شد ومد سے قادیانیت کی بیخ کنی کا کام کر رہا ہے، اور سب سے بڑا بیٹا رشید سماٹری کراچی اور صوبہ سندھ کا انصار اللہ کا اعلیٰ عہدیدار ہے، اس کی بھی ایک بیٹی قادیانیت سے تائب ہو چکی ہے، نیز رشید سماٹری کی ایک، بہن ثریا زوجہ احسان نور (ولد عبدالرحمٰن انور سابق پرائیویٹ سیکرٹری قادیانی خلیفہ سوم) کا بیٹا جو پاشا کے نام سے مشہور ہے اور اسلام آباد میں رہتا ہے بھی مسلمان ہو چکا ہے اور مسلم فیملی میں شادی شدہ ہے۔ اور انہی مولوی صاحب کی بیٹی صادقہ زوجہ محمد عقیل کا بیٹا ارشد جمیل بددیانتی کے جرم میں پی ڈبلیو ڈی سے ایکسین کے عہدے سے برطرف کیا گیا ہے اور نیب کو سات لاکھ روپیہ ادا کر کے گلوخلاصی کرائی ہے، حالانکہ قادیانی اپنے افسروں کی دیانت داری کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اب واپس ربوہ کی زندگی کی طرف چلتے ہیں۔

شروع میں ربوہ میں لوگوں کے ساتھ جو ناانصافیاں دیکھتے تھے، ان کی کوئی مطمئن کرنے والی وضاحت بہت ہی کم سامنے آئی بلکہ ان کو دین اور قسمت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرنا پڑتا تھا۔ وہاں مذہبی جاگیرداروں کی گرفت بڑی مکمل تھی۔ انٹرنیٹ پر ایک ویب سائٹ **www.ahmedi.org** پر راز دان کے نام سے ربوہ کے ایک سابق باسی نے ''یادیں ربوہ کی'' کے نام سے جو چند حقائق لکھے ہیں، ان کو پڑھنے سے ہی ایک انسان اس ماحول کا بہت کچھ اندازہ کر سکتا ہے، ویسے تو اس سائٹ پر مرزا خاندان کے بارے میں بہت حقائق لکھے ہیں جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور قادیانیوں کا منہ بند کرنے کا تیر بہدف نسخہ ہیں۔ شروع میں ناانصافیوں اور شہزادوں کی بدمعاشیوں پر جماعت احمدیہ کے سسٹم پر اعتراضات پیدا ہوئے، لیکن ربوہ میں تربیت ایسی ہوئی تھی کہ ان اعتراضات کو اول تو اٹھانے کی جرأت ہی نہیں ہوتی تھی اور اگر کبھی ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کر ہی دی تو تاویلات ایسی کہ منہ بند کرنا پڑتا تھا۔ ایک بات ربوہ میں تقریبا ہر مقرر کہتا کہ منافقوں سے ہوشیار رہو، اور یہ ایک ایسی بات تھی جس کی آڑ میں جو بھی بات کرنے لگتا منافق کا لیبل لگا دیتے اور لوگ ڈر جاتے، کھل کر بات نہ کرتے۔ ایک مقولہ ہے کہ ''درخت اپنے پھل سے

پہچانا جاتا ہے” ان اختلافات پر ذمہ داران کے جوابات ورویہ نے کچھ سوچنے اور تجزیہ کرنے کی طرف توجہ دلائی، اس توجہ سے مرزا صاحب اور ان کے بیٹوں کی کتابوں اور دوسری طرف کئی پڑھے لکھے لوگوں، مربیوں سے گفتگو کی لمبی نشستیں ہوتی رہیں، اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات اور عقائد کے ساتھ موازنہ کرنے کا موقع ملا، جس پر آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سسٹم ہی نہیں بلکہ بانی جماعت کے دعوئ جات اور تعلیمات ہی غلط ہیں۔ مجھے پچھلے دنوں ایک قادیانی مربی صاحب کا جن سے اچھی علیک سلیک تھی‘ فون آیا، کہنے لگے کہ مجھے آخری ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ بات دور جا پہنچی ہے لیکن اتنی دور کا اندازہ نہیں تھا، کیا واپسی کی کوئی گنجائش ہے؟ صرف سسٹم سے یا نظام جماعت سے اختلاف ہوتا تو میں یقیناً اس کا کوئی رستہ ڈھونڈ لیتا، اور نظام کے اندر رہ کر ان سے لڑتا، جیسا کہ اکثر میں نے کیا تھا۔ مجھے تفصیلی مطالعہ اور تقابل کے بعد جب اس چیز کا ادراک ہوا کہ مرزا صاحب کی تعلیم، اسلام نہیں بلکہ اسلام کے درخت پر آکاس بیل ہے تو پھر بحیثیت باضمیر شخص کے میرے لیے اس جماعت کے اندر رہنا ناممکن تھا۔

میں اب سکول ٹائم کی طرف جاتا ہوں، وہاں ہمارے دماغ میں ڈالا جاتا تھا کہ تم لوگ بہتر ہو، دوسروں سے افضل ہو اس لیے کہ مہدی الزمان کے ماننے والے ہو وغیرہ وغیرہ، مگر تمہاری فضیلت صرف مسیح موعود کی غلامی، دوسرے لفظوں میں خاندان مرزا غلام احمد کی اطاعت سے ہی رہے گی اور اس غلامی کی وجہ سے تم دنیا کے رہنما ہو ورنہ تمہاری حیثیت اور حالت غیر احمدیوں سے بدتر ہو گی۔ آپ کسی بھی قادیانی کا نفسیاتی تجزیہ کر لیں آپ کو مرزا غلام احمد قادیانی والا خبط عظمت کا کچھ نہ کچھ اثر ملے گا، برین واشنگ کے لیے جدید ترین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ آپ کے کانوں میں مرزا صاحب اور ان کے خلیفوں (بیٹوں) کی کوئی بات اس طرح کان میں نہ پڑے کہ ان کی عظمت، بڑائی اور آپ کی دینی و دنیاوی زندگی کی بقاء کے لیے ان کی اہمیت ثابت نہ ہو۔ جماعت میں جھوٹ، منافقت، دوہرا معیار، مذہبی جاگیرداری اور ربوہ کے باسیوں پر ہر وقت نہ نظر آنے والا دباؤ اور اکثر کوئی نہ کوئی نئی کہانی (سکینڈلز) سامنے آنا، جیسی باتیں مجھے غیر محسوس طریقے سے ان کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتی رہیں۔ مربیان کا کردار بھی منافقت میں (منافقت کرنے پر بیچارے کچھ مجبور بھی ہیں) ایک سے بڑھ کر ایک ہے، میں نے ایک بار ایک میٹنگ میں ایک عمومی خامی کی طرف توجہ دلائی تو وہاں ایک مربی صاحب نے کھڑے ہو کر اس کی تردید کر دی، جس پر سب حاضرین مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، تھوڑی دیر بعد علیحدگی میں کہنے لگے کہ اس طرح جلسے میں کمزوری‘ چاہے اجتماعی ہو یا انفرادی تسلیم نہیں کرنی چاہیے، کیا یہ منافقت نہیں؟ مربیان کی بات چلی تو ایک مربی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے‘ ایک اور دوست بھی تشریف لے آئے، وہ بھی بے تکلفوں میں سے تھے، باتوں باتوں میں مربی صاحب نے ایک صاحب کا ذکر کیا کہ وہ اغلام بازی میں اساتذہ کو بھی مات دے رہے تھے، اور غلطی سے ایک اہم شخصیت کے صاحبزادہ کو بھی اس راہ

پر لگا دیا، اور بات باہر بھی نکل گئی تو ان کو جامعہ احمدیہ (مبلغین تیار کرنے والا ادارہ) سے نکال دیا گیا، اس کے علاوہ اور بھی باتیں ان کے بارے میں ہوئیں، اب سوئے اتفاق سے وہ صاحب بھی تشریف لے آئے، مربی صاحب نے اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا، اور اسی لمحہ ان کو انتہائی مخلص ثابت کرنے لگ پڑے، اور وہ صاحب اس کے باوجود جرمنی میں جماعت کے قاضی رہے اور ایک بہت بڑے ریجن کے زعیم اعلیٰ انصار اللہ رہے ہیں۔ میرا مختصر سوال یہ ہے کہ کیا یہ منافقت نہیں تھی؟ جب احمدی حج پر جاتے ہیں تو وہ بندوں سے، اپنے آپ سے اور خدا سے بھی منافقت سے کام لیتے ہیں۔ سب سے پہلے مسلمان کا پاسپورٹ لینے کے لیے وہ مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، پھر ان کو اپنے اہل خانہ کو، پھر اپنے آپ کو اپنے عقیدے کے برعکس کافر لکھتے ہیں۔ جب وہاں پہنچتے ہیں تو واضح اسلامی احکام ہیں کہ ایک امام کے پیچھے سب نماز پڑھو مگر احمدی حضرات اول تو امام خانہ کعبہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، لیکن اگر پڑھنی پڑ جائے تو پھر خیمے میں آ کر دوبارہ پڑھتے ہیں، اگر صرف امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور علیحدہ نہیں پڑھتے تو پھر مسیح موعود کے فتوے کا کیا بنے گا کہ جو ان کا انکار کرتا ہے اور کافر جانتا ہے' اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں، ورنہ وہ احمدی نہیں رہتا؟ اور پھر خدا کے بھی اور اپنے ''مسیح موعود'' کے احکام کو پس پشت ڈال کر کیا ان کو یقین ہے کہ ان کا حج قبول ہوگا، پھر ان پر یہ کہ واپس آ کر اپنے احمدیوں کو کہنا کہ میں نے خیمے میں اکیلے نماز پڑھی تھی یا ہم احمدیوں نے اپنی جماعت کر لی تھی، لیکن غیر از جماعت لوگوں کو کہنا کہ میں نے امام کعبہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، کیا ان میں سے ایک جھوٹ نہیں؟ کیا یہ منافقت نہیں؟ پھر جماعت کے بہت سارے افراد جن میں بعض اہم عہدے دار بھی شامل ہیں اپنی پوری آمدن چھپاتے ہیں اور جماعت سے جھوٹ بول کر زیادہ چندہ دینے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہی عہدے دار اسی منہ سے جماعت کو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اپنی پوری آمدن پر چندہ دو، خدا تعالےٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اپنی آمدنیاں چھپا کر جھوٹ بول کر نیکیوں کو ختم نہ کرو۔ پاکستان میں، احمدی ہونے کی وجہ سے، جو لوگ مسلسل مالی، جانی، عزت، وقار اور اولاد کی قربانیاں دے رہے ہیں پچھلے سو سالوں میں بالعموم، لیکن پچھلے تیس سالوں میں بالخصوص، ان کو کب تک جھوٹی تسلیاں دے کر بہلایا جائے گا، کہ ''ہم آن ملیں گے متوا تو بس دیر ہے کل یا پرسوں کی'' دوسرے لفظوں میں چڑھ جا بیٹا سولی پر رام بھلی کرے گا۔ آخر یہ ان کو سچ کیوں نہیں کہتے، کہ اگر خوش قسمت ہو تو اللہ سے ہی اجر ملے گا، ہم تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہی پاکستان دوبارہ کبھی بین الاقوامی مرکز بنے گا؟ خیر یہ تو عام سی باتیں تھیں، اصل میں اول اول مجھے مرزا صاحب کے الہامات یا کم از کم ان کی تشریحات سے جہاں سوالات اور عدم اطمینان کا احساس پیدا ہوا وہ ''پیشگوئی مصلح موعود'' اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو ''تین کو چار کرنے والا'' قرار دینے پر اور مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کا ''قمر الانبیاء'' کا خطاب تھے۔ میں ان کے جوابات پر کبھی بھی مطمئن نہیں ہو سکا۔ لیکن چونکہ ربوہ (چناب نگر) میں سدھایا گیا تھا اس

لیے یہ سوالات مجھے نا آسودہ ہونے کے باوجود جماعت سے پرے نہیں کر سکے، کیونکہ جب کبھی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی تو جیسا سکھایا گیا تھا کہ ضروری تو نہیں کہ ہر بات سمجھ میں آ جائے' کے الفاظ سے اپنے کو تسلی دینے کی کوشش کرتا۔

مصلح موعود

تمام پیشگوئیاں جو اس سلسلے میں مرزا صاحب نے کیں، میں اس جگہ نہ تو تفصیل میں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اتنا موقع ہے، میرا سوال بڑا سادہ تھا اور ہے!

مصلح موعود کی پیشگوئی پر دونوں فریقین (قادیانی یا ربوی اور لاہوری) کی طرف سے بہت بحث ہوئی ہے۔ میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے جس کو نہ تو وقت ہے، اور الفاظ سے الجھنے کی ضرورت ہے، صرف ایک سادہ سا سوال اٹھانا چاہتا ہوں کہ، مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ مسیح موعود کا ہے، اور ان کا کام بھی دین کی اصلاح کرنا تھا، یعنی وہ بھی مصلح تھے۔ ان کے اپنے دعووں کے مطابق وہ (1) مجدد تھے۔ (2) مثیل مسیح تھے۔ (3) بروز محمدؐ تھے۔ (4) جری اللہ فی حلل الانبیاء تھے (5) رسول اکرم ﷺ سورج اور مرزا صاحب چاند تھے (6) مہدی موعود تھے۔ (7) کبھی ابراہیم کبھی نوح۔ (8) خاتم الخلفاء تھے۔ (9) کرشن مہاراج تھے۔ (10) بیت اللہ تھے۔ (11) بلکہ محمد ﷺ سے بڑھ کر تھے۔ اسی (80) سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ اور اگر مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھیں تو یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کی شخصیت ہی وہ شخصیت ہے جس میں 5000 سال سے لے کر رسول کریم ﷺ تک اور ان کے بعد تقریبا تمام مجدّدین کرام، اولیاء کرام خبر دے گئے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ کتنی عظیم الشان شخصیت تھی مرزا صاحب کہ جس کے بارے میں بقول ان کے خدا کی تمام پاک کتابوں میں ذکر موجود ہے؟ اور کتنا عظیم الشان کام ہوگا اس شخصیت کا؟ اور یہ شخصیت اپنے حصہ کی ذمہ داری پوری کر کے، مئی 1908ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملی، لیکن یہ کیا ہوا؟ کہ اس عظیم الشان شخص کا عظیم الشان کام جو ایک لمبے عرصہ تک چلنا چاہیے تھا وہ اتنا بودا اور ناپائیدار نکلتا ہے کہ سات سال کے بعد ہی اللہ کو ایک نیا مصلح موعود بھیجنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اگر مرزا محمود صاحب پسر موعود کا دعوی کرتے تو شاید اتنا غلط نہ ہوتا لیکن مرزا محمود صاحب کا دعوی مصلح موعود کا ہے اور بقول ان کے الہامی ہے؟ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ واقعی کسی مصلح موعود کی ضرورت تھی؟ کہیں سیاسی اغراض کے تحت تو اپنے اوپر یہ الہام فٹ نہیں کیا کیونکہ اس سے کچھ عرصہ قبل تک مسلسل وقفے وقفے سے ان کے قریبی ساتھیوں کی طرف سے ان پر بدکاری اور زنا کے الزام لگتے رہے اور لوگ الزام لگا کر ان کو اور جماعت کو بھی چھوڑتے رہے؟

تین کو چار کرنے والا

مسیح موعود اس الہام کی کیا تشریح کرتے ہیں، "بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی کیسا اخفاء ہوتا ہے۔ پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ مگر ہمارے موجود سارے لڑکے ہی کسی نہ کسی طرح تین کو چار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میاں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کو تو حضرت صاحب نے اس طرح تین کو چار کرنے والا قرار دیا کہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کو بھی شمار کر لیا، اور بشیر اول متوفی کو بھی۔ تمہیں (یعنی خاکسار راقم الحروف کو) اس طرح پر کہ صرف زندہ لڑکے شمار کر لیے اور بشیر اول متوفی کو چھوڑ دیا۔ شریف احمد کو اس طرح پر قرار دیا کہ اپنی پہلی بیوی کے لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد چھوڑ دیے اور میرے سارے لڑکے زندہ اور متوفی شمار کر لیے، اور مبارک کو اس طرح پر کہ میرے صرف زندہ لڑکے شمار کر لیے اور بشیر اولی متوفی کو چھوڑ دیا۔

(روایت نمبر 92، سیرت المہدی جلد اول، صفحہ 73)

اب بتائیے کہ اس میں صرف مرزا محمود صاحب کی فضیلت کہاں نکلتی ہے، ان کے تو دوسری بیوی یعنی کہ اماں جان کے تو سارے بیٹے ہی تین کو چار کرنے والے ہیں.......... ایک اور جگہ مسیح موعود فرماتے ہیں کہ ”1883ء میں مجھ کو الہام ہوا کہ تین کو چار کرنے والا مبارک۔ اور وہ الہام قبل از وقت بذریعہ اشتہار شائع کیا گیا تھا اور اس کی نسبت تفہیم یہ تھی کہ اللہ تعالے اس دوسری بیوی سے چار لڑکے مجھے دے گا اور چوتھے کا نام مبارک ہوگا اور اس الہام کے وقت منجملہ ان چاروں کے ایک لڑکا بھی اس نکاح سے موجود نہ تھا اور اب چاروں لڑکے بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں...... (نزول المسیح صفحہ 574، روحانی خزائن جلد 18، شائع کردہ ایڈیشنل ناظر اشاعت، 20 نومبر 1984ء).......... اب بتائیں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اس میں کہاں فٹ بیٹھتے ہیں؟ یا کم از کم اکیلے ان پر یہ پیشگوئی کیسے لاگو ہوتی ہے؟.......... ہاں ایک رنگ میں تین کو چار کرنے میں اپنے کو پیشگوئیوں کا مصداق قرار دے سکتے ہیں، کہ یہ بیویوں کی تعداد کو ”تین کو چار کرتے رہے ہیں اور بار بار کرتے رہے ہیں۔“

جماعت کا چندہ سسٹم

یہ صحیح ہے کہ کسی بھی تنظیم کو چلانے کے لیے چندہ ضروری ہے، اور جماعت احمدیہ میں چندہ جات کو جو اہمیت ہے، وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، مرزا صاحب سے لے کر تمام خلفاء نے چندوں پر ہی زور دیا ہے۔ لیکن خلیفہ ثانی کے دور سے جماعت نے جس طرح عام احمدیوں کے جذبات کو ابھار کر، مجبور کر کے، بلیک میل کر کے مذہب کے نام پر لوٹا جا رہا ہے اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مرزا محمود صاحب کے دور میں ایک بار خواجہ حسن نظامی صاحب نے قادیان کو اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی صاحب کی دعوت پر وزٹ کیا۔ اس کے بعد اپنے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں:
”ہم نے قادیان میں امور عامہ کا معائنہ کیا، نشر و اشاعت اور تحریک جدید کے دفاتر دیکھے، غرض بہشتی مقبرہ

پہنچے تو اسے سبزہ ورستہ کے اعتبار سے واقعی جنت معنوی پایا، لیکن ایک بات بڑی حیران کن تھی کہ اس کے تمام درختوں اور پیڑوں پر قطار اندر قطار بیٹھے ہوئے پرندے ایک ہی راگ الاپ رہے تھے چندہ۔ چندہ۔ چندہ! اس بات کو لکھے ہوئے بھی ساٹھ ستر سال گزر چکے ہیں، اس کے بعد سے مرزا محمود صاحب اور ان کے بیٹوں کے ادوار میں تو اس سے کہیں زیادہ غریب احمدیوں کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ اور اب تو ان کی ہڈیاں بھی چوسی جا رہی ہیں۔ ہر شخص اس بوجھ تلے کراہ رہا ہے، مگر سسٹم اور ماحول ایسا بنا دیا گیا ہے کہ کوئی بول نہیں سکتا، مرزا صاحب اپنی زندگی میں ہی اس چندہ سسٹم کی بڑی گہری بنیادیں رکھ دی تھیں اور پہلے خلیفہ کو چونکہ اتنی ذاتی دلچسپی نہیں تھی اس لیے معاملہ کچھ حد میں رہا مگر جب گدی مرزا صاحب کے بیٹوں اور پوتوں کے قبضے میں آئی تو آہستہ آہستہ شکنجہ سخت کرتے گئے اور مرید غریب ہوتے جا رہے ہیں لیکن پیر اربوں کی جائیدادوں کے مالک بن چکے ہیں اور مزید بن رہے ہیں۔ اب جب سے مرزا مسرور صاحب نے اقتدار سنبھالا ہے، ان کا بھی مطالبہ جماعت سے مزید قربانیوں کا ہے، اور سنا ہے کہ اب چندوں کے بقایا جات کی بڑی سختی سے پڑتال اور وصولی کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ اب نویں نکور خلیفہ صاحب بھی اپنے پیشرو خلفاء کی ریت پر عمل کرتے ہوئے نئی تحریک "طاہر فاؤنڈیشن" جماعت کو پیش کر دی ہے! ویسے میں نے حتی الامکان موجودہ چندوں کی مکمل فہرست پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی کمی رہ گئی ہو تو توجہ دلانے والے کا مشکور ہوں گا۔ 1- چندہ عام۔ ہر شخص کی آمد کا سولہواں حصہ (لازمی)۔ 2- چندہ وصیت۔ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کے خواہش مندوں کی آمد کا اور کل جائیداد کا دسواں حصہ۔ 3- چندہ جلسہ سالانہ۔ 4- چندہ تحریک جدید۔ 5- چندہ وقف جدید۔ 6- چندہ انصار اللہ۔ آمد کا سوواں حصہ (لازمی)۔ 7- چندہ اشاعت انصار اللہ (لازمی)۔ 8- چندہ سالانہ اجتماع انصار اللہ (لازمی) 9- چندہ خدام الاحمدیہ (لازمی) 10- چندہ سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ (لازمی) 11- چندہ اشاعت خدام الاحمدیہ (لازمی) 12- چندہ اطفال الاحمدیہ (لازمی) 13- چندہ سالانہ اجتماع اطفال الاحمدیہ (لازمی) 14- چندہ اشاعت اطفال الاحمدیہ (لازمی) 15- چندہ لجنہ اماء اللہ (لازمی) 16- چندہ سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ (لازمی) 17- چندہ اشاعت لجنہ اماء اللہ (لازمی) 18- چندہ ناصرات الاحمدیہ (لازمی) 19- چندہ سالانہ اجتماع ناصرات الاحمدیہ (لازمی) 20- چندہ اشاعت ناصرات الاحمدیہ (لازمی) 21- چندہ مساجد بیرون ملک۔ 22- چندہ مساجد اندرون ملک۔ 23- ایم ٹی اے (نیم لازمی) 24- صدقہ۔ 25- زکوٰۃ۔ 26- بیوت الحمد۔ 27- درویش قادیان فنڈ۔ 28- افریقہ فنڈ۔ 29- یتامیٰ فنڈ۔ 30- غربا فنڈ۔ 31- نصرت جہاں فنڈ۔ 32- فضل عمر فاؤنڈیشن فنڈ۔ 33- مریم جہیز فنڈ۔ 34- طلباء فنڈ۔ 35- بیوگان فنڈ۔ 36- سو مساجد جرمنی فنڈ۔ 37- سو مساجد افریقہ فنڈ۔ 38- عید فنڈ۔ (یہ فطرانہ کے علاوہ ہے، جو عید کی نماز سے پہلے یا بعد وصول کیا جاتا ہے) 39- فطرانہ۔ 40- عطیہ جات برائے ہیومینٹی فرسٹ (ضروری نوٹ۔ ہیومینٹی فرسٹ کی تنظیم بظاہر انسانی

ہمدردی کی تنظیم ہے، لیکن حقیقت میں شعبہ تبلیغ کا ذیلی ادارہ ہے اور جہاں تبلیغ کے چانس ہوں وہیں ان کی انسانی ہمدردی جاگتی ہے) 41- ہر دوسرے تیسرے سال نئی دیگوں کی تحریک، جیسے 2-3 سال قبل پانچ سو دیگوں کی تحریک۔ 42- خاص تحریکات مثال کے طور پر لندن میں نئے مرکز کے لیے پانچ ملین کے بعد مزید چندہ کا مطالبہ، وغیرہ وغیرہ۔ 43- مساجد کے لیے مقامی جماعت سے پنکھوں، قالینوں، وغیرہ وغیرہ کی تحریک۔ 44- بکروں کی قربانیاں خلیفہ وقت کی صحت وغیرہ کے لیے۔ 45- لجنہ کے مرکزی/ ریجنل/ مقامی مینا بازار کے لیے دستکاری و دیگر اشیاء کے عطیہ جات۔ 46- مقامی اخراجات کے لیے (مثال کے طور پر مقامی نماز سنٹر کا آدھا کرایہ مقامی جماعت ادا کرے۔ نیز مقامی تبلیغی میٹنگز کے لیے توقع کی جاتی ہے کہ مقامی جماعت بوجھ اٹھائے۔ اگر پورا نہیں تو کچھ حصہ دے) 47- مقامی/ ریجنل/ مرکزی طور پر جماعتی/ انصار/ خدام/ اطفال/ لجنہ/ ناصرات کے اجلاس/ اجتماعات/ سالانہ جلسہ/ شوریٰ/ انٹرنیشنل جلسہ سالانہ کے علاوہ مختلف یوم، مثلاً سیرت النبی، یوم مسیح موعود، یوم مصلح موعود وغیرہ وغیرہ، جماعت/ انصار/ خدام اور لجنہ کے تحت تبلیغی میٹنگز، مقامی/ ریجنل/ مرکزی سطح پر منعقد ہوتی ہیں، میں شمولیت کے لیے اخراجات کا حساب لگائیں تو صرف یہ اخراجات ہی ایک ہوشربا رقم بن کر سامنے آئے گی۔ 48- وقار عمل (دراصل بیگار عمل) کے نام پر جو جسمانی، ٹیکنیکل، وقت کی بلا معاوضہ خدمات کا اجتماعی معاوضہ کا کوئی بھی حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر ہم ویسٹرن سٹینڈرڈ کے مطابق کم از کم پانچ ڈالر فی گھنٹہ بھی لگائیں اور ہر احمدی جب اپنا حساب خود لگائے کہ ایک سال میں کتنے گھنٹے اس نے وقار عمل کیا ہے اور کتنی دور اپنا پٹرول یا کرایہ خرچ کر کے گیا ہے، اور اگر اس نے اتنے گھنٹے کام کر کے پاکستان/ انڈیا/ افریقہ میں کسی غریب رشتہ دار کی مدد کی ہوتی تو کسی غریب کو سر چھپانے کو ایک کمرہ مل گیا ہوتا۔ یا کسی کا مناسب علاج ہو گیا ہوتا، یا کہیں ٹھیلا لگا کر بچوں کی روٹی کما کر دے سکتا۔ یا کسی غریب بیٹی کی رخصتی کا خرچہ مہیا ہو جاتا۔ یا کسی اندھے ہوتے ہوئے کی بینائی واپس لوٹ آتی، دوسرے اگر یہ واقعی "وقار عمل" ہے اور بیگار عمل نہیں تو مرزا خاندان کے شہزادے کیوں اس باوقار کام سے مستثنیٰ ہیں؟ 49- طاہر فاؤنڈیشن۔ دی گئی فہرست سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلام جو کہ دین فطرت ہے اس کو عام احمدیوں کی جیب سے دین کے نام پر آخری روپیہ تک کھینچنے کی ہوس میں نظام جماعت اور اس کے کرتوں دھرتوں نے اسلام کو احمدیت کا نام دے کر دین فطرت کی بجائے، دین چندہ، بنا دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اتنا دے جتنا تجھے تکلیف میں نہ ڈالے، اور چندوں کی فہرست بتا رہی ہے کہ احمدی تکلیف میں پڑے ہوئے ہیں یا نہیں؟ چندہ لینے کے لیے اور جو دے رہے ہیں ان سے اور زیادہ نکلوانے کے لیے ہر قسم کے ذاتی، جماعتی، سماجی اور نفسیاتی غرضیکہ ہر حربہ استعمال ہوتا ہے۔

خیر چندے کا ذکر ضمنی طور پر آ گیا، اصل میں جب جرمنی آیا اور یہاں روحانی خزائن کا سیٹ خریدا اور تقابلی مطالعہ شروع کیا تو بات ہی کچھ اور نظر آئی، مثال کے طور پر مرزا صاحب کی پیشگوئیاں محمدی

بیگم اور کئی دوسری میرے لیے ایک سوالیہ نشان بنتی گئیں، اور کئی سوال میرے ذہن میں پیدا ہونے لگے، ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب بھی نظر میں نہیں آیا۔ حتیٰ کہ 5-6 سال پہلے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مرزا صاحب کے دعاوی جو ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں، اب میں نے مختلف مربیان اور دوسرے جماعتی علماء سے ان معاملات پر پرائیویٹ طور پر بحث شروع کر دی، آخر تقریباً تین سال پر محیط ان بحثوں کے نتیجے میں اور دوسری بہت ساری باتوں کا گہری نظروں سے جائزہ لینے کے بعد میرا فیصلہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب نہ تو مجدد تھے نہ ہی مسیح و مہدی موعود تھے اور نہ ہی محمد ﷺ ثانی وغیرہ تھے۔ اب ایک باضمیر شخص کی طرح ان میں بیٹھنا مشکل تھا، دوسری طرف چھوڑنے کا فیصلہ کرنا بھی اتنا آسان نہیں تھا، آخر میں نے جماعت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر اپنا فیصلہ کسی کو بتایا نہیں مگر اپنے عہدوں سے صحت کی خرابی اور اپنی کاروباری مصروفیت کا عذر پیش کر کے عہدوں سے مستعفی ہو گیا اور خاموشی سے اپنے خاندان کو ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا، کیونکہ میں اپنے خاندان کو تقسیم نہیں کرنا چاہتا تھا اور ان کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہتا تھا۔ اس طرح دو سے تین سال کے اندر میرے بچے اور بڑا داماد شیخ جاوید اقبال تیار ہو گئے کہ ہم جماعت کو چھوڑ دیں گے۔ جنوری 2003ء میں میں نے محترم افتخار صاحب (سابق احمدی) سے کہا کہ اگر آپ کے پاس کچھ اینٹی قادیانیت لٹریچر ہو تو پڑھنے کے لیے مجھے دیں کیونکہ اس سے قبل اکا دکا کتاب سرسری طور پر پڑھی تھی لیکن باقاعدہ اس نظریہ سے نہیں کہ جماعت چھوڑنی ہے لیکن اس سے قبل دوسروں کی کاوشوں پر نظر ڈال لی جائے۔

افتخار صاحب نے اگلے دن ہی کئی کتابیں مجھے لا کر دیں۔ فروری میں ہم نے جماعت چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور سب سے پہلے میں نے اپنے بہترین دوست جمشید بھٹی صاحب، الیکٹریکل انسٹرکٹر، پاک بحریہ کو کراچی ٹیلیفون پر اطلاع دی، اس کے بعد ڈاکٹر (فزکس) امتیاز احمد صاحب، گوٹنگن، جرمنی کو دی۔ لیکن کچھ معاملات سلجھانے والے تھے اس لیے دونوں کا مشورہ تھا کہ اعلان میں کچھ توقف کیا جائے حالانکہ جمشید نے جب میرے فیصلہ کا سنا تو خوشی سے رو پڑا، آخر میں فیصلہ یہی ہوا کہ اعلان میں کچھ توقف کر لیا جائے۔

میری اہلیہ اس بات پر ابھی تک اڑی ہوئی تھیں کہ ماں باپ کا مذہب ہے میں نے نہیں چھوڑنا۔ وہ کہتی تھیں کہ مجھے کوئی دلیل نہیں آتی پر ہمارے باپ دادا پاگل تو نہیں تھے جنھوں نے مرزا صاحب کو مانا ہے، آخر میں ہم سب نے یہی فیصلہ کیا کہ اگر وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہنا چاہتی ہیں تو رہیں، ہماری طرف سے انھیں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ میں نے انھیں کہا کہ خدا کے لیے اس جماعت کے پیچھے لگ کر اپنا گھر نہیں اجاڑنا اور میرے لیے یا اپنے بچوں کے لیے کوئی مسائل نہ کھڑے کر دینا کیونکہ یہ جماعت بھائی کو بھائی کے خلاف، اولاد اور ماں باپ کو ایک دوسرے کے خلاف، میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابل مذہب اور دین سے وفاداری کے نام پر کھڑا کر دیتے ہیں اور جاسوسی تک کرواتے ہیں، باقی آپ کی مرضی! ابھی اعلان علیحدگی نہیں کیا تھا کہ مارچ 2003ء کے آخر میں مجھے دل کی تکلیف ہو گئی جس کی وجہ سے اگست کے

درمیان تک کا عرصہ لگاتار ہسپتالوں کے قیام کی صورت میں نکلا۔ اگست میں ہسپتال سے آنے کے ایک ہفتہ کے بعد افتخار احمد صاحب، کولون جرمنی ملنے آئے، ان سے بات ہوئی کہ کسی دن فرانکفرٹ چلا جائے اور مکرم مولانا قاری مشتاق الرحمان صاحب امیر ختم نبوت جرمنی سے ملاقات کی جائے۔ اس سے قبل میرا ان کے ساتھ براہ راست رابطہ کبھی نہیں رہا تھا، مگر ان کو غالباً افتخار صاحب کے ذریعہ میرے جماعت چھوڑنے کے ارادہ کا علم ہو چکا تھا۔ آخر شہر "اوفن باخ ام مائینز" کی مسجد توحید میں ہم ان سے ملنے گئے، وہاں جا کر ان کو ملے تو جو کچھ سنا تھا' اس کے بالکل برعکس پایا، ان کی بات چیت کا طریقہ پسند آیا، اس وقت تک اعلان کا کوئی واضح ارادہ نہ تھا، مجھے مولانا مشتاق الرحمان صاحب کہنے لگے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ نماز کے بعد واپس جاؤں گا، آپ سے ملاقات کا اشتیاق تھا' اس لیے حاضر ہوا تھا، فرمانے لگے کہ آئے ہیں تو اعلان بھی کر دیں، جماعت چھوڑنے کا، عملی طور پر آپ چھوڑ ہی چکے ہوئے ہیں۔ میں نے چند لمحے سوچا اور ہاں کر دی۔ اس طرح 23 اگست 2003ء بروز ہفتہ کو میں نے بعد نماز ظہر مولانا مشتاق الرحمان صاحب کے ہاتھ پر قادیانیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا اور اسی شام کو مرزا مسرور احمد صاحب کے نام ایک خط میں جماعت احمدیہ سے اپنی علیحدگی کی اطلاع کر دی، ساتھ ہی مختلف ذرائع کو انفارم کر دیا تا کہ اس کی فوری اور مناسب تشہیر ہو جائے، ایک ناخوشگوار سی بات درمیان میں آ گئی کہ پتہ نہیں، کس طرح مگر کسی بھی غلط فہمی کے تحت میرے بارے میں لکھا گیا کہ جرمنی کی جماعت کے سربراہ، حالانکہ میں مرکزی سطح کا عہدیدار تو رہا ہوں مگر سربراہ نہیں۔ خیر اس طرح میں، میرے چھ بچے، اہلیہ، داماد اور ایک شیر خوار نواسہ یعنی کل دس افراد محمد ﷺ کی صحیح غلامی میں واپس آئے۔ ایک بڑی اہم بات جس کا تذکرہ ضروری ہے کہ جس دن میں نے مولانا مشتاق الرحمان صاحب سے ملاقات کرنی تھی' اس سے ایک دن قبل شام کو میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ صبح میں مولانا صاحب سے ملنے جا رہا ہوں تو انہوں پوچھا کہ کیا صبح اعلان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، میں نے جواب دیا کہ ممکن ہے صبح ہی اعلان کر دوں یا کچھ دن ٹھہر کر، بہر حال اب بہت جلد اعلان کر دینا ہے۔ وہ سخت پریشان ہو گئیں اور پریشانی کے عالم میں پورے گھر میں کافی دیر، کبھی صحن کے باغیچہ میں، کبھی تہہ خانہ میں، کبھی اوپر والی منزل پر کسی بے چین روح کی طرح گھومتی رہیں اور کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر مغرب کے وقت مصلّٰی لے کر نماز میں مشغول ہو گئیں، تقریباً دو گھنٹے رو رو کر دعا کرتی رہیں۔ آخر تھک ہار کر مصلی پر ہی سو گئیں۔ میں نے ان کے سر کے نیچے آہستگی سے تکیہ رکھ دیا اور اوپر کمبل اوڑھا دیا۔ جب صبح ہوئی تو مجھے پھر پوچھنے لگیں کہ کیا آج آپ نے اعلان کرنا ہے، میں نے کہا کہ شاید اور شاید کچھ دن بعد۔ کہنے لگی کہ میں بھی فیصلہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوں، میں ہکا بکا رہ گیا کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں اور جب مجھے سمجھ آئی تو خدا کا شکر کیا کہ یہ تو بڑا کرم ہوا۔ اس وقت تو نہیں اگلے دن انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ "ہم میاں بیوی اور ہماری بیٹی اکٹھے کھڑے ہیں اور ایک بڑا

ہال ہے، اس کی چھت مٹی کی ہے، ہم تینوں اس چھت کو ایک طرف اکٹھا کرتے ہیں تو وہ دیکھتی ہے کہ اس چھت کے ہٹنے سے ایک اور چھت ظاہر ہوئی ہے جو کہ پکی ہے اور اس میں چاندی کی طرح سفید چمکدار سٹیل کی پٹیاں لگی ہوئی ہیں اور یہ دیکھ کر وہ خواب میں ہی کہتی ہے کہ لو یہاں تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت اور پکی چھت موجود ہے۔" کہنے لگیں کہ مجھے خدا نے بتا دیا ہے کہ اب تک ہم کچی چھت کے نیچے تھے۔ لیکن اب خدا ہمیں پکی اور امن والی چھت دے رہا ہے۔ اس طرح جو آخری رکاوٹ تھی، وہ بھی خدا نے اپنی رحمت سے رہنمائی کر کے دور کر دی اور ہمارا پورا خاندان اکٹھا اسلام کی وادی میں داخل ہوا۔ الحمدللہ۔

کسی شخص کے جماعت کو چھوڑنے کے بعد اس کو تنگ کرنے کے لیے جماعت سے جو بھی بن پڑتا ہے' کرتے ہیں۔ کیا یہ غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی نہیں کہ لوگوں کو جماعت سے نکلے یا نکالے ہوئے لوگوں سے ملنے سے روکا جائے۔ بڑوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ بچوں تک کی زندگیاں بھی تلخ کرتے ہیں اور اسی طرح مجھے بھی ہر طرح سے نقصان پہنچا رہے ہیں، ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، قریبی رشتہ داروں پر مکمل طور پر قطع تعلق کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آج مجھ پر اور میرے خاندان پر بے بنیاد الزامات و بہتانات لگائے جا رہے ہیں، یہ الزام اس وقت کہاں تھے، جب تک میں نے علیحدگی کا اعلان نہیں کیا تھا؟ کہنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بیان ہوتا رہے گا۔ ان شاءاللہ۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ہم (میں اور میری فیملی) خوش ہیں، مطمئن ہیں بلا تخصیص فرقہ، بیشمار مسلمان بھائیوں نے امریکہ، آسٹریلیا، یورپین ممالک، پاکستان، سعودی عرب، عرب امارات سے، بذریعہ ٹیلیفون اور ذاتی طور پر تشریف لا کر مجھے مبارکبادیں دیں۔ مکرم نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر بٹ صاحب نے مکہ مکرمہ سے فون کر کے اپنی اور نواز شریف صاحب کی طرف سے مبارک باد دی۔ مکرم محمد رفیق تارڑ صاحب سابق صدر پاکستان نے فون کر کے ازراہ شفقت مبارک دی، نیز علماء کرام میں سے پاکستان سے محترم مولانا منظور چنیوٹی صاحب نے اور دوسرے بہت سے اکابرین ختم نبوت نے، مکہ مکرمہ سے محترم سید عنایت شاہ صاحب، مکرم قاری شاکر صاحب، مکرم عبدالحفیظ مکی صاحب، لندن سے محترم مولانا منظور الحسینی صاحب امیر ختم نبوت برائے یورپ، مولانا عبدالرحمٰن باوا صاحب، محترم مبلغ ختم نبوت مولانا سہیل باوا صاحب، مکرم مولانا مفتی سہیل صاحب، مولانا سمیع اللہ صاحب کرائیڈن، منہاج القران کے مولانا حسن محی الدین صاحب، اور بہت سے دوسرے، ان سب نے اچھے طریقے سے اور میری توقعات سے بہت بڑھ کر خوش آمدید کہا ہے اور ہر طرح سے تعاون کی پیشکش کی ہے، ان میں کروڑ پتی بھی شامل تھے اور غریب بھی، میں ان سب کا دلی ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے، آمین۔

احمدی دوستوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ آپ نے مرزا صاحب کو مسیح و مہدی رسول کریم ﷺ کی اتباع میں مانا ہے، اگر مرزا صاحب کی تحریروں کو ہی غور سے، غیر جانبدار ہو کر پڑھیں اور ان کا موازنہ

رسول پاک ﷺ کی حیات طیبہ سے کریں گے احادیث نبویہ سے کریں گے، تو آپ کو ان کے دعوے اور ڈراوے ہوا بھرے غباروں سے زیادہ نہیں نظر آئیں گے۔ مرزا صاحب کے کردار اور شخصیت کو پرکھیں، ان کی اپنی کتب، ان کے صاحبزادگان کی کتب اور ان کے اصحاب کی کتب کے مطالعہ سے آپ کو بہت کچھ نظر آئے گا۔ لیکن وہ نہیں جو یہ آپ کو پڑھانا چاہتے ہیں، بلکہ وہ پڑھیں جو یہ خود غلطی سے شائع کر چکے ہیں اور اب اس کو چھپاتے پھر رہے ہیں اور آپ خود کہہ اٹھیں گے کہ مرزا صاحب کچھ بھی ہو سکتے ہیں مگر نبی نہیں، اور نہ ہی کسی نام اور رنگ میں اس درجے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ مرزا صاحب کو مان کر کوئی شخص احمدی یا قادیانی تو ہو سکتا ہے مگر مسلمان نہیں، اسلام اللہ کا بنایا ہوا دین ہے اور احمدیت مرزا صاحب کا بنایا ہوا دین ہے۔ لہٰذا یہ دو الگ الگ مذہب ہیں۔

مسلمان بھائیوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ عام احمدی کو برا نہ کہو اور گالی نہ دو، پیار محبت سے ان کو بلاؤ، کیونکہ وہ مجبور ہیں، بے قصور ہیں۔ وہ صرف پڑھائے ہوئے ہی نہیں بلکہ سدھائے ہوئے ہیں۔ ان کی برین واشنگ ہوئی ہے۔ ڈائیلاگ سے، حکمت سے ان میں سے کافی لوگوں کو سمجھایا جا سکتا ہے۔ ان میں کافی اچھے لوگ بھی ہیں لیکن ان کے لیے ان کا سماجی، مذہبی اور نفسیاتی جال توڑنا اتنا آسان نہیں۔ کئی اس جال کو توڑنا چاہتے ہیں لیکن ان کو گائیڈ کرنے والا، سہارا دینے والا نہیں ملتا، اس جال کو توڑنے میں آپ اپنے اخلاق، حکمت اور حسن سلوک سے ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ کا سخت رویہ یا سخت الفاظ ان کو جماعت کے خول میں پناہ کے لیے واپس دھکیل سکتا ہے، لیکن آپ کی نرمی اور حسن اخلاق ان کو اسلام کی آغوش میں آنے کے لیے پُل کا کام دے سکتا ہے۔ شکریہ!

* * *

محمد مالک

اسلام کی پناہ میں

خاکسار کا نام محمد مالک ہے۔ میں عرصہ دراز سے جرمنی میں مقیم ہوں۔ میری بیوی جرمن ہے، جس سے چار بچے ہیں۔ پھولوں کی دو دکانیں ہیں۔ یہاں میرا ذاتی مکان ہے۔ الحمدللہ! کہ اچھی گزر بسر ہو رہی ہے۔

میرے ایک احمدی دوست جنھیں اب قادیانی کہنا زیادہ مناسب ہوگا، سے امام مہدی کا ذکر سنا تو قادیانی ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ وہی امام مہدی ہیں جس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ یہ 26 دسمبر 1998ء کا واقعہ ہے۔ مجھ پر گھر والوں، دوستوں و رشتہ داروں کا بہت دباؤ پڑا مگر میں ثابت قدم رہا۔ میں نے "سو مساجد سکیم" کے تحت قادیانیوں سے بیس ہزار مارک کا وعدہ بھی کیا۔ جس میں سے تقریباً 16 ہزار کی ادائیگی کر دی۔ ماہانہ چندہ بمع فیملی کے تقریباً چار سو مارک دیتا رہا۔ تقریباً ایک سال میں مجلس انصار اللہ جماعت ہلی ہائم کا زعیم بھی رہا۔ چند ماہ قبل ایک قادیانی دوست نے ہی مجھے بتایا کہ ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف امام مہدی ہی نہیں بلکہ نبی اور رسول بھی مانتے ہیں۔ وہ ایک جگہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے کشف میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ میرے جسم میں داخل ہو گیا اور مجھ میں تحلیل ہو گیا اور میں نے محسوس کیا کہ اب میں ہی خدا ہوں اور اس کے بعد ساری دنیا میں نے بنائی۔ وغیرہ وغیرہ!

میں نے اسی وقت جماعت سے رابطہ کیا اور کہا کہ مجھے دھوکہ میں رکھا گیا ہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں یہ سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ محترم مربی جلال شمس صاحب تشریف لائیں اور میں مسلمان علماء سے رابطہ کرتا ہوں۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھیں جو بھی سچا ہو گا میں مان لوں گا۔ چنانچہ وقت اور دن طے کر لیا گیا۔ جو 15 اگست بروز منگل دن کے بارہ بجے مقرر ہوا۔ میں نے "کسی باخ" کے دو پرانے دوستوں مکرم جناب مشتاق بٹ صاحب اور جناب افضال صاحب سے رابطہ کیا۔ انہوں نے اوفن باخ میں مسجد توحید کے خطیب حضرت مولانا مشتاق الرحمٰن صاحب سے رابطہ کیا۔ قدرت خدا کی کہ محترم جناب حضرت مولانا منظور احمد الحسینی صاحب برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی شرکت کرنا منظور فرمایا اور یوں خاکسار کے گھر مقررہ وقت پر حضرت مولانا منظور احمد

الحسینی صاحب، حضرت مولانا مشتاق الرحمٰن صاحب، جناب مشتاق بٹ صاحب، جناب افضال صاحب چند اور دوست اور دوسری طرف سے امیر قادیانی جماعت ناردرائین ڈاکٹر سید بشارت احمد شاہ، مربی سلسلہ ڈاکٹر جلال شمس صاحب، صدر جماعت پل ہائم صوفی اعجاز صاحب، سیکرٹری مال جماعت پل ہائم طور صاحب، حبیب خان صاحب شامل تھے۔ جناب مشتاق بٹ صاحب نے مربی اور امیر صاحب سے وڈیو فلم بنانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے بخوشی دے دی۔ ہمارے پاس ویڈیو فلم موجود ہے۔

خاکسار نے درخواست کی کہ قرآن اور سنت سے مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا ثابت کیا جائے۔ مرزا قادیانی کی کتابوں کا سیٹ روحانی خزائن سامنے موجود تھا۔ چار گھنٹوں کے سخت مباحثے کے بعد قادیانی جماعت جب اپنے آپ کو سچا ثابت نہ کر سکی تو میں نے وہیں کھڑے ہو کر قادیانیت سے تائب ہونے کا اعلان کر دیا اور الحمدللہ! میں مسلمان ہو گیا۔

خاکسار کے ساتھ میری فیملی کے تمام ممبران جن کی تعداد آٹھ ہے، مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد سب کو کھانے کی دعوت دی گئی تو قادیانی جماعت کے تمام افراد بغیر کھانا کھائے تشریف لے گئے۔ سب کے منہ اترے ہوئے تھے۔ مجھے اسی شام یہ سن کر حیرت ہوئی کہ جماعت کے ان دو بڑوں نے اپنی عبادت گاہ میں جا کر یہ بے پر کی اڑائی کہ میں جماعت سے پیسے ٹھگنے کے لیے شامل ہوا تھا۔ جب کامیابی نہ ملی تو واپس چلا گیا۔ اس جھوٹ سے مجھے بہت صدمہ پہنچا۔ خدا جانتا ہے میں نے قادیانیت کی خاطر اپنے سب رشتے دار اور عزیز و اقارب چھوڑ دیئے تھے۔ مجھے کوئی بھی اپنے ایمان سے نہیں ہلا سکتا تھا۔ میں قادیانیت چھوڑنے تک اپنی آمدنی کے ایک ایک پیسہ پر قادیانی ہدایات کے مطابق چندہ دیتا رہا، جن کی رسیدیں میرے پاس موجود ہیں۔ یہ اعلان سن کر میں نے لندن میں مرزا طاہر احمد کو بھی ایک خط لکھا جس میں مناظرے کا تفصیلاً ذکر کیا اور اپنی علیحدگی کا بھی بتا دیا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ جب پیسوں کے لیے مجھے بے عزت کیا جا رہا ہے تو میرے ادا شدہ چندوں پر آپ کا کوئی حق نہیں رہا۔ لہٰذا مجھے میری رقم واپس کی جائے جسے میں سچے اسلام کی راہ میں استعمال کروں۔ میری رقم پر ان کا کوئی حق نہیں رہا۔ اگر اس بارے میں میں جھوٹ بولوں یا کوئی دوسرا بولے تو فیصلہ اوپر والے پر ہی چھوڑتا ہوں اور صرف یہی کہتا ہوں کہ

لعنت اللہ علی الکاذبین!

والسلام!

خاکسار!

محمد مالک

قادیانیوں نے جناب محمد مالک کو بدنام کرنے کے لیے جھوٹا پروپیگنڈہ کیا۔ ذیل میں صرف دو رسیدوں کا عکس دیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ جناب محمد مالک نے قادیانی جماعت سے رقم لی یا قادیانی جماعت کو چندہ دیا؟ بیسیوں رسیدوں سے صرف دو رسیدوں کا عکس ملاحظہ ہو:

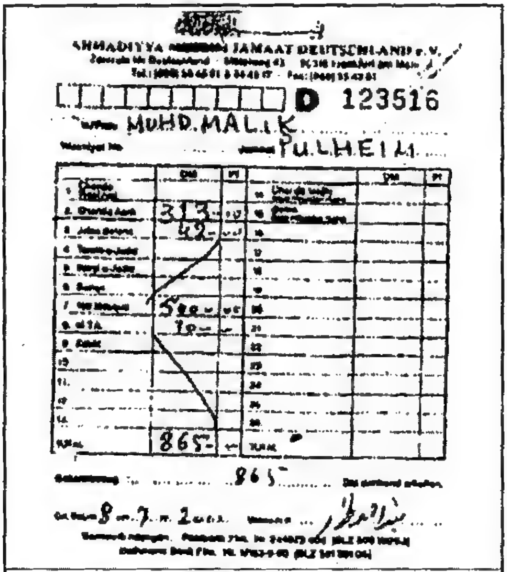

AHMADIYYA [redacted] JAMAAT DEUTSCHLAND e.V.

Zentrale für Deutschland · [illegible] 43 · [illegible] Frankfurt am Main

Tel.: [illegible] · Fax: [illegible]

D 123516

Name MUHD. MALIK

Wasiyyat No. .... Jamaat PULHEIM

	DM	Pf		DM	Pf
1. [illegible]			14. [illegible]		
2. Chanda Aam	313.-	[illegible]	15. [illegible]		
3. Jalsa Salana	42.-	[illegible]	16.		
4. Tahrik-e-Jadid			17.		
5. Waqf-e-Jadid			18.		
6. [illegible]			19.		
7. 100 Mosque	500.-	[illegible]	20.		
8. MTA	10.-	[illegible]	21.		
9. [illegible]			22.		
10.			23.		
11.			24.		
12.			25.		
13.			26.		
TOTAL	865.-	[illegible]	TOTAL		

Gesamtbetrag .... 865.- .... DM dankend erhalten.

Ort, Datum 8.-7.-2000. Unterschrift

[illegible]

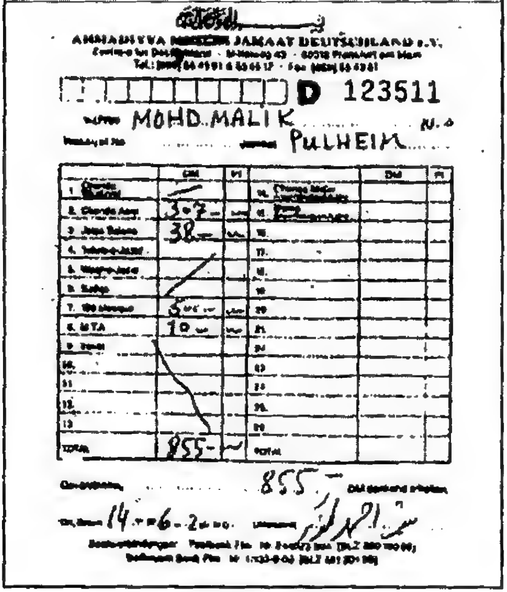

AHMADIYYA [redacted] JAMAAT DEUTSCHLAND e.V.

Zentrale für Deutschland · [illegible] 43 · 60318 Frankfurt am Main

Tel.: [illegible] · Fax: [illegible]

D 123511

Name MOHD. MALIK

Wasiyyat No. .... Jamaat PULHEIM

	DM	Pf		DM	Pf
1. [illegible]			14. [illegible]		
2. Chanda Aam	302.-	[illegible]	15. [illegible]		
3. Jalsa Salana	38.-	[illegible]	16.		
4. Tahrik-e-Jadid			17.		
5. Waqf-e-Jadid			18.		
6. [illegible]			19.		
7. 100 Mosque	5[illegible]	[illegible]	20.		
8. MTA	10.-	[illegible]	21.		
9. [illegible]			22.		
10.			23.		
11.			24.		
12.			25.		
13.			26.		
TOTAL	855.-	[illegible]	TOTAL		

Gesamtbetrag .... 855.- .... DM dankend erhalten.

Ort, Datum 14.-6.-2000. Unterschrift

[illegible]

عرفان محمود برق

قفس قادیانیت سے آقا ﷺ کے قدموں تک

عرفان محمود برق صاحب ایک پڑھے لکھے نوجوان مجاہد ہیں جو قادیانیت کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے اجالوں میں آ گئے۔ ان کی داستان بڑی غمناک ہے۔ انھوں نے اپنی والدہ اور ایک بھائی کو خدا کے فضل سے اسلام قبول کروایا ہے۔ ان کے گھر والے اور پوری قادیانی برادری ان کی جانی دشمن ہے۔ لیکن وہ اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے انھیں دعوت و تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ بڑی خوبصورت اور تیکھی نثر نگاری کرتے ہیں۔ ان کا قلم ایک مست خرام ندی کی طرح چلتا ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ یہ قلم گلفشاں' قادیانیت پہ یہ قلم شعلہ فشاں اور مرزا قادیانی پہ یہ قلم شہاب ثاقب بن جاتا ہے۔ انھوں نے قادیانیت سے اپنا پہلا انتقام ایک اچھوتی' نرالی اور منفرد کتاب ''قادیانیت اسلام و سائنس کے کٹہرے میں'' لکھ کر لیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ اس کتاب میں انھوں نے مصلحت کے تحت اسلامی حوالے کم اور سائنسی حوالے زیادہ دیے ہیں اور یہ سائنسی حوالے تقریباً 90% غیر مسلم ڈاکٹرز اور سائنسدانوں کے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے قبول اسلام کی ایمان افروز روداد بھی بیان کی ہے جو نذر قارئین ہے۔

میں ایک قادیانی گھرانے میں پیدا ہوا۔ شعور کی آنکھ کھولی تو ہر طرف قادیانی ہی نظر آئے۔ ماں قادیانی' باپ قادیانی' بھائی قادیانی' بہنیں قادیانی' دادا قادیانی' دادی قادیانی' چچا قادیانی' پھوپھا قادیانی' غرض کہ دور دور تک رشتہ داروں میں کوئی مسلمان نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ میں بھی اس ارتدادی اور زندیقی ماحول میں پروان چڑھتا گیا اور قادیانی عقائد میرے قلب و ذہن میں اترتے چلے گئے۔ چودہ سال کی عمر کو پہنچنے تک میں مکمل قادیانی بن چکا تھا بلکہ اب میں اپنے ہم عمروں کو گھیر کر جماعت کے کفریہ پروگراموں میں لے جاتا اور انھیں قادیانی بنانے کی کوششیں کرتا۔ مجھے بچپن سے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ میں قادیانیت کے علاوہ دیگر موضوعات کو بڑی رغبت سے پڑھتا اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ رکھتا۔

میری زندگی کا اہم موڑ جس نے مجھے خالی الذہن ہونے' سوچنے' ختم نبوت اور رد قادیانیت کے موضوع کو پڑھنے پر متوجہ کیا، وہ میرے محلہ داروں کا میرے اور میرے گھر والوں کے ساتھ سخت رویہ تھا۔

ہمارے ہمسائے کسی بھی موقعہ پر ہمارے گھر کوئی چیز نہ بھیجتے۔ اگر ہم کسی ہمسائے کے ہاں کوئی چیز بھیجتے تو ہمسائے اسے واپس کر دیتے۔ محلہ میں کوئی بھی ہماری خوشی غمی میں شامل نہ ہوتا۔ اگر ہم محلہ میں کسی کی خوشی غمی میں شامل ہونے کی کوشش کرتے تو ہمیں نکال دیا جاتا تھا۔ میری دادی اور دادا فوت ہوئے تو محلے کا کوئی شخص بھی ان کی شکل تک دیکھنے کو نہ آیا۔ لوگ ہمارے گھر والوں کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور بعض جذباتی مسلمان گزرتے ہوئے ہمارے مکان کی طرف منہ کر کے زور سے تھوکتے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے ہمارا گھر گھر نہیں بلکہ فلتھ ڈپو ہے۔ مسلمانوں کا یہ رویہ مجھے جھنجھوڑتا اور میرے دل پر زور زور سے دستک دیتا۔ میں خود بھی سوچتا کہ وہ لوگ جو ہم سے شدید نفرت کرتے ہیں، وہ انتہائی شریف اور بااخلاق لوگ ہیں۔ لیکن ہمارے لیے بڑے متشدد ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ میرے دل نے ایک انقلابی فیصلہ کیا اور میں نے تحفظ ختم نبوت اور تردید قادیانیت کے موضوعات پر مطالعہ شروع کر دیا۔ اس دوران مجاہد ختم نبوت جناب محمد طاہر عبدالرزاق سے بھی میرا رابطہ ہو گیا۔ میں کتب کی تلاش میں سرگرداں ان کے گھر پہنچ گیا۔ انھوں نے مجھے مطالعہ کے لیے بہت سی کتب مہیا کیں۔ میں نے باقاعدگی سے تدبر و تفکر میں خوب ڈوب کر مطالعہ شروع کر دیا، مطالعہ سے میری آنکھیں وا ہوتی گئیں۔ دل کی گرہیں کھلتی گئیں اور میں تہہ در تہہ حیرت میں اترتا گیا۔ میرے قلب و ذہن میں جہاں مرزا قادیانی چوکڑی مارے بیٹھا ہوا تھا، جب اس کے سر پر ختم نبوت کے دلائل کے آہنی گرز پڑے تو مرزا قادیانی چیختا چلاتا بھاگ گیا۔ میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتا گیا۔ میری سیرت سنورتی گئی۔ آنکھوں میں اسلام کی چمک آ گئی۔ دل معطر ہو گیا۔ پورے بدن میں ایمان کی خوشبو پھیل گئی۔ مجھے نیا جنم مل گیا، نئی زندگی مل گئی۔ میں نے قادیانیت پر لعنت بھیج دی اور ختم نبوت کی چوکھٹ کو چوم کر اسلام کے چمنستان میں داخل ہو گیا۔ ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ ہمیشہ یہ کہتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے ''الٰہی! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے بدر کے دن مقتول نہ کیا۔'' میں بھی یہ سوچ کر لرز جاتا کہ اگر اسلام لانے سے پہلے میری موت واقع ہو جاتی تو آج میں بھی مرزا قادیانی کے ساتھ جہنم میں جلتا ہوتا۔ جہاں سے کبھی بھی میری رہائی نہ ہوتی۔ مجھے اپنے ماضی پہ بڑا تاسف ہوتا۔ میں اپنی کوتاہ عقلی پر آنسو بہاتا کہ میں ایک ایسے شخص کو نبی مانتا رہا، جسے ایک شریف آدمی بھی نہیں مانا جا سکتا۔ میں ایک ایسے بدفطرت اور بدکردار کو مسیح موعود اور امام مہدی مانتا رہا ہے، جو کسی دفتر میں چپڑاسی ہونے کے بھی قابل نہ تھا۔

میرے اسلام قبول کرنے کی خبر قادیانیوں میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ انھیں میرا قبول اسلام نہایت گراں گزرا۔ اس مسئلے کے فوری حل کے لیے انھوں نے اپنے لاہور کے سب سے بڑے سینٹر اور عبادت خانے دارالذکر میں اپنے جماعتی عہدے داران' مربیوں (قادیانی پوپ) اور ہمارے گھر کے بعض ذمہ دار افراد کا اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں مختلف قادیانی پوپ کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ ہر روز مجھے میرے گھر میں جا کر اس بات کا درس دیں کہ اس دنیا میں صرف قادیانیت ہی ایک سچا مذہب ہے اور

مسلمانوں والا اسلام نہایت جھوٹا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس اجلاس میں جماعتی عہدے داران نے میرے باپ اور بھائیوں کو بھی خوب ملامت کی کہ ان سے ایک بچہ نہیں سنبھالا گیا۔ اگر اس کے بگڑتے ہوئے عقائد کو اپنے رُعب کے پہیے تلے کچل دیا ہوتا تو اس کی کیا جرأت تھی کہ وہ غیر احمدیت (اسلام) قبول کرتا۔ لہٰذا میرے باپ اور بھائیوں کی سزا یہ تجویز کی گئی کہ انھیں اب ہر صورت میں مجھے قادیانیت کے کالے کنویں میں دوبارہ دھکیلنا ہے، چاہے اس سلسلے میں انھیں سخت سے سخت اقدامات کرنا پڑیں یا بڑے سے بڑا لالچ بھی دینا پڑے تو کوئی پروا نہیں۔ اجلاس کے فوراً بعد قادیانی پوپ اور ہمارے گھر والوں نے اپنے مشن کا آغاز کر دیا۔ اب ہر روز ہمارے گھر میں کوئی نہ کوئی قادیانی پوپ آتا اور مجھے یہ سمجھانے کی سرتوڑ کوشش کرتا کہ قادیانیت ایک زندہ مذہب ہے جس کا نام اسلام ہے اور مسلمانوں والا اسلام ایک مردہ اسلام ہے۔ (نعوذ باللہ) اب جس نے نجات کا لباس پہننا ہے وہ پہلے مرزا قادیانی کو اللہ کا نبی اور رسول مانے' تب اسے جنت ملے گی وگرنہ وہ کافر اور جہنمی ہی رہے گا۔ مجھ سے جہاں تک ممکن ہوتا میں قادیانی پوپ کو اسے اس کی خرافات کا جواب دیتا اور وہ کوئی بات بنتی نہ دیکھ کر واپس چلا جاتا۔

ایک طرف قادیانی پوپ میرے ایمان کے ننھے پھولوں کو مسلنے کی کوششوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف ہمارے گھر والوں کے بدلتے رویئے بپھری ہوئی آندھیاں بن کر میرے دل میں ختم نبوت کے روشن چراغ کو گل کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل تھے۔ اس سلسلے میں کبھی تشدد کے حربے استعمال کیے جاتے تو کبھی لالچ کے ہتھیاروں سے کام لیا جاتا' کبھی بائیکاٹ کا خوف دلایا جاتا تو کبھی جائداد سے عاق کرنے کی دھمکیاں دی جاتیں۔ لیکن اللہ رب العزت کی عطا کردہ ثابت قدمی کے پہاڑ کے آگے ان ارتدادی آندھیوں کا کوئی زور نہ چلتا اور میرا ایمان مزید قوی ہوتا جاتا۔

میرے مسلمان ہونے کے بعد میرے والد نے بڑے بڑے مربیوں کو بلا کر مجھے قادیانیت میں واپس لانے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن میں مناظرہ میں ہر مربی کو چاروں شانے چت گرا دیتا۔ میرے دلائل کے سامنے مربیوں کو سانپ سونگھ جاتا اور وہ یوں چپ ہو جاتے جیسے لبوں پر مہر سکوت لگا دی گئی ہو۔ جب درجنوں قادیانی مربی تہس نہس ہو گئے تو ایک دن میرا والد لاہور کے سب سے بڑے مربی کو بلا لایا۔ مناظرہ شروع ہوا۔ میں نے مربی سے پہلا سوال کیا ’’آپ کبھی سینما گئے ہیں؟‘‘

’’سینما دیکھنے تو عیاش اور بدمعاش لوگ جاتے ہیں۔ میرا کیا کام‘‘ مربی نے جواب دیا۔

میں نے اسے فوراً مرزا قادیانی کے نام نہاد صحابی مفتی صادق کی کتاب ’’ذکر حبیب‘‘ دکھائی جس میں لکھا تھا کہ مرزا قادیانی سینما دیکھنے جاتا تھا۔ یہ حوالہ دیکھ کر مربی کا رنگ زرد پڑ گیا، ہونٹ خشک ہو گئے، ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ وہ اٹھا اور میرے والد سے کہنے لگا ’’یہ کیس بہت خراب ہو گیا ہے اور آپ کا بچہ ناقابل اصلاح ہے۔‘‘ یہ کہا اور چیف مربی دم دبا کر بھاگ گیا۔

وہ فکر جس کے باعث میرے ماتھے پر تشویش کی سلوٹیں پڑتیں اور میں راتوں کو بے چینی سے لبریز کروٹیں بدلتا، وہ یہ تھی کہ کسی طرح ہمارے گھر والے خصوصاً میری زندگی کی سب سے عظیم ہستی میری پیاری ماں اسلام کے مہکتے گلستان میں داخل ہو جائے اور جہنم کے بھڑکتے شعلوں سے بچ جائے۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے سب سے پہلے اپنی پیاری ماں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ایک تو وہ پہلے ہی مجھ سے ناراض تھیں اور دوسرا اس دعوت کی وجہ سے مزید ناراض ہو گئیں لیکن میں نے بھی ہمت جاری رکھی اور انھیں قادیانیوں کی کتابوں میں چھپے ان کے کفریہ عقائد سے مسلسل آگاہ کرتا گیا جن میں مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ، اس کی بیہودہ گوئیوں کو وحی اللہ، اس کی فضول باتوں کو حدیث نبوی، اس کی غلیظ حرکتوں کو سنت رسول، اس کی فاحشہ بیویوں کو امہات المومنین، اس کے گمراہ خاندان کو اہل بیت، اس کے بدکار ساتھیوں کو صحابہ کرام، اس کے درندہ صفت خلفاء کو خلفائے راشدین اور اس کے گندے شہر (قادیان) کو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سے بھی افضل لکھا گیا تھا (نعوذ باللہ)۔ اس کا اثر میری پیاری ماں پر یہ ہوا کہ خدا کی رحمت سے وہ رفتہ رفتہ سمجھتی گئیں کہ قادیانیت، اسلام کے خلاف کتنا بڑا فتنہ اور فراڈ ہے۔ آخرکار انھوں نے میرے ہاتھ پر پوشیدہ طور پر اسلام قبول کر لیا اور مرزا قادیانی پر لعنت بھیج دی۔ الحمدللہ۔

قبولِ اسلام کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں دو آم پکڑے ہوئے ہیں اور ایک خوفناک قسم کی کتیا ان سے وہ آم چھیننے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ دوڑ رہی ہیں اور وہ کتیا متواتر آپ کا پیچھا کر رہی ہے۔ دوڑتے دوڑتے آپ ایک چمنستان میں داخل ہو جاتی ہیں اور کتیا یہ دیکھ کر واپس مڑ جاتی ہے۔ یہ خواب جب میری پیاری ماں نے مجھے سنایا تو میں نے اس کی تعبیر انھیں یہ بتائی کہ آموں یعنی پھلوں سے مراد بیٹے ہیں اور کتیا سے مراد وہ قادیانی مبلغہ ہے جو ہمارے گھر میں ہمیں مرزائیت کی تبلیغ کرنے آتی رہتی ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے دو بیٹوں کے پیچھے زیادہ پڑی ہوئی ہے کیونکہ اسے اسی طرف سے زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے دو بیٹوں کو اس کتیا یعنی قادیانی مبلغہ سے بچا لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ پاک آپ کی زندگی میں میرے ایک بھائی کو بھی اسلام کی دولت عطا فرمائے گا۔ اس خواب کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے موتی میرے ایک بھائی کی جھولی میں بھی گرا دیے جس سے میری پیاری ماں کا ایمان، شاہین بن کر بلندیوں پر اُڑنے لگا۔

وہ وقت میں کبھی نہیں بھول سکتا جب میری آنکھوں کے اشک ساری رات میری پیاری ماں کے سرہانے میں جذب ہوتے رہے اور خدا تعالیٰ سے یہ فریاد کرتے رہے کہ وہ انھیں میری بھی زندگی دے دے۔ انھیں دل کا شدید اٹیک ہوا تھا اور ڈاکٹروں نے ناامیدی کا اظہار کیا تھا۔ ساری رات میری پیاری ماں ہسپتال میں شدتِ درد سے تڑپتی رہیں اور میں اکیلا ان کے سرہانے دعائیں کرتا رہا۔ لیکن افسوس کہ ان کی زندگی نے ان سے وفا نہ کی اور وہ مجھے اپنی مامتا سے محروم کر کے یونہی آہیں بھرتا ہوا چھوڑ گئیں اور جمعتہ

المبارک کی ایک صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات سے ایک گھنٹہ قبل انھوں نے میرے پوچھنے پر دوبارہ اس بات کا اقرار کیا تھا کہ وہ قادیانی نہیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اس بات کی تنبیہ بھی کی کہ اگر میں مر جاؤں تو صرف مسلمان میرا جنازہ پڑھیں اور مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے۔ جب میں نے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی پیاری ماں کی اس وصیت کا ذکر کیا تو انھوں نے یقین نہ کیا اور اپنے قبرستان میں قبر کی کھدائی کا آرڈر دے دیا۔ قادیانی پوپ اور قادیانی رشتے دار ہمارے گھر میں جمع ہونے شروع ہو گئے لیکن میں نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنے دوستوں اور اہل محلہ میں یہ اعلان کر دیا کہ میری ماں مسلمان تھیں اور ان کی یہ وصیت تھی کہ مسلمان میرا جنازہ پڑھیں۔ اس اعلان کے سننے کی دیر تھی کہ ہماری ساری گلی مسلمان مجاہدین سے بھر گئی۔ میرے دوستوں نے مزید رابطے کر کے پورے شہر کے نامور علماء کرام کو بھی اکٹھا کر لیا۔ عظیم سکالر، پروانہ ختم نبوت برادرم محمد طاہر عبدالرزاق صاحب بھی پہنچ گئے۔ نامور مجاہد ختم نبوت جناب مولانا غلام حسین کلیالوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھایا اور میری پیاری ماں کو لاہور کے ایک قبرستان بدھو آوا میں دفن کیا گیا۔ درجنوں کی تعداد میں قادیانی پاس کھڑے یہ سارا منظر دیکھتے رہے لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ وہ جنازے کی چارپائی کو ہاتھ بھی لگا سکے یا کسی بھی قسم کی کوئی مداخلت کر سکے۔

وفات کے بعد اکثر میری پیاری ماں مجھے میرے خوابوں میں نہایت خوشنما جگہوں پر ملتی رہتی ہیں اور یہ حوصلہ دیتی رہتی ہیں کہ میرے لال مرتے دم تک ہمت نہ ہارنا، مشکلات اور پریشانیوں سے کبھی مت گھبرانا اور اپنے گھر والوں اور دوسرے قادیانیوں کو دعوت و تبلیغ کرتے رہنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور سرکار دو عالم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں۔

میری حیات مستعار میں ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ جب میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تعریف میں ایک مضمون قلم بند کیا تھا۔ مرزا قادیانی سے میری عقیدت کیشی کسی علمی سطح یا حقیقت شناسی کی بناء پر نہ تھی بلکہ محض وراثت کی ایک اندھی تقلید تھی جس نے میری نگاہوں سے تصویر کے دوسرے رخ کو مکمل طور پر چھپا رکھا تھا۔

اس دور میں مسلمانوں کے عوامی حلقوں سے اکثر یہ باتیں میرے کانوں سے ہوتی ہوئیں آئینہ ذہن سے جا ٹکراتیں کہ مرزا قادیانی ایک بدسیرت جھوٹا مدعی نبوت تھا جس کی ساری زندگی بدکاریوں اور سیاہ کاریوں کی دلدلوں میں پھنسی ہوئی تھی لیکن ان کی گوش گزاریوں کو میں فراموشیوں کے سپرد کرنا ہی لازم سمجھتا تھا، کیونکہ اس طرح کے معترضین کے اعتراضات زیادہ تر بے بنیاد اور بلا دلیل ہوتے تھے اور اگر کوئی دلیل دی بھی جاتی تو ان قادیانی کتب سے جن کے نام ہی میں پہلی دفعہ سنتا تھا۔ اس لیے یہ باتیں میری عدم توجہ کا باعث بنتیں۔ تاہم اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے ایک روز انتہائی سوچ بچار کے بعد نگاہِ منصفانہ

سے تحقیق کا دامن پکڑنے کا فیصلہ کیا اور ان کتابوں کی تلاش شروع کر دی جن سے معترضین مرزا قادیانی کی سیرت اور اس کی تحریرات پر اعتراضات وارد کرتے تھے۔ ان کتابوں میں مرزا قادیانی کی اپنی اور اس کے مریدوں کی تحریر کردہ کتابیں شامل تھیں۔

آخر ایک مدت کی جاں فشانیوں اور عرق ریزیوں کے بعد میں چند کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر خالی الذہن ہو کر مع سیاق وسباق ان کتب کا مطالعہ کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ واقعی ان کتب کی تحریرات سے یہی عیاں ہوتا تھا کہ مرزا قادیانی، انگریز کا لے پالک اور جھوٹا مدعی نبوت تھا جس کی شخصیت چالبازیوں' دھوکا دہیوں' سیاہ کاریوں اور بہت سی منفی عادات کی گرد سے اٹی ہوئی تھی۔ میں جیسے جیسے مبداء فیاض کی ذرہ نوازیوں سے ان حقائق سے آگاہ ہوتا گیا ویسے ویسے مرزا قادیانی سے میری چاہت و رغبت کے تمام بخیے ادھڑتے چلے گئے اور آخر ایک دن کچے دھاگے کی طرح ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئے۔

میرے گلشن اسلام میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ میرے وہ خواب بھی تھے جو میری دینی دلچسپی کے لیے چراغ راہ ثابت ہوئے، خاص طور پر ایک خواب تو مجھے اس دور میں آیا جب میں تقریباً تیرہ چودہ برس کا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے محلے میں تشریف لائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ کے چند صحابہ کرامؓ بھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک میں پھلوں کا ایک طشت اٹھائے ہوئے بعض گھروں میں پھل بانٹ رہے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری گلی میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو پھل بانٹتے بانٹتے ہمارے گھر سے پچھلے گھر کے پاس ہی رک جاتے ہیں اور آگے نہیں بڑھتے۔ میں اپنے گھر کے دروازے میں کھڑا یہ دیکھ کر یک لخت پریشان ہو جاتا ہوں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف کیوں نہیں لا رہے؟ پھر جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نظر رحمت سے میری طرف دیکھ کر تبسم فرماتے ہیں اور واپس مڑ جاتے ہیں تب ساری بات میری سمجھ میں آ جاتی ہے اور میری ساری پریشانی دور ہو جاتی ہے اور میں خوش ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

دوسرا خواب میں نے اس وقت دیکھا جب میں قادیانیت کے متعلق کافی تحقیق کر چکا تھا اور اس کو بہت حد تک جھوٹا گردان چکا تھا۔ اس خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا چٹیل میدان ہے۔ سورج کی آتشیں کرنوں سے زمین کا سینہ بہت تپ چکا ہے۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہے جو مزید گرمی کا باعث بن رہا ہے۔ اتنے میں ایک خوفناک قسم کا فرشتہ قادیانیوں کے جھوٹے نبی مرزا قادیانی کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے میری طرف آتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ سے میری کلائی پکڑ کر اس آگ کی جانب دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ میں اس سے اپنی کلائی چھڑانے کی بہت کوشش کرتا ہوں' لیکن وہ نہیں چھوڑتا اور آگ کی طرف بھاگتا چلا جاتا ہے۔ جیسے جیسے ہمارے اور اس آگ کے درمیان فاصلہ سمٹتا

جاتا ہے ویسے ویسے گرمی کی شدت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ آخر وہ فرشتہ یک لخت مجھے چھوڑ دیتا ہے اور میں قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر گر جاتا ہوں۔ گرنے کے فوراً بعد میں جیسے ہی سر اٹھا کر اس فرشتے کی جانب دیکھتا ہوں تو وہ الاؤ کے قریب پہنچ کر مرزا قادیانی کو اس میں پھینک دیتا ہے۔ آگ بھوکے شیر کی طرح مرزا قادیانی پر جھپٹتی ہے اور اسے اپنے اندر گہرائی میں لے جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے ایک زور دار چیخ نکلتی ہے اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہوں۔ میرا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو جاتا ہے۔ بیدار ہونے کے فوراً بعد میں نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر قادیانیت پر مستقل لعنت بھیجی اور دل سے اسلام قبول کر لیا الحمدللہ۔

میرے قبول اسلام کے بعد جو مخالفت کی تیز و تند آندھیاں چلیں اور ایمان کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جانے والے سیلاب آئے، ان میں حائل اگر خدائے لم یزل کی عطا کردہ ثابت قدمی اور حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ فیضان نہ ہوتی تو یقیناً پیش آمدہ چیرہ دستیوں سے میرا ایمان چراغ سحری کی طرح ڈگمگانے کے بعد کبھی کا گل ہو چکا ہوتا۔

مندرجہ ذیل تحریر میری تصنیف ”قادیانیت اسلام و سائنس کے کٹہرے میں“ کا ایک مضمون ہے جس میں مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت و مسیحیت کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کی شخصیت قادیانیوں کے لیے روحانیت کش ہونے کے علاوہ جسمانیت کش بھی تھی اور وہ ایک بہت بڑا جاہل انسان تھا' جس پر کسی بھی قسم کا اعتماد کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا قادیانی ایک جعلی حکیم خطرۂ جان

حق و صداقت کی شمع سے فروزاں خدا تعالیٰ کا پیغمبر تو اس کی رضا جوئی کے تابع رہتا ہے اور تمام علوم بھی اسی عالم الغیب سے سیکھتا ہے لیکن ابلیسی نبوت کا استاد شیطان ملعون اور شیطان صفت انسان بنتے ہیں۔ جھوٹا مدعی نبوت، مکتب بھی جاتا ہے' اپنے استادوں سے گالیاں بھی سنتا ہے اور مرغا بن کر جوتے بھی کھاتا ہے' جیسا کہ مرزا قادیانی جو ان تمام عوامل سے گزر کر فرنگی کے اشارہ ابرو پر مدعی نبوت ہوا۔ مرزا قادیانی نے طب کی بعض کتابیں اپنے والد سے پڑھی تھیں' وہ اپنی تصنیف ”کتاب البریہ“ میں لکھتا ہے:

”میں نے فن طبابت کی چند کتابیں اپنے والد سے جو ایک نہایت حاذق طبیب تھے' پڑھیں۔“

(کتاب البریہ' حاشیہ ص 150)

طب جیسے حساس شعبے میں محدود معلومات کے ہوتے ہوئے مرزا قادیانی نے مزید ستم یہ ڈھایا کہ وہ خود مسند معالجت پر آ بیٹھا اور مختلف امراض کی ادویات سازی کرنے لگ گیا۔ جہلا نے سمجھا کہ شاید یہ بڑے حکیم صاحب ہیں اور غیبی خبریں رکھتے ہیں' اس لیے ان کی دی ہوئی دوا ضرور اکسیر اعظم کا درجہ رکھے گی۔ چنانچہ انھوں نے یہ سوچ کر مرزا قادیانی سے مختلف امراض کی ادویات لینی شروع کر دیں۔

جب تریاق الٰہی تریاق رسوائی بن گئی

اسی دور میں ایک دفعہ ہندوستان میں طاعون کی وبا پھوٹی' اس موقع پر مرزا قادیانی نے یہ پیشگوئی جھاڑی کہ اسے الہام ہوا ہے کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا' مرزا قادیانی کے الفاظ یوں تھے۔

"ما کان اللّٰہ یعذبھم وانت فیھم' انہ اوی القریۃ' ولا الاکرام لھلک المقام۔ خدا ایسا نہیں ہے کہ قادیان کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے۔ وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔" (تذکرہ ص 436)

"اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔" (دافع البلاء' ص 4-5 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18' ص 225-226' از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کی اس پیشگوئی نے پورا ہونے سے صاف انکار کر دیا اور مرزا کی مزید ذلت و رسوائی کا سبب بن گئی۔ قادیان میں طاعون کی وبا اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ قادیانیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی اور مرزا قادیانی سمیت اس کے امتی چیخ اٹھے۔

"اے خدا ہماری جماعت سے طاعون کو اٹھا لے" (اخبار بدر قادیان' 4 مئی 1905ء)

'ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں ہوئی" (حقیقۃ الوحی' ص 232۔ مندرجہ روحانی خزائن جلد 22' ص 244' از مرزا قادیانی)

قادیان میں طاعون کی وبا پھوٹنے کی وجہ سے مرزا کے گرد پھر مریضوں کا ہجوم لگ گیا۔ ایسی صورت میں مرزا قادیانی نے اپنی حکیمی جھاڑتے ہوئے بھنگ کا گھونٹا پی کر ایک دوائی تیار کی جسے "تریاق الٰہی" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس دوائی کی تیاری میں مرزا نے طب سے بے بہرہ وری اور حقیقت ناشناسی کا ثبوت یوں بہم پہنچایا کہ جتنی بھی دیسی اور انگریزی ادویات ہاتھ لگتی گئیں، انھیں اکٹھی کر کے مکس کرواتا گیا اور آخر بہت سی فالتو' حرام' مکروہ' غیر ضروری اور مضر رساں ادویات سے ایک معجون قاتل تیار کر ڈالا۔ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد قادیانی نے اس بات کا اقرار یوں کیا ہے کہ:

"ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) نے طاعون کے ایام میں ایک دوائی "تریاق الٰہی" تیار کروائی تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے ایک بڑی تھیلی یاقوتوں کی پیش کی۔ وہ بھی سب پسوا کر اس میں ڈلوا دیے۔ لوگ کوٹتے پیستے تھے۔ آپ اندر جا کر دوائی لاتے اور اس میں ملواتے جاتے تھے۔ کونین کا ایک بڑا ڈبہ لائے اور وہ بھی سب اسی کے اندر الٹا دیا۔ اسی طرح وہ واٹم اپی کاک کی کر ایک بوتل لا کر ساری الٹ دی (مگر چند سطور بعد مرزا بشیر احمد قادیانی اس

بات کا بھی اقراری ہے کہ) طبی تحقیق کرنے والوں کے لیے علیحدہ علیحدہ چھان بین بھی ضروری ہوتی ہے، تا کہ اشیاء کے خواص متعین ہو سکیں۔ (سیرت المہدی حصہ سوم ص 218-219)

حکیم نور الدین کا اقرار

جب حکیم نور الدین خلیفہ قادیان نے مرزا قادیانی کی یہ احمقانہ حرکت دیکھی تو بے ساختہ اس نے بھی کہہ ہی دیا کہ مرزا قادیانی کی یہ بنائی ہوئی دوا کسی طبی فائدے کی بجائے غیر جاندار اور بے اثر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا بشیر احمد قادیانی سیرت المہدی میں لکھتا ہے کہ:

(''تریاق الٰہی'' میں مرزا قادیانی نے) دیسی اور انگریزی اتنی دوائیاں ملا دیں کہ حضرت خلیفہ اوّل (حکیم نور الدین) فرمانے لگے کہ طبی طور پر تو اب اس مجموعہ میں کوئی جان اور اثر نہیں رہا۔'' (سیرت المہدی حصہ سوم' ص 218)

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں

مرزا قادیانی کے بنائے ہوئے اس معجز رساں نسخے جسے ''تریاق الٰہی'' کا اعزاز حاصل تھا، لوگوں نے کثیر تعداد میں استعمال کیا' لیکن صحت کے ان طلب گاروں کے ساتھ مرزا قادیانی کی روحانیت اور اس کے ''تریاق الٰہی'' نے کیا سلوک کیا؟ پڑھیے:

''اس جگہ (قادیان) زور طاعون کا بہت ہو رہا ہے۔ کل آٹھ آدمی مرے تھے، اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے۔'' (مرزا قادیانی کا مکتوب محررہ 16 اپریل 1904ء)

''قادیان میں ابھی تک کوئی نمایاں کمی نہیں ہے۔ ابھی اس وقت جو لکھ رہا ہوں، ایک ہندو بیجنا تھا نام جس کا گھر گویا ہم سے دیوار بہ دیوار ہے۔ چند گھنٹہ بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہوا۔''

(مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم نمبر چہارم' ص 116)

''مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ......! اس طرف طاعون کا بہت زور ہے۔ ایک دو مشتبہ وارداتیں امرتسر میں بھی ہوئی ہیں۔ چند روز ہوئے ہیں میرے بدن پر بھی ایک گلٹی نکلی تھی۔'' (مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم نمبر اوّل' مکتوب نمبر 38)

''قادیان میں طاعون آئی اور بعض اوقات کافی سخت حملے بھی ہوئے...... پھر خدا نے حضرت مسیح موعود کے مکان کے اردگرد بھی طاعون کی تباہی دکھائی اور آپ کے پڑوسیوں میں کئی موتیں ہوئیں۔'' (سلسلہ احمدیہ' جلد اوّل' ص 122)

یہ تھا کذاب قادیان کی روحانیت اور "تریاق الٰہی" کا فیض کہ جس شخص نے طاعون کی وبا کا شکار نہیں بھی ہونا تھا' اسے بھی طاعون نے پچھاڑ کر مرزا کا کذب اور اس کی جعلی حکمت خطرہ جان کو سب کے سامنے افشاں کر دیا۔

مرزا کی جعلی حکیمی کے مزید نمونے

مرزا قادیانی کو دستوں کی بیماری تھی' جاہل سے جاہل ترین حکیم بھی اس بات سے آشنا ہے کہ دستوں میں دودھ کا استعمال مزید دستوں کا باعث بنتا ہے' لیکن جاہلیت کے عالمی گولڈ میڈلسٹ کا اعزاز متنبی قادیان کو ہی حاصل تھا کہ وہ دستوں میں بھی دودھ کا استعمال زیادہ کر دیتا تھا' جس سے اس پر دستوں کی مزید برسات برس پڑتی اور اس کا تقریباً سارا دن لیٹرین کے چکروں میں گزرتا۔

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتا ہے:

"دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی' پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے کیونکہ یہ معمول ہو گیا تھا کہ ادھر دودھ پیا اور ادھر دست آ گیا' اس لیے بہت ضعف ہو جاتا تھا' اس کے دور کرنے کو دن میں تین چار مرتبہ تھوڑا تھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پی لیا کرتے تھے۔" (سیرت المہدی' حصہ دوم' ص 134)

قادیانیو! خصوصاً قادیانی ڈاکٹرو حکیمو اور میڈیکل افسرو! مرزے کے اس جاہلانہ عمل کی پیروی کرتے ہوئے تم پر بھی لازم ہے کہ جب تمہیں دستوں کا مرض آ گھیرے تو تم صحت کے تمام سائنسی وطبی قوانین وضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فوراً دودھ کا استعمال زیادہ کر دو اور لیٹرین کو بار بار اپنے دیدار کا شرف بخشو اور اگر دست مزید ترقی کرتے جائیں تو مزید دودھ منگواتے جاؤ' پیتے جاؤ اور ساتھ ساتھ اپنے جعلی نبی کے طبی نسخوں کی بھی تحسین کرتے جاؤ۔

گرمی دانوں کا علاج گرم کپڑے

"گرمی دانے" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ جسم پر نکلنے والے وہ ابھار جو گرمی کے باعث نمودار ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کے ڈاکٹر و حکیم حتیٰ کہ ایک عام انسان بھی اس بات سے بخوبی آشنا ہے کہ اگر جسم پر گرمی دانے نکل آئیں تو گرم لباس سے مکمل مجتنب رہنے میں ہی دانش مندی و عافیت ہے لیکن مرزائے قادیان کی عقل و حکمت کی داد دیجئے کہ شدید موسم گرما میں جب گرمی دانوں کا عذاب اس کے سارے جسم کو پوٹوہار بناتا تو بجائے نرم و سرد لباس کے وہ مزید گرم لباس پہن لیتا۔

مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے۔

"بعض اوقات گرمی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) کی پشت پر گرمی دانے نکل

آتے تھے۔"

پھر مرزا قادیانی ان گری دانوں کا علاج کیسے کرتا' مرزا بشیر احمد قادیانی ہی لکھتا ہے کہ:

"بدن پر گرمیوں میں عموماً ململ کا کرتہ استعمال فرماتے تھے اس کے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنتے تھے۔ پاجامہ بھی آپ کا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ عموماً جراب بھی پہنتے تھے۔" (سیرت المہدی' حصہ اول' ص 66)

(پھر گرم پانی سے نہاتا بھی ہوگا اور دھوپ کے نیچے بیٹھ کر آٹھ دس انڈے ہڑپ کر کے کہتا ہوگا کہ میں خاندانی حکیم ہوں۔ ناقل)

مرغا ذبح کروا کے سر پر باندھ دیا

ایک دفعہ قادیان میں مرزا قادیانی کا ایک عزیز سخت بیمار ہو گیا' جس سے اس کا دماغ بھی کافی متاثر ہوا۔ چنانچہ اس کے گھر والوں نے مرزا قادیانی کو بطور معالج اس کا علاج کرنے کے لیے بلوایا۔ مرزا قادیانی نے وہاں بھی اپنی جاہلیت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اس مریض کا علاج یہ تجویز کیا کہ ایک مرغا ذبح کروا کے ویسے ہی خون میں لتھڑا ہوا اس بیچارے کے سر پر باندھ دیا۔

سیرت المہدی میں مرزا بشیر احمد قادیانی اس واقعہ کے متعلق یوں رقم طراز ہے:

"حضرت والدہ صاحبہ یعنی ام المومنین اطال اللہ بقاہا نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مرزا نظام الدین صاحب کو سخت بخار ہوا۔ مرزا نظام الدین صاحب کے عزیزوں نے حضرت صاحب کو اطلاع دی اور آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور مناسب علاج کیا۔ علاج یہ تھا کہ آپ نے مرغا ذبح کرا کے سر پر باندھا۔" (سیرت المہدی' حصہ سوم' ص 27)

مرزا قادیانی کے متعلق اس طرح کے درجنوں حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں، جن سے وہ جعلی معالج یا نیم حکیم تو بڑی دور کی بات ہے ایک کم فہم انسان بھی ثابت نہیں ہوتا لیکن قادیانیوں کی مرزا قادیانی کے متعلق اندھی تقلید کی انتہا دیکھئے کہ بجائے وہ مرزے کی ان بیہودہ اور جاہلانہ حرکات دیکھ کر اس سے عقیدت کے تمام بندھن توڑ کر اسلام کے چمنستان روح افزا میں داخل ہوتے وہ اب تک اسے "علم الطب" کا شہنشاہ تصور کیے ہوئے ہیں۔ قادیانیوں کا روزنامہ اخبار "الفضل" اپنے 21 اکتوبر 2002ء کے شمارے میں لکھتا ہے:

"سیدنا و امامنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (مرزا قادیانی) نے اپنی روحانی آنکھ اور چشم بصیرت سے جہاں "علم الادیان" پر ایسی انقلابی روشنی ڈالی کہ دن چڑھا دیا، وہاں "علم الابدان" یعنی میڈیکل سائنس اور طب کے سلسلہ میں بھی پوری عمر بے شمار روحانی تجربات و مشاہدات کے بعد دنیائے طب کے لیے ایسے بیش قیمت رہنما اصول رکھے جو صرف اور صرف ایک ربانی مصلح ہی کی خدا نما شخصیت سے مخصوص

ہو سکتے ہیں اور دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ آج تک طب اور سائنس کے ماہر فاضلوں کا لٹریچر ان پہلوؤں کے اعتبار سے بہت حد تک خاموش ہے۔"

قادیانی اخبار "الفضل" یہاں جھوٹ بولنے میں اپنے گرو گھنٹال مرزا قادیانی کو بھی مات دے گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے طب کے میدان میں جو انسانیت کش اور مضر رساں اصول مرتب کیے ہیں ان کی نظیر طب اور میڈیکل سائنس کے ماہرین میں تو کیا کسی فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے اس شخص میں بھی نہیں پائی جاتی جس کی عقل ہمہ وقت محو پرواز رہتی ہے۔

لیکن اگر باقی باتوں سے قطع نظر ایک لمحہ کے لیے مرزا قادیانی کو نیم حکیم بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی اسلام اور جدید سائنس مرزا قادیانی کی تردید پر کمربستہ نظر آتی ہے کیونکہ نیم حکیمی کی گنجائش نہ دین اسلام میں ہے اور نہ ہی جدید سائنس میں، ملاحظہ فرمائیں:

جاہل معالج اسلام اور جدید سائنس کی نظر میں

اولاً اسلام نے انسانیت کے لیے حفظان صحت کے ایسے اصول مرتب کیے ہیں کہ بندہ زیادہ سے زیادہ بیماریوں سے قبل از وقت بچا رہے۔ تاہم اگر کوئی بیماری حملہ آور ہو جائے تو اس کا مناسب علاج بھی پیش کیا ہے۔ طب کو باقاعدہ ایک فن کے طور پر پروان چڑھانے اور اس فن کے ماہرین پیدا کرنے میں نسب سے زیادہ دخل اسلام کو حاصل ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے ہسپتال مسلمانوں نے ہی قائم کیے اور سب سے پہلے رجسٹرڈ ڈاکٹروں اور سرجنوں کا ایک باقاعدہ نظام بھی انہی نے وضع کیا تاکہ مختلف بیماریوں کا صحیح طبی خطوط پر علاج کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ (اور امت مرزا کے لیے باعث حق شناسی) ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"ومن تطبب ولم يعلم منه الطب قبل ذلک فهو ضامن.

ترجمہ: جس شخص نے علم الطب سے ناآگہی کے باوجود طب کا پیشہ اختیار کیا تو اس (کے غلط علاج' مضر اثرات) کی ذمہ داری اسی شخص پر عائد ہوگی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ آپؓ بیمار ہو گئے۔ ان کے علاج کے لیے دو طبیب آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موقع پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ دونوں میں سے جس کا تجربہ زیادہ ہے وہ علاج کرے۔ چنانچہ ان دونوں میں سے جس طبیب کا علم طب پر عبور اور تجربہ زیادہ تھا، اس نے اس صحابی رسول کا علاج کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

ایکما اطب من تطبب وھو لا یعرف طبا فھو ضامن. (ابوداؤد کتاب الطب)

”اگر کسی نیم حکیم کی وجہ سے کوئی مر گیا تو اس کی موت کا ذمہ دار وہ ڈاکٹر اور حکیم ہوگا۔“

اس فرمان نے جہاں لوگوں کو طب میں تخصیص کے لیے مہمیز دی وہاں اسلام کی اولین صدیوں میں ہی جعل سازوں سے بچنے کے لیے میڈیکل کا ایک باقاعدہ امتحانی نظام وضع کرنے میں بھی مدد ملی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے ماہرین طب اور سرجن پیدا ہوئے۔

دنیا میں سب سے پہلے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے لیے امتحانات اور رجسٹریشن کا باقاعدہ نظام عباسی خلافت کے دور میں بغداد میں وضع ہوا جسے جلد ہی پورے عالم اسلام میں نافذ کر دیا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک جعلی حکیم کے ناقص علاج سے ایک مریض کی جان چلی گئی۔ اس حادثے کی اطلاع حکومت کو پہنچی تو تحقیقات کا حکم ہوا۔ پتہ یہ چلا کہ اس عطائی طبیب نے میڈیکل کی مروجہ تمام کتب کا مطالعہ نہیں کیا تھا' اور چند ایک کتابوں کو پڑھ لینے کے بعد مطب (Clinic) کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

اس حادثے کے فوری بعد حکومت کی طرف سے معالجین کی باقاعدہ رجسٹریشن کے لیے ایک بورڈ بنایا گیا، جس کی سربراہی اپنے وقت کے عظیم طبیب سنان بن ثابت کے ذمہ ہوئی۔ اس بورڈ نے سب سے پہلے صرف بغداد شہر کے اطباء کو شمار کیا تو پتہ چلا کہ شہر بھر میں کل 1000 طبیب ہیں۔ تمام اطباء کا باقاعدہ تحریری امتحان اور انٹرویو لیا گیا۔ ایک ہزار میں سے 700 معالج پاس ہوئے۔ چنانچہ رجسٹریشن کے بعد انھیں پریکٹس کی اجازت دے دی گئی اور ناکام رہ جانے والے 300 اطباء کو پریکٹس کرنے سے روک دیا گیا۔

61ھ کے مشہور طبیب ابن سہیل بغدادی نے اپنی مشہور کتاب ”مختارات“ میں مسند معالجت پر بیٹھنے کے لیے چند ضروری شرائط رقم کی ہیں اور لطف یہ کہ مرزا قادیانی میں ان رقم کردہ شرائط میں سے ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی۔ ابن سہیل بغدادی لکھتے ہیں کہ:

اس معالج پر اعتماد کیا جانا چاہیے جس نے علم طب کی تحصیل اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ فن سے کی ہو اور عملی مشق و تجربہ کے لیے ایک مدت دراز تک ماہرین کی خدمت میں رہا ہو اور ان کی نگرانی میں مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کیا ہو اور ان بزرگوں سے سند مہارت حاصل کی ہو' تب جا کر بیماریوں کی طرف رجوع کرے۔“

اسلام اور مسلمان اطباء کی ان ہدایات سے آج عالمی ادارہ صحت (World Health Organization) W.H.O کی تنظیم بھی متفق ہے اور قانونا مطالبہ کرتی ہے کہ تمام غیر مستند عطائیوں (Quacks) کی پریکٹس کو مسدود کر دیا جائے۔

(Preventive and Social Medicine By Dr. Seal p160)

یورپ میں عطائیت کے خاتمے کے لیے سب سے پہلا قانون 1821ء میں معرض وجود میں آیا۔ اس کی رو سے ہر وہ شخص جو علاج معالجے کا دعویدار ہے لیکن اس کے پاس کسی مستند محکمے' کالج یا انسٹیٹیوٹ کی سند یا اجازت نامہ نہیں تو قانوناً ایسے شخص کو پریکٹس کرنے کی قطعی اجازت نہیں اور اگر ایسے معالج سے کسی مریض کو نقصان پہنچے تو اس کا تاوان معالج کو ادا کرنا پڑے گا۔

قادیانیو! سوچو کہ اگر مرزا قادیانی آج کے اس دور میں زندہ ہوتا تو یقیناً ایک مجرم کی حیثیت سے اس پر مقدمہ چلتا اور وہ جعل سازی کرنے اور لوگوں کو موت کے گھوڑے پر سوار کرنے کے جرم میں پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاتا پھر تم کفِ افسوس ہی ملتے رہ جاتے کہ کاش ہمارا نبی طب و حکمت کے میدان میں قدم نہ رکھتا تو شاید پھانسی کے پھندے سے بچ جاتا اور یہ ذلت و رسوائی دیکھنا نصیب نہ ہوتی۔

◆……◆……◆

مظفر احمد مظفر

راہی منزل مراد پاتا ہے

(یہ انٹرویو ختم نبوت اکیڈمی لندن کے ڈائریکٹر جناب عبدالرحمٰن باوا نے کیا)

شیخ راحیل احمد اور شیخ جاوید اقبال کی بمع اہل خانہ قادیانی جماعت سے علیحدگی کی خبریں ابھی گرم تھیں کہ جرمنی کے شہر حسم (ہمبرگ) سے تعلق رکھنے والے ایک نہایت مخلص پیدائشی احمدی مظفر احمد مظفر نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ مسجد توحید آفن باخ میں مولانا مشتاق الرحمٰن امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جرمنی کے ہاتھوں اسلام قبول کرتے ہوئے جماعت احمدیہ سے اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ مظفر صاحب ہمبرگ جماعت میں مختلف ادوار میں بطور ریجنل سیکرٹری تجنید' صحت اور وقار عمل کے شعبوں میں جماعتی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ وہ ایک اعلیٰ پایے کے شاعر بھی ہیں، انھوں نے مختلف جماعتی مقابلہ جات میں گولڈ میڈل اور بہت ساری تعریفی اسناد بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ انھوں نے ایک نہایت ہی شاندار اور پر وقار تقریب جس کا انعقاد وہاں کی مقامی تنظیم نے کیا تھا، سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے اس ردعمل کے پیچھے سات سال کی کتب بینی کے علاوہ ذاتی مشاہدات، جماعت کا داخلی کردار، سنت نبوی سے جماعت کا اجتناب اور جماعت کے غیر فطری وغیر شرعی شعار بھی شامل ہیں۔ تقریب میں مولانا مشتاق الرحمٰن کے علاوہ پہلے سے جماعت چھوڑنے والے جناب افتخار احمد اور جناب شیخ راحیل احمد نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پڑھے لکھے طبقہ کا جماعت احمدیہ چھوڑنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جاہلانہ سوچ والی اندھی عقیدت کے دن ختم ہو رہے ہیں اور سمجھدار لوگ اب حقیقت پسندانہ راستہ اختیار کرتے ہوئے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ انھوں نے ان تمام احمدیوں کو جو ایک انجانے ڈر کی وجہ سے کہ کہیں وہ اکیلے نہ رہ جائیں اور جماعت کو جھوٹا سمجھتے ہوئے بھی اس کے ساتھ چمٹے رہنے پر مجبور ہیں' پیغام دیا کہ وہ ہمت سے کام لیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کی غلامی کا طوق گلوں سے اتار پھینک کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں آ کر اپنی آخرت سنواریں، ہماری اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کی بانہیں آپ کو گلے لگانے کے لیے ہر وقت کھلی ہیں۔

مظفر احمد مظفر کو مبارکبادوں کے فون کرنے والوں میں بہت ساری اعلیٰ شخصیات کے علاوہ سابق صدر پاکستان جناب رفیق تارڑ بھی شامل تھے۔ مظفر صاحب نے گذشتہ سات سال کی ریسرچ کا حوالہ دیا ہے، یہ وہی عرصہ ہے جب جھوٹی بیعتوں کا ایک طوفان بدتمیزی اپنے جوبن پر تھا۔ دنیا کو بیوقوف بنانے کے چکر میں جماعت خود الو بن گئی اور جو وقت تربیت کر کے احمدیوں کو سدھانے کا تھا، جھوٹ کے پیچھے

بھاگ کر ضائع کر دیا گیا اور عام احمدی کو خود اپنی سوچ سوچنے کا وقت مل گیا جس کے نتیجہ میں نہ تو جھوٹی بیعتیں رہیں بلکہ اپنے بھی ہاتھ سے جانے لگے۔ قادیانی خلیفہ مرزا طاہر جرمنی کی لاکھوں جھوٹی بیعتوں کو اپنے سر لے کر عبرت کا سامان بنا جبکہ جرمنی کی قیادت چالیس پچاس بیعتیں بھی نہ بچا سکی۔ چند درجن غیر ملکی افراد جو جماعت میں موجود ہیں وہ صرف اس لیے کہ جماعت نے انہیں اپنی بہنیں یا بیٹیاں نکاحوں میں دے رکھی ہیں یا پھر ان کو معقول مشاہروں پر ملازم رکھ لیا گیا ہے۔ اس جھوٹ نے خود احمدیوں کے ایمان متزلزل کیے۔ ایک اچھے خاصے احمدی بزرگ یہ کہتے سنے گئے کہ جب دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا شخص عبداللہ واگس ہاوزر ہمارا امیر ہو تو پھر ہمارے عقیدے کی سچائی خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔

موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور احمد صاحب یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود یا تو بانسری بجا رہے ہوں گے اور یا پھر منیر جاوید سے نیا خطبہ لکھوا کر یاد کر رہے ہونگے ورنہ یہ سب کچھ جاننے کے بعد اتنے بڑے جھوٹ اور فراڈ کا اعتراف کرتے ہوئے وہ جھوٹوں کو نشان عبرت بنا چکے ہوتے۔ اب اس سابقہ مخلص اور شیدائی احمدی کا ایمان پرور انٹرویو پڑھیئے اور غور فرمایئے کہ قادیانی جماعت کس مقام پر کھڑی ہے؟

بہادر پٹھانوں کے علاقے ،صوبہ سرحد کے خوبصورت شہر نوشہرہ کے باسی، مظفر صاحب مسکراتے چہرے کے ساتھ مخاطب سے دل موہ لینے والے انداز میں بات کرتے ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر اور سابق پیدائشی احمدی ہیں۔ چھ بہن بھائیوں میں تیسرا نمبر ہے ان کا۔ جماعتی خدمات میں ایکٹو رہے ہیں، ان کو شاعری میں جماعت نے کئی سرٹیفکیٹ بھی دیئے ہیں وہ گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ نوشہرہ میں سکول گئے اور اس شہر کو 'بیچلر آف سائنس کی ڈگری' لینے کے بعد چھوڑ کر دنیا دیکھنے کی لگن میں زقند بھری اور جرمنی پہنچے تو یہیں کے ہو رہے۔ ان کے ایک خوبصورت شعر سے انٹرویو کا آغاز کرتے ہیں۔

کل سے مظفر کر رہا ہے بہکی بہکی گفتگو
آج سے لکھ دو اسے بھی دوستو کفار میں

نمائندہ سائٹ: السلام علیکم مظفر صاحب، خوبصورت شعر ہے، آپ کو کفار میں سے سمجھیں یا؟

مظفر احمد مظفر: وعلیکم السلام، شکریہ (ہنستے ہوئے) آپ مجھے مسلمان ہی سمجھیے۔

نمائندہ سائٹ: معاف کیجئے گا شروع میں کچھ ذاتی سوال کروں گا، کیا آپ پیدائشی احمدی تھے؟

مظفر احمد مظفر: جی! میرے پردادا گرامی قدر نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کی تھی۔

نمائندہ سائٹ: مختصر سا خاندانی پس منظر اگر آپ کو اعتراض نہ ہو؟

مظفر احمد مظفر: پلیز بے تکلفی سے پوچھیے! ہم پانچ بھائی اور ایک بہن ہے۔ والد صاحب نیشنل بینک آف پاکستان میں وائس پریذیڈینٹ اور بعد ازاں بینک کے چیف آڈٹ آفیسر صوبہ سرحد تھے۔

کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ اور آپ کے ماشاء اللہ کتنے بچے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: جی! میری شادی انگلینڈ میں پچاس ساٹھ سال سے آباد جالندھر کے راجپوت خاندان میں ہوئی ہے اور میرے ماشاءاللہ تین بچے ہیں جن میں سے دو بیٹے احمدیت سے تائب ہونے کے بعد اللہ نے انعام کے طور پر عنایت کیے ہیں!

نمائندہ سائٹ: کیا آپ کی والدہ حیات ہیں اور آپ کے قبول اسلام کے بعد ان کا اور دوسرے افراد خاندان کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟

مظفر احمد مظفر: والد صاحب فوت ہو چکے ہیں، والدہ صاحبہ حیات ہیں اور باوجودیکہ وہ اس فیصلہ سے خوش نہیں ہیں لیکن ان سے تعلق برقرار ہے۔ ایک بہن اور ایک بھائی نے مکمل طور پر قطع تعلق کر لیا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے!

نمائندہ سائٹ: آپ کے خاندان میں کوئی جماعتی ذمہ داریوں پر بھی فائز ہے یا تھا؟

مظفر احمد مظفر: ویسے تو عہدے دار میں بھی رہا ہوں اور گھر کے دوسرے افراد بھی کچھ نہ کچھ جماعت میں ایکٹو ہیں لیکن اگر آپ جماعت کی ملازمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو میرے تایا مولانا محمد شفیع اشرف ناظر اصلاح وارشاد تھے، اور احمدی جانتے ہیں کہ یہ ایک بہت اہم عہدہ ہے جماعت میں!

نمائندہ سائٹ: آپ نے کن جماعتی عہدوں پر کام کیا ہے؟

مظفر احمد مظفر:

تراشا تھا مظفر تُو نے جو بت عہد طفلی میں
خدا کے واسطے ایسے خدا کی بات رہنے دو

لیکن آپ کی بات کا جواب۔ از بچپن تا قادیانی جماعت چھوڑنے تک' بیشمار عہدوں پر کام کیا ہے۔ اوائل عمر میں ناظم صحت، بعدازاں ناظم وقار عمل، ناظم تجنید، ناظم اطفال، سیکرٹری مال، نائب قائد مجلس خدام الاحمدیہ، قائد مقامی وغیرہ

نمائندہ سائٹ: کیا آپ نے سب قادیانی خلفاء کی بیعت کی؟

مظفر احمد مظفر: جی نہیں، موجودہ خلیفہ میری تائب وبراءت کے بعد اقتدار میں آئے۔

نمائندہ سائٹ: آپ کا بنیادی اختلاف مرزا صاحب کی تعلیمات پر ہوا یا نظام پر یا کسی عہدے دار سے ذاتی اختلاف پر جماعت چھوڑی؟

مظفر احمد مظفر: میرا کسی سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں تھا، لیکن نظام جماعت سے اور مرزا صاحب کی تعلیم سے، دونوں سے مجھے اختلاف ہوا۔

نمائندہ سائٹ: کونسی تعلیمات آپ کے نزدیک غلط تھیں؟

مظفر احمد مظفر: مرزا قادیانی کی تعلیمات کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں، اول وہ حصہ جو 1901ء

سے پہلے کا ہے اور دوسرا وہ حصہ جو اس سے بعد کا ہے! مرزا صاحب کے افکار ونظریات دونوں حصوں اور ادوار میں مختلف ہیں، یعنی پہلے حصہ میں انداز فکر اور رنگ میں ہے، اس حصہ میں مرزا صاحب دعویٰ نبوت سے انکاری ہیں اور مدعی نبوت پر لعنت فرما رہے ہیں اور دوسرے حصہ میں یعنی 1901ء کے بعد صریح رنگ میں دعویٰ نبوت کے اقراری ہیں۔ مرزا صاحب کی تعلیمات میں اول درجے کا تضاد اور تاویلات ملتی ہیں جو مرزا صاحب کی تعلیمات کو گوشہ شکوک میں دھکیل دیتی ہیں اور دماغی خلل پر دلیل سخت بن جاتی ہے!!!

نمائندہ سائٹ: آپ مرزا صاحب کے دعوے کو حقیقی طور پر کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: وہی جو پوری امت مسلمہ کی مشترکہ رائے ہے، جو واضح طور پر اپریل 1974ء میں مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی تمام مسلم تنظیموں کی آواز سے آواز ملاتے ہوئے اورر بعد میں اس کی تائید میں 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں ظاہر کی گئی۔

نمائندہ سائٹ: اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں مرزا صاحب کے خلفاء کے متعلق' ان کے بیٹے اور خلیفہ ثانی مرزا بشیرالدین محمود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

مظفر احمد مظفر: اس موضوع پر تاریخی اوراق خود گواہ ہیں اور ان تاریخی حوالہ جات اور شواہد پر میرا پورا اعتماد ہے۔

نمائندہ سائٹ: آپ تو عہدے دار تھے اور آپ بتا سکتے ہیں کہ مرزا طاہر کی بیعتوں کی حقیقت کیا تھی؟

مظفر احمد مظفر: دیکھیں یہ سراسر دروغ گوئی ہے اور اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں! یہ محض افراد جماعت کا مورال بلند کرنے، ان میں بجھتی ہوئی حدتِ ایمان کی چنگاری کو ہوا دینے، جماعت میں امنگ پیدا کرنے اور کامیاب خلافت کے جھنڈے بلند کرنے کی ایک کارآمد کوشش تھی، جو وقتی طور پر افراد جماعت میں دُود مایوسی کو رفع کرنے میں ایک کرن کا کام کر گئی اور عام فہم سادہ لوح آدمی اس نرغے اور دھوکے میں آ گیا کہ اب دنیا میں جماعت احمدیہ کے انقلاب اور فتح کے ترانے پڑھنے کا وقت آ گیا لیکن عملی طور پر یہ کاوشیں اور دعوے سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اور احمدی خود حقیقت کا سامنا کر کے لرزہ براندام و ششدر رہ گئے!!

نمائندہ سائٹ: قادیانی جلسوں میں اکثر غیر ملکی یعنی یوروپین افراد آتے ہیں، کیا وہ سب احمدی ہیں یا وہ بھی کوئی دھوکہ ہے؟

مظفر احمد مظفر: نہیں نہیں! یہ جماعت کا وطیرہ رہا ہے کہ ایسے موقعوں پر تمام غیر ملکی سفارت خانوں کو دعوت نامے بھیج دیئے جاتے ہیں، یہ افراد ان دعوت ناموں کا پاس کرتے ہوئے ”ویک اینڈ“ میں پہنچ جاتے ہیں، یہ احمدی نہیں ہوتے صرف وی آئی پی کے طور پر مدعو ہوتے ہیں۔ دیکھنے والا فوراً مرعوب ہو

جاتا ہے کہ اس قدر غیر ملکی افراد احمدی ہو گئے ہیں، درحقیقت یہ سب غیر ملکی سفارت خانوں کے کارکن ہوتے ہیں۔

نمائندہ سائٹ: قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ اسلام کی کئی قسمیں ہیں۔ آپ نے کون سی قسم کو گلے لگایا ہے؟

مظفر احمد مظفر: وہ اسلام جسے مرزا صاحب نے اپنی اغراض مشئومہ اور مقاصد مذمومہ کے لیے رد کر دیا تھا، جسے مردہ اسلام کہا تھا، جسے باسی دودھ سے تشبیہ دی، جسے مولویوں کا اسلام کہا، میں نے اس اسلام کو قبول کیا ہے!!!

نمائندہ سائٹ: آپ کے خیال میں جماعت سچائی یا جھوٹ، کس معیار پر کھڑی ہے؟ اور اس جماعت کی کوئی اہمیت ہے؟

مظفر احمد مظفر: یہ دنیا دار الفتن ہے، نت نئے فتنے آئے دن سر اٹھا رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں جبریہ، قدریہ، معتزلہ اور کرامیہ جیسے فتنے پیدا ہوتے رہے، وہ بھی اصل اسلام کے دعویدار تھے۔ انھوں نے صحابہ کرام کے عقائد و مسلک سے ہٹ کر نئے موقف اور عقائد گھڑ لیے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کی جماعت کو قرآن کریم نے بھی معیار قرار دیا ہے، لہٰذا جو ان سے الگ ہوا، قرآن کریم سے الگ ہو گیا۔ اب دیکھیں کہ صحابہ کرام کے عہد میں ہی الل ہوا اپنا کام دکھا چکے تھے۔ یہ حدیث کی حجیت سے دست بردار ہونا چاہتے تھے۔ غرض فتنے پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے، ان کے لیے معیار سچائی کا تعین کرنا میرے نزدیک تضیع اوقات ہوگا۔ سو ایسے قیل و قال سے کیا حاصل!

نمائندہ سائٹ: جیسا کہ آپ نے کہا کہ یہ سلسلہ تعمیری نہیں تو اس کا نقصان عالم اسلام پر کیا پڑتا ہے؟

مظفر احمد مظفر: حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بڑے واضح رنگ میں بروقت فرما دیا تھا کہ ''قادیانی اسلام اور ملت دونوں کے غدار ہیں'' اور پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں ''قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے'' پھر فرماتے ہیں ''قادیانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک غیر مسلم اسے اسلام سمجھ کر قبول کر رہا ہوتا ہے اور المیہ یہ ہوگا کہ وہ ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں جا رہا ہوتا ہے۔''

نمائندہ سائٹ: علمائے اسلام قادیانیوں کا تعاقب کر رہے ہیں، کیا آپ ان کے کام سے مطمئن ہیں؟

مظفر احمد مظفر: الحمدللہ! مرزا صاحب کی وفات کے بعد جماعت ایک منظم تحریک کی صورت اختیار کر گئی ہے، اگرچہ علماء نے مرزا صاحب کی زندگی میں ہی اس جماعت کا تعاقب شروع کر دیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے اس کی تکفیر شروع کی، بعدازاں دیگر علماء نے اس کی

تقلید کی، جن علماء نے ان کا ہر میدان و محاذ پر محاربہ و محاصرہ کیا' ان میں سرفہرست مولانا محمد عالم آسیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا سعد اللہ لدھیانویؒ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ تھے۔ بعد میں محدث العصر حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند بھی متوجہ ہوئے اور انہوں نے جماعتی طور پر مقابلہ کی طرح ڈالی۔ انہوں نے مجلس احرار کے سرخیل' خطیب ہند حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں امیر شریعت مقرر کیا اور ان کی پوری جماعت کو مقابل لاکھڑا کیا۔ اسی طرح علامہ اقبالؒ نے مولانا ظفر علی خانؒ کو اس طرف متوجہ کیا۔ تقسیم ہند کے بعد احمدیوں کا سابقہ فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ سے پڑا۔ اس کے بعد مولانا منظور احمد چنیوٹی 1951ء سے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے مرزا محمود سے لے کر مرزا مسرور تک سب خلیفوں کو مباہلہ کا چیلنج اور دعوت اسلام دیتے آرہے ہیں۔ میں ان تمام حضرات کا احترام کرتا ہوں۔

نمائندہ سائٹ: قادیانی کہتے ہیں کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں۔ آپ کا کیا جواب ہے؟

مظفر احمد مظفر: میں ایسے افراد کی دماغی صحت مخدوش قرار دوں گا۔ مرتد کے لفظی معنی ہیں کافر ہو جانا، ملحد ہو جانا، اسلام سے پھر جانا، لیکن کفر سے براءت کا اعلان کرنے والے کو، کفر سے تائب ہونے والے کو مرتد نہیں بلکہ مسلمان کہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو اس سلسلہ کے پہلے مرتد خود مرزا صاحب ہوئے کہ اپنے مذموم عقائد کے نشہ میں خارج از دائرہ اسلام ہوئے۔ لہٰذا ایسا کہنے والا احمدی خود اپنے ماتھے پر اس لفظ مرتد کی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

نمائندہ سائٹ: آپ کے بقول مرزا صاحب جھوٹے ہیں لیکن احمدی حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ خدا کی نصرت ہمارے ساتھ ہے اس لیے ہم ترقی کر رہے ہیں، لیکن جھوٹوں کے ساتھ تو خدا کی نصرت نہیں ہوتی؟

مظفر احمد مظفر: دنیا کا مزاج ہی ایسا ہے کہ یہاں خیر و شر کو پھلنے پھولنے کے لیے یکساں ماحول فراہم ہے، بلکہ شر کی تشہیر و تبلیغ زیادہ سہل و تیزی سے ہوتی ہے، ہم جسے پاگل خیال کر رہے ہوتے ہیں عموماً اس کی نگاہ میں باقی سب پاگل ہوتے ہیں۔ اندھے کو ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے، بہرے کو چہار سو سناٹا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح احمدیوں کا گمان بھی غلط ہے کہ وہ کروڑوں تک پہنچ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، ان لکیر کے فقیروں کو جو کہا جائے یا جیسی لکیر کھینچ دی جائے' یہ اس پر چل نکلتے ہیں لیکن اصل حقائق کچھ اور ہیں!

نمائندہ سائٹ: قادیانیوں کا کہنا ہے کہ اگر 1974ء والی قومی اسمبلی کی کارروائی نشر ہو جائے تو سارا پاکستان احمدی ہو جائے گا، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: قہقہہ۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ مگر میری پیش گوئی ہے کہ اس سے سارے احمدی

مسلمان ہو جائیں گے اور جماعت چھوڑ دیں گے!!!

نمائندہ سائٹ: قادیانی کہتے ہیں کہ چونکہ تمام فرقوں نے مل کر ہمیں کافر قرار دیا ہے اس طرح ہم ایک ہی فرقہ ناجیہ رہ جاتے ہیں؟

مظفر احمد مظفر: اسمبلی نے ایک نہیں دو فرقوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ لاہوری احمدی اور قادیانی احمدی، دونوں پر علیحدہ علیحدہ جرح ہوئی اور دونوں خود کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ سمجھتے ہیں، اس طرح یہ دو فرقے ہوئے ایک نہیں!!!

نمائندہ سائٹ: قادیانیوں کے لیے کوئی پیغام اگر آپ دینا چاہیں تو وہ کیا ہوگا؟

مظفر احمد مظفر: احمدیوں سے صرف اتنی گزارش ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں کم از کم تین بار ضرور پڑھیں اور یہ مرزا صاحب کا بھی ارشاد ہے اور میری گزارش بھی۔ اگر ممکن نہ ہو تو جناب محمد متین خالد کی کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' ضرور پڑھیں اور دیگر مسلمان برادری سے نفرت وحقارت کی بلند فصیلیں توڑ کر اصل دین حق کو پہچانیں جو چودہ سو سال پہلے سے اس روئے زمین پر موجود ومحفوظ ہے، جس کی کثرت ہی اس کی حقانیت پر دال ہے۔

مظفر تلخ اتنا تو نہیں تھا قصہ الفت
تو دہراتا تو ہے پر تجھ سے دہرایا نہیں جاتا

* * *

عبداللہ رینول

سراب کا سحر ٹوٹتا ہے!

میرا نام عبداللہ رینول (Rinol) ہے۔ میں البانوی النسل، مقدونیہ کا باشندہ ہوں اور اس وقت بیلجیم میں زیر تعلیم ہوں۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی قادیانیت کے دجالی جال میں پھنس گیا تھا۔ دراصل لوگوں کی ایک قلیل تعداد کو ہی قادیانیت کے جھوٹے ہونے کا علم ہے، کیونکہ مشرقی یورپ میں بسنے والے مسلمان کیمونسٹ حکومتوں کے زمانے میں مذہبی آزادی سے قطعاً محروم تھے اور ان کے لیے مذہبی تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا، اس لیے وہ اپنی کم علمی کی بنا پر قادیانیت کا آسان ہدف ہیں۔ یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میں بنیادی طور پر مشرقی یورپ کا باشندہ ہونے کی بنا پر قادیانیت کے جھوٹا ہونے سے لاعلمی کے سبب قادیانیت کے خلاف مزاحم نہ ہو سکا۔

2000ء میں ایک قادیانی نے فتنہ قادیانیت کو اسلام کا ایک فرقہ کہتے ہوئے مجھے متعارف کرایا۔ اس قادیانی طالب علم نے مجھے بتایا کہ قادیانی مشن ہاؤس میں قادیانیت کے بارے میں البانوی زبان میں کئی کتب موجود ہیں۔ چونکہ میں نے اپنے بیلجیم میں ہونے کی بنا پر ایک طویل عرصے سے اپنی زبان (البانوی) میں کتب نہیں پڑھی تھیں اس لیے زیادہ تر اپنی مادری زبان کو پڑھنے کے مواقع دستیاب ہونے کی فطری دلچسپی کی بنا پر میں البانوی زبان میں قادیانی لٹریچر کی طرف راغب ہوا۔ فی الواقع اس طور پر نوجوانوں کو قادیانی ڈاکٹروں سے رابطہ کے لیے آمادہ کیا جاتا تھا۔ ان ڈاکٹروں کو اپنے مشرقی یورپ کے مسلمان نوجوانوں کی مذہبی حالت سے خصوصی واقفیت کی بنا پر مشرقی یورپ کے مسلمان نوجوانوں کی برین واشنگ کی خصوصی مہارت حاصل تھی۔ یہاں میں یہ وضاحت کرتا چلوں کہ قادیانی مشن کے ساتھ منسلک افراد اپنی مذکورہ بالا تمام تر مہارت کے باوجود مغربی یورپ میں مقیم مشرقی یورپ کے مسلمانوں میں اپنے مذہب کی اشاعت میں قطعاً ناکام رہے۔ ابتداء میں قادیانی مذہب کو اسلام کا فرقہ سمجھ کر اسے قبول کرنے والے مسلمان بھی اس کے علیحدہ اور جھوٹا مذہب ہونے کی آگاہی پر اسے ترک کر دیتے حتیٰ کہ میں بھی صرف 5 ماہ ان میں شامل رہا۔

اس تفصیل میں جائے بغیر کہ مجھے کیسے پھنسایا گیا، میں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ میں ان کے جال سے نکلا کیسے؟ مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ میں کسی خطرناک قسم کے جال میں پھنس چکا ہوں۔ قادیانیت کی اصطلاحوں سے تدریجاً واقفیت کی بنا پر قادیانیت کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ ہونے سے مجھ پر واضح ہونا شروع ہوگیا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ نہ ہی مجھے قادیانیوں میں ان کے بانی کی موت کے فوراً بعد تفریق کے بارے میں کچھ علم تھا اور نہ میں یہ جانتا تھا کہ قادیانی مسلمانوں کے ازلی دشمن یہودیوں کے ساتھ بھائی چارہ رکھتے ہیں۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ قادیانیوں کے نزدیک یہودی غیر قادیانی مسلمانوں کی نسبت بہتر لوگ ہیں، جبکہ وہ غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر گردانتے ہیں۔ قادیانیوں کے نزدیک ایک غیر قادیانی مسلمان کی اقتداء میں نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے والے (یہودی) اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے کسی گروہ کے لیے پسندیدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ خصوصاً جب قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ یہودی اسلام کے دشمن ہیں۔

قادیانی لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ قادیانیوں کے انگریزوں سے ہمیشہ بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ قادیانیت کے بانی آنجہانی مرزا غلام احمد کے بیٹے نے اپنی کتاب "دعوت الامیر" میں اس بات کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کہ اس کے باپ نے پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کی فتح کی دعا کی تھی۔ انگریز برصغیر پاک و ہند میں بطور استعماری قوت کے داخل ہوئے تھے۔ اس طور پر اپنے وطن کو استعماریت کا نشانہ بنانے والوں کی شکست کی دعا کرنا زیادہ منطقی بات تھی لیکن مرزا قادیانی کے اس کے برعکس عمل سے ثابت ہے کہ برطانوی استعمار اور قادیانیوں میں باہم تعلق تھا۔ بعد ازاں مجھے ایک تصنیف **Ahmadiyya Movement: British - Jewish Connections by Bashir Ahmad** پڑھنے کا اتفاق ہوا جس کے مصنف نے ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کیا کہ قادیانیت فی الحقیقت انگریزوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے قائم کی گئی ایک تحریک ہے اور اس کا یہودیوں کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ ان تمام معلومات نے مجھے قادیانیت کو ایک اسلامی گروہ سمجھنے کی پر فریب حالت سے نکلنے میں بہت مدد دی۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انھیں تم میں سے' سو وہ انھیں میں سے ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔" (المائدہ: 51)

قادیانی بننے سے 6 ماہ قبل میں نے ایک واضح خواب دیکھا۔ اس خواب میں میں نے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی زیارت کی۔ ان کے بتلائے بغیر ہی مجھے یقین تھا کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ ہی ہیں۔ میں خود کو بڑا خوش نصیب محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یقین سا تھا کہ مجھے کوئی اچھی خبر دی جائے گی۔ میں نے اس سے قبل ایسا واضح خواب نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے چند عمودی سرمئی لائنوں والا خوبصورت سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ ان کے گیسو دراز اور چہرۂ انور بہت پیارا تھا۔ انہوں نے میری مادری زبان البانوی میں مجھے بشارت دی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے لفظ گارتھ (garth) استعمال کیا۔ میں نے اس سے پہلے یہ لفظ کبھی نہیں سنا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے انکل سے جو اپنے کام پر جا رہے تھے، اس لفظ (garth) کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ لفظ گھر یا بھیڑوں اور دوسرے جانوروں کے باڑے کے گرد لگائی جانے والی باڑ ہے۔ میرے بڑے بھائی نے بھی اس لفظ کا یہی مطلب بتایا تاہم اس نے اضافہ کیا کہ یہ اپنے اندر حفاظت کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ قادیانیت میں شمولیت کے وقت یہ خواب میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بعد ازاں جب میں نے اس خواب کے بارے میں مشن کے لیڈر اور واعظ کو بتایا تو انہوں نے بار بار یہ کہا کہ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے 4 خلفاء میں سے کسی ایک کو دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میرا کامل یقین ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ جب میں نے یہ خواب دیکھا تھا۔ اس سے بیشتر میں اپنے ساتھی طالب علم کی وجہ سے تقریباً قادیانی ہو چکا تھا۔ اس نے حضرت امام مہدی کے ظہور کے بارے میں میرے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات بھی ڈال دیئے تھے۔ جب میں نے اس سے اس خواب کے حوالے سے قادیانیت کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا اور اسے یہ بھی بتلایا کہ میرے شبہات کی بنیاد میرا خواب ہے، تو اس نے مجھے لکھا کہ دراصل وہ خواب تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قادیانیت کی جانب راہنمائی کی غرض سے تھا۔ یعنی وہ خواب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے دکھایا کہ تم قادیانیت کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ اب اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس خواب کی یہ تعبیر درست نہیں تھی تو پھر تمہیں ہماری بجائے اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) مورد الزام ٹھہرانا چاہیے۔

میں نے قادیانی طالب علم کی متذکرہ بالا تحریر کے جواب میں لکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خواب دکھائے اور حضرت محمد ﷺ کو خواب میں دیکھنا ایک بڑی سعادت ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے قبل ازیں اسلام سے انحراف کیا لیکن یہ قطعاً عارضی تھا اور اس عارضی انحراف سے مجھے قادیانیت کا اصلی چہرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا اور مجھے پتہ چل گیا کہ قادیانیت سراسر گمراہی ہے۔ اس طور یہ میرا مقدر تھا کہ میں تمہارے حلقہ میں شامل ہو جاؤں اور مجھے یقینی طور پر یہ پتہ چل جائے کہ قادیانیت مطلقاً غلط ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک کتاب بعنوان "اسلامی اصولوں کی فلاسفی" لکھی تھی۔ جب میں نے قادیانی مبلغوں سے قادیانی مذہب کے بانی کی لکھی ہوئی کچھ کتب فراہم کرنے کی درخواست کی تو شوریٰ کے صدر نے مذکورہ بالا کتاب پڑھنے کی تجویز دی۔ اللہ کی رحمت سے اس چھوٹی سی کتاب نے اسلامی اصولوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے کذاب کی نشاندہی کے لیے کافی مواد فراہم کیا۔ اس کتاب کے انگریزی ترجمے میں سورۃ التکاثر کی 8 آیات ہیں۔ مرزا غلام احمد نے جان بوجھ کر اپنی ذاتی تشریح کو تقویت پہنچانے کے لیے آیات قرآنی کا غلط ترجمہ کیا ہے۔ بلکہ آخر میں انہوں نے "تم اپنے اعمال سے جہنم کو جان جاؤ گے" کا اضافہ کیا ہے۔ ایسا کرنا ایک خوفناک جرم ہے۔ قرآن پاک میں تحریف کرنے کا جرم کوئی بہت ہی ظالم شخص کر سکتا ہے۔ مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک دجال تھا اور ان کی جماعت اسلام دشمن ہے۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب میں قادیانی شکنجے سے نکل گیا۔

* * *

عثمان بیری

قادیانیت سے فرار

میری پیدائش آئرش کیتھولک والدین کے ہاں ہوئی۔ مطالعہ تقابل ادیان میں میری دلچسپی تقریباً 25 سال کی عمر میں بڑھی۔ مراکش اور بھارت میں کئی سال گزارنے کے بعد اسلام کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ اسلام کے بارے میں میری پسندیدگی اسے اپنانے کی خواہش میں تبدیل ہونے کے ساتھ ہی مجھے مسلمانوں کی رفاقت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں قیام کے دوران ٹیلی فون کی ورق گردانی سے مجھے صرف ایک ہی مسجد ''احمدیہ اسلامک مشن'' ملی۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی بھی سکول اور کالج کے لیے جو اپنے طلباء کو مسجد کا دورہ کرانا چاہتے تھے یا مجھ جیسے نومسلم کے لیے صرف ''احمدیہ مسلم مشن'' کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ گو بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ ترکوں، مراکشیوں اور پاکستانیوں کے پاس ایسی جگہیں تھیں جنھیں وہ بطور مسجد استعمال کرتے تھے۔ یہ احمدیہ جماعت کے ساتھ میرا پہلا تعارف تھا، جس کا اظہار سیٹلائٹ ٹیلی ویژن اور متعدد زبانوں میں شائع ہونے والے جرائد میں ہوا۔ مسجد آنے والے پاکستانیوں، ڈینش نومسلموں اور ایک معروف امریکی موسیقار شہاب صاحب نے میرا خیر مقدم کیا۔ میں ان دنوں خود بھی موسیقی سے وابستہ تھا۔ گو کہ میں نے حقیقتاً ان میں شمولیت اختیار نہیں کی مگر انھوں نے مجھے نماز پڑھنا سکھائی اور مطالعہ کے لیے مجھے متعدد کتب دیں۔ جن میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ یہ ترجمہ مجھے بہت دلچسپ لگا۔ اس سے قبل میرے پاس صرف دشمن اسلام گریگوگ سیل **(Greoge Sale)** کا لکھا ترجمہ تھا۔ 6 ماہ تک کوپن ہیگن کے قادیانیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد لندن لوٹنے پر مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ برمنگھم کی قادیانی برادری کوپن ہیگن سے سنجیدگی، ذہانت اور نظم میں کم تر تھی۔ مسجد کے لیے ان کا انتظام انتہائی گھٹیا تھا جس میں بہت کم لوگ نماز کی ادائیگی کے لیے آتے تھے۔ اس سیٹ اپ کے سحر کے ٹوٹنے کے بعد میں نے برمنگھم کی مرکزی مسجد جانا شروع کر دیا۔ یہاں مجھے جمیکا کے متعدد لوگ ملے جن کا تجربہ بھی مجھ جیسا تھا۔ انھوں نے بھی احمدیہ جماعت کو مسلمان سمجھتے ہوئے اس میں شمولیت اختیار کی تھی مگر سچائی جاننے کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھے احمدیت اور اسلام کے درمیان فرق کے بارے میں بتایا تھا۔ تاہم میں ابھی گومگو کی کیفیت میں تھا۔ مجھ سے رابطہ رکھنے والے قادیانیوں نے

میرے مسلمانوں کی برمنگھم مسجد جانے کا سخت برا منایا۔ مجھے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ ایسی نماز قابل قبول نہیں ہوگی۔ احمدیوں نے کہا کہ صرف وہی حقیقی مسلمان اور صرف انہی کے گروپ کو اعتدال پسند نظریات کے باعث مغرب قبول کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے مقابلے میں ایک طرف تو قبروں کی پوجا کرنے والے سنی اور دوسری جانب بم پھینکنے والے بنیاد پرست ہیں۔ یہی وہ وقت تھا جب مرزا قادیانی کی اطاعت کا حلف نامہ مجھے دستخط کرنے کے لیے پیش کیا گیا، جس پر میں نے دستخط کر دیے۔ گو کہ نہ تو میں دل سے آمادہ تھا اور نہ شراب چھوڑنے کے علاوہ میرا موسیقارانہ طرز زندگی تبدیل ہوا تھا۔ دسمبر 1981ء میں لندن میں قادیانیوں کے سربراہ مبارک احمد نے مجھے ربوہ میں سالانہ جلسے میں شرکت کی ہدایت کی اور مجھے کراچی تک کے فضائی سفر کا ٹکٹ دیا۔ میں کراچی اور لاہور سے ہوتا ہوا ربوہ پہنچا۔ جہاں میں ایک یا دو عربوں سمیت پوری دنیا سے آئے مختلف قادیانیوں سے ملا۔ میں نے اپنا وقت یورپ سے آئے ہوئے ایک جرمن اور دوسرے برطانوی قادیانی کے ساتھ گزارا۔ دونوں کو قادیانی خواتین سے شادی کر کے موثر انداز میں قابو کیا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے چونکہ میں پہلے سے شادی شدہ تھا، لہٰذا اس فتنے سے محفوظ رہا۔ مجھے بھی ترغیب دی گئی کہ چونکہ میری اہلیہ میرے مذہب کی راہ میں حائل ہے، لہٰذا میں اسے چھوڑ کر خوبصورت قادیانی لڑکی سے شادی کرلوں۔ میری تین پیاری سی بیٹیاں تھیں اور میرا ان کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریزی میں ترجمہ کی گئی کتب نے مجھے بہت پریشان کیا۔ ان میں ایک وحی تھی جس میں اس مسیح موعود نے خواب میں ایک درخت پر بہت سے سفید پرندے بیٹھے دیکھے تھے۔ پھر اس نے آواز سنی جس نے انگریزی میں کہا کہ میں تمھیں اسلام کی ایک بڑی جماعت دوں گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ فصیح، خوبصورت اور اغلاط سے پاک عربی میں قرآن کریم اتارنے والا خدا گرائمر کی رو سے درست جملہ نہیں اتار سکتا۔ جب میں ربوہ میں تھا تو یہ وحی پھر میرے ذہن میں تازہ ہوگئی۔ ہم تین یورپی باشندوں کو وحی کے پرندوں کے طور پر پیش کیا گیا۔ ربوہ میں قادیانی جماعت کے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی ملا۔ میں نے انھیں انتہائی چرب زبان اور ناقابل اعتبار پایا۔ ان کی بدطینتی یوں ظاہر ہوئی کہ وہ ربوہ کے اردگرد رہنے والے چھوٹے قادیانی کاشتکاروں کو تعلیم دلاتے (انھیں ماسکو یا رومانیہ بھیجا جاتا جہاں تعلیم سستی تھی) اور پھر وہ اس بوڑھے شکرگزار کاشتکار جس کا بیٹا سخت محنت میں اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے نہیں رہا تھا، کی زمین بطور عطیہ قبول کر لیتے۔ اس طریقے سے “مقدس خاندان” جیسا کہ انھیں کہا جاتا ہے، کی سلطنت پھیلتی جا رہی ہے۔ جلسہ کے بعد مجھے مذہبی ضرورت کے تحت قادیان میں مرزا قادیانی کی قبر پر مجبوراً حاضری دینا پڑی۔ وہاں میں نے لوگوں کو سخت ناشائستہ اور غیر مہذب پایا اور مجھے وہاں سے نکل کر بہت خوشی ہوئی۔ ہم تین سفید پرندوں نے اس وقت کے خلیفہ مرزا ناصر احمد سے بھی ملاقات کی۔ اس کے پاس ایک کیمرہ مین ہر وقت موجود ہوتا جو کسی بھی قابل ذکر شخصیت کے مرزا ناصر سے مصافحہ کرتے ہوئے کی

تصویر کھینچ لیتا۔ میں قادیانی جماعت کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد سے بھی ملا جس نے طویل لیکچر میں ہمیں بتایا کہ مغرب میں اخلاقیات کے سوا ہر چیز بہت زبردست اور شاندار ہے اور مغرب کو اپنا اخلاق سنوارنے کے لیے ربوہ سے رہنمائی لینا ہوگی۔ مجھے تو یہ بعید از قیاس ہی لگتا تھا۔ میری ملاقات جن لوگوں سے ہوئی تھی، میرے نزدیک ان کا شمار دونوں میں سے ایک کیٹگری میں ہوتا تھا۔ ایسے جاہل جن کو اپنے گرد و پیش آنے والے حالات کا بالکل اندازہ نہیں تھا یا ان کا شمار ایسے بدمعاشوں میں ہوتا تھا جو اپنے اسلام کے نام پر کیے جانے والے فراڈ سے آگاہ تھے اور بدنیتی کے ساتھ اپنی جماعت کی کرپشن میں شریک تھے۔

قصہ مختصر میں اس بے ایمان اور سازشی مذہب سے ایسا بیزار ہوا کہ میں نے جلد از جلد اس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اگر احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے تو ایسے اسلام سے توبہ ہی بھلی۔ میں نے نماز، دینی مطالعہ اور اسلام قبول کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ میں نے موسیقی چھوڑ کر آئرلینڈ میں ایک فارم لیز پر لے لیا، کئی سال میں نے اسلام کے بارے میں شاذ و نادر ہی سوچا۔ پھر رب جلیل کی مہربانی سے ڈبلن میں، میں مسلمان برادری کے چند لوگوں سے ملا اور ہم دونوں میاں بیوی نے 1984ء میں ڈبلن مسجد میں اصلی اور حقیقی اسلام قبول کر لیا۔ الحمدللہ۔

❀……❀……❀

انٹرویو: نصیر احمد آزاد

ندامت کے آنسو

خوش قسمت نومسلم رانا محمد رفیق کی قادیانی مذہب اور نظام کے بارے میں انکشافاتی گفتگو

4 جون 2004ء کو مرکزی جامع مسجد ریلوے کالونی فیصل آباد میں جمعتہ المبارک کے اجتماع میں نعروں کی گونج میں قادیانیت سے تائب ہونے والے رانا محمد رفیق خان نے معروف عالم دین' خطیب' صحافی اور دانشور جناب صاحبزادہ طارق محمود کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں مشرف بہ اسلام ہونے والے رانا محمد رفیق کے اعزاز میں دعوت عصرانہ دی گئی اور ان کا انٹرویو ریکارڈ کیا گیا۔ یہ انٹرویو قارئین کی دلچسپی اور قادیانیت کے چنگل میں پھنسے ہوئے افراد کو دعوت اسلام کے نکتہ نظر سے پیش کیا جارہا ہے۔

سوال: رانا صاحب آپ کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟ اور آپ کس طرح قادیانیت کے چنگل میں پھنسے؟

جواب: میرا تعلق راجپوت خاندان سے ہے۔ تقسیم سے قبل ہمارے بڑے ضلع جالندھر تحصیل نواں شہر اور موضع کریام کے رہنے والے تھے۔ ہماری زمینیں تھیں' ہمارے خاندان کے دو تین افراد مرزا غلام احمد قادیانی کا شہرہ سن کر قادیان گئے۔ خدا جانے وہ کیوں قادیانی ہو گئے؟ دیکھا دیکھی باقی خاندان والے بھی قادیانی ہو گئے۔ اب میرا پورا خاندان اور سسرال والے قادیانی ہیں۔

سوال: آج کل آپ کہاں رہائش پذیر ہیں؟

جواب: ہم پہلے فیصل آباد رہا کرتے تھے۔ پھر ۸۸ ج ب سہیانہ فیصل آباد میں منتقل ہو گئے۔ آج کل ہماری رہائش ۲۲۳۔ سی آفیسر کالونی نمبر فیصل آباد میں ہے۔ میں محکمہ واسا میں ملازمت کرتا ہو۔

سوال: کیا آپ قادیانی عقائد اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ جات سے مکمل طور پر آگاہ تھے؟

جواب: جس طرح مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے۔ اسی طرح میں بھی قادیانیت کو اس لحاظ سے سچ ہی سمجھتا تھا۔ کیونکہ میں پیدائشی قادیانی تھا۔ باقی قادیانیت پر میرا کوئی خصوصی مطالعہ نہیں تھا۔

سوال: پھر یہ انقلاب کیسے آیا؟ آپ قادیانیت سے کیوں بیزار ہوئے اور بالآخر اس مذہب سے تائب ہو گئے؟

جواب: میں نے عرض کیا کہ میرا قادیانی مذہب کے حوالے سے وسیع مطالعہ نہیں تھا۔ بس جمعہ پڑھ لیتا تھا۔ یا پھر قادیانی جماعت کی اجتماعات میں شریک ہوتا تھا۔ ظاہر ہے وہاں وہ حسن اخلاق اور بڑی شستہ گفتگو کرتے۔ کسی کے خلاف بولتے نہ تلخی کا اظہار کرتے۔ نہ کسی کو تنقید کا نشانہ بناتے، اصلاحی، تبلیغی انداز اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے جس کے باعث اندر کی قادیانیت میں جھانک کر دیکھنے کا کبھی موقع ہی نہ ملا۔ میرے ایک دوست نے مرزا غلام احمد قادیانی کے حوالے سے ایک کتاب پڑھنے کو دی۔ ان کا ایک خطرناک دعویٰ نظر سے گزرا تو ذہن نے جھٹک دیا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی جسے ہم حضرت صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ ہمارے ذہنوں میں ان کا ایک تقدس تھا۔ جب مزید دعوے سامنے آئے تو جسم میں جھرجھری محسوس ہوئی۔ پھر جب غیر جانبدارانہ طور پر ان دعووں پر غور کیا تو مرزا صاحب کی ذات کے حوالے سے تقدس اور عقیدت کے آبگینے چکنا چور ہو گئے۔

سوال: مرزا غلام احمد قادیانی کے وہ کونسے دعوے تھے جن کے باعث آپ متنفر ہوئے؟

جواب: میرے ایک کانسٹیبل دوست نے ایک بار مجھ سے کہا کہ آپ کے مرزا صاحب پر وحی لانے والے فرشتہ کا نام ”ٹیچی ٹیچی“ تھا جو اکثر مرزا صاحب کے پاس آتا تھا۔ میں چونکہ لاعلم تھا۔ میں نے فوراً اس کی تردید کر دی اور کہا یہ بات من گھڑت ہے۔ کیونکہ ہمارے مرزا صاحب پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ایسی بات بیہودہ آدمی ہی کر سکتا ہے۔ اس جواب پر میرے دوست نے شرط لگانے کو کہا۔ تب میں نے حوالہ طلب کیا۔ ایک اور ملازم سلامت خان صاحب ”حقیقت الوحیٰ“ کتاب لائے۔ جس میں ”ٹیچی ٹیچی“ کا ذکر موجود تھا۔ مجھے اس پر بہت ندامت ہوئی۔ جلد ہی ”حقیقت الوحیٰ“ میں مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء کا مظہر ٹھہرایا ہے“ اور مزید یہ دعویٰ کہ ”میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں محمد اور احمد ہوں۔“ (تذکرہ صفحہ 630) پڑھ کر میں بہت حیران ہوا اور سوچا کہ پھر اللہ کو اتنے نبی بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ ایک مرزا صاحب ہی کافی تھے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے دیگر دعویٰ جات پڑھتا گیا تو مجھ پر ان کی اصل حقیقت آشکار ہوتی گئی۔ قرآن مجید کی بعض آیات کو مرزا صاحب نے اپنے اوپر منطبق کیا۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ وما یہ آیت حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالے سے نازل ہوئی تھی۔ کہ اے میرے محبوب دشمن کو پتھر آپ نے نہیں بلکہ ہم نے مارے تھے۔ میں نے سوچا کہ مرزا صاحب نے کس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ جہاد کو ویسے ہی

انہوں نے حرام قرار دیا ہے۔ اس قسم کے حوالوں نے میری آنکھیں کھول دیں۔ ''ایک غلطی کا ازالہ'' مرزا صاحب کی تصنیف کردہ کتابچہ پڑھا۔ جس کے صفحہ 6 پر انہوں نے لکھا ہے'' محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔ ''مرزا صاحب کی ''نزول مسیح'' کتاب پڑھ کر تو مجھے کسی وضاحت طلب کرنے کی یا مزید غور و فکر کی ضرورت کی گنجائش ہی باقی نہ رہی کہ جب انہوں نے اللہ کا نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنی وحی کے بارے میں کہا وہ ایسی ہی پاک وحی ہے جیسے دوسروں نبیوں پر نازل ہوتی ہے۔ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں قرار دیا۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کس قدر لغو ہے کہ قرآن مجید قادیان کے قریب نازل ہوا۔ یہ تمام حوالے پڑھ کر میرا ضمیر جاگ اٹھا۔ میں نے کسی کی تبلیغ سے یا کسی کی ترغیب سے اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ضمیر کی آواز اور دل کی پکار نے مجھے اسلام قبول کروایا ہے۔

سوال: مرزائیت کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کرنے کے بعد آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

جواب: میں نے تقریباً گزشتہ دس ماہ خود ہی قادیانی مذہب پر غور و خوض کیا۔ اب میں اپنے آپ کو صحیح مسلمان سمجھتا ہوں۔ جس دن سے اسلام قبول کیا' میں اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتا ہوں۔ یقین کریں پہلے ضمیر بوجھل تھا۔ اب روحانی سکون اور آسودگی میسر آئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے اسلام پر استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

سوال: رانا صاحب آپ کو مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٰ نے جھنجھوڑا اور آپ نے سچا دین اختیار کر لیا۔ باقی قادیانی اس طرح کیوں نہیں سوچتے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ پیدائشی مذہب والے اکثر اپنے مذاہب پر کم ہی غور کرتے ہیں۔ جس گھر میں آنکھیں کھولیں' وہی مذہب اپنایا' اختیار کیا اور اُسے سچ جان لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج کا دور مشینی ہے۔ لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اپنے مذہب پر تحقیق کریں۔ مذہبی کتابیں بہت کم لوگ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح نئی نسل بھی نام کی قادیانی ہے۔ اگر بالفرض وہ اپنے مذہب پر غور بھی کریں تو ان کو جتنی مراعات حاصل ہیں اور بطور اقلیت وہ اتنے منظم ہیں کہ کسی قادیانی کا کوئی کام نہیں رکتا۔ جبکہ مسلمان دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔

سوال: قادیانیوں کی نئی نسل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: نئی نسل کو ان سے خاص شغف نہیں۔ وہ اچھا روزگار' اچھا معیار زندگی' دنیوی آسائش اور موج میلہ چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے قادیانیوں کی نئی نسل یورپ' امریکہ' مغربی جرمنی یعنی بیرون دنیا کا رخ کئے پھرتی ہے۔ البتہ اگر نئی نسل کو قادیانی عقائد اور بالخصوص مرزا غلام احمد قادیانی کی خرافات سے آگاہ کیا جائے اور وہ اخلاص سے اس پر غور کریں تو انہیں دائرہ اسلام میں لایا جا

سکتا ہے۔

سوال: رانا صاحب قادیانی جماعت بہت پراپیگنڈہ کرتی ہے کہ ہماری تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور لوگ قادیانیت میں داخل ہو رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ قادیانی جماعت جس طرح دعویٰ کرتی ہے' اس طرح اب تک تو آدھی دنیا کو قادیانی ہوجانا چاہئے تھے۔ یہ محض پراپیگنڈہ کی حد تک ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

سوال: آپ کو یاد ہوگا مرزا طاہر بیرون ملک بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے برطانیہ میں جلاوطنی کی زندگی گزاری۔ مرزا طاہر کیوں فرار ہوئے تھے؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ میری اطلاع کے مطابق ان کے خلاف قتل کا مقدمہ درج تھا۔ حکومت انہیں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ مرزا طاہر جماعتی مشن' دینی مقصد یا اپنے مذہب کی تبلیغ یا خدمت کے لئے بیرون ملک نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان بچانے کی خاطر فرار ہوئے تھے۔ اسی سے آپ اندازہ لگائیں کہ وہ اپنی اقلیت اور مذہب کے معاملے میں کتنے مخلص تھے؟ جنرل محمد ضیاء الحق نے امتناع قادیانیت آرڈیننس نافذ کیا تھا۔ لیکن مرزا طاہر اپنی اقلیت کو بے یار و مدد گار چھوڑ کر بھاگ گئے۔

سوال: رانا صاحب اب یقیناً آپ نے قادیانی جماعت کے اندرونی نظام پر غور کیا ہوگا۔ آپ کے قادیانی جماعت کے بارے میں کیا تاثرات ہیں؟

جواب: رائل فیملی کی حکومت ہے۔ کوئی ان کے خلاف بول نہیں سکتا۔ وہ جو چاہیں کریں۔ کوئی گرفت نہیں۔ جماعت کا نظام آمرانہ اور جابرانہ ہے۔ جماعت کی قیادت کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو دبا دیا جاتا ہے۔ بس قادیانی جماعت کا منشور چندہ کا حصول اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ ہر قادیانی اپنی آمدنی کا دس فیصد جماعت کو دینے کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رائل فیملی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہے۔

سوال: آپ یہ بتائیں کہ قادیانی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے کونسے طریقے استعمال کرتے ہیں؟

جواب: پہلے تو وہ ٹارگٹ بناتے ہیں کہ کس کس مسلمان کو اپنے جال میں پھنسانا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان سے تعلقات اور دوستی بڑھانا شروع کرتے ہیں۔ انتہائی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جواب میں نرمی کو دیکھ کر گھریلو مراسم بھی پیدا کرتے ہیں۔ انہیں اپنے ہاں دعوت پر مدعو کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے شکار کو چناب نگر مرکز میں لے جائیں۔ وہاں خوب آؤ بھگت ہوتی ہے اور خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی تبلیغ شروع کرتے ہیں اور طرح طرح کے ڈورے ڈالتے ہیں کہ آپ ہمارا بیعت فارم پر کر دیں۔ جماعت آپ کی ہر طرح مدد کرے

کی۔ گھر میں کوئی نوجوان بے روزگار ہے تو یہ لالچ دیں گے کہ لڑکے کو اچھی ملازمت یا بیرون ملک بھیج دیا جائے گا۔ اس طرح مختلف قسم کی ترغیبات' تحریص اور لالچ دے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوال: رانا صاحب کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ گمراہ قادیانیوں کو کس طرح دامنِ اسلام سے وابستہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ قادیانی جماعت کے پاس بہت وسائل ہیں۔ بے دریغ دولت ہے۔ لیکن مذہب اخلاص اور کردار سے پھیلتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ قادیانیت کو اسلام کے لبادہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر قادیانیت کو قادیانیت کے نام سے پیش کیا جاتا تو یہ جھوٹا مذہب کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مسلمان ختم نبوت کا مبلغ بنے۔ اپنے دفتر میں' محکمہ میں' اپنی آبادی میں جہاں جہاں قادیانی ہیں۔ مسلمان ان کو ملیں' مرزا قادیانی کی کتابیں اور حوالہ جات دکھائیں۔ اسلام کے خلاف' انبیاء کرام کے خلاف' صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے خلاف ان کی خرافات اور ان کے جھوٹے دعوے انہیں دکھائے جائیں۔ بہت محنت کی ضرورت ہے۔ امید ہے ان کی محنت اور اخلاص ضرور رنگ لائے گا۔

سوال: چونکہ آپ کسی کی تبلیغ سے مسلمان نہیں ہوئے۔ تو پھر آپ نے قبول اسلام کے لئے اس مرکز کا خصوصاً صاحبزادہ طارق محمود صاحب کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: مولانا تاج محمود مرحوم کا نام بہت سن رکھا تھا۔ بلکہ قادیانی کہا کرتے تھے یہ مولوی ہمارے لئے بہت خطرناک ہے۔ ہوا یہ کہ دل میں جب مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا تو اتفاقاً میرے ایک دوست خالق ڈوگر صاحب جمعہ کے لئے مجھے یہاں لے آئے۔ صاحبزادہ طارق محمود کا سیرت النبی ﷺ پر بیان تھا۔ جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ دل نے فیصلہ دیا کہ اسی مرد مجاہد کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ اگلے جمعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت بخش دی کہ قادیانی قلعہ کی بنیادوں کو ہلا دینے والے مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ کے جانشین صاحبزادہ طارق محمود صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ میں شکر گزار ہوں مولانا اور نمازیوں کا جنہوں نے میرے ساتھ اس قدر محبت و پیار کا مظاہرہ کیا اور جس قدر میرا اکرام کیا گیا' میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا۔

سوال: رانا صاحب آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے قیمتی وقت نکال کر ہمیں فتنہ قادیانیت کے بارے میں بہترین معلومات فراہم کیں۔

جواب: آپ کا بھی بے حد شکریہ۔

* * *

سید راشد علی

مرزا قادیانی کے ایک عقیدت مند کی بغاوت

میر عباس علی لدھیانوی حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے۔ ان کی وفات کے بعد میر صاحب نے ایک اور مرشد کی تلاش شروع کر دی۔ یہ 1880ء کا زمانہ تھا اور انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کی طرف اپنا سفر ابھی شروع کیا تھا۔ جب مرزا قادیانی نے ان کی کتاب ''براہین احمدیہ'' اور ان کے کشفی دعوؤں کے متعلق سنا تو مزید تحقیق کیے بغیر مرزا غلام احمد کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا۔ یہ تعلق 1882ء میں اس وقت شروع ہوا جب مرزا قادیانی نے ''براہین احمدیہ'' کا تیسرا حصہ ابھی شائع کیا تھا۔ غالب امکان یہی ہے کہ میر عباس صاحب ان کے پہلے مرید تھے۔ ابھی تک کسی نے مرزا قادیانی کی بیعت نہیں کی تھی۔ مکتوبات احمدیہ کی پہلی اور سب سے ضخیم جلد ان خطوط پر مشتمل ہے جو مرزا غلام احمد نے میر عباس کو لکھے۔ میر عباس نے ایسی وفاداری اور تابعداری کا مظاہرہ کیا کہ وہ تمام احمدیوں پر سبقت لے گئے۔ آئندہ سالوں میں متعدد ایسے واقعات ہوئے جب میر عباس کے پکے یقین کو دھچکے لگے تاہم انہوں نے عقیدت مندی ترک نہ کی۔ بالآخر 9 سال تک تاریکی میں بھٹکنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور میر صاحب نے احمدیت کی تمام زنجیریں توڑ دیں اور دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حسب دستور جماعت احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکاروں نے میر صاحب کے خلاف غلیظ الزامات کی بوچھاڑ کر دی مگر میر صاحب کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی بلکہ انہوں نے مرزا غلام احمد کو کھلا چیلنج دیا کہ اپنی نبوت ثابت کرنے کے لیے انھیں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کرائیں ورنہ مرزا کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے وہ حضور کا دیدار کرائیں گے۔ لیکن مرزا غلام احمد براہ راست ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔

مرزا غلام احمد کی طرف سے میر صاحب کی تعریف

اپنے مختلف خطوط میں مرزا غلام احمد قادیانی نے میر صاحب کی تعریفوں کے پل باندھے ہیں۔ انہوں نے لکھا۔

☆ وہ لافانی ذات جس نے آپ کو یہ خلوص دیا ہے وہی ہے، جس نے خود آپ کو چنا ہے۔ (خط بتاریخ 21 مئی 1883ء مکتوبات احمدیہ جلد اول)

☆ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرا انتہائی قریبی انصار بنایا ہے۔ فدوی کو آپ کی موجودگی پر فخر ہے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو اور رحم کی مکمل تجسیم سمجھتا ہوں (خط بتاریخ 29 اکتوبر 1883ء مکتوبات احمدیہ جلد اول)

☆ وہ خوش قسمت ہے جس میں اچھائی غالب ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو بھٹکتے نہیں۔ ان کے اندر کی روشنی ان کو شیطانی تاریکی سے بچاتی ہے۔ مگر ایسے لوگ قلیل تعداد میں ہیں اور الحمد للہ میں آپ کو ان چند افراد میں سے اول درجے پر دیکھتا ہوں۔ (خط بتاریخ یکم جنوری 1884ء مکتوبات احمدیہ جلد اول)

☆ آپ کا خلوص اور عشق اپنی معراج کو پہنچ چکا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ انہی کو عطا کرتا ہے جن کو وہ چاہتا ہے۔ (خط بتاریخ 15 اپریل 1885ء مکتوبات احمدیہ جلد اول)

☆ آپ نے مذہب کو پھیلانے اور اسلام کا نام سربلند کرنے کے لیے جو مشقت کی ہے اللہ آپ سے اسی طرح راضی ہو جس طرح وہ اپنے بندوں سے راضی ہے۔ (خط بتاریخ نامعلوم مکتوبات احمدیہ جلد اول)

مزید براں اپنے ان قریبی ساتھیوں کا تعارف کراتے ہوئے، جو ان کا پیغام پھیلانے کے لیے تیار تھے، مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں لکھتے ہیں:

''حبی فی اللہ میر عباس علی لودہانوی' یہ میرے اول دوست ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیف سفر اٹھا کر ابرار اخیار کی سنت پر بقدم تجرید محض للہ قادیان میں میرے ملنے کے لیے آئے۔ وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے سچے جوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لیے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے منہ سے ہر یک قسم کی باتیں سنیں۔ میر صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو ان کے حق میں الہام ہوا تھا۔ **اصلہ ثابت و فرعہ فی السماء**۔ وہ اس مسافر خانہ میں محض متوکلانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے اوائل ایام میں وہ بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر باعث غربت و درویشی کے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خواں بھی ہیں۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں مگر بایں ہمہ سادہ بہت ہیں۔''

(ازالہ اوہام ص 791 مندرجہ روحانی خزائن ص 527-528 ج 3 از مرزا غلام احمد قادیانی)

میر صاحب کی ثابت قدمی:

اوپر میر صاحب کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کی ہر قادیانی کی نظر میں بہت اہمیت ہے تاہم اس کے علاوہ بھی مرزا غلام احمد نے میر صاحب کے بارہ میں بہت کچھ کہا ہے حتیٰ کہ مرزا غلام احمد کو میر عباس کے خلوص کے بارے میں (مبینہ) وحی بھی اتری۔

مطلب وہی ہے کہ میر صاحب اپنے عقیدے کے اس قدر پکے اور ثابت قدم ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں ان کے عقیدے میں لغزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جب میر صاحب مرزائیت سے تائب ہو کر دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو مرزا کے پیروکاروں نے مرزا غلام احمد سے استفسار کرنا شروع کر دیا کہ یہ کیوں ہوا؟ اور جب خدا تعالیٰ نے حضور (یعنی مرزا غلام احمد) کو بتایا تھا کہ اس درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں تو پھر یہ کیسے اکھڑ گئیں؟

میر صاحب کی جماعت چھوڑنے کی وجوہ:

میر عباس صاحب کی مرزائیت چھوڑنے کی کئی وجوہ تھیں۔ وہ روحانی سربلندی کے خواہاں تھے اور اس مقصد کے لیے وہ مرزا غلام احمد کے ساتھ 9 سال تک رہے۔ انہوں نے ایک پر خلوص پیروکار اور خادم بننے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جیسا کہ متذکرہ بالا تحریریں ثابت کرتی ہیں۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بجائے روحانی سربلندی کے حصول کے زیادہ تر شکوک و شبہات اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ مرزا غلام احمد نے ان کے جماعت چھوڑنے کی دو وجوہ بیان کیں۔

☆ دہلی کے مباحثوں کا میر صاحب کے دل پر الٹا اثر۔

☆ ان کے دل میں راسخ یہ غلط خیال کہ میں نیچری ہوں، معجزوں سے انکاری ہوں، شب معراج کی تردید کرتا ہوں، نبوت کا دعویدار ہوں، پیغمبروں پر بہتان تراشی کرتا ہوں اور اسلامی عقائد سے انکاری ہوں۔ (تبلیغ رسالت جلد دوئم صفحہ 82)

قارئین یہ جان جائیں گے کہ مرزا غلام احمد نے مختلف پیغمبروں کے معجزوں کو جھٹلایا تھا۔ انہوں نے یہ واقعی تحریر کیا تھا کہ نبی کریمؐ اپنے جسم اور روح کے ساتھ شب معراج کو نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں پر بہتان باندھا، نبوت کا دعویٰ کیا اور واقعتاً اکثر اسلامی عقائد سے منہ موڑا۔

مرزا صاحب کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف نیچریت کی طرف مائل تھے بلکہ ان کی ہر ادا میں تفرنج اور مغربیت کی شان ہویدا تھی۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کے جس اشتہار کا ذکر کیا ہے وہ انھوں نے دبدبہ اقبال ربی پریس لدھیانہ میں چھپوایا تھا۔ میر صاحب نے اس میں لکھا تھا کہ میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ مرزا صاحب قطعی نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کے

قطعی منکر ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم قیافہ' قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو تمام اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سرسید احمد خان اور مرزا غلام احمد کی نیچریت میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جیکٹ و پتلون ہیں اور یہ بلباس جبہ و دستار اور صوفیائے عظام کے دفتر کو درہم برہم کرنے والے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد 13' ص 382)

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب نصاریٰ کی طرح پردہ نسواں کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ حسب بیان میاں بشیر احمد صاحب ایک مرتبہ ''مسیح'' صاحب کسی سفر میں تھے۔ اسٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ (انگریز اور اس کی میم کی طرح) بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم سیالکوٹی جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی حکیم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ آپ حضرت سے عرض کر دیں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جائے۔ مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا آپ خود کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ حضور! لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو کسی جگہ الگ بٹھا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا جاؤ جی میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی عبدالکریم سر جھکائے' مولوی نورالدین کی طرف آئے۔ انھوں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے؟ (سیرۃ المہدی' جلد اوّل' ص 49)

یہ میر صاحب کی بصیرت تھی کہ انہوں نے مرزا غلام احمد کی جانب سے صریح الفاظ میں ان دعوؤں سے قبل ہی 1892ء میں بھانپ لیا تھا۔ وہ واقعہ جس نے بالآخر ان کی آنکھیں کھول دیں اور مرزائیت سے تائب ہونے کا حوصلہ دیا' وہ یہ تھا کہ ایک بار لدھیانہ میں ایک مسلمان شعبدہ باز آیا۔ انہی دنوں مرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرنا شروع کیا ہی تھا۔ وہ شعبدہ باز مرزا غلام احمد کے پاس آیا اور کہا یا تو آپ مجھے کوئی کرتب دکھائیں ورنہ میں آپ کو اپنا کرتب دکھاتا ہوں۔

مرزا غلام احمد نے جواب دیا کہ تم اپنا کرتب دکھاؤ۔

اس پر شعبدہ باز نے ایک چاقو کی مدد سے زمین میں ایک چھوٹا سا سوراخ کیا۔ اس میں چند بیج ڈالے اور پھر سوراخ بند کر کے اس پر پانی چھڑک دیا۔ کچھ ہی دیر بعد زمین سے چند پودے پھوٹ پڑے جو دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچے ہو گئے۔ پھر ان میں سے ہر ایک پر 5 سے 7 مختلف قسم کے پھول کھل گئے اور ان میں سے ہر ایک کی خوشبو الگ الگ تھی۔ اس شعبدے کا نظارہ کرنے والے تمام لوگ مبہوت رہ گئے۔ شعبدہ باز نے ایک بار پھر مطالبہ کیا۔

''مجھے کوئی معجزہ دکھایئے اور پھر میں آپ سب کو مزید شعبدے دکھاؤں گا۔''

مرزا غلام احمد نے جواب دیا۔

''میں صرف دعا کرنا جانتا ہوں، اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔'' بعد ازاں مرزا غلام احمد نے میر عباس سے کہا'' ہمیں یہ شعبدہ ضرور سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چاہے اسے سیکھنے کے لیے 100 یا 200 روپے ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑیں۔

یہ تابوت میں آخری کیل تھی۔ اس بات نے میر صاحب کے دل میں مستقل گرہ ڈال دی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ کس قسم کے مسیحا ہیں۔ یہ تو صرف ایک مادہ پرست شخص ہیں۔ اگر ان کا دل اللہ تعالیٰ کی ذرہ برابر محبت سے بھی منور ہوتا تو وہ اس شعبدہ باز کے شعبدے سے متاثر نہ ہوتے۔

میر صاحب کا مرزا غلام احمد سے اپنی نبوت کا ثبوت پیش کرنے کا مطالبہ

جب میر صاحب نے جماعت احمدیہ کو چھوڑنے کا ارادہ کیا تو حسب معمول مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکاروں کی جانب سے وضاحتوں اور میر عباس صاحب پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ مرزا غلام احمد نے میر صاحب کی تعریف و توصیف میں اترنے والی مبینہ وحی کے بارے میں طویل وضاحت کی۔ انہوں نے لکھا کہ کسی پوشیدہ نقص اور کمزوری کے باعث میر صاحب تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اس تکلیف کے باعث ان کا جذباتی لگاؤ روحانی قبض میں بدل گیا ہے، جس سے خشک مزاجی اور اجنبیت پیدا ہوئی۔ پھر میرا احترام بھی ختم ہو گیا اور احترام کے ختم ہونے سے ان کے دل پر قفل پڑ گیا جس سے بدنصیبی نے جنم لیا اور اس بدنصیبی کے باعث بہتان باندھنے' بے عزت کرنے اور مجھے کمتر ثابت کرنے کا ارادہ کیا۔

(آسمانی فیصلہ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 345)

ایک اور جگہ مرزا غلام احمد نے یوں وضاحت کی ہے:

''بالآخر ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ میر عباس علی صاحب نے 12 دسمبر 1891ء میں مخالفانہ طور پر ایک اشتہار بھی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ سو ان الفاظ سے تو ہمیں کچھ غرض نہیں، جب دل بگڑتا ہے تو زبان ساتھ ہی بگڑ جاتی ہے لیکن اس اشتہار کی تین باتوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

اول: یہ کہ میر صاحب کے دل میں دہلی کے مباحثات کا حال خلاف واقعہ جم گیا ہے۔ سو اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے میرا یہی اشتہار کافی ہے بشرطیکہ میر صاحب اس کو غور سے پڑھیں۔

دوئم: یہ کہ میر صاحب کے دل میں سراسر فاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری آدمی ہوں، معجزات کا منکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعی اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے منہ پھیرنے والا۔ سو ان اوہام کے دور کرنے کے لیے

میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنقریب میری طرف سے اس بارہ میں رسالہ مستقلہ شائع ہوگا۔ اگر میر صاحب توجہ سے اس رسالہ کو دیکھیں گے تو بشرط توفیق ازلی اپنی بے بنیاد اور بے اصل بدظنیوں سے سخت ندامت اٹھائیں گے۔

سوئم: یہ کہ میر صاحب نے اپنے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ گویا ان کو رسول نمائی کی طاقت ہے۔ چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔ میں نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ ہم دونوں کسی ایک مسجد میں بیٹھ جائیں اور پھر یا تو مجھ کو رسول کریمؐ کی زیارت کرا کر اپنے دعاوی کی تصدیق کرا دی جائے اور یا میں زیارت کرا کر اس بارہ میں فیصلہ کرا دوں گا۔

(آسمانی فیصلہ ص 37 مندرجہ روحانی خزائن ص 347 ج 4 از مرزا غلام احمد قادیانی)

اگر واقعی میر صاحب نے مسیح قادیاں کو اس قسم کا کوئی چیلنج دیا تھا' تو معلوم نہیں میر صاحب نے مرزا قادیانی کی اس تحریر کا کیا جواب دیا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ جب میر صاحب نو دس سال کی طویل مدت تک اسلام سے منقطع ہو کر مرتد ہونے والے تھے' تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس خواب میں قدم رنجہ فرماتے؟ آخر جب میر صاحب نے وادی کفر سے نکل کر ریاض اسلام میں قدم رکھا تو رویت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت یا رسول نمائی عود کر آئی۔

حسب معمول مرزا غلام احمد نے اس چیلنج کو قبول کرنے کی بجائے بہانہ بازی شروع کر دی۔ پھر مرزا غلام احمد نے میر عباس صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ ان کی محمدی بیگم سے شادی کی پیش گوئی پوری ہونے کا انتظار کریں۔

مرزا قادیانی نے لکھا:

"پیشگوئیوں کے منتظر رہیں جو ظاہر ہوں گی۔ ازالہ اوہام کے صفحہ 855 کو دیکھیں۔ ازالہ اوہام کے صفحہ 635 اور 396 کو بغور مطالعہ کریں۔ اشتہار دہم جولائی 1887ء کی پیش گوئی کا انتظار کریں۔ جس کے ساتھ یہ بھی الہام ہے ویستلونک احق هو قل ای وربی الله لحق وما انتم بمعجزین. زوجنا کها لا مبدّل لکلماتی. و ان یروا اية یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہہ کہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔ اور نشان دیکھ کر منہ پھیر لیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کوئی پکا فریب یا پکا جادو ہے۔

11-15-23-1-28-2-26-2-27-2-14-27-28

11-14-34-11-16-47-27-28-1-10-14-27-2-1

1-10-14-23-7-14-11-34-23-34-5-1-7

2-14-1-5-7-1-2-7-14-1-16-11-34-7-1-34-7-28-5-14

7-1-28-2-14

(آسمانی فیصلہ ص 40 مندرجہ روحانی خزائن ص 350 ج 4 از مرزا غلام احمد قادیانی)

قارئین! یہ دیکھیں کہ مرزا غلام احمد نے کس خوبصورتی سے حضور ﷺ کو دیکھنے یا ان کی بشارت کرنے کے معاملے سے کنی کترائی ہے۔ مرزا غلام احمد نے ایک بار پھر میر صاحب کو اپنی پیش گوئیوں اور نمبروں کی پہیلی میں پھانسنے کی کوشش کی۔ مرزا غلام احمد کی محمدی بیگم سے شادی کبھی نہ ہو سکی۔ کوئی بھی حتیٰ کہ مرزا غلام احمد قادیانی خود بھی نمبروں کی اس پہیلی کا مطلب نہیں جانتے تھے۔

◆……◆……◆

مولانا تاج محمدؒ

مرزا قادیانی اپنے جلیل القدر ''مرید'' کی نظر میں

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پٹیالوی، وہ مشہور و معروف شخصیت ہیں جو قریباً 25 برس تک مرزا غلام احمد قادیانی کے خاص الخاص، جلیل القدر مریدین میں شمار ہوتے رہے۔ مرزا صاحب کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب پر اپنا فضل وکرم فرمایا کہ 25 برس بعد مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانے میں قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام ''تفسیر القرآن بالقرآن'' لکھی۔ مرزا غلام احمد کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام تھا؟ اس کے لیے مرزا صاحب کے درج ذیل ارشادات ذہن میں رکھیے:

> ''حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہوگی، جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا۔ یہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی...... بموجب منشا حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب خصلت صدق و صفا رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں [پھر اس سے آگے مرزا صاحب تین سو تیرہ صاحبان کا نام درج کرتے ہیں، جن میں نمبر 159 پر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب کا نام ہے]''۔ (انجام آتھم ص 324 ضمیمہ، ص 40)

مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' مطبوعہ لاہور ص 808/404 پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے کہ ''حبی فی اللہ میاں عبدالحکیم خاں جوان صالح ہے۔ علامات رشد و سعادت اس کے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ زیرک اور فہیم آدمی ہیں۔ انگریزی زبان میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں۔ امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی خدمات اسلام ان کے ہاتھ سے پوری کرے گا۔''

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مرزائیت کے زمانہ میں قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی تھی۔ اس کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر صاحب کی ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ایک بے نظیر تفسیر ہے۔ جس کو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب نے کمال محنت کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ

> شیریں بیان ہے۔ اس میں قرآنی نکات خوب بیان کیے گئے۔ یہ تفسیر دلوں پر اثر کرنے والی ہے۔" (اخبار "بدر" شمارہ 38، جلد 9، 9 اکتوبر 1930ء بحوالہ فسانہ قادیان)

چونکہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو خدمت اسلام لینا منظور تھا، اس لیے 25 برس مرزائیت میں ضائع کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو توبہ کی توفیق ملی۔ ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت سے تائب ہونے کی اصل وجوہات کیا تھیں؟ اس کا تذکرہ تو آگے آئے گا۔ پہلے ہم مرزا صاحب پر بحران کے طاری ہونے کی حالت کا ذکر کرتے ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت کو چھوڑنے پر طاری ہوئی۔ لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا اگر تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا۔ اس کی تفسیر میں ذرہ بھر روحانیت نہیں اور نہ ہی ظاہری علم کا کچھ حصہ۔" (اخبار "بدر" 7 جون 1906ء بحوالہ فسانہ قادیان)

سوچنے کا مقام ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب تک مرزائی رہے، ان کی تفسیر ایک بے نظیر تفسیر تھی اور عمدہ شیریں بیان تھی، دلوں پر اثر کرنے والی تھی۔ جب مرزائیت سے تائب ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کی مذمت شروع کر دی کہ ایسا تھا، ویسا تھا، گنجا تھا، لنگڑا تھا، لولا تھا۔ تفسیر لکھنے کا نااہل تھا، روحانیت نزدیک نہ پھٹکی، ظاہری علم سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ انکشاف صداقت اور قبول حق کے لیے خدا کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے چونکہ جب تک فضل خداوندی انسان کے شامل حال نہ ہو، صراط مستقیم اور راہ ہدایت کا میسر ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ "انسان اپنی عقل میں غلطی کر سکتا ہے، لیکن خدا تو اپنی راہنمائی میں غلطی نہیں کر سکتا۔" تاریخ اسلام میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے بعد مرزا قادیانی کی طرح کئی مدعیان نبوت باطلہ پیدا ہوئے۔ جن پر ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں مردودان ازلی انسانوں نے ایمان لا کر اپنی عاقبت کو برباد کیا۔ ان جھوٹے نبیوں پر ایمان لانے والوں میں بعض بڑے بڑے لائق و قابل تھے۔ یعنی بظاہر اس قدر لائق و قابل کہ قادیانی نبوت اور خلافت ان کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں ہے اور پھر ان کذابوں اور دجالوں کو کافی ترقی اور عروج حاصل ہوا۔

چنانچہ مرزا قادیانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطرناک زمانہ پیدا ہو گیا تھا۔ کئی فرقے عرب کے، مرتد ہو گئے اور جھوٹے پیغمبر کھڑے ہو گئے تھے۔ خدا نے حضرت ابوبکر کے کاموں میں برکت دی اور نبیوں کی طرح اس کا اقبال چمکا۔ اس نے مفسدوں اور جھوٹے نبیوں کو خدا سے قدرت اور جلال پا کر قتل کیا۔ آنحضرت کے بعد چند شریر لوگوں نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا۔ جن کے ساتھ کئی

لاکھ بدبخت انسانوں کی جمعیت ہو گئی اور دشمنوں کا شمار اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ کی جماعت ان کے آگے کچھ بھی چیز نہ تھی۔ جس شخص کو اس زمانہ کی تاریخ پر اطلاع ہے۔ وہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ طوفان ایسا طوفان تھا کہ اگر درحقیقت اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا، تو اس دن اسلام کا خاتمہ تھا۔" ("تحفہ گولڑویہ" ص 93-95)

"غور کا مقام ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت حقہ کی تبلیغ کر رہے تھے، اس وقت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کیا کیا فتنے برپا کر دیے تھے۔ ایسا ہی ابن صیاد نے بہت فتنہ ڈالا تھا اور یہ تمام لوگ ہزارہا لوگوں کی ہلاکت کا موجب ہوئے تھے۔" ("مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم، نمبر 2، ص 113)

پس مرزا صاحب کے ان ہر دو مذکورہ بالا حوالوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد چند شریر اور بدمعاش اٹھے، جنھوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا اور ان کی بیعت کرنے والے بدبخت لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہو گئے۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"

("دافع البلاء" ص 10-11، "بدر" 5 مارچ 1908ء)

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ وہ جھوٹے پیغمبر، منکر اسلام تھے اور مرزائی بظاہر مصدق اسلام ہیں۔ سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جو نوعیت، دعویٰ اسلام کی اس وقت مرزائیوں کی ہے، وہی نوعیت ان کی تھی۔ یعنی جس طرح مرزائی، مرزا قادیانی کے انکار کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی مسلمانوں کو اپنے خانہ ساز پیغمبروں کے انکار کی وجہ سے کافر سمجھتے تھے۔ ورنہ اسلام کے دعویدار بظاہر وہ بھی تھے۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف خود امت مرزائیہ کو بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"مسیلمہ کذاب مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ اعمال سحریہ وغیرہ میں اس کو بڑا دخل تھا۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہو گئے تھے۔"

("ریویو" جلد 7، نمبر 6-7، ماہ جون و جولائی 1908ء، ص 226 قادیان)

مگر باوجود ان تمام ناقابل رہائی، ایمان ربا دل فریبیوں اور باطل پرستیوں کے، پھر بھی ان گرفتاران الحاد و ضلالت میں بعض اشخاص موجود ہوتے ہیں کہ جن میں فطرتی طور پر کوئی نہ کوئی نیکی اور خوبی پوشیدہ ہوتی ہے، جس کی بدولت کبھی نہ کبھی ایسے گمراہ انسان بھی خداوندان عالم کی رہنمائی میں صداقت ابدی یعنی نور اسلام کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔

ان میں سے ایک ہمارے ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کافی

عرصہ مرزا قادیانی کے مرید رہے۔ آخر ہادی برحق نے ان کی رہنمائی کی اور ان کو شمع ہدایت سے منور فرمایا۔ **ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء.**

چونکہ ڈاکٹر صاحب صدق و صفا کی خصلت رکھتے تھے اور رشد و سعادت کی علامات ان کے چہرے سے نمایاں تھیں۔ نیز خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ان سے اسلام کی خدمات لی جائیں، اس لیے ترک مرزائیت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہایت تحدی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ خداوند عالم نے بذریعہ الہام مجھے اطلاع دی ہے کہ میں صادق ہوں اور مرزا قادیانی کاذب، میں حق پر ہوں اور مرزا قادیانی باطل پر اور میرے صادق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ مرزا قادیانی میری زندگی میں ہی ہلاک ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ

"مرزا مسرف، کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہوگا۔"

("اعلان الحق و اتمام الحجۃ" ص 4، "تبلیغ رسالت" جلد 10، ص 115)

ڈاکٹر صاحب کا کیسا واضح اور صاف الہام ہے کہ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہوگا۔ اب اس میں کسی تاویل وغیرہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو کاذب اور شریر ہوگا، وہ پہلے مرے گا۔

اب مرزا صاحب نے دیکھا کہ وہ شخص جس کو میں نے کل دنیا کے سامنے اپنے دعویٰ مہدویت میں بطور ایک دلیل کے پیش کیا تھا، آج وہ شخص نہ صرف مجھ سے منحرف ہی ہو گیا ہے، بلکہ میری مہدویت پر ضرب کاری لگاتا ہوا اور اس کو باطل کرتا ہوا نہایت تحدی سے یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ وہ صادق اور میں شریر ہوں اور اپنی صداقت کا معیار پیش کرتا ہے کہ میں اس کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اب مرزا جی نے "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود" کی مثال کے مطابق ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے مقابلے میں جواب شائع کیا۔ مگر کرشمہ قدرت دیکھیے کہ وہ جواب بھی برق آسمانی بن کر مرزا جی کے خانہ ساز دعویٰ مہدویت اور نبوت کو خاکستر کر کے رکھ گیا۔

اب جواب ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> "اس امر سے اکثر لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب، بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے۔ چند برس سے مجھ سے برگشتہ ہو کر سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجال میں میرا نام کذاب، مکار، شیطان، دجال، شریر، حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن، شکم پرست، نفس پرست، مفسد، مفتری اور خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ گویا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ ان تمام بدیوں کا مجموعہ میرے سوا کوئی نہیں گزرا اور پھر اس پر کفایت نہیں کی بلکہ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے بارہ لیکچر دیے اور انواع و اقسام کی بدیاں عام جلسوں

میں میرے ذمہ لگائیں اور میرے وجود کو دنیا کے لیے ایک خطرناک شیطان سے بدتر ظاہر کیا اور پھر میاں عبدالحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک لیکچر کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے، کہ یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائے گا، کیونکہ وہ کذاب اور مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیشین گوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو 14 اگست 1906ء ہے۔ پھر اس کا خط آیا ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ 12 جولائی 1906ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونے کی خبر مجھے دی ہے کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔ جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب میں بھی اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا، کہ جو کچھ خدا نے اس کی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے، میں بھی شائع کروں۔ کیونکہ اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذاب ہوں، تو اس صورت میں تمام بدکرداروں سے بڑھ کر سزا کے لائق ہوں تا کہ لوگ میرے فتنہ سے نجات پائیں۔

وہ پیش گوئی جو خدا کی طرف سے میاں عبدالحکیم خان صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں، ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ۔"

(المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود قادیانی، 16 اگست 1906ء "تبلیغ رسالت" جلد 10 ص 113)

مرزا قادیانی نے کہا کہ خدا نے مجھے فرمایا:

"میں رحمان ہوں، میری مدد کا منتظر رہ اور اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ لے گا اور پھر فرمایا کہ میں تیری عمر کو بھی بڑھا دوں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی 1907ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ میں اس کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا تا کہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں، یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے، جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست کا بیان فرمایا ہے اور دشمن جو میری موت چاہتا ہے، وہ خود میری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا۔" (خاکسار مرزا غلام احمد، 5 نومبر 1907ء، "تبلیغ رسالت" جلد 10، ص 131)

"آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام عبدالحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور وہ ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی

> میں ہی 4 اگست 1908ء تک ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے۔... اس نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی 4 اگست 1908ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔"

(''چشمہ معرفت'' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 321 مندرجہ روحانی خزائن ج 23 ص 337)

حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ آپ کے سامنے ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کا یہ الہام کہ صادق کے سامنے شریر ہلاک ہوگا۔ حرف بحرف پورا ہوا اور مرزا جی کا الہام کہ میرا دشمن یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا اور خدا میری عمر کو بڑھا دے گا، ازسرتاپا غلط ثابت ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب 26 مئی 1908ء بمقام لاہور بمرض ہیضہ ہلاک ہو گئے۔

(دیکھو ''بدر'' 2 جون 1908ء و ''حیات ناصر'' ص 14)

اور جناب ڈاکٹر صاحب موصوف 1919ء کو اپنی طبعی موت سے انتقال فرما کر اپنے ہادی برحق سے جا ملے۔

ڈاکٹر صاحب نے مرزائیت سے تائب ہونے کے وجوہات ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کے آخری ایڈیشن میں صفحہ 244 تا صفحہ 290 یاعیسیٰ انی متوفیک کی تفسیر کے تحت تحریر فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان درج کرنے سے پیشتر مولوی دوست محمد شاہد مولف ''تاریخ احمدیت'' کا بیان بھی پڑھ لیجئے، جو ''تاریخ احمدیت'' جلد چہارم، ص 178 پر درج ہے کہ

> ''ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے جو اپنے عقیدہ کی وجہ سے کہ نجات کا دار و مدار صرف ایمان توحید و قیامت پر ہے جماعت سے خارج کیا گیا۔''

''تاریخ احمدیت'' جلد چہارم، ص 178 کی مندرجہ بالا عبارت ہی دراصل اس مضمون کی محرک ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مرزائیت سے تائب ہونے کے وجوہات خود ان کی زبانی سنیے۔ لکھتے ہیں:

> ''عرصہ 25 سال تک میرا یہی عقیدہ رہا کہ مسیح علیہ السلام جو رسول تھے فوت ہو چکے ہیں اور بڑی ارادت کے ساتھ میں مرزا صاحب کا مرید رہا۔ ان کے عیب اور خطاؤں کو بشری کمزوریوں پر محمول کرتا رہا۔ عالم قرآن اور مزکی خلق ہونے کی

نسبت خالی دعوے سنتا رہا مگر نہ کبھی قرآنی مشکل ہی ان کی طرف سے حل ہوئی نہ کوئی نکتہ معرفت ایسا سنا جو مجھے اپنے طور پر معلوم نہ ہوا ہو، نہ ان کی صحبت میں تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کے خاص تاثیر دیکھی، جو غیبت میں میسر نہ آئی۔ پھر بھی حسن عقیدت کے طور پر قریباً بیس روپے ماہوار سے حتی الامکان ان کے لنگر، سکول، اخبارات اور کتب وغیرہ کی امداد کرتا رہا۔ اردو، انگریزی تفاسیر اور تذکرۃ القرآن ہزاروں روپے کے صرف سے ان کی تائید میں شائع کرتا رہا۔ حسن عقیدت کے غلبہ نے کبھی کچھ سوچنے نہ دیا۔ ذکر مرزا کی وجہ سے عام مسلمان میری تفاسیر اور دینی رسائل سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اکثر منصف مزاج اور غیر متعصب اشخاص جنھوں نے میری دینی تصانیف کو پڑھا تو وہ ان سے بہت مستفید اور محظوظ ہوئے اور میرے نام لکھتے رہے کہ مرزا صاحب کے متعلق جو مضامین ان تفاسیر میں ہیں، ان کو نکال دیں تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں مگر میں نے ان کی تحریروں پر کچھ خیال نہ کیا۔

جماعت احمدیہ میں مرزا کے اذکار کا جوش ایسا غالب ہوگیا کہ تسبیح تقدیس اور تحمید تمجید باری تعالیٰ قریب قریب مفقود ہوگئے یا محض برائے نام رسمی طور پر رہ گیا اور سوائے اس ایک مسئلے (حیات و وفات مسیح علیہ السلام) کے اور تمام قرآنی تعلیموں کا چرچا جاتا رہا اور جس ایک ہی مسئلہ کا مذاق رہ گیا کہ گویا پرستش باری تعالیٰ کی بجائے مرزا صاحب کی پرستش قائم ہوگئی اور عملی طور پر ان کا کلمہ الا المرزا ہوگیا کیونکہ الا میں معبود و مطلوب وہی ہے۔ جس قدر میں اس بات پر زور دیتا تھا کہ کوئی شخص کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ قرآن مجید کے تمام مسائل پر علی التناسب زور نہ دیا جائے ایک ہی مسئلہ (حیات و وفات مسیحؑ) پر تن جانا اور اسی کو تمام امور پر غالب اور مقدم کرنا ایک قسم کا جنون اور سخت فسادات کی بنا ہے۔ مگر وہ مرزا کے دیوانے کب سنتے تھے۔

جن بناء پر میں عقیدہ مسیحیت و مہدویت و مجددیت مرزا صاحب سے تائب ہوا ہوں، وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:۔

1- تمام مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کو نہ مانیں، خارج از اسلام اور جہنمی قرار دینا اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام بتلانا۔

2- جب اہالیان سیالکوٹ نے ایک تحریک پیش کی کہ لنگر کی آمد و خرچ کے اہتمام کے واسطے ایک کمیٹی مقرر ہونی چاہیے تو آپ (مرزا) نے طیش میں آ کر جواب دیا کہ

میں کسی کا خزانچی ہوں۔

3- جب یہ تحریک پیش ہوئی کہ لنگر کا انتظام توجہ طلب ہے۔ مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے تو از خود رفتہ ہو کر جواب دیا کہ کیا میں بھٹیاری ہوں؟

4- یہ (مرزا غلام احمد) ایمان، ملک یوم الدین کا معطل کنندہ ہے کیونکہ نجات مرزا غلام احمد کے ماننے پر ہی منحصر ہے۔ غور کرو مساوات جبریہ پر............

خدا کا ماننا + اعمال صالحہ + مرزا پر ایمان = نجات

خدا کا ماننا + اعمال صالحہ - مرزا پر ایمان = نجات

خدا کا ماننا + اعمال صالحہ = یعنی ہیچ

پس آپ کا کلمہ یہ ہوا لا الٰہ الا المرزا! کیونکہ نجات اللہ کے ماننے اور اعمال صالحہ پر نہیں بلکہ مرزا کے ماننے پر ہے۔ خدا کا ماننا اور اعمال صالحہ سب ہیچ ہیں۔

5- آپ تو تمام دنیا کو جہنمی بنانے کے لیے اتنا بھی نہیں پوچھتے کہ تیرے پاس ہم پر ایمان لانے کے لیے کافی دلائل پہنچے یا نہیں۔ پھر تو کس وجہ سے مخالف ہے۔ کیوں نہ ہو آسمانی حکم جو ہوئے۔ کچھ تو سوچو۔ خداوند عالم، قرآن مجید اور اسلام کو کیوں ذلیل کرتے ہو۔ براہ خدا ایک دفعہ تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ کیا تمام دنیا پر آپ خود تبلیغ کر چکے یا آپ کے مرید ہر فرد بشر کو آپ کی مسیحیت کا قائل کر چکے، نہیں ہرگز نہیں بلکہ عدم تبلیغ کے مجرم آپ اور آپ کی جماعت میں جو ایسے احکام کو دبائے ہوئے گھر بیٹھے ہیں اور تمام دنیا کو سرکش اور کافر بنا رہے ہیں۔

6- مرزا صاحب کا یہ مسئلہ کہ میرے ماننے کے بغیر نجات نہیں۔ رب العالمین کی ربوبیت عامہ اور الرحمان الرحیم کی رحمانیت ورحیمیت تامہ کو پامال کرنے والا اور کل عالم کی سعید فطرتوں اور نیک عملوں پر جھاڑ پھیرنے والا ہے۔ یہ مسئلہ کہ خدا کا ماننا اور اعمال صالحہ اس وقت تک ہیچ ہیں جب تک کہ مرزا کو مدار نجات نہ مانا جائے۔ محض قرآن وحدیث اور عقل سلیمہ کے خلاف ہے۔

7- قرآن، حدیث اور تیرہ سو سالہ اسلام کو مردہ قرار دینا۔

8- سید المرسلین اور خلفائے راشدین کی سخت توہین ہے کہ ان کے مدفن تو بہشتی مقبرہ نہ بنیں اور غلام احمد کا مدفن بہشتی مقبرہ بن جائے۔

9- بے چارے مولویوں کو، جو محض اسلام کی خاطر آپ کے خلاف کر رہے ہیں، ان کو ولد الحرام، خنازیر، کورچشم، شیطان، حرامزادہ، اوباش، لومڑی، دجال، چوہڑے

چمار، سور اور بندر زندیق قرار دینا، کیا یہ عمل مرزا صاحب کا واجب الاطاعت ہے۔ ہم دن رات لوگوں کو فحش گالیاں نکالا کریں یا قرآن کریم کی اطاعت کریں۔

10- اس امر میں کیا مرزا صاحب کی متابعت چاہیے یا احکام قرآنی اور ارشادات سیدالمرسلین کی اطاعت، جن میں حج کی بابت سخت تاکید ہے۔

11- کیا سب مسلمان ایسا ہی کریں یا احادیث صحیحہ کی تہذیب سے ڈریں۔

12- اپنی کتابوں کے لیے رقم زکوٰۃ طلب کرنا اور کتابوں کی قیمت اصل مصارف سے سہ چند اور چہار چند رکھ کران کا نفع اپنے صرف میں لانا۔

13- ''ازالہ اوہام'' میں مسیح علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر طنزاً کہا گیا ہے کہ یہ بھی کچھ پیش گوئی ہے کہ زلزلے آئیں گے، مری پڑے گی، لڑائیاں ہوں گی، قحط پر قحط پڑیں گے۔ پھر ایسی پیش گوئیوں کو عظیم الشان بتایا جا رہا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے معجزات کو مسمریزم کرشمے بتایا۔

14- البدر 23 جنوری میں شائع کیا کہ ہر ایک بیعت کنندہ پر فرض ہے کہ حسب توفیق ماہواری یا سہ ماہی لنگر خانہ میں چندہ روانہ کرتا رہے۔ ورنہ ہر تین ماہ کے بعد اس کا نام بیعت سے خارج ہوگا۔ کیا تمام انبیاء ایسے ہی پیٹ گزارا کرتے تھے۔ اس حساب سے جو بے چارہ نادار چندہ نہ دے سکے وہ گویا اسلام سے خارج اور جہنم میں جھونکا جائے گا۔

میں نے چند ضروری تجاویز پر ایک ضروری خط و کتابت شروع کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا قادیانی نے مجھ کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ یہ خط و کتابت علیحدہ بنام الحکم نمبر 4 شائع ہو گئی ہے۔ چونکہ 13 مئی کو میں نے ایک خواب کی بناء پر یہ بھی شائع کر دیا تھا کہ جب تک مرزا صاحب اپنی موجودہ زیادتیوں کا علاج کر لیں، میں اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔''

محترم قارئین کرام! یہ تھیں وجوہات جن کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب پٹیالوی مرزائیت سے تائب ہوئے۔ ہمارے خیال میں علاوہ ان وجوہات کے سب سے بڑی وجہ جو اختلافات کا باعث بنی، وہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد مسلمانوں کو کافر کیوں کہتا ہے؟

مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے نے ''کلمتہ الفصل'' ص 49 پر ٹھیک لکھا ہے کہ

> ''حضرت مسیح موعود نے عبدالحکیم خاں کو جماعت (مرزائیہ) سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔''

* * *

- وہ محکم فیصلے جن کا ہر لفظ قول فیصل، ہر سطر برہان قاطع اور ہر جملہ شاہد عدل ہے۔
- وہ تاریخ ساز فیصلے جنہوں نے ملت کی بے زمام ناقہ کو منزل تک پہنچانے میں مہمیز کا کردار ادا کیا۔
- وہ شفاف فیصلے جو کذب کو صداقت کا آئینہ دکھاتے ہیں۔
- وہ عہد آفریں فیصلے جنہوں نے حق و باطل کے مابین خط امتیاز کھینچ کر رکھ دیا۔
- وہ واضح فیصلے جنہوں نے جعلی نبوت کے پیروکاروں کے چہروں پر پڑے نفاق کے ہر نقاب کو الٹ دیا۔
- وہ آئینہ صفت فیصلے جس میں قادیانی گروہ کا سربراہ مرزا طاہر اور اس کے پیروکار اپنا اصل چہرہ دیکھ کر تلملا اٹھے۔
- وہ دو ٹوک فیصلے جنہیں تحریر کرتے ہوئے فاضل منصفین کے قلم شمشیر صدیقیؓ اور درہ فاروقیؓ کا روپ دھار گئے۔
- وہ مبنی برحق فیصلے جو باطل [illegible] کے لیے [illegible] ہے۔
- وہ ایمان پرور فیصلے جو ہر مسلمان کے رگ و پے میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں رخشندہ کرتے ہیں۔
- وہ جرأتمندانہ فیصلے جو وطن عزیز میں دہشت گردی کے مرتکب "قادیانی مافیا" کیلئے احتساب کے کٹہرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عدالتی فیصلے

- قادیانیوں کی زہریلی سازشوں اور تخریبی کارستانیوں کی لرزہ خیز روداد ہے۔
- قادیانیوں کی طرف سے شان رسالت ﷺ میں توہین، قرآن مجید اور کلمہ طیبہ میں تحریف، شعائر اسلامی کا تمسخر، آئین کا مذاق اور قانون کی خلاف ورزیوں کا وہ حقائق نامہ ہے جس نے ہر قادیانی کو رسوائے زمانہ گستاخ رسول "سلمان رشدی" قرار دیا ہے۔
- ججوں، سیاستدانوں، آئین شناسوں، وکیلوں، صحافیوں، دانشوروں، علماء، اور طالب علموں کے لیے ایک راہنما کتاب کا کام دیں گے۔

صفحات -/536 قیمت -/200

قادیانیت

اُس بازار میں

ترتیب و تحقیق:

محمد متین خالد

یہ کتاب محض ایک روایتی کتاب نہیں.... یہ کوزے میں سمندر اور قطرے میں دجلہ کی مظہر ہے۔ یہ کتاب قادیانی جماعت کے بانی مرزا قادیانی' اس کی اولاد' نام نہاد خلیفوں اور دیگر قادیانیوں کی مستند تصانیف اور انہی کے اخبارات و رسائل میں مطبوعہ غلیظ و شرمناک عبارتوں اور رکیک و کریہہ حماقتوں کے ناقابل تردید عکسی و دستاویزی شواہد لیے ہوئے ہے۔ قادیانی جرائم کے یہ ثبوت اتنے واضح ہیں کہ دنیا کی کسی بھی عدالت میں ان عکسی دستاویزات کی صداقت کو چیلنج کرنا کسی بھی قادیانی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں اس کتاب میں درج تمام حوالہ جات اور عکسی شواہد کی ثقاہت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد سمیت دنیا کے تمام قادیانیوں (بشمول لاہوری گروپ) کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں موجود کوئی بھی عکس غیر حقیقی یا ایک بھی حوالہ من گھڑت پایا جائے تو مؤلف ہر قسم کی سزا پانے کے لیے تیار ہے! بصورت دیگر انہیں ضد اور ہٹ دھرمی کی تاریک راہ چھوڑ کر اسلام کی کشادہ آغوش میں آجانا چاہیے۔

اس وسیع و عریض کرۂ ارض پر...... ہے کوئی
جگر دار قادیانی جو اس چیلنج کو قبول کرے!

صفحات/300 قیمت/-150

عالمِ اسلام کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

ثبوت حاضر ہیں!

قادیانیوں کے بدترین کفریہ عقائد و عزائم پر مبنی عکسی شہادتیں

ترتیب و تحقیق:

محمد متین خالد

ہوشربا انکشافات

حیرت انگیز معلومات

یہ ایک ایسی تاریخی و تحقیقی کتاب ہے

- جو قادیانیوں کی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائیوں اور گستاخیوں کے مستند دستاویزی ثبوت لیے ہوئے ہے۔
- جسے کئی سال کی شبانہ روز انتھک محنت کے بعد مکمل کیا گیا ہے
- جس میں قادیانی کتب اور اخبارات و رسائل کے ۵۰ ہزار سے زائد صفحات کھنگالنے کے بعد قادیانیوں کے مذموم عقائد و عزائم کے تحریری ثبوت یکجا کر دیے گئے ہیں۔
- جس کے مطالعے سے ہر قادیانی اپنے عقائد کی حقیقت اور بھیانک تصویر دیکھ کر راہ ہدایت پا سکتا ہے۔
- جو سادہ لوح مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کے لیے ایک مؤثر ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔
- جس کا مطالعہ علماء، خطباء، وکلاء، اساتذہ اور طلباء کو فتنۂ قادیانیت کے خلاف مضبوط دلائل اور ٹھوس معلومات کا ذخیرہ فراہم کرے گا!
- جسے قادیانیت کے خلاف ہر عدالتی مقدمہ، بحث اور مناظرہ میں مستند حوالے کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔
- جسے تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام اور نامور اہل علم و دانش کی خواہش اور سرپرستی میں تیار کیا گیا۔

سارے راز بے نقاب

قادیانیت پر مکمل انسائیکلوپیڈیا

[illegible]

صفحات-/872 قیمت-/300

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336-7352332
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

حقوقِ انسانی کی آڑ میں

اسلام مخالف اور پاکستان دشمن
این جی اوز کا بھیانک کردار

ترتیب و تحقیق
محمد متین خالد

نامور سکالرز اور دانشوروں کے اِنکشافاتی قلم سے چیختے حقائق

پاکستانی تاریخ کے سربستہ راز پہلی بار بے نقاب ہوتے ہیں!

- انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار این جی اوز نے امریکہ، اسرائیل، روس اور بھارت وغیرہ کی طرف سے عالم اسلام کے خلاف روا رکھی جانے والی بھیانک سازشوں اور ہولناک جنگوں پر مجرمانہ چپ کیوں سادھ رکھی ہے؟
- پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنے، افواجِ پاکستان کا امیج مسخ کرنے، محسنِ پاکستان ڈاکٹر قدیر کی علامتی قبر بنانے، بھارتی ایٹمی دھماکوں پر خوشیاں منانے اور اسرائیل کو تسلیم کرانے کی گھناؤنی سازشی مہم کے پسِ پردہ کون ہے؟
- آئینِ پاکستان میں موجود اسلامی شقوں، مسلمہ مسلم اقدار، حجاب آموز مشرقی روایات اور مربوط خاندانی نظام کی بیخ کنی کس کی شہ پر کی جا رہی ہے؟
- غیر ممالک سے ملنے والے اربوں روپے کے فنڈز کس کس پردہ نشیں نے کیسے خُرد برد کیے؟
- لسانی، علاقائی، مسلکی اور صوبائی تعصبات کی پرچار کٹھ پتلی این جی اوز کی ڈوری کون ہلا رہا ہے؟
- چائلڈ لیبر کی آڑ میں وطنِ عزیز کی مستحکم معیشت و تجارت کو تباہ کرنے کے درپردہ مقاصد کیا تھے؟
- کن این جی اوز کے دفاتر اور اعلیٰ عہدیداروں کے گھر ملکی و غیر ملکی شخصیات کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مے خانوں اور قحبہ خانوں کا روپ دھارتے رہے؟
- اسقاطِ حمل کو عورت کی صحت و حسن کا ضامن، کنڈوم کلچر کو اکیسویں صدی کا تشخص اور ہم جنس پرستی کو شخصی آزادی قرار دینے کی تحریک کے پس پردہ کون سے عوامل و عناصر کارفرما ہیں؟
- طوائف کو ''آداب و تہذیب'' کی ''معلّمہ'' اور ''جنسی محنت کش'' کے القابات دینے اور ''کوٹھا کلچر'' کو ''فروغ ثقافت'' کا نام دینے کے درپردہ مقاصد کیا ہیں؟

پاکستان کے دشمنوں کو پہچاننا اور ان کے عزائم
کو ناکام بنانا ہر محبّ وطن پاکستانی کا فرض ہے

یہ کتاب یقیناً آپ کی رہنمائی کرے گی!!!

پادریوں کے کرتوت

ترتیب و تحقیق **محمد متین خالد**

- پوپ جان پال نے تنہائی میں ملاقات کے دوران امریکی صدر بُش سے کیا درخواست کی؟
- عیسائیوں کے کون کون سے اعلیٰ مذہبی عہدیدار "ایڈز" میں مبتلا ہیں؟
- قتل، زنا، اسقاط حمل اور چوری کے گناہ گرجوں میں پادری کتنی ادائیگی پر معاف کر دیتے ہیں؟
- کون کون سے نامور پادری ہم جنس پرستی میں مبتلا ہیں؟
- شیطانی کرتوتوں اور جنسی سیاہ کاریوں کے باوجود پادریوں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟
- کون سے بڑے بشپ فنڈز کی خورد برد، طوائفوں کی سرپرستی اور منشیات کے دھندے میں ملوث ہیں؟
- کمسن بچوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں کی گھناؤنی وارداتوں کے مرتکب پادریوں نے "متاثرین" کو کتنی رقم ادا کی؟
- کتنی راہبائیں (Nuns) اسقاط حمل کے نتیجے میں ہلاک ہوئیں؟
- انٹرنیٹ پر بچوں کی برہنہ تصاویر جاری کرنے کے پیچھے اصل محرکات کیا تھے؟
- کس کس پادری کے کتنے ناجائز بچے کہاں کہاں ہیں؟
- پوپ کا ناجائز بیٹا کس طرح اعلیٰ مذہبی عہدے تک پہنچا؟
- "ویلنٹائن ڈے" کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تہلکہ انگیز انکشافات... ہوش رُبا تفصیلات... پہلی بار منظر عام پر